تفسیر مظہری

تالیف
حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات
مولانا سید عبدالدائم الجلالی

دارالاشاعت

تفسیر مظہری

جلد پنجم

سورۂ انفال سے سورۂ یونس تک
پارہ ۹ رکوع ۱۵ تا پارہ ۱۱ رکوع ۱۶

تالیف
حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی
تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات
مولانا سید عبدالدائم الجلالی
رفیق ندوۃ المصنفین

ناشر
دارالاشاعت
اردو بازار کراچی ۱ ـــــ فون ۲۱۳۷۶۸

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔

ضخامت : صفحات در ۶ جلد

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت العلوم 26- نابھہ روڈ لاہور

کشمیر بک ڈپو۔ چوک بازار فیصل آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

تفسیر مظہری اردو جلد پنجم

سورۃ انفال

اس میں ۷۶ یا ۷۷ آیات ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ سے سات آیات تک کی ہیں، مکہ میں ان کا نزول ہوا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ مکہ کا ہے مگر آیات کا نزول مدینہ میں ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، حاکم، ابن حبان، عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن عابد، بن مردویہ اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کا دن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی (دشمن) کو قتل کرے گا اس کو یہ یہ ملے گا اور جو کسی کو قید کرے گا اس کو یہ یہ ملے گا۔

ابن مردویہ نے کلبی کی وساطت سے بروایت ابو صالح اور عطاء نے ابن عجلان کی وساطت سے بروایت عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ کے بیان کے موافق حدیث کے الفاظ اس طرح بیان کئے ہیں جو کسی (دشمن) کو قتل کر دے گا اس سے چھینا ہوا مال (یعنی اسلحہ اور لباس) اسی کا ہو گا اس فرمان کے بعد بوڑھے لوگ تو جھنڈوں کے لئے جمے رہے اور جوان تیزی کے ساتھ قتل کرنے اور لوٹنے کی طرف بڑھے بوڑھوں نے جوانوں سے کہا ہم کو بھی اپنے ساتھ (مال غنیمت میں) شریک کر لو ہم تمہاری پشت پر تھے اگر تم سے پیچھے ہو جاتا (یعنی بھاگنا پڑ جاتا) تو تم ہماری ہی طرف آتے، غرض دونوں فریقوں نے اپنا جھگڑا حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا ابوالیسر دو آدمیوں کو قید کر کے لائے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہم سے (یہ یہ) وعدہ کیا تھا اس پر سعد بن معاذؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا آپ نے (سب کچھ) ان لوگوں کو دے دیا اور آپ کے (خاص) ساتھیوں کے لئے کچھ بھی نہ بچا ہم اس (میدان جنگ) میں گھسنے سے اس وجہ سے باز نہیں رہے تھے کہ آخرت کی ہم کو طلب نہ تھی یا ہم دشمن سے ڈرتے تھے یا زندگی ہم کو زیادہ پیاری تھی اور ہم جان دینے میں بخیل تھے جیسا ہمارے بھائیوں نے کیا ہم بھی کر سکتے تھے مگر بات یہ تھی کہ ہم نے دیکھا آپ تنہا رہ گئے ہیں ہم نے گوارا نہ کیا کہ آپ کو جان جوکھوں کے مقام میں تنہا چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں، آپ کی حفاظت کرنے کے لئے ہم یہیں ٹھہرے رہے کہیں پیچھے سے دشمن آپ پر نہ آ پڑیں۔ خلاصہ یہ کہ لوگوں میں خوب اختلاف ہوا اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

آپ سے یہ لوگ مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ اموال غنیمت تو اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہیں پس اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو اور باہمی تعلقات درست رکھو اور اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلو۔

انفال نفل کی جمع ہے نفل کا معنی ہے مال غنیمت (مفت کا مال)، مال غنیمت کو نفل (مال زائد) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ محض خداداد ہوتا ہے جو اللہ اپنی مہربانی سے عطا کرتا ہے (نہ تجارت و زراعت و صنعت کے ذریعہ سے حاصل کردہ ہوتا ہے نہ میراث وہبہ کے ذریعہ سے حاصل شدہ) مطلب یہ ہے کہ مسلمان آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ مال غنیمت کس کا ہے کون اس کا مستحق ہے آپ

ان سے کہہ دیجئے کہ مال غنیمت کی ملکیت تو اللہ کی ہے اور تصرف کرنے کا حق رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق اس کو تقسیم کرتے ہیں۔ ائمہ حدیث نے مندرجہ بالا آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے مال غنیمت کا اختیار لوگوں کے ہاتھوں سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا اور رسول اللہ ﷺ نے سب مسلمانوں کو برابر تقسیم کر دیا اللہ سے ڈرنے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرنے اور باہمی تعلقات کو درست رکھنے کا یہی مفہوم ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی باہمی اختلاف اور پھوٹ پیدا کرنے سے پرہیز کرو اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور مال غنیمت وغیرہ کے متعلق جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کلام سابق چونکہ جزا کے مفہوم پر دلالت کر رہا ہے اس لئے جزا کے مزید ذکر کی ضرورت نہیں فقط شرط کا ذکر کافی ہے یعنی تم کامل الایمان ہو تو جیسا حکم دیا جا رہا ہے ویسا کرو کمال ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ احکام کی اطاعت کی جائے نافرمانی سے پرہیز رکھا جائے انصاف ہو یا احسان یا اپنے حق سے دست برداری کسی صورت سے ہو آپس کے تعلقات کو بگڑنے نہ دیا جائے بیضاوی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا کہ جس کو مال غنیمت حاصل ہو گا رسول اللہ ﷺ اسی کو وہ مال عطا فرما دیں گے یہ فرمان سن کر جوان تو میدان کی طرف بڑھ گئے ستر آدمیوں کو قتل کر دیا اور ستر کو قید کر لائے اور جو مال غنیمت لے کر آئے تھے اس کے طلب گار ہوئے مگر مال تھوڑا تھا وہ بوڑھے مشائخ اور سردار جو جھنڈوں کے پاس سے نہیں ہٹے تھے وہیں اپنی جگہ جمے رہے تھے ان کو کچھ مل نہ سکتا تھا اس پر ان حضرات نے جوانوں سے کہا ہم جھنڈوں کے پاس تمہارے لئے پشت پناہ رہے تم میدان سے سمٹ کر ہماری طرف ہی آسکتے تھے (اس لئے ہم کو بھی حصہ دو) اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے سب کو برابر برابر تقسیم کر دیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اسی سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ امام سپاہیوں سے جو وعدہ کرلے اس کو پورا کرنا لازم نہیں (بلکہ آئندہ مصلحت کے موافق جیسا چاہے کر سکتا ہے) امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

ابن ابی شیبہؒ امام احمدؒ عبد بن حمید اور ابن مردویہؒ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کی لڑائی ہوئی تو میرا بھائی عمیر شہید ہو گیا اور میں نے سعید بن عاص کو قتل کر کے اس کی تلوار جس کو ذوالکتیفہ کہا جاتا تھا لے لی اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مشرکوں کی طرف سے اللہ نے آج میرا دل ٹھنڈا کر دیا اور یہ تلوار مجھے مال غنیمت میں عطا فرما دی اور میں وہی ہوں جس کو آپ جانتے ہیں (یعنی میری شجاعت اور ایمان کی پختگی سے آپ واقف ہیں اس لئے اس تلوار کا مستحق ہوں) فرمایا یہ تلوار نہ تیری ہے نہ میری اس کو رکھ دے میں نے رکھ دی اور دل میں کہا شاید رسول اللہ یہ تلوار ایسے آدمی کو دے دیں گے جس کے کارنامے میری طرح نہ ہوں گے اس خیال سے میں کچھ جھجکا مگر حضور ﷺ نے فرمایا جا کر اس کو مال غنیمت میں رکھ دے مجھے یہ سن کر رنج ہوا جو صدمہ مجھے اپنے بھائی کے شہید ہونے اور دشمن سے چھینے ہوئے مال کو مال غنیمت میں داخل کیے جانے کا تھا اس کو خدا ہی جانتا تھا مجبوراً جب میں لوٹ کر تلوار کو مال غنیمت میں ڈالنے لگا تو میرے نفس نے پھر مجھے برا کہا جس کی وجہ سے میں پھر لوٹ کر گیا اور عرض کیا یہ مجھے ہی عنایت فرما دیجئے۔ حضور ﷺ یہ سن کر مجھ پر چیخ پڑے اور میں ہٹ آیا۔ تھوڑا سا ہی ہٹا تھا کہ سورۃ الانفال نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جا کر اپنی تلوار لے لے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ فوراً رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تو نے مجھ سے (وہ تلوار) مانگی تھی مگر اس وقت وہ میری نہ تھی اب وہ میری ہو گئی لہٰذا اب وہ تیرے لئے ہے۔

بخاری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ سعدؓ بن جبیر کی روایت ہے حضرت سعدؓ اور ایک انصاری شخص مال غنیمت چھیننے کے لئے نکلے دونوں کو ایک تلوار پڑی ملی دونوں تلوار پر ٹوٹ پڑے سعدؓ نے کہا یہ میری ہے اور انصاری نے کہا میری ہے میں نہیں دوں گا رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو دونوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر قصہ عرض کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا سعدؓ وہ نہ تیری ہے نہ انصاری کی اس پر آیت یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الخ نازل ہوئی پھر یہ آیت دوسری آیت یعنی وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى سے منسوخ کر دی گئی۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ انفال یعنی مال غنیمت کا خالص اختیار رسول اللہ ﷺ کو تھا مال غنیمت میں کسی کا کچھ نہ تھا مسلم مجاہدین کو جو کچھ ہاتھ آتا وہ لا کر پیش کر دیتے اگر ایک سوئی دھاگہ بھی روک لیتے تو وہ چوری ہوتی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مال غنیمت میں سے کچھ ہم کو عنایت فرما دیجئے اس پر نازل ہوا يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ...اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ تک یعنی اللہ فرماتا ہے کہ مال غنیمت میرا ہے میں نے اپنے رسول کے اختیار میں دے دیا ہے تمہارا اس میں کچھ نہیں ہے تم اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس کے تعلقات میں بگاڑ نہ پیدا ہونے دو اس کے بعد نازل فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ...... فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ تک پھر پانچواں حصہ تو رسول اللہ ﷺ کا قرابت داروں کا مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کا مقرر کر دیا اور پانچ حصوں میں سے چار حصے دوسرے لوگوں کے لئے مقرر کر دیئے (یعنی مجاہدین کے لئے) پیدل کا اکہرا حصہ اور سوار کا تہرا حصہ یعنی دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ سوار کا۔

محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کو برابر برابر تقسیم کرنے کا حکم دیا تو حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ اس سوار کو جو قوم کی حفاظت کرتا ہے اتنا ہی دے رہے ہیں جتنا ایک کمزور آدمی کو (جو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتا دوسروں کو تو کیا بچائے گا) فرمایا تیری ماں تجھے روئے کیا (تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ) تم کو فتح کمزوروں کی (برکات اور دعاؤں) کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا لگا دی جس نے کسی (کافر جنگی) کو قتل کیا ہو اس سے چھینا ہوا مال قتل کرنے والے کا ہے اور جس نے کسی کو قید کیا ہو تو وہ قیدی اسی کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ قاتل کو مقتول (کافر) سے چھینا ہوا مال عنایت فرما دیتے تھے۔

سعید بن منصور، امام احمد، ابن المنذر، ابن حبان اور حاکم نے سنن میں حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت سے بیان کیا مسلمانوں کا کافروں سے مقابلہ ہوا اللہ نے دشمن کو شکست دے دی مسلمانوں کے ایک گروہ نے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا کسی کو قید اور کسی کو قتل کرنے لگے دوسرا گروہ میدان جنگ میں جا گھسا اور مال غنیمت جمع کرنے لگا اور تیسرا گروہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے احاطہ میں لئے رہا کہیں دشمن دھوکہ سے آپ کو کوئی دکھ نہ پہنچا دے جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا انہوں نے کہا مال ہم نے جمع کیا ہے اس لئے (ہمارے سوا) کسی اور کا اس میں حصہ نہیں ہے جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو ہم نے دشمن کو نکالا اور شکست دی۔ رسول اللہ ﷺ کے محافظ دستے نے کہا تم میں سے کوئی بھی ہم سے زیادہ مستحق نہیں ہے ہم رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لئے رہے اور حفاظت کرتے رہے کہیں دشمن غفلت میں کوئی دکھ حضور ﷺ کو نہ پہنچا دے ہم اسی حفاظت میں لگے رہے۔ اس پر آیات يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ کا نزول ہوا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

(کیونکہ) ایمان والے تو بس ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کا کلام ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو اللہ کے کلام سے ان کے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے رب پر بھی بھروسہ رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں بس سچے ایمان والے یہی ہیں ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بڑے درجے ہیں اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی کامل الایمان وہی لوگ ہیں وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی اللہ کی عظمت و جلال اور ہیبت و عزت سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی گناہ کا ارادہ کرتے ہیں مگر

جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ سے ڈرو ایسا نہ کرو تو اللہ کے عذاب کے خوف سے وہ اس گناہ سے باز رہتے ہیں۔ اس صورت میں ذُكِرَ اللّٰهُ میں اللہ سے پہلے مضاف محذوف ہوگا یعنی اللہ کے عذاب کی وعید کا ذکر ان سے کیا جاتا ہے۔

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا اور جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو چونکہ تلاوت قرآن کے وقت برکات کا نزول ہوتا ہے اور ایمان بخش دلائل پیہم سامنے آتے ہیں جن کی وجہ سے یقین راسخ ہو کر اطمینان قلبی بڑھ جاتا ہے اس لئے ایمان میں مزید استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اور وہ اپنے تمام کام اللہ ہی کے سپرد کر دیتے ہیں نہ اللہ کے سوا کسی سے امید رکھتے ہیں نہ خوف الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ یعنی نمازوں کو ان کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اسی طرح سیدھا کرتے ہیں جس طرح تیر سیدھے کئے جاتے ہیں (یعنی اقامۃ الصلوٰۃ تقویم القداح کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ تقویم القداح آگ پر سینک کر تیر کو سیدھا کرنا اقامۃ الصلوٰۃ نماز کو سیدھا کرنا مراد پورے حقوق اندرونی و بیرونی کے ساتھ ادا کرنا) يُنْفِقُوْنَ یعنی اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ اولٰئک مذکورہ بالا مومن جو تمام مکارم و محاسن کے حامل ہیں ان کے دلوں میں اخلاص اللہ کا خوف اور اللہ پر بھروسہ ہے اور اللہ کی یاد سے طبیعت کو اطمینان و سکون ہے اور نماز و خیرات کے فرائض اعضاء بدنی سے ادا کرتے ہیں اور مال کا ایثار کرتے ہیں ان صفات کے مومن ہی هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا پکے سچے مومن ہیں حقًّا یا ایمانًا" محذوف کی صفت ہے یعنی پکا ایمان یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے جو فعل کی تاکید کر رہا ہے یعنی ان کا ایمان پکا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

حسن بصری سے ایک شخص نے دریافت کیا آپ مومن ہیں فرمایا اگر تیرا سوال یہ ہے کہ میرا ایمان اللہ پر اللہ کے ملائکہ اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور جنت و دوزخ پر اور حشر و حساب آخرت پر ہے یا نہیں تو میں یقیناً مومن ہوں (ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں) اور اگر تو دریافت کرتا ہے کہ میں آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ الخ کا مصداق ہوں یا نہیں تو مجھے نہیں معلوم کہ میں ایسے لوگوں میں سے ہوں یا نہیں۔

حسن بصریؒ کی مراد یہ ہے کہ نفس ایمان تو الحمد للہ موجود ہے مگر ایمان کا تکمیلی درجہ اخلاص سے دل کا زنگ دور کرنے سے نفس کو (خطرات وساوس اور گناہوں سے) پاک کرنے سے اور اعضاء جسم سے ادائے طاعات اور ترک معاصی کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں اس تکمیلی درجہ پر فائز ہوں یا نہیں۔

علماء سلف میں ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ میں ان شاء اللہ مومن ہوں کہنا جائز ہے یا نہیں چونکہ اِنْ حرف شرط شک کے لئے آتا ہے اس لئے بعض علماء کہتے ہیں کہ ایمان کو حرف شرط کے ساتھ معلق کرنا درست نہیں ایمان قطعی ہونا چاہئے ایمان میں شک ایمان کو زائل کر دیتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اعتبار انجام کا ہے معلوم نہیں کہ خاتمہ کے وقت ایمان ہو یا نہ ہو اس لئے اِن حرف شرط جو ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے اس جگہ استعمال کرنا صحیح ہے حضرت مؤلفؒ نے فرمایا میرے نزدیک حسنؒ بصری کا یہ قول (یعنی یہ کہنا کہ میں مومنوں میں سے ہوں یا نہیں) اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کے ذیل میں نہیں آتا (کیونکہ حسنؒ بصری کی مراد یہ ہے کہ میں مومن تو ہوں لیکن کامل الایمان اور کامل صالح الاعمال ہونے کا مجھے علم نہیں معلوم نہیں مومنین کاملین صالحین میں اللہ کے ہاں میرا شمار ہے یا نہیں)۔

علقمہؒ کا بیان ہے ایک سفر میں ہماری ملاقات کچھ لوگوں سے ہوئی ہم نے پوچھا تم کون لوگ ہو انہوں نے جواب دیا نَحْنُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ہم یقیناً پکے مومن ہیں ہم لاجواب ہو گئے سمجھ میں نہ آیا کہ ان سے کیا کہیں جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا اور ہم نے یہ واقعہ حضرت سے عرض کیا تو آپ نے پوچھا تم نے کیا جواب دیا ہم نے عرض کیا ہم کچھ جواب نہ دے سکے فرمایا تم نے ان سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کیا تم یقینی جنتی ہو مومنین حق تو یقینی جنتی ہوتے ہیں ثوریؒ کا قول ہے جو شخص دعویٰ کرتا ہو کہ میں مومن ہوں قطعاً یا یہ کہے کہ میں اللہ کی نظر میں مومن ہوں پھر اپنے جنتی ہونے کی شہادت نہ دے تو اس کا ایمان آدھی آیت پر ہوگا جو لوگ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کہنے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ

سفیان ثوریؒ کے اسی قول سے دلیل اخذ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ حسن خاتمہ کا یقین نہیں اور خاتمہ بخیر ہونا ہی موجب جنت ہے انکا یہ مطلب نہیں کہ بالفعل ایمان میں ہم کو شک ہے کیونکہ ایمان نام ہے پختہ قطعی ناقابل شک اعتقاد کا ایمان میں شک ہو ہی نہیں سکتا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انا مومن انشاء اللہ کہنا ہی مکروہ ہے کیونکہ اسے ایمان میں شک ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے بلکہ انا مومن کے بعد انشاء اللہ کہنے کی بجائے حقا کہنا صحیح ہے انا مومن حقا کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اپنا خاتمہ بخیر اور بر ایمان ہونے کا قطعی یقین ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس وقت میں قطعی مومن ہوں میرا ایمان شک و شبہ سے پاک ہے گویا اول الذکر قول میں اور امام صاحبؒ کے قول میں صرف لفظی نزاع ہے معنوی اختلاف نہیں زیادہ احتیاط امام صاحبؒ کے قول میں ہے (کہ ایسا لفظ بھی استعمال کرنا مکروہ ہے جس سے عدم ایمان کا وہم پیدا ہوتا ہو)۔

امام ابو حنیفہؒ نے قتادہؒ سے پوچھا آپ اپنے ایمان کو انشاء اللہ سے مشروط کیوں کرتے ہیں قتادہؒ نے جواب دیا حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کی تقلید میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (یعنی مجھے طمع ہے کہ قیامت کے دن اللہ میرے قصور کو معاف کر دے اس میں لفظ طمع آیا ہے کہ جو عدم یقین پر دلالت کر رہا ہے) امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا آپ نے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کی تقلید کیوں نہیں کی کہ جب اللہ نے ان سے فرمایا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کیا تو ایمان نہیں لایا تو حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (یعنی ایمان کیوں نہیں لایا مگر میں قلبی اطمینان کے لئے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں) ابراہیم تیمی کا مقولہ ہے کہ تم انا مومن حقا کہو اگر تمہارا یہ قول سچا ہے تو اس کا ثواب ملے گا اور اگر یہ بات غلط ہے (اور واقع میں تم مومن نہیں ہو دل سے کافر ہو اور ایمان ظاہر کر رہے ہو) تو تمہارا کفر اس قول سے زیادہ شدید اور موجب عذاب ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو منافق نہیں ہے وہ قطعاً مومن ہے لَھُمْ دَرَجٰتٌ ان کے لئے درجات ہیں یعنی عزت بزرگی اور مرتبہ کی بلندی ہے۔ عِنْدَ رَبِّھِمْ اللہ کے ہاں اسی کی طرح دوسری آیت آئی ہے (جس میں پیغمبروں کے مراتب کا ذکر ہے) تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ عطاء نے کہا لَھُمْ دَرَجٰتٌ سے یہ مراد ہے کہ جنت کے اندر ان کے درجات ہوں گے جن پر اعمال کی وجہ سے فائز ہوں گے (جتنا اور جس مرتبہ کا عمل ہوگا ویسا ہی درجہ ملے گا) حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر سو درجات ہیں ہر درجہ کا دوسرے درجہ سے فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان زمین کے درمیان ہے فردوس کا سب سے اونچا درجہ ہے اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اس کے اوپر عرش ہوگا دعاء کرتے وقت تم اللہ سے فردوس مانگا کرو رواہ الترمذی۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ ربیع بن انسؓ نے فرمایا ستر درجے ہیں ہر درجہ کی دوسرے درجے سے مسافت اتنی ہے جتنی مسافت اس دوڑ کے میدان کی ہوتی ہے جس میں مشاق سوار گھوڑا ستر برس تک دوڑاتا چلا جائے۔

وَمَغْفِرَۃٌ اور گناہوں کی بخشش ہے وَرِزْقٌ کَرِیْمٌ اور اچھا رزق ہے اللہ نے جنت کے اندر وہ نعمتیں ان کیلئے رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل میں اس کا تصور آیا اور یہ نعمتیں لازوال ہوں گی کبھی منقطع نہ ہوں گی۔

کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْۢ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ ۝ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ ۝ جیسا

آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ (بدر کی طرف) آپ کو روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی اور وہ اس مصلحت کے کام میں بعد اس کے کھلنے کے ان کا خیال تھا (اپنے بچاؤ کے لئے) آپ سے (بطور مشورہ) اس طرح جھگڑا کر رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

کَمَآ اَخْرَجَکَ کما مبتدا محذوف کی خبر ہے مطلب اس طرح ہوگا مال انفال کا اللہ اور رسول ﷺ کے اختیار میں ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا سب کو برابر تقسیم کرنا اور جہادی جنگی جوانوں پر اس تقسیم کا گراں گذرنا ایسا ہی ہے جیسے تم کو جب اللہ نے

مدینہ سے نکالا تھا اور تم بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے اور بعض لوگوں کو بدر کی جنگ کے لئے جانا گراں گذرا تھا یا فعل محذوف کے مصدر کی صفت ہے یعنی لوگوں کی ناگواری کے باوجود مال غنیمت کا اختیار اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہونا اسی طرح ثابت ہے جیسے بدر کو جہاد کے لئے جانے کی بعض لوگوں کی طرف سے ناگواری کے باوجود اللہ تم کو مدینہ سے (بدر کی طرف) لے گیا تھا (مطلب یہ کہ بدر کو جنگ کے لئے جانا بعض لوگوں کو اپنی بے بضاعتی اور نہتے ہونے کی وجہ سے جس طرح ناگوار تھا مگر اللہ کے فرمان کے مطابق تم مدینہ سے چل دیئے اور نتیجہ فتح کی صورت میں نکلا اسی طرح اب مال غنیمت کی تقسیم کا اختیار اللہ اور رسولؐ کے ہاتھ میں ہونا اور سب کو برابر برابر تقسیم ہونا تم کو گراں گذرتا ہے مگر نتیجہ اس کا بھی اچھا نکلے گا) کَذَا قَالَ الْمبرد مِنْ بَيْتِكَ سے مراد یا تو یہ ہے کہ اللہ نے تم کو تمہارے اس گھر سے جو مدینہ میں ہے باہر نکالا یا بیت سے مراد ہی مدینہ ہے کیونکہ مدینہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت گاہ تھا اور ہجرت کے بعد آپ کا مسکن تھا۔ مدینہ کو آپ کے ساتھ وہی خصوصیت تھی جو کسی گھر کو اپنے مالک کے ساتھ ہوتی ہے بعض اہل تفسیر کے نزدیک اصل کلام اس طرح تھا لوگ خواہ گوارا نہ کریں مگر آپ مال غنیمت کے سلسلہ میں وہی رفتار اختیار کریں۔ جس کا حکم اللہ نے دیا ہے جیسے لوگوں کی ناگواری کے باوجود اللہ کے حکم کے مطابق آپ (جہاد کے لئے) مدینہ سے نکلے تھے۔

غزوہ بدر

ابن عقبہ اور ابن عابد نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک قافلہ جس میں ہزار اونٹوں پر بڑا قیمتی تجارتی سامان لدا ہوا ہے ابوسفیان بن حرب کی نگرانی میں شام سے آرہا ہے اور کوئی قریشی مرد یا عورت ایسا نہیں بچا ہے جس کے پاس ایک مثقال بھی ہو اور اس نے اس تجارت میں حصہ نہ لیا ہو کہا جاتا ہے کہ اس قافلہ میں پچاس ہزار دینار ہیں اور ستر آدمی ساتھ ہیں۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس حضرت عبداللہ بن زبیر محمد بن اسحاق اور سدی کا بیان ہے کہ ابوسفیان چالیس سواروں کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا یہ چالیس سوار قریش کے بڑے لوگ تھے جن میں عمرو بن عاص اور مخرمہ بن نوفل زہری بھی تھے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو باہر نکل چلنے کی دعوت دی اور فرمایا قریش کا قافلہ ہے جس میں قریش کا بہت مال ہے چلو نکل چلیں شاید اللہ تم کو ان کا مال غنیمت عطا فرمادے لوگوں نے دعوت قبول کی کچھ لوگ ہلکے (یعنی بغیر ساز و سامان اور اسلحہ) تھے اور کچھ بھاری (ساز و سامان اور اسلحہ کے ساتھ) بہت سے لوگ ساتھ نہیں بھی گئے مگر ان کو قابل ملامت نہیں قرار دیا گیا کیونکہ ان کو خیال بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی لڑائی پیش آئے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی کچھ زیادہ پروا نہیں کی اور فرمایا جس کے پاس سواری موجود ہو وہ ہمارے ساتھ سوار ہو کر چلے کچھ لوگوں نے اجازت طلب کی کہ ہماری سواریاں بالائی مدینہ میں ہیں ہم جا کر لے آئیں حضور ﷺ نے فرمایا نہیں صرف وہ شخص جائیں جن کی سواریاں اس وقت موجود ہوں۔ مدینہ سے روانہ ہونے سے دس روز پہلے رسول اللہ ﷺ نے طلحہؓ بن عبید اللہ اور سعید بن زیدؓ کو شام کے راستہ کی طرف قافلہ کی ٹوہ لگانے کے لئے بھیج دیا تھا یہ دونوں حضرات سرزمین خوار میں پہنچ کر کشد بن مالک جہنی کے پاس مقیم ہوئے کشد نے دونوں کو اپنی ذمہ داری میں اپنے پاس چھپا کر رکھ لیا جب قافلہ گزر گیا تو دونوں حضرات کشد کے گھر سے باہر آگئے اور کشد ان کو مقام ذوالمروہ تک پہنچا گیا دونوں بزرگ جب رسول اللہ ﷺ کو قافلہ کی اطلاع دینے پہنچے تو حضور ﷺ مدینہ سے نکل رہے تھے جب رسول اللہ ﷺ کا قبضہ ینبوع پر ہو گیا تو آپ نے کشد کو ینبوع جاگیر میں کاٹ دیا تھا کشد نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ میں تو بوڑھا ہوں (آج مر اکل دوسرا دن) میرے بھتیجے کے نام یہ جاگیر کر دیجئے حضور ﷺ نے کشد کے بھتیجے کے نام ینبوع کی جاگیر کر دی پھر اس سے عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ نے خرید لی (رواہ عمر بن شبیۃ) ادھر بنی غفار کے آدمی نے مقام زرقاء میں پہنچ کر ابوسفیان کو اطلاع دے دی کہ رسول اللہ ﷺ قافلہ کی واپسی کی راہ دیکھ رہے ہیں ابوسفیان ساتھیوں کو لے کر ڈرتے ڈرتے تاک گھات کے

لئے نکلا حجاز کے قریب پہنچا تو تجسس احوال کرنے لگا جو سوار ملتا اس سے خبر دریافت کرتا آخر ایک سوار سے اس کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ قافلہ کے لئے نکل چکے ہیں۔ ابوسفیان کو اندیشہ پیدا ہو گیا اور اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو بیس دینار مزدوری دے کر مکہ کو بھیجا اور اس سے کہہ دیا کہ مکہ میں پہنچنے کے وقت اونٹ کے کان کاٹ کر کجاوہ الٹا باندھ لینا اور آگے پیچھے سے اپنا کرتہ پھاڑ لینا (فریاد کرنا) اور قریش سے جا کر کہنا کہ اپنے مال کی حفاظت کے لئے باہر آجائیں اور ان کو یہ بھی بتا دینا کہ محمد اپنے ساتھیوں سمیت قافلہ کو لوٹنے کے درپے ہیں ضمضم فوراً مکہ کو چل دیا اور جیسا ابوسفیان نے حکم دیا تھا ویسا ہی کیا۔

عاتکہؓ بنت عبدالمطلب کا خواب

ابن اسحاق نے بروایت عروہ اور بیہقی نے بروایت ابن شہاب اور ابن اسحاق اور حاکم اور بیہقی نے بالا اتفاق عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ کا بھی یہ بیان ہے کہ ضمضم کے پہنچنے سے تین رات پہلے عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا صبح کو اس خواب سے ان کو بڑی فکر ہوئی انہوں نے اپنے بھائی عباسؓ بن عبدالمطلب کو بلوایا اور کہا بھائی میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے قریش پر کوئی مصیبت اور آفت آنے والی معلوم ہوتی ہے حضرت عباسؓ نے خواب پوچھا تو عاتکہ نے کہا میں اس شرط پر تم سے بیان کر سکتی ہوں کہ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا کیونکہ لوگ اگر اس کو سن لیں گے تو ہم کو دکھ پہنچائیں گے اور ناگوار باتیں سنائیں گے حضرت عباسؓ نے ظاہر نہ کرنے کا وعدہ کر لیا عاتکہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور وادی کے اوپر پہنچ کر بہت زیادہ چیخ کر تین مرتبہ کہا اے غدارو اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر نکلو۔ لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے وہاں سے وہ مسجد میں آیا لوگ پیچھے پیچھے آئے اور مسجد میں پہنچ کر اس کا اونٹ سیدھا کھڑا ہو گیا اور کعبہ کے اوپر پہنچ کر اس نے تین چیخیں ماریں اور کہا اے غدارو تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلو پھر (وہاں سے چل دیا اور) کوہ ابوقبیس پر پہنچ کر اس نے وہی کہا کہ اے غدارو اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر نکلو اس کے بعد اس نے ایک بہت بڑا پتھر اکھاڑ کر نیچے کو لڑھکایا پتھر لڑھکتا ہوا آیا جس کی گڑگڑاہٹ شدید تھی نیچے پہنچ کر پارہ پارہ ہو گیا اور آپ کی قوم کے ہر گھر میں اس کا ٹکڑا (اڑ کر) جا پہنچا آپ کی قوم کا کوئی گھر اور کوئی کوٹھڑی ایسی نہیں بچی کہ اس میں پتھر کا ٹکڑا نہ پہنچا ہو۔ حضرت عباسؓ نے کہا واللہ یہ خواب ہی ہے (تخیل نہیں ہے) اس کو پوشیدہ رکھنا اگر قریش کو اس کی اطلاع پہنچ گئی تو وہ ہم کو دکھ دیں گے اس کے بعد عباسؓ عاتکہ کے پاس سے چلے آئے اور ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس سے ملاقات کی اور چونکہ ولید عباسؓ کا دوست تھا اس لئے عباسؓ نے اس سے اس خواب کا ذکر کر دیا لیکن چھپائے رکھنے کی تاکید کر دی ولید نے اپنے باپ عتبہ سے اس کا ذکر کر دیا اور عتبہ نے اس کا چرچا کر دیا اس طرح بات مکہ میں پھیل گئی اور قریش آپس میں اس کا چرچا کرنے لگے۔

حضرت عباسؓ کا بیان ہے صبح کو میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ابوجہل بن ہشام قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا وہاں عاتکہ کے خواب کا تذکرہ کر رہا تھا مجھے دیکھ کر کہنے لگا ابوالفضل طواف سے فارغ ہو کر ہماری طرف آجانا میں فارغ ہو کر وہاں پہنچ کر ان لوگوں کے پاس بیٹھ گیا ابوجہل بولا اے اولاد عبدالمطلب یہ نبیہ تم میں کب سے پیدا ہو گئی میں نے پوچھا کیا بات ہے اس نے کہا عاتکہ کا خواب میں نے کہا عاتکہ کا خواب کیا ہے ابوجہل بولا اے اولاد مطلب تم کو اسی پر بس نہیں ہوا کہ تمہارے مرد نبی بن گئے اب تمہاری عورتیں بھی نبیہ ہونے لگیں۔ ابن عقبہ کی روایت میں ابوجہل کے یہ الفاظ آئے ہیں اے بنی ہاشم تم فقط اپنے مردوں کے جھوٹ بولنے سے خوش نہ تھے کہ اب تم عورتوں کی دروغ بیانی بھی پیش کرنے لگے ہم اور تمہارے اسلاف رئیس کے دو گھوڑوں کی طرح تھے (مقابلہ پر دوڑ رہے تھے) جو کوشش کرنے والا تھا آگے نکل رہا تھا ہم دونوں فریق ایک جیسے رہے تو اب تم نے کہا ہم میں ایک نبی ہے اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اب تم کہنے لگے ہم میں سے ایک نبیہ بھی ہے قریش کے اندر کوئی گھرانا مجھے ایسا معلوم نہیں نہ مرد نہ عورت کہ تم سے زیادہ جھوٹا ہو۔ ابوجہل نے اس طرح عباسؓ کو سخت دکھ پہنچایا اور

بولا عاتکہ کہتی ہے کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ تین دن کے اندر نکلو ہم بھی تین دن کا انتظار کرتے ہیں اگر عاتکہ کا قول صحیح ہے تو ایسا ہو جائے گا اور اگر تین دن گذر گئے اور ایسی کوئی بات نہ ہوئی تو ہم لکھ کر لگا دیں گے کہ تمہارا خاندان عرب میں سب سے بڑھ کر جھوٹا ہے حضرت عباسؓ کا بیان ہے کہ اس کو جواب دینے کے لئے میرے پاس بہت کچھ تھا مگر میں نے کچھ نہیں کہا اور عاتکہ کے خواب دیکھنے کا انکار کر دیا ابن عقبہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے ابو جہل کو یہ جواب دیا تھا کیا اب تو باز رہے گا (یا نہیں) جھوٹ تیرے اور تیرے خاندان والوں کے اندر ہے حاضرین نے کہا ابو الفضل تم تو جاہل اور ایسے بیوقوف واحمق نہ تھے۔

ابن عابد کی روایت بھی اسی طرح ہے بلکہ اس میں ایک گالی کا ذکر مزید آیا ہے۔ عباسؓ کو اس خبر کے افشا کرنے سے بڑا دکھ پہنچا حضرت عباسؓ کا بیان ہے شام ہوئی تو خاندان عبدالمطلب کی کوئی عورت ایسی نہ بچی جس نے مجھ سے آکر یہ نہ کہا ہو کہ آپ نے خود موقع دیا کہ اس خبیث فاسق نے پہلے آپ کے مردوں کی بوٹیاں نوچیں پھر آپ لوگوں کی عورتوں پر بھی نکتہ چینی کی تم سنتے رہے تمہارے پاس اس کی بات سے بڑھ کر کوئی چیز جواب دینے کیلئے ہی نہیں تھی میں نے کہا خدا کی قسم مجھ سے یہ حرکت تو ہو گئی جو الفاظ میں نے اس سے سنے اس سے بڑھ کر میری طرف سے اس کیلئے کچھ نہیں تھا لیکن اب میں اس کے درپے رہوں گا دوبارہ اگر اس نے کچھ کیا تو میں تمہاری طرف سے اس سے نمٹنے کے لئے کافی ہوں اس کے بعد میں مسجد میں آیا اور اس کو وہاں دیکھا اور خدا کی قسم قصداً اس کی طرف جانے لگا تاکہ جو کچھ وہ کہہ چکا ہے دوبارہ کہے اور میں اس سے لپٹ جاؤں ابو جہل تھا بڑا چالاک چست قوی تیز زبان تیز نظر (مجھے دیکھ کر) فوراً دوڑتا ہوا مسجد کے دروازہ سے نکل گیا میں نے اپنے دل میں کہا اس پر اللہ کی لعنت یہ حرکت اس نے اس ڈر سے کی کہ میں بھی اس کو گالیاں دوں گا بات واقع میں یہ ہوئی کہ مجھے تو سنائی نہ دی مگر اس نے ضمضم بن عمرو کی آواز سن لی ضمضم اپنے اونٹ پر کھڑا وادی کے اندر چیخ رہا تھا اس نے اونٹ کے کان کاٹ دیئے تھے کجاوہ کا رخ الٹ کر رکھ دیا تھا اپنا کرتہ چاک کر دیا تھا اور کہہ رہا تھا اے گروہ قریش اے خاندان لوی بن غالب اپنے لدے ہوئے اونٹوں کی خبر لو تمہارے مال ابو سفیان کے ساتھ ہیں محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ان کو لوٹنے کے درپے ہیں میرا خیال ہے کہ تم ان کو پا نہیں سکتے دہائی ہے دہائی خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تم ان کو نہ پاؤ گے یہ سن کر قریش خوف زدہ ہو گئے اور عاتکہ کے خواب سے ڈر گئے۔

حضرت عباسؓ کا بیان ہے اس آواز نے ابو جہل کے لئے میری طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں چھوڑا اور میں اس کی طرف سے رک گیا اس پر عاتکہ نے یہ شعر کہے کیا خواب سچا نہ تھا اس کی تصدیق لے کر تو تمہارے پاس ایک بھاگا ہوا شکست خوردہ آدمی آگیا میں نے جھوٹ نہیں کہا تو نے مجھے جھوٹا کہا جو خود جھوٹا ہے وہ میری اس سچی بات کو جھوٹا کہتا ہے۔

لوگوں نے جلد جلد تیاری کی اور کہا محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے کہ ابن حضرمی کے قافلہ کی طرح ہو گا ایسا ہرگز نہیں ہو گا خدا کی قسم ان کو کچھ اور ہی نتیجہ معلوم ہو گا غرض لوگ یا تو خود جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے یا اپنی جگہ کسی کو بھیج دیا اور دو یا تین دن میں تیاری کر لی جو طاقتور تھے انہوں نے کمزور کی مدد کی اگر کسی کا مسلمان ہو جانا قریش کو معلوم تھا یا محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے دوست ہونے کا کسی پر شبہ تھا یا خاندان بنی ہاشم کا کوئی فرد تھا ایسے سب لوگوں کو انہوں نے ساتھ لیا چنانچہ عباسؓ بن عبدالمطلب نوفلؓ بن حارث طالبؓ بن ابی طالب، عقیل بن ابی طالبؓ اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ روانہ ہو گئے۔ ابولہب صرف ایسا شخص تھا جو نہ خود گیا نہ اپنی جگہ کسی کو بھیجا ورنہ ہر قریشی کو یا خود جانا پڑا یا اپنی جگہ دوسرے کو بھیجنا پڑا بعض روایات میں آیا ہے کہ ابولہب نے بھی اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا تھا عاصؓ آخر میں مسلمان ہو گئے تھے عاصؓ پر ابولہب کا چار ہزار درہم کا سودی قرض تھا اس رقم کو مزدوری میں منہا کرنے کی شرط پر ابولہب نے اپنی جگہ اس کو بھیج دیا اور اس کے مصارف کی کفالت کی، ابولہب کے نہ جانے کی وجہ صرف عاتکہ کا خواب تھا وہ کہتا تھا عاتکہ کے خواب نے ہاتھ باندھ دیئے۔ امیہ بن خلف، عتبہ بن شیبہ، زمعہ بن اسود، عمیر بن وہب اور حکیم بن حزام وغیرہ نے ہبل بت کے پاس جا کر

تیروں سے فال نکالی فال میں ممانعت کا تیر نکلا جس کی وجہ سے ان لوگوں نے نہ جانے کا پختہ ارادہ کر لیا مگر ابو جہل نے مجبور کر کے ان کی رائے بدل دی۔ امیہ بن خلف بہت بھاری بدن کا سوٹ بوڑھا آدمی تھا جب اس نے نہ جانے کا ارادہ کر لیا تو عقبہ بن ابی معیط کے پاس گیا عقبہ اپنی قوم کے حلقہ میں مسجد کے اندر بیٹھا ہوا تھا انگیٹھی سب کے سامنے سلگ رہی تھی انگیٹھی لا کر امیہ کے سامنے رکھ دی گئی پھر عقبہ نے امیہ سے کہا ابو علی تم تو عورت ہو (بھاری بھرکم بدن ہے جس کی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے) امیہ نے کہا اللہ تیرا برا کرے تو نے بری بات کی اس کے بعد یہ بھی تیاری کر کے لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے جب لوگ تیاری کر چکے اور روانگی کا ارادہ کر لیا اور جو اچھی بری سواریاں تھیں ان پر سوار ہو گئے اور گانے والی باندیوں کو اور ان کے تبلوں کو بھی ساتھ لے لیا تو اس وقت سوچا کہ ہمارے اور بنی بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کے درمیان تو خونریز جنگ ہے طرفین سے باہم قصاص کے مطالبات ہیں اندیشہ ہے کہ اگر ہم گئے تو ہمارے پیچھے (ہمارے گھر والوں پر) وہ حملہ نہ کر دیں قریب تھا کہ یہ خیال کر کے دہ جانا ملتوی کر دیں مگر ابلیس مردود سراقہ بن مالک کنانی کی شکل میں ان کے سامنے آ گیا سراقہ بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھا اور کہنے لگا میں تمہارا ذمہ دار ہوں بنی کنانہ کی طرف سے تمہارے پیچھے کوئی ناگوار حرکت سرزد نہ ہو گی اس ضمانت کے بعد نو سو پچاس سپاہیوں کی جماعت روانگی کے لئے نکل کھڑی ہوئی بعض روایات میں ہزار کی تعداد آئی ہے۔ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں قریش کا ہر خاندان روانہ ہو گیا صرف بنی عدی کے خاندان میں سے کوئی شخص شریک نہیں ہوا اور کوئی نہیں گیا۔

ابن عقبہ اور ابن عابد کا بیان ہے کہ ابلیس بھی مشرکوں کے ساتھ نکلا اور وعدہ دلاتا رہا کہ تمہارے پیچھے بنی کنانہ بھی تمہاری مدد کے لئے آنے والے ہیں اور میں ضامن ہوں کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا تمام لوگ روانہ ہو کر مقام مر الظہران میں فروکش ہوئے ابو جہل نے دس اونٹ ذبح کئے اور لشکر گاہ میں کوئی ڈیرہ خیمہ ایسا نہ بچا کہ وہاں تک اونٹوں کا خون نہ پہنچا ہو مقسم بن عمرو کو دکھائی دیا کہ وادی مکہ میں اوپر سے نیچے تک خون ہی خون بہہ رہا ہے۔ عسیفہ میں پہنچ کر امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کئے قدید میں پہنچے تو سہیل بن عمرو نے دس اونٹ ذبح کئے سہیل آخر میں مسلمان ہو گئے تھے قدید سے روانہ ہو کر سمندر کی جانب مختلف چشموں پر ان کا قیام ہوا اور عقبہ بن ابی معیط نے دس اونٹ ذبح کئے پھر صبح کو ابواء میں پہنچے تو حجاج کے دونوں بیٹوں نبیہ اور منبہ نے دس دس اونٹ ذبح کئے اس کے بعد لوگوں نے اپنا اپنا کھانا خود کھانا شروع کیا (اور مہمانی کا کھانا ختم کر دیا گیا) جحفہ میں عشاء کو پہنچے اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا بیہقی نے ابن شہاب اور ابن عقبہ اور عروہ بن زبیر کی روایت سے لکھا ہے کہ جب سب لوگ جحفہ میں فروکش ہوئے تو ان کے ساتھ بنی مطلب بن مناۃ کے خاندان کا ایک شخص بھی تھا جس کا نام جہیم بن صلت بن مخرمہ تھا یہ شخص آخر میں حنین کی جنگ کے وقت مسلمان ہو گیا تھا یہ شخص کچھ نیم خوابی کی حالت میں سر رکھے ہوئے تھا لیکن کچھ کچھ غافل تھا کہ اچانک اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کیا تم نے اس سوار کو دیکھا جو ابھی ابھی میرے پاس کھڑا تھا لوگوں نے کہا تو پاگل ہے کوئی بھی نہیں تھا جہیم نے کہا ابھی ایک سوار کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا ابو جہل اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ اور زمعہ اور ابو البختری اور امیہ بن خلف مارے گئے جہیم نے کچھ اور سرداران قریش کے بھی نام لئے تھے جو بدر میں مارے گئے پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کے سینہ پر تلوار ماری اور زخمی کر کے لشکر میں چھوڑ دیا اور لشکر گاہ میں کوئی ڈیرہ ایسا نہیں بچا کہ اس اونٹ کا خون وہاں نہ پہنچا ہو جہیم کے ساتھی بولے تو شیطان کا بازیچہ بن گیا یہ بات ابو جہل تک بھی پہنچا دی گئی ابو جہل بولا پہلے تو بنی ہاشم کے جھوٹ سے تمہارا واسطہ پڑا تھا اب بنی مطلب کے جھوٹ میں بھی مبتلا ہو گئے۔

دوسری جانب رسول اللہ ﷺ نے اپنی جگہ نماز کے لئے ابن ام مکتوم کو قائم کیا اور مدینہ سے روانہ ہو گئے پھر مقام روحاء سے ابو لبابہ کو واپس کر دیا اور مدینہ پر اپنا نائب ان کو بنا دیا ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۲ رمضان المبارک کو ہفتہ کے دن مدینہ سے روانہ ہوئے تھے ابن ہشام نے ۸ رمضان بیان کیا ہے مدینہ سے ایک میل نکل کر چاہ ابو عنبہ پر پہنچ کر لشکر قائم کیا اور جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس کر دیا واپس ہونے والوں میں عبد اللہ بن عمرؓ اسامہ بن زیدؓ رافع بن خدیجؓ براء بن عازبؓ اسید

بن حضیرؓ، زید بن ارقمؓ، زید بن ثابتؓ اور عمیر بن ابی وقاصؓ تھے۔ عمیر رونے لگے آخر حضور ﷺ نے ان کو شریک رہنے کی اجازت دے دی اور بدر کی لڑائی میں سولہ سال کی عمر میں آپ شہید ہو گئے حضور ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ چاہ سقیا کا پانی پئیں اور خود بھی اس کنوئیں کا پانی پیا اور سقیا کے گھروں کے پاس نماز پڑھی اور سقیا سے روانگی کے وقت قیس بن ابی صعصعہ کو مسلمانوں کی گنتی کرنے کا حکم دیا قیس نے سب لوگوں کو ابو عتبہ کے کنوئیں کے پاس کھڑا کر کے گنتی کی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کر دیا یہ سب ۳۱۳ ہیں حضور ﷺ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا طالوت کے ساتھیوں کی بھی یہی شمار تھی اس روز حضور ﷺ نے مدینہ کے لئے دعا کی اور عرض کیا اے اللہ ابراہیمؑ تیرا بندہ تیرا خلیل اور تیرا نبی تھا اس نے مکہ والوں کے لئے دعا کی تھی میں محمد ﷺ بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں میں مدینہ والوں کے لئے تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو ان کے صاع (چار سیر کا ایک ناپ) اور ان کے مد (ایک سیر کے برابر ناپ) اور ان کے پھلوں میں برکت عطا فرما (یعنی ان کی کھیتی باڑی اور باغوں کی پیداوار میں برکت عطا کر) اے اللہ تو مدینہ کی محبت ہم کو عطا کر اور مدینہ کے آب و ہوا کی خرابی (بخار ملیریا وغیرہ) کو خم میں منتقل کر دے جس طرح تیرے خلیل ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا میں بھی مدینہ کی دونوں سوختہ پتھریلی زمینوں کے درمیانی علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں (مدینہ کے دونوں جانب پتھریلی گرم تپتی ہوئی زمین ہے مدینہ دونوں کے درمیان واقع ہے) حبیب بن اساف اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر مال غنیمت کے لالچ میں اپنے قبیلہ خزرج کی مدد کے لئے چلے آئے تھے حضور ﷺ نے فرمایا ہمارے ساتھ وہی جائے جو مسلمان ہو کوئی غیر مسلم نہ جائے یہ سن کر حضرت حبیب مسلمان ہو گئے اور کسوٹی پر بہت اچھے اترے آپ نے اچھے کارنامے انجام دیئے سقیا کی آبادی سے اتوار کی رات کو روانہ ہوئے اور روانگی کے وقت دعا کی اے اللہ یہ برہنہ پا ہیں ان کو سواری عطا کر یہ برہنہ بدن ہیں ان کو لباس عنایت کر یہ بھوکے ہیں ان کو پیٹ بھر کھانا مرحمت کر یہ نادار ہیں ان کو اپنی مہربانی سے مالدار بنا دے کل ستر اونٹ ساتھ تھے باری باری سے لوگ انہی پر سوار ہوتے رہے۔ امام احمد اور ابن سعدؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے ہم بدر کے زمانہ میں تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے ابو لبابہ اور علیؓ رسول اللہ ﷺ کے ہم سواری تھے دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ سوار ہو جائیں ہم پیدل چلیں گے فرمایا تم پیدل چلنے پر مجھ سے زیادہ قوت نہیں رکھتے اور میں ثواب کا امیدوار تم سے کم نہیں ہوں صاحب البدایہ والعیون کا بیان ہے کہ ابو لبابہ کے ہم رکاب ہونے کا واقعہ اس وقت کا تھا جب روحاء سے مدینہ کو ان کو واپس نہیں بھیجا گیا تھا روحاء سے روانگی کے بعد تو رسول اللہ ﷺ کے ہم سواری علیؓ اور زیدؓ تھے۔ اس لشکر کے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے ایک گھوڑا مقدادؓ بن اسود کا اور ایک گھوڑا زبیرؓ بن عوام کا۔ ابن سعد کی روایت میں آیا ہے کہ تین گھوڑے ساتھ تھے تیسرا گھوڑا مرثد بن ابی مرثد غنویؓ کا تھا۔ مقام تربان میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے فرمایا ہرن کو دیکھو سعدؓ نے تیر چلہ پر چڑھایا اور رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے کھڑے ہو کر اپنی ٹھوڑی سعد کے مونڈھے اور کان کے درمیان رکھی اور فرمایا تیر چلا اے اللہ اس کے تیر کو نشانہ پر صحیح بٹھا دے چنانچہ تیر ہرن کے سینہ پر لگ گیا۔ حضور ﷺ مسکرا دیئے سعد دوڑتے ہوئے گئے اور ہرن کو پکڑ لیا کچھ جان باقی تھی سعدؓ ذبح کر کے اس کو اٹھا کر لے آئے رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں کو بانٹ دینے کا حکم دیا چنانچہ وہ گوشت سب کو تقسیم کر دیا گیا پھر چلتے چلتے مقام ذوسجسج پر جا کر اترے یہ مقام بھی روحاء کے درمیان ہی واقع تھا پھر یہاں سے کوچ کر کے موڑ پر پہنچ کر مکہ کا راستہ بائیں کو چھوڑ دیا اور دائیں ہاتھ کو نازیہ پر بدر کے ارادہ سے چل دیئے نازیہ کے کنارے کنارے چل کر وادی رحقان کو طے کیا۔ وادی رحقان نازیہ اور مقام الصفراء کے درمیان تھی پھر مضیق الصفراء پہنچے اور وہاں سے اتر کر چل دیئے جب صفراء کے قریب پہنچے تو ابو سفیان کی خبر معلوم کرنے کیلئے بسبس بن عمرو جہنی کو اور عدی بن ابی الزغباء کو بدر کی طرف روانہ کیا بسبسؓ بنی ساعدہ کے معاہد تھے اور عدی بنی نجار کے حلیف تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ صفراء سے بائیں ہاتھ کو چل کر وادی ذفران کے دائیں جانب چلتے رہے اور وادی کے اندر کچھ حصہ طے کر کے پڑاؤ ڈالا تو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہو گئے ہیں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے مشورہ لیا (کہ اب کیا کیا جائے) مہاجرین نے بطور مشورہ کچھ اچھا کلام کیا۔ اول ابو بکرؓ کھڑے ہو کر اچھا بولے۔ پھر عمرؓ نے بھی کھڑے ہو کر

اچھی گفتگو کی پھر مقدادؓ بن اسود کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ کو جو حکم دیا ہے آپ اس پر چلئے ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ کی قوم نے موسیٰ سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھ گئے (آگے نہیں بڑھیں گے) آپ اور آپ کا رب چل کر لڑیں ہم آپ لوگوں کے ساتھ ہیں آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حقانیت کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہم کو برک الغماد کو لے جائیں تو آپ ﷺ کی ہمراہی میں ہم وہاں بھی تلواروں سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک وہاں پہنچ نہ جائیں یہ سن کر آپکا چہرہ مبارک شگفتہ ہو گیا پھر مقدادؓ کے حق میں کچھ کلمات خیر فرمائے اور دعا کی اس کے بعد تیسری بار لوگوں سے مشورہ لیا اب انصار سمجھے کہ روئے خطاب ہماری طرف ہے کیونکہ انہی کی تعداد زیادہ تھی اس پر سعدؓ بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا خطاب ہم سے ہے فرمایا ہاں سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ پر ایمان لا چکے آپ کو سچا مان چکے ہم نے اقرار کر لیا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق ہے ہم نے آپ سے مضبوط وعدہ کر لیا اور عہد و پیمان دے دیا کہ جو کچھ آپ حکم دیں گے ہم سنیں گے اور بجا لائیں گے اب جو کچھ آپ چاہیں وہ کریں یا رسول اللہ ﷺ شاید آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ انصار صرف اپنی بستیوں میں ہی آپ ﷺ کی مدد کریں گے (باہر نکل کر نہیں کریں گے) تو میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور جواب دیتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں سفر کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں جس سے جوڑ کرنا چاہیں جوڑ کریں جس سے توڑنا چاہیں تعلق توڑیں ہمارے مالوں میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں ہم کو دے دیں آپ جو مال ہمارے پاس چھوڑ دیں گے وہ ہماری نظر میں لئے ہوئے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو گا۔ آپ جو حکم دینا چاہیں دیں ہم آپ کے حکم پر چلیں گے خدا کی قسم اگر آپ ہم کو لے کر برک غمدان یا برک الغماد پہنچنا چاہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور اگر سمندر ہمارے سامنے ہو گا تو آپ کے ساتھ اس میں بھی گھس جائیں گے اور ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں رہے گا اگر کل دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ہم کو ناگوار نہ ہو گا ہم لڑائی میں تجربہ کار ہیں امید ہے کہ ہماری (جنگی) کارگذاریوں سے اللہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ایک کام کے لئے نکلے ہوں اور اللہ دوسری بات پیدا کر دے پس اللہ کا نام لے کر ہم کو لے کر چلئے ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہیں گے اور موسیٰؑ کی قوم کی طرح نہ ہوں گے جنہوں نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جائیں اور جا کر لڑیں ہم تو یہاں سے آگے بڑھنے والے نہیں بلکہ آپ اور آپ کا رب چلیں و دشمن سے لڑیں ہم آپ کے ساتھ ہیں ساتھ نہیں چھوڑیں گے سعدؓ کی یہ تقریر سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ چمکنے لگا اور فرمایا اللہ کے نام پر چلو اور خوش ہو اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے خدا کی قسم میں اس وقت بھی گویا ان لوگوں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں (کہ ان میں سے کون کس جگہ مارا جائے گا) بعض مسلمانوں کو دشمن سے مڈبھیڑ پسند نہ تھی۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ اور بلاشبہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناپسند کرتا تھا۔ بیضاوی نے لکھا ہے واؤ حالیہ ہے اور پورا جملہ اخرجک کے کاف سے حال ہے یعنی جس حالت میں کہ مسلمانوں کے ایک فریق کو ناپسند تھا اللہ نے تم کو مدینہ سے نکالا۔

میں کہتا ہوں واؤ کا استیناف کے لئے اور کلام کا استینافیہ ہونا ظاہر ہے (واؤ حالیہ نہیں ہے) کیونکہ ذوالحال اور حال کا زمانہ ایک ہونا چاہئے (حالانکہ مسلمانوں کو مدینہ سے نکلنا ناگوار اور ناپسند نہیں تھا) بلکہ بنی نضیر کے ساتھ جب لڑائی پڑ گئی تو اس وقت مسلمانوں کو مدینہ سے نکلنا ناپسند ہوا تھا (پہلی جنگ میں بکثرت زخمی اور شہید ہو گئے اور سب تھک کر چور چور ہو گئے تھے) قافلہ کی جستجو میں مدینہ سے نکلنے کی توان کو رغبت تھی کہ بغیر لڑے مال ہاتھ لگ جائے گا ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا جب ہم ایک دو دن چلتے رہے (اور قافلہ کا پتہ نہ چلا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں سے (یعنی قریش سے) جنگ کرنے کے متعلق آپ لوگوں کی کیا رائے ہے (آگے بڑھ کر قریش سے جنگ کریں یا واپس مدینہ کو لوٹ جائیں) ان لوگوں کو تمہارے نکلنے کی اطلاع پہنچ گئی ہم نے عرض کیا بخدا ہم میں ان لوگوں سے لڑنے کی جان نہیں ہے ہمارا ارادہ تو قافلہ کا ہے حضور ﷺ نے پھر فرمایا تم لوگوں کی رائے

جنگ کے متعلق کیا ہے ہم نے وہی پہلا جواب دے دیا۔

یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ یعنی آپ جہاد کو ترجیح دے رہے تھے اور حق بات ظاہر کر رہے تھے اور وہ قافلہ پر جاپڑنے کو پسند کر رہے تھے اور جھگڑا کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم کو ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہمارا ارادہ تو قافلہ کا ہے اور یہ جھگڑا اس کے باوجود تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو فتح یاب ہونے کی اطلاع دے دی تھی کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ روحاء میں تھے تو حضرت جبرئیلؑ نے نازل ہو کر اطلاع دے دی تھی کہ اللہ نے تم لوگوں سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے یا قافلہ یا قریش (پر فتح)۔

کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ اس جملہ کا تعلق کَارِھُوْنَ سے ہے یعنی ان کو جنگ و جہاد کی طرف جانا ایسا ناگوار تھا جیسے اس شخص کو موت کی طرف لے جایا جانا ناگوار ہوتا ہے جس کی آنکھوں کے سامنے موت کے اسباب گھوم رہے ہیں (اور وہ سمجھ رہا ہو کہ اس طرف جانے میں میری موت یقینی ہے) اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ تعداد کم تھی اور تیاری مفقود تھی ابن زیدؒ نے کہا کہ یجادلون کی ضمیر مشرکوں کی طرف راجع ہے مشرک حق کے معاملہ میں آپ سے جھگڑا کرتے ہیں حق کی طرف آنا ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے موت کی طرف کھینچ کر لے جایا جاتا۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۷﴾ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾

اور (تم لوگ اس وقت کو یاد کرو) جب کہ اللہ تعالیٰ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً) ثابت کر دے خواہ مجرموں کو یہ بات ناپسند ہو۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ اِذْ کا تعلق محذوف فعل سے ہے یعنی اس وقت کا واقعہ یاد کرو کم یعد کا پہلا مفعول اور احدی الطائفتین دوسرا مفعول ہے اور انہا لکم احدی سے بدل ہے وتودون ان غیر ذات الشوکۃ اور تم دل سے چاہتے تھے کہ غیر مسلح بے طاقت گروہ یعنی قافلہ تمہارے ہاتھ لگ جائے تاکہ بغیر جنگ کے کثیر مال مل جائے شوکت کا معنی ہے طاقت قوت تیزی یہ لفظ شوک سے مستعار ہے شوک کا معنی ہے کانٹا، ہتھیار۔

ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا تھا لوگ چاہتے تھے کہ قافلہ ان کے ہاتھ لگ جائے کیونکہ قافلہ والوں میں زیادہ طاقت نہ تھی جب قافلہ نکل گیا اور ہاتھ نہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو لے کر قریش کے مقابلہ کے لئے جانا چاہا۔ قریش میں چونکہ طاقت زیادہ تھی اس لئے (بعض) مسلمانوں کو یہ بات ناپسند ہوئی۔

یرید اللّٰہ ان یحق الحق اور اللہ حق کو ظاہر کرنا اور سربلند کرنا چاہتا تھا بکلماتہ یعنی تم کو جہاد اور جنگ کا حکم دے کر یا فرشتوں کو تمہاری مدد کے احکام دے کر بعض کے نزدیک کلمات سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ نے دین کو غالب اور معزز کرنے کا پہلے کیا تھا۔ ویقطع دابر الکافرین اور کافروں کی بیخ کنی کر دے کہ عرب میں کوئی کافر بغیر اسلام لانے کے نہ بچے اگر رہے تو قتل کر دیا جائے مطلب یہ کہ تم بغیر شدت و تکلیف کے مال کے خواستگار تھے اور اللہ چاہتا تھا کہ دین سربلند ہو حق ظاہر اور تم کو دونوں جہان میں کامیابی حاصل ہو لیحق الحق اس کا تعلق محذوف فعل سے ہے یعنی جو کچھ کیا اس لئے کیا کہ اسلام کو عملاً ثابت کر دے یا یقطع سے تعلق ہے یعنی اللہ کافروں کی جڑ کاٹنا اس لئے چاہتا تھا کہ احقاق حق کر دے ویبطل الباطل اور کفر کو باطل کر دے (بظاہر کلام میں تکرار نظر آرہی ہے کیونکہ پہلے بھی یحق الحق فرمایا اور پھر لیحق الحق فرمایا اسی طرح یقطع دابر الکافرین فرمایا اور پھر یبطل الباطل فرمایا) لیکن حقیقت میں تکرار نہیں ہے اول جملہ تو صرف بیان مقصد کے لئے ہے اس کی غرض تو یہ ہے کہ اللہ

کے مقصد میں اور مسلمانوں کے مقصد میں جو فرق تھا اس کو واضح کر دیا جائے اور دوبارہ ذکر کرنے کی علت یہ ہے کہ وہ سبب واضح کر دیا جائے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو طاقت ور لشکر سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا ولو کرہ المجرمون مجرموں سے مراد ہیں مشرک کرہ کا مفعول محذوف ہے یعنی مشرک خواہ اس بات کو پسند نہ کریں۔

قصہ بدر کا تکملہ

ذفران سے روانہ ہو کر رسول اللہ ﷺ ان پہاڑیوں کے راستے سے جن کو اصافر کہا جاتا ہے آگے چلے (اصافر کی پہاڑیوں جحفہ کے قریب مکہ کو جاتے ہوئے دائیں جانب کو واقع ہیں) پھر نیچے اتر کر ایک بستی کی جانب جس کا نام دیہ ہے رخ کیا حنان کو دائیں جانب چھوڑ دیا حنان ایک بڑے پہاڑ کی طرح ریت کا ٹیلہ تھا پھر بدر کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا اور خود حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر ایک عرب بوڑھے کے پاس پہنچے اور اس سے قریش کی اور محمد ﷺ کی اور محمد ﷺ کے ساتھیوں کی خبریں دریافت کیں شیخ بولا مجھے اطلاع ملی ہے کہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھی فلاں فلاں دن روانہ ہو گئے ہیں اگر اطلاع دینے والے نے مجھے صحیح اطلاع دی ہے تو آج وہ فلاں جگہ ہوں گے جس جگہ حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تھا شیخ نے اسی جگہ کا نام لیا اور مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ قریش فلاں دن روانہ ہو گئے ہیں اگر خبر دینے والے نے مجھے صحیح خبر دی ہے تو آج قریش فلاں جگہ ہوں گے شیخ نے اسی جگہ کا نام لیا جہاں قریش موجود تھے پھر کہنے لگا تم دونوں کون ہو حضور ﷺ نے فرمایا ہم ماء سے ہیں (یہ لفظ توریہ کے طور پر استعمال فرمایا بوڑھا تو سمجھا ہو گا کہ بنی ماء السماء جو عرب کا مشہور قبیلہ تھا اس سے ان کا تعلق قرابت ہے اور حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ ماء دافق یعنی کودتے ہوئے پانی سے ہم دونوں پیدا ہوئے ہیں۔)

ابن اسحاق کا بیان ہے پھر رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آئے شام ہوئی تو علیؓ بن ابی طالب اور زبیرؓ بن عوام اور سعدؓ بن ابی وقاص کو صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ بدر کے چشمہ کی طرف خیر خبر لینے کے لئے بھیجا ان لوگوں کو قریش کے کچھ سقے ملے جن میں بنی الحجاج کا غلام اسلم اور بنی العاص بن سعید کا غلام ابو یسار بھی تھا یہ حضرات دونوں کو لے آئے اور ان سے کچھ سوالات کئے اس وقت رسول اللہ ﷺ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے دونوں نے جواب دیا ہم قریش کے خدمت گار ہیں انھوں نے ہم کو پانی بھرنے بھیجا تھا مسلمانوں کو یہ جواب ناگوار گذرا ان کا خیال تھا کہ یہ دونوں ابو سفیان کے آدمی ہیں (اور قافلہ کہیں قریب ہی ہے) اس لئے ان کو مارنے لگے جب خوب مارا تو انھوں نے کہہ دیا کہ ہم ابو سفیان کے آدمی ہیں صحابہؓ نے ان کو چھوڑ دیا اس عرصہ میں ﷺ نے رکوع کیا اور دو سجدے کر کے سلام پھیر دیا اور فرمایا جب انھوں نے تم سے سچی بات کہی تھی تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹی بات کہی تو تم نے ان کو چھوڑ دیا انھوں نے سچ کہا تھا خدا کی قسم یہ قریش کے آدمی ہیں (پھر دونوں غلاموں سے فرمایا) مجھے قریش کے متعلق بتاؤ دونوں نے عرض کیا اور وہ اس سامنے والے ٹیلہ کے اس پرے کے اونچے مقام پر اور ریت کے ٹیلہ پر فروکش ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کتنے ہیں دونوں نے عرض کیا بہت ہیں فرمایا گنتی میں کتنے ہیں بولے یہ تو ہمیں معلوم نہیں فرمایا کتنے (اونٹ) ذبح کرتے ہیں کہنے لگے ایک دن نو اور ایک دن دس فرمایا تو نو سو اور ہزار کے درمیان ہیں پھر فرمایا ان میں سردار ان کون کون ہیں دونوں نے عرض کیا ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ شیبہ۔ ابو البختری بن ہشام، حکیم بن حزام نوفل بن خویلد، حارث بن عامر طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث زمعۃ الاسود، ابو جہل بن ہشام امیہ بن خلف، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ منبہ سہل بن عمرو اور عمرو بن عبدود حضور ﷺ نے فرمایا یہ مکہ کے جگر پارے (یعنی خلاصہ رکھن) ہیں جن کو مکہ نے باہر نکالا ہے۔

ابن عابد کا بیان ہے کہ جحفہ پہنچنے میں راستہ چلنے اور درمیانی قیام میں کل دس دن صرف ہوئے بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء بدر کی طرف (تلاش احوال کے لئے) گئے ہوئے تھے پانی کے قریب ایک ٹیلہ پر یہ دونوں جا کر ٹھیرے پھر مشکیزے لے کر پانی بھرنے چل دیئے۔ پانی پر مجدی بن عمر جہنی موجود تھا اور وہاں جو لوگ مقیم تھے ان کی دو باندیاں بھی موجود

تھیں ایک باندی دوسری کو پکڑے ہوئے تھی (اور اپنا قرض مانگ رہی تھی) جس کو وہ چمٹی ہوئی تھی اس نے کہا قافلہ کل یا پرسوں آجائے گا میں قافلہ والوں کا کچھ کام کاج کر کے کچھ مزدوری کروں گی تو اس سے تیرا قرض ادا کر دوں گی مجدی بولا یہ سچ کہہ رہی ہے عدی اور بسیس یہ بات سن کر اونٹ پر بیٹھ کر چلے آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ سنا تھا عرض کر دیا۔

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابو سفیان قافلہ کو لے کر آیا مدینہ کے قریب پہنچا تو بہت خوف زدہ تھا ضمضم بن عمر اور نفیر کی واپسی میں بھی تاخیر ہو گئی تھی غرض ڈرتے ڈرتے پانی پر پہنچا پانی پر مجدی بن عمرو جہنی سے ملاقات ہوئی ابو سفیان نے مجدی سے پوچھا کیا تم کو (یہاں) کچھ سن گن ملی ہے مجدی نے کہا اور تو کسی اجنبی کو میں نے دیکھا نہیں صرف اتنی بات دیکھی کہ دو سوار آئے انہوں نے اس ٹیلہ کے پاس اونٹ بٹھایا اور اتر کر مشکیزوں میں پانی لیا اور چل دیئے ابو سفیان مجدی سے یہ بات سنکر ٹیلہ کے پاس ان کی فرودگاہ پر پہنچا اور اونٹ کی ایک مینگنی اٹھا کر اس کو توڑا اس کے اندر سے کھجور کی گٹھلی بر آمد ہوئی کہنے لگا خدا کی قسم یہ تو یثرب والوں کا چارہ ہے (یعنی اونٹوں کو گٹھلیاں وہ ہی کھلاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ سوار مدینہ کے تھے) فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا اور قافلہ کا رخ موڑ کر بدر کو بائیں چھوڑ کر ساحل کے راستہ پر پڑ گیا اور تعاقب کرنے والوں کے ڈر سے سرپٹ رات دن چلتا رہا اور جب دیکھا کہ اب میں قافلہ کو بچا لایا تو قریش کے پاس قیس بن امراء القیس کو یہ پیام دے کر بھیجا کہ تم اپنے قافلہ کی اور آدمیوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے لئے مکہ سے نکلے تھے اب چونکہ اللہ نے سب کو بچا دیا ہے اس لئے لوٹ آؤ قریش کو یہ اطلاع اس وقت ملی جب یہ لوگ جحفہ میں تھے ابو جہل کہنے لگا خدا کی قسم بدر پر اترے بغیر ہم نہیں لوٹیں گے بدر پر ہر سال عرب کا ایک تہوار ہوتا اور بازار لگتا تھا یہ زمانہ تہوار ہی کا تھا ہم تین روز بدر میں قیام کریں گے اونٹ ذبح کریں گے کھانا کھلائیں گے شرابیں پلائیں گے گانے والیوں کا گانا سنیں گے عرب ہماری یہ خبریں سنیں گے اور ہمارے آپہنچنے کی اطلاع ہو گی تو اس کے بعد ہمیشہ ہم سے ہیبت کھائیں گے ان پر ہمارا رعب پڑے گا۔

اہل رائے پہلے ہی مکہ سے نکلنے کے مخالف تھے اور ایک دوسرے کے پاس یہی مشورہ دینے گیا تھا حارث بن عامر امیہ بن خلف ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ حکیم بن حزام ابو البختری علی بن امیہ بن خلف اور ابو العاص سب ہی جانے سے جھجک رہے تھے لیکن ابو جہل نے سب کو بزدل ہو جانے کی عار دلائی اور رائے پلٹ دی تھی ابو جہل کی تائید عقبہ بن ابی معیط نضر بن حارث اور حارث بن علقمہ نے کی تھی بالآخر سب کا جانے پر اتفاق ہو گیا تھا۔

اخنس بن شریق نے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا بنی زہرہ سے کہا تم لوگ مخرمہ بن نوفل کی جان مال کی حفاظت کے لئے نکلے تھے وہ تمہارا آدمی تھا اب اللہ نے تمہارا مال بھی بچا دیا اور مخرمہ بن نوفل کو بھی بچا دیا اس لئے مکہ کو لوٹ جاؤ بنی زہرہ کی تعداد تقریباً ایک سو اور بعض روایات میں تین سو تھی اخنس کی بات سن کر سب لوٹ گئے بنی زہرہ کے صرف دو آدمی یعنی مسلم بن شہاب زہری کے بچا واپس نہیں گئے اور بدر کی لڑائی میں بحالت کفر مارے گئے۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ قیس بن امرء القیس نے واپس جا کر ابو سفیان کو قریش کے آجانے کی اطلاع دی ابو سفیان نے کہا ہائے قوم افسوس یہ عمرو بن ہشام یعنی ابو جہل کی حرکت ہے۔ اخنس کی رائے سے چونکہ بنی زہرہ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور ان کو نقصان نہیں پہنچا اور ان کی حالت قابل رشک بن گئی اس لئے اخنس کی اس واقعہ کے بعد ان کی نظروں میں بڑی عزت ہو گئی اور سب اس کی رائے ماننے لگے۔ بنی ہاشم نے بھی لوٹ جانا چاہا تھا مگر ابو جہل نے ان پر سختی کی اور کہا ہماری واپسی تک (بنی ہاشم کی) یہ جماعت ہمارے ساتھ رہے گی ہم سے الگ نہیں ہو سکتی۔ غرض قریش ریت کے ٹیلے اور بطن وادی کے پیچھے پرے کے کنارہ والی اونچی زمین پر فروکش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ ورلے کنارہ پر۔ شروع میں پانی پر مشرکوں کا قبضہ رہا مسلمان پیاسے رہ گئے اور ان پر سخت مصیبت پڑی شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم اللہ کے دوست ہیں رسول اللہ ﷺ ہم میں موجود ہیں مگر پانی پر مشرکوں نے زبردستی قبضہ کر رکھا ہے اور تم جنابت کی حالت میں بغیر غسل کے

نمازیں پڑھتے ہو مگر اسی رات اللہ نے بارش کردی مشرکوں کی طرف تو ایسی موسلادھار بارش ہوئی کہ وہ آگے نہ بڑھ سکے اور مسلمانوں کے لئے ہلکی ہلکی بارش ہوئی جس سے وہ نہا بھی لئے بدن کی گندگی بھی دور ہوگئی اور زمین بھی ہموار ہوگئی ریت سخت پڑ گئی اور قدم جمنے لگے (دلدل اور کیچڑ نہیں ہوئی) پڑاؤ بھی درست ہوگیا دلوں میں سکت بھی آگئی اور ادھر ادھر چلنے کی رکاوٹ دور ہوگئی وادی بہنے لگی سب نے پانی پی لیا اونٹوں کو بھی پلا دیا اور مشکیزے بھی بھر لئے اسی رات کو مسلمانوں پر ایک ایسی اونگھ طاری ہوگئی کہ سب لوگ سوگئے ایک دوسرے کے سامنے آکر اٹھاتا تھا مگر اس کو پتہ بھی نہ چلتا تھا اور وہ پہلو کے بل گر پڑتا تھا ابو یعلی اور بیہقی نے دلائل میں حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مقدادؓ کے علاوہ ہم میں کوئی سوار نہ تھا اور میری آنکھوں میں اب تک وہ منظر ہے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے ہم میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو سو نہ گیا ہو حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے صبح تک نماز پڑھتے رہے یہ جمعہ کی رات تھی اور دونوں فریقوں کے درمیان ریت کی ایک پہاڑی حائل تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے عمارؓ بن یاسر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو (قریش کی طرف حال معلوم کرنے) بھیجا دونوں نے جاکر ان لوگوں کی فرودگاہ کے آس پاس چکر لگایا اور آکر اطلاع دی کہ وہ لوگ خوف زدہ ہیں اور ان پر سخت بارش ہوئی ہے رسول اللہ ﷺ ساتھیوں کو لے کر عشاء کے وقت اور آگے بڑھے تاکہ مشرکوں کے پہنچنے سے پہلے چشمہ پر قبضہ کرلیں چنانچہ آگے پہنچ گئے اور پانی پر قبضہ کرلیا اور بدر کے اول چشمہ پر پہنچ کر ٹھہر گئے مشرکوں کو بارش نے آگے نہ بڑھنے دیا ابن اسحاق کی روایت میں آیا ہے کہ حبابؓ بن منذر بن جموح نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس جگہ اترنے کا آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے پھر تو ہم پیچھے آگے ہٹ نہیں سکتے یا یہ ایک مصلحت اور جنگی تدبیر ہے حضور ﷺ نے فرمایا (حکم نہیں) بلکہ رائے مصلحت اور جنگی تدبیر ہے حبابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ اترنے کی جگہ نہیں ہے یہاں سے لوگوں کو اٹھا لے چلئے اور قریش کے قریب ترین جو پانی ہے وہاں چل کر ٹھہریئے وہاں چشمہ کے قریب ہم ایک کنواں کھودیں گے اور کنویں پر ایک حوض بنا دیں گے اس طرح چشمہ سے نکلنے کی بجائے پانی کنویں میں آکر بھر جائے گا اور اس پانی سے ہم حوض بھر لیں گے ہمارے پینے کے لئے تو پانی ہو جائے گا اور وہ نہ پی سکیں گے حضور ﷺ نے فرمایا تم نے مشورہ ٹھیک دیا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جبرئیلؑ نے بھی اتر کر کہا تھا کہ حبابؓ نے جو مشورہ دیا وہ ٹھیک ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ سب لوگوں کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور قریش کے قریب ترین پانی کے پاس آدھی رات کو پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا پھر حضور ﷺ کے حکم سے ایک کنواں کھودا گیا اور اس پر ایک حوض بنا دیا گیا اور حوض کو پانی سے بھر دیا گیا پھر سب لوگوں نے اس میں اپنے اپنے برتن ڈال دیئے۔

سعدؓ بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے لئے ایک جھونپڑی بنائے دیتے ہیں اس میں آپ ﷺ قیام کریں پاس ہی ہم کچھ اونٹنیاں تیار رکھیں گے پھر ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اگر ہم دشمن پر غالب آگئے تو مقصد پورا ہو گیا اور اگر کچھ دوسری بات ہوئی تو آپ اونٹنی پر سوار ہو کر ان لوگوں کے پاس پہنچ جائیں جن کو ہم اپنے پیچھے (مدینہ میں) چھوڑ آئے ہیں کیونکہ وہاں ہمارے پیچھے بکثرت ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو حضور ﷺ (کی محبت میں) ہم سے کم نہیں ہیں اگر ان کو خیال ہوتا کہ حضور ﷺ کو جنگ پیش آئے گی تو وہ پیچھے نہ رہتے اللہ ان کے ذریعہ سے آپ کی حفاظت کرے گا وہ آپ ﷺ کی خیر خواہی کریں گے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنکر سعد کے لئے کلمات خیر ادا فرمائے اور ان کو دعا دی پھر رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک ٹیلہ پر جہاں سے میدان جنگ کی حالت دکھائی دیتی تھی ایک جھونپڑی بنادی گئی اس میں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ فروکش ہوئے تیسرا کوئی نہ تھا سعدؓ بن معاذ جھونپڑی کے دروازہ پر تلوار گردن سے لٹکائے کھڑے ہوگئے پھر رسول اللہ ﷺ میدان جنگ کے مقام پر تشریف لے گئے اور ہاتھ سے اشارہ کرکے بتانے لگے کہ یہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہے اس جگہ فلاں آدمی مارا جائے گا انشاء اللہ چنانچہ جہاں جہاں حضور ﷺ نے اشارہ کردیا تھا قریش کے آدمیوں میں سے کوئی بھی وہاں سے بچ نہ سکا (ہر شخص حضور ﷺ کی بتائی ہوئی جگہ پر ہی مارا گیا) رواہ احمد و مسلم وغیرہما۔

طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر اہل اسلام کا کوئی بچہ پیدا ہو کر آخر عمر تک اللہ کی پوری پوری اطاعت کرتا رہے تب بھی (ثواب اور درجہ میں تمہاری اس ایک رات (یعنی شب بدر) کو نہیں پہنچ سکتا اور فرمایا جو ملائکہ بدر میں حاضر ہوئے تھے وہ ان ملائکہ سے فضیلت رکھتے ہیں جو حاضر نہیں ہوئے اس روایت کے تمام راوی سوائے جعفر بن مقلاص کے ثقہ ہیں جعفرؒ غیر معروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صبح مقام بدر پر کی۔

ادھر قریش اپنی پوری طاقت اور اسلحہ کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت میں نکلے تھے ان کے اندر رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے خلاف جوش غضب غصہ اور سخت اشتعال تھا کہ صحابہؓ نے ان کے قافلہ کو لوٹنا اور قافلہ کے آدمیوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس سے پہلے عمرو بن حضرمی کو قتل اور اس کے اونٹوں کو چھین چکے تھے یہ قصہ سورۃ بقرہ کی آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ کی تفسیر کے ذیل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش کو ریت کے پہاڑ سے نیچے وادی کی طرف آتے ہوئے ملاحظہ فرمایا سب سے پہلے زمعہ بن اسود گھوڑے پر سوار سامنے آیا اس کے پیچھے اس کا بیٹا بھی تھا اس نے گھوڑے کو ایک چکر دیا قوم کے پڑاؤ کے لئے مقام تلاش کر رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قریش اپنے غرور اور تکبر کے ساتھ آ گئے اے اللہ! یہ تیرے رسول کی تکذیب کر رہے ہیں اور اس سے لڑ رہے ہیں اے اللہ تو نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ عطا فرما اور صبح ان کو ہلاک کر دے۔ عتبہ بن ربیعہ کو سرخ اونٹ پر سوار دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا اگر اس قوم میں سے کسی میں کوئی خیر ہو سکتی تھی تو اس سرخ اونٹ والے میں تھی اگر یہ لوگ اس کا مشورہ مان لیتے تو سیدھے راستہ پر پڑ جاتے یہ عتبہ ہے یہ لڑائی سے روک رہا اور لوٹ جانے کا مشورہ دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا قوم والو آج لوٹنے کی عار کی پٹی میرے سر سے باندھ دو اور کہو کہ عتبہ نامراد ہو گیا اور ابو جہل انکار کر رہا تھا (اور جنگ کے لئے اڑا ہوا تھا) خفاف بن ایما بن رحضہ غفاری نے یا اس کے باپ نے (یہ تینوں آخر میں مسلمان ہو گئے تھے مگر اس وقت کافر تھے) اپنے بیٹے کے ساتھ کچھ اونٹ قریش کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ اگر تم چاہو تو اسلحہ اور آدمیوں سے ہم تمہاری مدد کر سکتے ہیں قریش نے جواب میں کہلوایا آپ سے تعلق اور رشتہ پکا ہے جو آپ پر حق تھا وہ آپ نے ادا کر دیا (آئندہ امداد کی ضرورت نہیں) اگر ہمارا مقابلہ آدمیوں سے ہے تو خدا کی قسم ان کے مقابلہ میں ہمارے اندر کوئی کمزوری نہیں ہو سکتی اور اگر محمد ﷺ کے گمان کے مطابق ہماری لڑائی اللہ سے ہوئی تو اللہ کا مقابلہ کرنے کی کسی میں طاقت نہیں۔

جب لوگ ٹھہر گئے تو قریش کے چند آدمی جن میں حکیم بن حزام بھی تھے رسول اللہ ﷺ کے (بنائے ہوئے) حوض پر اتر آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو اترنے دو سوائے حکیم بن حزام کے ان میں سے جس شخص نے بھی اس کا پانی پیا مارا گیا حکیمؓ بن حزام بچ گئے اور اس کے بعد مسلمان ہو گئے اور اسلام میں پختہ رہے جب آپ (مسلمان ہونے کے بعد) مضبوط قسم کھاتے تھے تو یوں کہتے تھے قسم ہے اس اللہ کی جس نے بدر کے دن مجھے بچا لیا۔

جب قریش ٹھکانے سے ہو گئے تو عمیرؓ بن وہب جمحی کو (جو آخر میں مسلمان ہو گئے تھے) مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا عمیر نے مسلمانوں کے لشکر کے ارد گرد گھوڑے کو چکر دیا اور لوٹ کر بتایا کہ کم و بیش تین سو ہیں لیکن ذرا ٹھہرو میں یہ بھی دیکھ لوں کہ کہیں ان کی چھپی ہوئی کمک نہ ہو چنانچہ وادی کے اندر وہ دور تک گیا اور جب کچھ نظر نہ آیا تو لوٹ کر قریش سے کہہ دیا میں نے کوئی کمک تو نہیں دیکھی لیکن ایک بات دیکھی اونٹنیاں موتوں کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے آب کش اونٹوں پر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ ایسی قوم ہے کہ سوائے تلواروں کے نہ ان کے محافظین ہیں نہ پناہ کا مقام کیا تم کو نہیں معلوم کہ وہ باتیں کرتے ہیں ہوشیار رہتے ہیں اور سانپ کی طرح منہ میں زبانیں گھماتے ہیں بخدا میرا خیال ہے کہ ان کا ایک آدمی بھی اس وقت تک قتل نہیں ہو گا جب تک وہ تمہارے کسی آدمی کو قتل نہ کر دے اگر وہ اپنی تعداد کے برابر تمہارے آدمیوں کو قتل کر دیں (اور خود بھی مارے جائیں) تو اس کے بعد زندگی کا کیا فائدہ۔ اب تم خود سوچ لو۔

اس کے بعد قریش نے ابو سلمہ جشمی کو بھیجا اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے گرد اگرد چکر لگایا اور واپس آ کر کہا خدا

کی قسم میں نے تو چمڑے کی وردی دیکھی نہ سامان نہ زرہ نہ گھوڑے بلکہ میں نے ان کو ایسی قوم پایا جو خیال کیے ہوئے ہیں کہ اب گھر والوں کے پاس لوٹ کر جانا نہیں ہے وہ مسلم ہیں موت کے طلب گار نہ ان کے محافظ ہیں نہ کوئی پناہ گاہ بس تلواریں ہی ان کا سب کچھ ہیں نیلی آنکھوں والے ہیں ڈھالوں کے پیچھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کی چٹانیں ہیں غیر متحرک اب تم خود سوچ لو۔

حکیم بن حزام نے جو یہ باتیں سنی تو چل کر عتبہ بن ربیعہ کے پاس پہنچے اور اس سے لوگوں کو واپس لے جانے کی گفتگو کی اور کہا ابو الولید آپ قریش کے معمر بزرگ ہیں سردار ہیں آپ کی بات سب مانتے ہیں کیا آپ ایک کام ایسا کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کا نام ہمیشہ رہے گا۔ عتبہ نے پوچھا حکیم وہ کیا بات ہے حکیم نے کہا لوگوں کو لوٹا کر لے جائیے اور اپنے حلیف عمر بن حضرمی (کے جانی مالی نقصان) کو خود برداشت کر لیجئے عتبہ نے کہا حکیم تم نے (میرے پاس آ کر تو) ایسا کر لیا میں یہ نقصان اپنے اوپر لیتا ہوں کیونکہ عمر حضرمی میرا حلیف تھا مجھ پر اس کی دیت اور مالی نقصان لازم ہے (میں دے دوں گا) مگر تم ابن حنظلہ کے پاس بھی جاؤ مجھے اندیشہ اور کسی سے نہیں صرف اسی سے ہے وہی لوگوں پر جادو کر دے گا ابن حنظلہ سے مراد ابو جہل تھا۔ اس کے بعد عتبہ نے لوگوں میں جا کر ایک تقریر کی اور کہا اے گروہ قریش تم کیا کر رہے ہو خدا کی قسم صبح کو اگر تم محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں پر کچھ غلبہ بھی پا لو گے تب بھی آئندہ ہمیشہ ایک آدمی دوسرے کو نفرت کی نظر سے دیکھے گا کیونکہ وہ اس کے چچا، ماموں کے بیٹے کو یا اس کے کنبہ کے کسی اور آدمی کو قتل کر چکا ہوگا (کسی کو اپنے بھائی برادر کا قاتل کیسے اچھا لگے گا) لہٰذا تم لوٹ جاؤ محمد ﷺ دوسرے عربوں کے (مقابلہ کے) لئے چھوڑ دو اگر دوسرے عرب اس پر غالب آ گئے تو تمہاری مراد حاصل ہو گئی اگر اس کے سوا کچھ ہوا تو وہ تم کو الگ پائے گا تم اس سے تعرض نہ کرو گے میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ موت کے طلب گار ہیں تم میں جب تک خیر ہے ان لوگوں تک نہیں پہنچ سکتے (یعنی ان پر غلبہ پانے کے لئے تم کو بہت بڑا جانی نقصان اٹھانا پڑے گا) لوگو! آج اس عار کی پٹی میرے سر سے باندھ دو اور کہہ دو عتبہ بزدل ہو گیا حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے اندر نامرد نہیں ہوں۔

حکیم کا بیان ہے اس کے بعد میں ابو جہل کے پاس گیا وہ زرہ کیس سے زرہ نکال کر ٹھیک کر رہا تھا میں نے اس سے کہا ابو الحکم عتبہ نے مجھے آپ کے پاس یہ بات کہنے کے لئے بھیجا ہے کہنے لگا جب سے اس نے محمد ﷺ کو اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا ہے کہ یہ کہتا ہے خدا کی قسم اب تو جب تک خدا ہمارا اور محمد ﷺ کا فیصلہ نہ کر دے گا بخدا ہم واپس نہیں جائیں گے عتبہ کے اس قول کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس نے محمد ﷺ اور اس کے ذلیل ساتھیوں کو دیکھ لیا ہے اور تمہارے ساتھ اس کا بیٹا موجود ہے بس اس کو اپنے بیٹے کے متعلق ڈر لگا (کہ کہیں وہ نہ مارا جائے) اس کے بعد ابو جہل نے عامر حضرمی کو بلوایا اور اس سے کہا دیکھو یہ عتبہ جو تمہارا حلیف ہے بخدا لوگوں کو لوٹا کر لے جا رہا ہے تم کھڑے ہو جاؤ اور (قریش سے) اپنا عہد و میثاق اور اپنے بھائی کا خون طلب کرو (قریش اور قبیلہ حضرم کے درمیان باہم مدد کرنے کا معاہدہ تھا جب مسلمانوں کے ہاتھوں سے عمر حضرمی مارا گیا اور عمر کا بیٹا عامر حضرمی مسلمانوں سے بدلہ کا خواستگار ہوا تو قریش پر لازم تھا کہ عامر کی حمایت کریں اور عمر کے خون کا انتقام حاصل کرنے میں عامر کی مدد کریں) عامر حضرمی نے فوراً اٹھ کر اپنے سرین برہنہ کر دیئے اور چیخ کر فریاد کی ہائے عمر اس کے بعد لڑائی میں گرمی آ گئی معاملہ سخت ہو گیا جنگ کرنے پر لوگ تل گئے اور عتبہ نے جس رائے کی طرف لوگوں کو دعوت دی تھی وہ رائے برباد ہو گئی۔ جب عتبہ کو ابو جہل کے اس قول کی اطلاع پہنچی کہ ابو جہل نے کہا ہے بخدا عتبہ کو اپنے بیٹے کے مارے جانے کا ڈر ہے۔

تو عتبہ نے کہا عنقریب اس زنخہ کو معلوم ہو جائے گا کہ میری یا اس کی کس کی بزدلی ہے اس کے بعد عتبہ نے سر کا خود طلب کیا مگر لشکر بھر میں اتنا بڑا خود کوئی نہیں ملا جو اس کے سر پر آ سکتا مجبوراً چادر اوڑھنی کی طرح اس نے سر سے لپیٹ لی ابو جہل نے تلوار سونت کر اپنے گھوڑے کی پشت پر ماری یہ دیکھ کر ایماء بن رحضہ بولا یہ تو بد شگونی ہوئی۔

محمد بن عمر اسلمی بلاذری اور صاحب الامتاع کا بیان ہے کہ قریش کے پڑاؤ ڈالنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ

بن خطاب کو یہ پیام دے کر قریش کے پاس بھیجا کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں تم سے لڑنے کو میں پسند نہیں کرتا یہ کام میرے مقابلہ پر تمہاری جگہ اگر دوسرے لوگ کریں تو اس سے اچھا ہوگا کہ تم مجھ سے لڑو یہ پیام سن کر حکیم بن حزام نے کہا بات تو محمد ﷺ نے خیر خواہی کی پیش کی ہے اس بات کو مان لو، خدا کی قسم وہ انصاف کی بات جب پیش کر چکا تو اب تم اس پر غالب نہیں آسکتے کیونکہ اب (محمد ﷺ سے جنگ کرنا تمہاری طرف سے زیادتی ہوگی) ابو جہل بولا جب اللہ نے ہم کو ان پر قابو دے دیا ہے تو اب ہم (بغیر ان لوگوں کی بیخ کنی کے) واپس نہیں جائیں گے۔

ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے ابن جریج کی روایت سے لکھا ہے کہ ابو جہل نے بدر کے دن کہا تھا ان کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ لو کسی کو قتل نہ کرو اس پر سورۂ نون کی آیت اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ نازل ہوئی یعنی ان لوگوں کو مسلمانوں پر وہ قابو حاصل ہو گیا (مسلمانوں کو وہ اپنے قابو میں سمجھنے لگے تھے) جیسے باغ والوں کا اپنے باغ پر قابو ہوتا ہے۔

غرض صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کی صف بندی کی اور تیر کی طرح صفوں کو ہموار کیا آپ کے پاس ایک چھوٹا تیر تھا اس سے اشارہ کر رہے تھے کسی سے فرما رہے تھے ذرا آگے بڑھو کسی کو حکم دے رہے تھے پیچھے ہٹو آخر صفیں درست ہو گئیں حضور ﷺ نے جھنڈا مصعبؓ بن عمیر کو دیا جس جگہ جھنڈا نصب کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا۔ مصعبؓ اس طرف کو بڑھے حضور ﷺ لڑائی کو دیکھنے لگے مغرب کی طرف اور سورج کی طرف لشکر کی پشت کرائی مشرک سامنے تھے ان کا منہ سورج کی طرف رہا مسلمانوں کا قیام شمالی کنارہ (عدوہ شامیہ) پر اور مشرکوں کا قیام جنوبی کنارہ (عدوہ یمنیہ) پر تھا رسول اللہ ﷺ جب صف بندی کر رہے تھے تو سواد بن غزیہ کچھ آگے نکل آئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیٹ میں گھونسا مارا اور فرمایا سوادؓ سیدھا رہو۔ سوادؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے دکھ پہنچایا ہے آپ ﷺ کو اس خدا کا واسطہ جس نے آپ ﷺ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے آپ کو اس کا بدلہ دینا ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے یہ سنتے ہی شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا بدلہ لے لو سواد پیٹ کھلا دیکھ کر پیٹ سے چمٹ گئے اور چومنے لگے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا سواد تم نے ایسا کیوں کیا سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کا جو حکم تھا وہ سامنے آ گیا اور مجھے خیال ہے کہ میں مارا جاؤں گا اس لئے میری خواہش ہوئی کہ آخری وقت آپ سے چمٹ جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت صحابہؓ کو حکم دیا جب دشمن تمہارے قریب ہو تو تیر مارنا اور تلوار سے جنگ اس وقت کرنا جب بالکل ہی قریب آجائیں کذا روی ابوداود عن ابی اسید۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک تقریر فرمائی اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد لوگوں کو جنگ پر ثابت قدم رہنے اور اللہ کی خوشنودی کا طلب گار ہونے کی ترغیب دی قریش بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور (انسانی شکل میں) شیطان بھی ان کے ساتھ لگا رہا مسلمان اپنی لائن پر جمے رہے (کوئی ابتداء میں آگے نہیں بڑھا) سب سے پہلے عامر حضرمی نے مسلمانوں پر حملہ کیا اس کے مقابلہ پر مہیجع بن عایش حضرت عمرؓ کا آزاد کردہ غلام نکلا عامر نے مہیجع کو شہید کر دیا۔ انصار میں سے سب سے پہلے حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے آپ کو حیان بن عرفہ نے شہید کیا۔ عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے درمیان میدان میں نکلا اس کے مقابلہ کے لئے تین انصاری عبداللہؓ بن رواحہ عوفؓ اور معاذؓ نکلے عوفؓ و معاذؓ کے باپ کا نام حارث اور ماں کا نام عفراء تھا عتبہ نے کہا ہم تم سے مقابلہ نہیں کریں گے ہمارے مقابلہ کے لئے ہمارے ہم سر (قریشی) سردار ہونے چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عبیدہؓ بن حارث کھڑے ہو جاؤ حمزہؓ کھڑے ہو جاؤ علیؓ کھڑے ہو جاؤ حمزہؓ نے تو شیبہ کو سنبھلنے بھی نہ دیا قتل کر دیا۔ علیؓ نے ولید کو فرصت نہ دی قتل کر دیا عبیدہؓ اور عتبہ میں تلواروں کی نوک جھونک ہونے لگی دونوں زخمی ہو گئے یہ دیکھ کر حمزہؓ اور علیؓ اپنی تلواریں لے کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا اور قریش اپنے آدمی (عتبہ) کو اٹھا کر لے گئے صحیحین میں آیا ہے کہ سورت حج میں انہی دونوں کے متعلق آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ نازل ہوئی تھی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر جھونپڑی میں لوٹ آئے تیسرا کوئی ساتھ نہ تھا اور اللہ سے اس فتح کی دعا کرنے لگے جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا دعا میں آپ ﷺ کے الفاظ یہ بھی تھے اے اللہ آج اگر یہ گروہ

ہلاک ہو گیا تو زمین پر پھر تیری پوجا نہ ہو سکے گی حضرت ابوبکرؓ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ ﷺ اب اپنے رب کی پکار میں کمی کیجئے اللہ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ یقیناً پورا کرے گا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ عبداللہؓ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضور ﷺ کی ذات تو مشورہ دینے سے بالاتر ہے مگر میں ایک مشورہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ کو اس کا وعدہ یاد دلانے کی اب ضرورت نہیں اس کی ذات اس کی یاددہانی سے بالا اور اعلیٰ ہے فرمایا ابن رواحہ میں اللہ کو اس کے وعدہ کا واسطہ دیتا رہوں گا کوئی شبہ نہیں کہ اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔

ابن سعدؒ اور ابن جریر نے حضرت علیؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا بدر کے دن میں کچھ دیر لڑتا رہا پھر دوڑا ہوا آیا کہ دیکھوں رسول اللہ ﷺ کس حال میں ہیں، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سجدہ میں پڑے یا حی یا قیوم فرما رہے ہیں اس سے زیادہ کوئی لفظ نہیں فرما رہے تھے پھر میں لڑائی کی طرف لوٹ گیا کچھ دیر کے بعد پھر واپس آیا اور حضور ﷺ کو سجدہ میں یہی الفاظ کہتے پایا اس کے بعد اللہ نے فتح عنایت فرمادی بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی اس میں اتنا زائد ہے پھر حضور ﷺ نے رخ موڑا ایسا معلوم ہوتا کہ حضور ﷺ کا چہرہ چاند ہے اور فرمایا گویا میں شام کو ہی اس قوم کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا تھا۔

سعیدؒ بن منصور نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت ملاحظہ فرمائی تو دو رکعت نماز پڑھی ابوبکرؓ دائیں طرف کھڑے تھے اور نماز میں دعا کی اے اللہ مجھے یہ مدد نہ چھوڑنا اے اللہ میں تجھے اس وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ احمد مسلم ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے حضرت عمرؓ بن خطابؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کو دیکھا وہ ایک ہزار تھے اور اپنے ساتھیوں کو دیکھا وہ تین سو انیس تھے تو کعبہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور اپنے رب کو پکارنے لگے کہنے لگے اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کر اے اللہ اپنے وعدہ کے مطابق مجھے عطا کر اے اللہ اگر مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو زمین پر تیری پرستش نہ ہو سکے گی برابر یونہی قبلہ کی جانب ہاتھ پھیلائے پکارتے رہے یہاں تک کہ دوش مبارک سے چادر گر گئی تھی اور ابوبکرؓ نے آکر چادر اٹھا کر دوش مبارک پر ڈالی پھر پیچھے سے رسول اللہ ﷺ کو چمٹ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بس کیجئے اللہ کو پکارنے کی حد ہو گئی اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اللہ نے تمہاری سن لی (اور فرمادیا) کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے اذ تستغیثون یا اذ یعدکم سے بدل ہے یا لیحق سے اس کا تعلق ہے یا فعل محذوف سے متعلق ہے یعنی تم دشمن سے محفوظ رہنے کی اللہ سے درخواست کر رہے تھے اور مدد طلب کر رہے تھے پھر اللہ نے تمہاری دعا قبول کر لی تھی اس وقت کو یاد کرو انی ممدکم یعنی تمہاری مدد کے لئے اور تمہاری طرف سے دفاع کے لئے بھیجوں گا بالف من الملئکۃ ایک ہزار ملائکہ بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ حضرت حکیمؓ بن حزام اور حضرت ابراہیم تیمیؒ کی روایت سے حدیث دعا اور حضرت ابوبکرؓ کا قول نقل کیا ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جھونپڑی کے اندر تھے کہ آپ ﷺ کے سر کو ایک جھٹکا ہوا پھر (گویا) بیدار ہو کر آپ نے فرمایا ابوبکرؓ بشارت ہو یہ جبرئیل سر پر زرد عمامہ باندھے ہوئے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آسمان و زمین کے درمیان موجود تھے پھر زمین پر اترے اور کچھ دیر کے لئے میری نظر سے غائب ہو گئے پھر گھوڑے پر سوار نمودار ہوئے اور مجھ سے کہہ رہے ہیں جب اللہ سے تم نے دعا کی تو اللہ کی مدد تم کو پہنچ گئی۔

ابن اسحٰق اور ابن المنذر کی روایت میں ہے کہ یہ الفاظ ہیں یہ جبرئیل ہیں گھوڑے کو چاروں ٹانگوں پر چلاتے ہوئے آگے سے

لگام پکڑے آرہے ہیں بخاری اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن فرمایا یہ
جبرئیل اسلحہ لگائے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہیں۔
مردفین کا ترجمہ ہے قطار در قطار ایک کے پیچھے ایک حضرت ابن عباسؓ نے اس لفظ کی تشریح میں فرمایا یعنی ہر فرشتہ
کے پیچھے دوسرا فرشتہ رواہ ابن جبیر وابن المنذر، قتادہ نے ترجمہ کیا ہے پے در پے رواہ ابن جریر وعبد بن حمید قتادہؒ نے یہ بھی فرمایا
کہ شروع میں اللہ نے ایک ہزار ملائکہ سے مسلمانوں کی مدد کی پھر تین ہزار سے پھر پورے پانچ ہزار کر دیئے۔ طبرانی نے حضرت
رفاعہؓ بن رافع کی روایت سے اور ابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ اللہ نے اپنے نبی کی اور مسلمانوں کی
مدد ایک ہزار ملائکہ سے کی ایک پہلو پر جبرئیل کے ساتھ پانچ سو تھے اور دوسرے پہلو پر میکائیل کے ساتھ پانچ سو، الحدیث۔
ابن ابی حاتم نے شعبی کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول ﷺ کو اطلاع ملی کہ کرز محاربی مشرکوں کو مدد دینی چاہتا ہے آپ
کو اس خبر سے تکلیف ہوگئی اس پر اللہ نے نازل فرمایا اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ
بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ کرز کو
قریش کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ لوٹ گیا قریش تک نہ پہنچ سکا اس لئے اللہ نے بھی مدد کے لئے پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے
صرف ایک ہزار ملائکہ سے مدد کی۔
ابو یعلی اور حاکم کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں بدر کے کنویں کے پاس تھا کہ ایسی تیز ہوا آئی جس کی
طرح میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی پھر ویسی ہی ایک تیز ہوا اور آئی پھر اسی طرح کی ایک تیز ہوا اور آئی، پہلی ہوا جبرئیلؑ کے
آنے کی تھی جو ایک ہزار ملائکہ کیساتھ اتر کر رسول اللہ ﷺ کی طرف آئے تھے دوسری ہوا میکائیل کے آنے کی تھی جو ایک
ہزار ملائکہ کیساتھ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اترے تھے ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے دائیں طرف تھے اور تیسری ہوا
اسرافیل کے آنے کی تھی جو ایک ہزار ملائکہ کیساتھ رسول اللہؐ کے بائیں جانب نازل ہوئے تھے میں بائیں جانب تھا، الحدیث۔
امام احمد، بزار اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا بدر کے دن مجھ سے اور ابو بکر سے
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم میں سے ایک سے فرمایا تمہارے ساتھ جبرئیلؑ ہیں اور دوسرے سے فرمایا تمہارے ساتھ میکائیل
ہیں اور اسرافیل ایک عظمت والا فرشتہ ہے جو میدان جنگ میں موجود رہتا ہے مگر صف میں شامل ہو کر لڑتا نہیں ہے ابو یعلی کی
روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ نماز میں ہی رسول اللہ ﷺ
مسکرا دیئے تھے (نماز کے بعد) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ مسکرا دیئے تھے (کیا وجہ تھی)
فرمایا جبرئیل میری طرف سے گزرے تھے قوم کے تعاقب سے واپس آرہے تھے ان کے پروں پر غبار کا کچھ اثر موجود تھا میری
طرف دیکھ کر ہنسے تھے میں ان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔
ابن سعد اور ابو الشیخ نے حضرت عطیہؓ بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر کی لڑائی سے فارغ
ہو گئے تو حضرت جبرئیلؑ سرخ گھوڑی پر سوار زرہ پہنے نیزہ لئے آئے اور کہا محمد ﷺ اللہ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور حکم
دیا ہے کہ جب تک آپ کی خوشی نہ ہو میں آپ کے ساتھ سے الگ نہ ہوں کیا اب آپ کی خوشی ہو گئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
ہاں میں خوش ہو گیا اس کے بعد جبرئیلؑ واپس چلے گئے۔
فائدہ:- بعض فرشتے آدمی کی شکل میں بعض لوگوں کے سامنے نمودار ہوئے تھے ابراہیم حربیؒ کا بیان ہے کہ ابو
سفیانؓ بن حارث نے کہا ہم نے بدر میں کچھ گورے رنگ کے آدمی ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان و زمین کے درمیان دیکھے تھے بیہقی
اور ابن عساکر راوی ہیں کہ حضرت سہیلؓ بن عمرو نے فرمایا بدر کے دن میں نے کچھ گورے رنگ کے مرد ابلق گھوڑوں پر سوار
آسمان و زمین کے درمیان دیکھے جو قتل بھی کر رہے تھے اور قید بھی کر رہے تھے۔

محمد بن عمر واسلمی اور ابن عساکر کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا میں نے بدر کے دن دو آدمی دیکھے ایک رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب تھا دونوں سخت ترین قتال کر رہے تھے پھر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تیسرا آ گیا پھر آپ کے آگے چوتھا آگیا۔

محمد بن عمر واسلمی کا بیان ہے کہ ابراہیم غفاری نے کہا میں اور میرا چچا کا بیٹا بدر کے پانی پر تھے محمد ﷺ کے ساتھیوں کی قلت اور قریش کی کثرت دیکھ کر ہم نے کہا دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوگا تو ہم محمد ﷺ کے لشکر اور اس کے ساتھیوں کا قصد کریں گے (یعنی براہ راست ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو نشانہ بنائیں گے) محمد ﷺ کے ساتھیوں کے میسرہ (بائیں بازو) کو جا کر دیکھا تو اندازہ کیا کہ یہ قریش سے ایک چوتھائی ہوں گے ہم میسرہ میں گھوم ہی رہے تھے کہ ایک بادل آیا اور ہم سب پر چھا گیا ہم نے بادل کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اس میں سے کچھ آدمیوں کی اور ہتھیاروں کی آواز سنائی دی ایک آدمی اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا حیزوم آگے بڑھ [1] یہ (غیبی) آدمی آکر رسول اللہ ﷺ کے میمنہ پر اترے پھر ایک جماعت اور اسی طرح کی (اوپر سے) آئی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو گئی اب وہ (صحابہؓ کی فوج) قریش سے دگنی ہو گئی میرا چچا کا بیٹا تو مر گیا میں رکا رہا (یعنی جنگ میں بچ گیا) اور مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع دی۔

ابن اسحاق اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ایک غفاری شخص کا اور بیہقی نے سائب بن ابی حبیش کا قول نقل کیا ہے غفاری اور سائب کہتے تھے کہ خدا کی قسم مجھے کسی آدمی نے قید نہیں کیا واقعہ یہ ہوا کہ جب قریش کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے تو میں ان کے ساتھ بھاگا مجھے ایک دراز قامت گورے رنگ کے آدمی نے پکڑ لیا یہ شخص گھوڑے پر سوار تھا اور آسمان و زمین کے درمیان معلق تھا پھر مجھے باندھ دیا اتنے میں عبدالرحمٰن بن عوف آگئے اور مجھے بندھا ہوا دیکھ کر پوچھا اس کو کس نے باندھا ہے لیکن کسی نے مجھے گرفتار کرنے کا دعویٰ نہیں کیا آخر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مجھے پیش کیا گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا تجھے کس نے گرفتار کیا ہے میں نے اصل بات بتانی نہیں چاہی اور جواب میں کہہ دیا مجھے معلوم نہیں فرمایا تجھے ایک فرشتہ نے گرفتار کیا ہے۔ امام احمد ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ابوالیسرؓ نے عباسؓ کو گرفتار کیا تھا ابوالیسر گٹھیلے بدن کے ناٹے قد کے آدمی تھے اور عباسؓ قد آور تھے رسول اللہ ﷺ نے ابوالیسر سے دریافت فرمایا تم نے عباسؓ کو کیسے گرفتار کر لیا ابوالیسرؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ گرفتار کرنے میں ایک اور شخص نے میری مدد کی جس کی ہیئت اس اس طرح کی تھی میں نے اس شخص کو نہ پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری مدد ایک بزرگ فرشتہ نے کی تھی۔

ابن اسحٰق اور اسحٰق بن راہویہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو اسید ساعدی نے نابینا ہو جانے کے بعد فرمایا تھا اگر اب میں تمہارے ساتھ بدر میں ہوتا اور میری آنکھیں بھی ہوتیں تو میں تم کو وہ گھاٹی بتاتا جس سے ملائکہ نکل کر آئے تھے اور مجھے (ان کے آنے میں) نہ کوئی شک تھا نہ شبہ۔

بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی سفید عمامے تھے جن کو انہوں نے پشت پر چھوڑ رکھا تھا (یعنی عمامہ کا کچھ حصہ بطور دم دونوں شانوں کے بیچ میں لٹکا رکھا تھا) اور خیبر کے دن (فرشتوں کی خصوصی نشانی) سرخ عمامے تھے ابن اسحٰق نے بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے ہاں جبرئیلؑ کا عمامہ زرد تھا۔ طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروۃؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن حضرت جبرئیل زبیرؓ کی شکل میں زرد عمامہ باندھے اترے تھے۔ ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

---

[1] اس قصہ میں اقدم حیزوم کا لفظ آیا ہے حضرت مولفؒ نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اُقْدُمْ اِقْدَمْ أَقْدِمْ تینوں طرح پڑھنا درست ہے نووی نے اَقْدِمْ کو ترجیح دی ہے مراد ہے جنگ میں آگے بڑھنا یا اقدام کرنا حیزوم، حزم سے مشتق ہے حیزوم سینہ کو بھی کہتے ہیں ممکن ہے کہ اس گھوڑے کا نام حیزوم اس لئے ہو کہ وہ ملائکہ کے سب گھوڑوں سے آگے تھا۔

طبرانی اور ابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا مرفوع قول نقل کیا ہے کہ مسومین کا معنی ہے نشان زدہ بدر کے دن فرشتوں کی خصوصی نشانی سیاہ عمامے تھے اور احد کے دن سرخ عمامے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی سبز اور زرد اور سرخ نورانی عمامے تھے جن کی دمیں انہوں نے شانوں کے درمیان چھوڑ رکھی تھیں اور گھوڑوں کی پیشانیوں پر بطور کلغی اون بندھا ہوا تھا اور ملائکہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملائکہ نے خصوصی نشانی مقرر کرلی ہے تم بھی (یہی) نشانی اختیار کرو چنانچہ لوگوں نے اون (کو بطور کلغی اپنے سروں کے بیچ میں اور ٹوپیوں پر باندھ لیا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى اور اللہ نے ملائکہ کی امداد صرف تمہاری بشارت کے لئے عطا فرمائی تھی جعلہ میں ہ ضمیر امداد کی طرف راجع ہے اور امداد کا ذکر ضمناً لفظ مُمِدُّكُمْ میں آگیا ہے۔ بشریٰ یعنی خوش ہونے کا سبب۔

وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ اور اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور وہ خوف دور ہو جائے جو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھ کر حسب معمول پیدا ہوا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ سے اللہ نے فتح کا وعدہ فرمالیا تھا پھر بھی آپ کو اضطراب پیدا ہوا اور آپ نے اللہ سے وعدہ کا واسطہ دے کر دعا کی بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی حالت حضرت ابراہیمؑ کی طرح تھی حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اللہ نے فرمایا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا بَلٰی وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ دونوں پیغمبروں کی حالت نزول اتم کے مرتبہ کی تھی [1] نزول اتم کی تشریح سورہ بقرہ کی آیت رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کی تفسیر کے ذیل میں ہم کر چکے ہیں۔

عبداللہ بن رواحہ نزول اتم کے مرتبہ پر فائز نہ تھے اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ اللہ کو وعدہ یاد دلایا جائے اس سے اللہ بہت بالا و برتر ہے (اس کو اس کی ضرورت نہیں) اور حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے اس مرتبہ سے واقف تھے اور آپ کو رسول اللہ کا قرب حاصل تھا اس لئے حضرت ابن رواحہ کی طرح تو الفاظ زبان سے نہیں نکالے ہاں یہ فرمایا کہ اب اللہ کو واسطہ دے کر دعا کرنے کی حد ہو گئی (اس سے زیادہ ضرورت نہیں) اور رسول اللہ ﷺ کے بے قرار ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ اشاعت اسلام اور استیصال کفر کی انتہائی رغبت رکھتے تھے اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ سارے جہان کی عبادت سے بے نیاز ہے (اس کو ضرورت نہیں کہ کوئی اس کی عبادت کرے اور دنیا میں اسلام پھیلے اور کفر مٹے)۔ واللہ اعلم۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ اور فتح تو حاصل نہیں ہوتی مگر اللہ ع 15
کی جانب سے بے شک اللہ غالب ہے اور اس کے کام مبنی بر حکمت ہیں۔

ملائکہ کی امداد تعداد کی کثرت اور سامان جنگ کی زیادتی یہ تو درمیانی ذرائع ہیں واقع میں ان کی کوئی تاثیر نہیں ضابطہ خداوندی یونہی ہے۔

فائدہ:- دعا سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جنگ میں شریک ہو گئے اور خوب لڑے حضرت ابو بکرؓ بھی شریک جنگ ہو کر لڑے اول دونوں حضرات جھونپڑی کے اندر انتہائی کوشش کے ساتھ دعا اور زاری میں منسلک رہے پھر باہر نکل کر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور برانگیختہ کیا اور خود بھی اجتماعی حالت میں مختلف مقامات پر لڑے محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں یہی صراحت کی ہے۔

ابن سعد اور فریابی کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا بدر کا دن ہوا اور جنگ سامنے آئی تو رسول اللہ ﷺ

---

[1] پیغمبروں کی دو حالتیں ہوتی ہیں صعودی اور نزولی یعنی قرب الٰہی اور قرب مخلوق اول حالت کا تعلق نبوت سے ہے اور دوسری حالت رسالت سے متعلق ہے جس کی صعودی حالت اکمل ہوتی ہے اس کی نزولی حالت بھی بدرجہ اتم ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابراہیمؑ کو نزول اتم کا مرتبہ حاصل تھا اسی لئے باوجود کمال ایمانی کے حضرت ابراہیمؑ نے احیاء موتی کو آنکھوں سے دیکھنے کی درخواست کی تاکہ شہودی طور پر اطمینان قلب پیدا ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ نے شہودی اطمینان کے لئے امداد ظاہری کے لئے دعا کی۔

ہمارے آگے ہو گئے اور ہم نے حضورؐ کی آڑ میں اپنا بچاؤ کیا اس روز آپ سب سے زیادہ جنگ جو تھے ہم میں سے کوئی بھی مشرکوں سے اتنا قریب نہ تھا جتنا حضور ﷺ تھے امام احمدؒ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا بدر کے دن کا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ لے رہے تھے نسائی کے یہ الفاظ ہیں جب لڑائی گرم ہو گئی اور قوم سے مقابلہ ہوا تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ پکڑ کر اپنا بچاؤ کرنے لگے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ جب کہ اللہ تم پر اونگھ چھا رہا تھا ابن کثیر اور ابو عمرو کی قرات میں اِذْ يَغْشٰكُمْ آیا ہے جیسے سورت آل عمران میں آیا ہے اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى نافعؒ کی قرآت میں يُغْشِيْكُمْ آیا ہے جیسے آیت كَاَنَّمَا اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ میں آیا ہے (یعنی باب افعال سے) باقی قاریوں کے نزدیک اِذْ يُغَشِّيْكُمْ (باب تفعیل سے) آیا ہے جیسے آیت فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى میں آیا ہے۔

اَمَنَةً مِّنْهُ اپنی طرف سے چین دینے کے لئے امنة لفظ کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے اور معنی کے لحاظ سے مفعول لہ (یعنی علت فعل) کیونکہ اونگھ آجانے کی غرض چین حاصل ہو جاتا ہے اور یغشیکم النعاس کے اندر اونگھ آجانے کا مفہوم داخل ہے (اونگھ چھا جائے گی تو آدمی ضرور اونگھ جائے گا) امنة یا لازم ہے یعنی چین پانا اور متعدی بھی ہو سکتا ہے یعنی چین دینا یعنی تمہارے چین پانے کے لئے اللہ کی طرف سے تھی یا اونگھ جو تم پر چھا رہی تھی وہ تم کو چین عطا کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے نازل شدہ تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا جنگ میں اونگھ آجانا یہ خدا کی طرف سے نازل شدہ چین ہوتا ہے اور نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اونگھ اللہ کی طرف سے نازل شدہ چین تھا اور اونگھ (کا نزول) دو بار ہوا ایک بار بدر کی جنگ میں اور ایک بار احد کی جنگ میں۔

وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ اور (اس کے قبل) تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ پانی کے ذریعہ تم کو (حدث اور جنابت سے) پاک کر دے اور شیطانی وسوسہ کو تم سے دفع کر دے رجز الشیطان یعنی شیطان کا یہ وسوسہ دور کر دے کہ باوجودیکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہیں تمہارے اندر اللہ کا رسول ہے لیکن پانی پر دشمن کا قبضہ ہونے کی وجہ سے تم ناپاکی کی حالت میں بغیر طہارت کے نماز پڑھ رہے ہو پھر کس طرح تم اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر اللہ کا رسول کیسا ہے کہ اس کی مدد خدا نہیں کرتا۔

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے یعنی اللہ کی مہربانی پر اعتماد رکھنے اور دلوں کے اندر سکون نازل ہونے کی وجہ سے تمہارے دل مضبوط ہو جائیں، رابط الجاش، قوی دل والا، ربط کا لغوی معنی ہے باندھنا اور قوت و استحکام تقاضا بندش ہے (یعنی ربط کا معنی قوت مجازی ہے ربط سبب قوت ہے سبب کا اطلاق مسبب پر مجازاً ہوتا ہے)۔

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪ اور بارش کی وجہ سے قدموں کو جما دے بارش۔ سے ریت جم گئی سخت ہو گئی اس کے اندر دھنسنے سے قدم محفوظ ہو گئے یا قدموں کو جمانے سے مراد ہے دل میں قوت پیدا کرنا اور برداشت شدت پر ثابت قدم رکھنا۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭسَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ⑫ اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمہارا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (یعنی مددگار) ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا پس تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور پر مارو۔

الملائکۃ سے مراد وہ ملائکہ ہیں جن کو مسلمانوں کی کمک کے لئے بھیجا گیا تھا۔

انی معکم یعنی مسلمانوں کی مدد کرنے میں میں تمہارے ساتھ ہوں (حضرت مفسرؒ کی مراد یہ ہے کہ معیت سے جسمانی معیت مراد نہیں ہے بلکہ اللہ کے ساتھ ہونے سے مراد ہے اللہ کی مدد کا ساتھ ہونا) فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی مسلمانوں

کے دشمنوں سے لڑ کر مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ کر کے اور مسلمانوں کو کامیابی کی بشارت دے کر تم ان کی ہمت بڑھاؤ ان کو اطمینان خاطر دلاؤ مقاتل کا بیان ہے کہ آدمیوں کے بھیس میں ملائکہ صف سے آگے آگے چلتے تھے اور کہتے تھے تم کو بشارت ہو کہ اللہ تم کو قطعی طور پر فتح یاب فرمائے گا۔ الرعب دل کے اندر خوف بھر جانا مراد ہے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا ڈر بیٹھ جانا سالقی فی قلوب الذین یہ پورا جملہ گویا انی معکم کی تشریح ہے (یعنی میری مدد کی گویا شکل یہ ہو گی کہ میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کی تعداد کو دوگنا چوگنا دکھا کر رعب ڈال دوں گا) ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا ابا آپ کو ابو الیسرؓ نے کیسے گرفتار کر لیا اگر آپ چاہتے تو اس کو مٹھی میں پکڑ لیتے (آپ قد آور اور جسیم آدمی ہیں اور ابو الیسر ناٹا ٹھگنا مٹھی بھر آدمی ہے) فرمایا بیٹے ایسانہ کہو وہ مجھے کوہ خندقہ سے بھی بڑا دکھائی دیتا تھا۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے قریش کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا۔

فوق الاعناق یعنی گردنوں سے اوپر والے حصوں میں مارو جیسے سر حلق وغیرہ، عکرمہ نے کہا فوق الاعناق سے سر مراد ہیں کیونکہ سر گردنوں کے اوپر ہوتے ہیں ضحاک نے کہا فوق الاعناق سے مراد ہے گردنوں پر فوق بمعنی علی ہے (گردنوں کے اوپر یعنی گردنوں پر مارو) کل بنان یعنی ہر جوڑ پر (عطیہ) یا پور پور پر مارو (حضرت ابن عباس ابن جریج ضحاک) بنان بنانۃ کی جمع ہے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے پوروں کو بنانہ کہتے ہیں قاموس میں ہے بنان انگلیاں یا انگلیوں کے سر۔

آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ اضربوا سے ملائکہ کو خطاب ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ بھی لڑے تھے (صرف مسلمانوں کی تعداد بڑھانے ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کرنے اور کافروں کو خوفزدہ کرنے کے لئے ہی شریک نہیں ہوئے تھے) ابن انباری نے کہا فرشتے واقف نہ تھے کہ آدمیوں کو کیسے قتل کیا جاتا ہے اللہ نے فاضربوا فرما کر ان کو بتا دیا بخاری نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن جب کہ رسول اللہ ﷺ ڈیرہ کے اندر تھے آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ میں تجھے تیری ذمہ داری اور تیرے وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں اے اللہ اگر مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی آج تیری مشیت ہوئی تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جاسکے گی یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ بس آپ اپنے رب کے سامنے خوب زاری کر چکے (حضور ﷺ نے دعا ختم کر دی) اور زرہ پہنے اچھلتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے ڈیرہ سے باہر آگئے سیھزم الجمع ویولون الدبر بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر اور اللہ نے نازل فرمایا اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ مردفین سے مراد ہیں پے در پے ایک کے بعد ایک سلسلہ وار اور فرمایا اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ اور فرشتوں سے فرمایا اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔

مسلم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس روز ایک مسلمان ایک مشرک کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا مشرک آگے آگے بھاگا جا رہا تھا کہ مسلمان نے اوپر سے کوڑا لگانے کی آواز سنی اور کسی سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا اقدم حیزوم (حیزوم آگے بڑھ) نظر اٹھا کر دیکھا تو مشرک سامنے چت پڑا ہوا دکھائی دیا جس کی ناک ٹوٹ گئی تھی اور چہرہ پھٹ گیا تھا اس مسلمان نے سب کو وہاں جمع کر کے دکھایا ایک انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا حضور ﷺ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو وہ (قتل) تیسرے آسمان کے فرشتوں کی کمک نے کیا تھا حاکم اور بیہقی اور ابو نعیم نے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت سہلؓ بن حنیف نے فرمایا بدر کے دن ہم میں سے بعض لوگ اپنی تلوار سے مشرک کے سر کی طرف اشارہ ہی کرتے تھے اور تلوار پہنچنے نہ پاتی تھی کہ سر نیچے گر پڑتا تھا بیہقی نے حضرت ربیع بن انس کا بیان نقل کیا ہے کہ گردنوں اور پوروں پر آگ سے جلے ہوئے کی طرح نشان دیکھ کر لوگ پہچان لیتے تھے کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے ابن سعد نے حویطب بن عبد العزی کا بیان نقل کیا ہے میں بدر کے موقع پر مشرکوں کی معیت میں موجود تھا میں

نے ایک جماعت دیکھی آسمان وزمین کے درمیان ملائکہ کو دیکھا جو قتل اور قید کر رہے تھے۔

محمدؒ بن عمر اسلمی اور بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بردہؓ بن دینار نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تین سر لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان دو کو میں نے قتل کیا ہے اور تیسرے کو میں نے دیکھا کہ کسی گورے رنگ کے دراز قامت شخص نے اس کے تلوار ماری اور سر اڑا دیا معلوم نہیں وہ کون شخص تھا) میں نے اس کا سر لے لیا حضور ﷺ نے فرمایا اس کو قتل کرنے والا فلاں فرشتہ تھا ابنؒ سعد نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے اس روز بعض لوگوں کے سر اڑ کر الگ گر رہے تھے اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ کس نے قتل کیا ہے بعض کے ہاتھ کٹ کر الگ گر رہے تھے اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ کاٹنے والا کون ہے۔

ابن اسحاق اور بیہقی نے حضرت ابو واقد لیثیؓ کا بیان نقل کیا ہے میں بدر کے دن ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا لیکن میری تلوار پہنچنے سے پہلے اس کا سر گر پڑا اس سے میں نے پہچان لیا تھا کہ کسی اور نے اس کو قتل کر دیا۔ بیہقی نے حضرت خارجہ بن ابراہیم کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل ؑ سے دریافت کیا بدر کے دن اقدم حیزوم کہنے والا کون فرشتہ تھا حضرت جبرئیل ؑ نے فرمایا تمام آسمان والوں کو میں نہیں پہچانتا۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع نے فرمایا میں عباس بن عبد المطلب کا غلام تھا اسلام ہمارے گھر والوں کے اندر داخل ہو چکا تھا ام الفضل مسلمان ہو چکی تھیں اور میں بھی اسلام لے آیا تھا۔ عباس قوم والوں سے ڈرتے تھے اور ان کی مخالفت پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ آدمی بڑے مالدار تھے اور ان کا مال قوم میں (بطور قرض) بٹا ہوا تھا اس لئے آپ ایمان کو چھپائے ہوئے تھے دشمن خدا ابو لہب خود بدر میں شریک نہ ہوا تھا اپنی جگہ اس نے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تھا جب اس کو بدر کی شکست کی اطلاع ملی تو اللہ نے اس کو ذلیل اور رسوا کر دیا اور ہم کو اپنے اندر قوت اور عزت محسوس ہونے لگی میں کمزور آدمی تھا تیر بنایا کرتا تھا اور زمزم کے حجرہ کے اندر بیٹھا تیر چھیلا کرتا تھا ایک روز حجرہ کے اندر بیٹھا تیر تراش رہا تھا ام الفضل میرے پاس بیٹھی تھیں کہ ابو لہب کا فر پاؤں کو گھسیٹتا ہوا سامنے آ گیا اور حجرہ کے بیرونی حصہ میں بیٹھ گیا اس کی پشت میری پشت کی طرف تھی وہ بیٹھا ہی ہوا تھا کہ لوگوں نے کہا لو ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب آ گیا۔ ابو لہب بولا بھتیجے میرے پاس آؤ تمہارے پاس ضرور اطلاع ہو گی ابو سفیان اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا لوگ کھڑے رہے ابو لہب نے کہا بھتیجے بتاؤ کیا ہوا ابو سفیان نے کہا کچھ نہیں خدا کی قسم مقابلہ ہوا تو ہم نے اپنے شانے ان کے ہاتھوں میں دے دیئے کہ وہ جیسا چاہیں کریں ہم کو قتل کریں یا قید کریں اس کے باوجود خدا کی قسم لوگ کبیدہ خاطر نہیں ہوئے مگر ہمارا مقابلہ ایسے گورے رنگ کے لوگوں سے ہوا جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور آسمان وزمین کے درمیان (فضا میں) معلق تھے خدا کی قسم ان کا اندازہ کسی چیز سے نہیں ہوتا تھا نہ ان کے سامنے کوئی چیز ٹھیر سکتی تھی حضرت ابو رافع کا بیان ہے میں نے یہ سن کر خیمہ کا ایک حصہ (غالباً راوی نے جس کو حجرہ کہا ہے وہ حجرہ نما ڈیرہ ہو گا جو طنابوں سے بندھا ہوا ہو گا) اپنے ہاتھ سے اٹھا کر کہا خدا کی قسم وہ ملائکہ تھے ابو لہب نے ہاتھ اٹھا کر فوراً میرے منہ پر زور سے ضرب لگائی میں اس سے لپٹ گیا اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور اوپر چڑھ کر مجھے مارنے لگا میں کمزور آدمی تھا ام الفضل نے جو یہ دیکھا تو ڈیرے کی ایک ٹیکی لے کر ابو لہب کو زور سے ماری جس سے اس کا سر برے طور سے پھٹ گیا اور بولیں چونکہ اس کا آقا موجود نہیں ہے اس لئے تو نے اس کو کمزور سمجھ لیا۔

ابو لہب ذلیل ہو کر منہ پھیر کر چل دیا اور سات راتیں گذرنے نہ پائی تھیں کہ اللہ نے اس کو عدسہ کے عرض میں مبتلا کر دیا اور ختم کر دیا ابن جریر نے کہا عدسہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا تھا عرب اس کو منحوس جانتے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ بڑا متعدی مرض ہے ابو لہب کو چونکہ عدسہ کا مرض ہوا تھا اس لئے مرنے کے بعد بھی تین دن تک اس کی اولاد اس سے دور دور ہی رہی کوئی اس کی لاش کے قریب نہ آتا تھا نہ اس کو دفن کرنے کا قصد کرتا آخر جب بدنامی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو ایک گڑھا کھود کر لاٹھیوں کے سہارے لاش کو اٹھا کر اس گڑھے میں ڈال دیا اور دور ہی دور سے پتھروں سے گڑھے کو پاٹ کر لاش کو چھپا دیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یونس بن بکیر کی روایت میں آیا ہے ابو لہب کی لاش کے لئے گڑھا نہیں کھودا گیا تھا بلکہ کسی باغ کی دیوار کے سہارے اس کو

نکال کر دیوار کی پشت کی جانب سے پتھر پھینک کر لاش کو پتھروں میں چھپا دیا تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝۱۴

یہ (سزا) اس لئے دی گئی کہ انہوں نے خدا اور رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص رسول کی مخالفت کرتا ہے (تو اس کو خدا عذاب دے گا کیونکہ) خدا سخت عذاب دینے والا ہے یہ مزہ (تو یہاں) چکھو اور (جانے رہو کہ) کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب بھی (آخرت میں تیار) ہے۔

ذلک یعنی یہ مار اور مارنے کا حکم اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔

بانهم شاقوا یعنی اس مار کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول سے عناد کیا۔ شاقوا کا مادہ شق ہی شق کا معنی ہے جانب پہلو۔ دو عناد کرنے والوں میں سے ہر فریق دوسرے فریق کے مخالف جانب ہوتا ہے جیسے معادات کا مادہ عدوہ اور مخاصمت کا مادہ خصم ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اس کی جزاء محذوف ہے یعنی جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتا ہے اللہ اس کو سخت سزا دیتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ یہ سزا دینے کی علت کا اظہار ہے یا اس عذاب کی وعید ہے جو اس دنیوی عذاب کے بعد آخرت میں اللہ کے دشمنوں کے لئے تیار رکھا گیا ہے۔

ذلکم پہلا خطاب رسول اللہ ﷺ کو تھا اب کلام کا رخ بطور خطاب کافروں کی طرف پھیر دیا گیا شاقوا صیغہ غائب تھا اور ذلکم ضمیر خطاب ہے غیبت سے خطاب کی طرف (کلام میں رنگینی پیدا کرنے یا براہ راست دھمکی دینے کے لئے) کلام کو منتقل کیا گیا ہے ذلکم فعل محذوف کا مفعول ہے اور فذوقوہ میں فاء عاطفہ (تفسیری یا تاکیدی) ہے یعنی اس کو چکھو یا ایسے کئے جاؤ پھر عذاب کا مزہ چکھو وان للکافرین یعنی کافروں کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے اس کا عطف ذٰلِكُمْ پر ہے یا وَاَنَّ میں واؤ معیت کے لئے ہے یعنی یہ سزا جو فوری طور پر تم کو دی گئی ہے اس کو مع اس سزا کے چکھو جو آخرت میں تمہارے لئے تیار کی گئی ہے لکم کی جگہ صراحت کے ساتھ للکافرین کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں عذاب اور دنیوی سزا کے ساتھ آخرت کے عذاب میں بھی مبتلا ہونا محض کفر کی وجہ سے ہے مومن پر بداعمالی کی وجہ سے اگر دنیا میں کوئی مصیبت آ بھی جاتی ہے تو وہ کفارہ ہو جاتی ہے انشاء اللہ آخرت میں اس پر عذاب نہیں ہو گا۔

بغوی نے آیت مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کیا میں تم کو اللہ کی کتاب کی ایک بزرگ ترین آیت بتاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمائی تھی وہ آیت ہے مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اے علیؓ میں اس کی تم سے تفسیر بیان کرتا ہوں مراد یہ ہے کہ جو بیماری یا سزا یا مصیبت تم پر دنیا میں آتی ہے وہ تمہارے اعمال سے آتی ہے اور اللہ آخرت میں اس کی دوبارہ سزا دینے سے بہت بزرگ ہے (یعنی دوبارہ آخرت میں سزا نہیں دے گا) اور جس عمل کی سزا سے اس نے دنیا میں درگذر فرما دی تو معافی کے بعد پھر آخرت میں اس کی سزا دینے سے اللہ لاپروا ہے ترمذی اور حاکم نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن بھی کہا ہے کہ خدمت گرامی میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ قافلہ کا پیچھا کرنا آپ کے لئے ضروری ہے قافلہ سے کوئی مانع نہیں ہے حضرت عباس اس وقت قیدی کی حیثیت میں تھے اور بندھے ہوئے تھے اسی حالت میں آپ ﷺ نے پکار کر کہا یہ بات نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیوں حضرت عباسؓ نے عرض کیا اللہ نے آپ سے دونوں گروہوں میں سے ایک پر فتح یابی کا وعدہ کیا تھا اور جو وعدہ کیا تھا وہ دے دیا (یعنی قریش پر آپ کو فتح حاصل ہو گئی دوسرے گروہ پر فتح یاب کرنے کا وعدہ نہیں فرمایا) حضور ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝۱۵

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان کو پشت نہ دینا زحفا لقیتم کے فاعل و مفعول سے حال

ہے تزاحف کا معنی ہے لڑائی کے وقت ایک کا دوسرے سے قریب ہو جانا (ایک جماعت کا اپنے مقابل کی جماعت میں مخلوط ہو جانا) یعنی جب تم میں سے بعض بعض کے قریب ہو جائیں مسلمان اور کافر باہم گڈمڈ ہو جائیں کذا قال البغوی۔

میں کہتا ہوں تزاحف کے معنی باہم قرب کے اس لئے ہیں کہ یہ لفظ زَحَفَ الصَّبِیُّ کے محاورہ سے ماخوذ ہے بچہ سرینوں کے بل جب سرکنے لگتا ہے تو زحف الصبی کہا جاتا ہے یا زحف البعیر سے ماخوذ ہے جب اونٹ تھک جانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگتا ہے اور کچھ گھسٹتا ہوا چلتا ہے تو زحف البعیر کہا جاتا ہے دشمن کی مزاحمت بھی سپاہی کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے سے روکتی ہے اور وہ بچہ کی طرح سرکتا ہے اس تفسیر پر زحف مصدر قرار پائے گا اسی لئے اس کو بصیغہ جمع ذکر نہیں کیا (کیونکہ مصدر کی جمع نہیں آتی جیسے قَوْمٌ عَدْلٌ لیث کا قول ہے کہ زحف اس جماعت کو کہتے ہیں جو دشمن کی طرف اجتماعی شکل میں بڑھے زحف اس کی جمع آئی ہے قاموس میں ہے زحف اس لشکر کو کہتے ہیں جو دشمن کی طرف بڑھے۔ بیضاوی نے اس معنی کو اختیار کیا ہے اسی لئے زحفا کا تفسیری معنی اس نے کثیر آلکھا ہے اس تفسیر پر زحفا الذین کفروا سے حال ہوگا یعنی جب تمہارا مقابلہ کثیر التعداد دشمن سے بھی ہو تب بھی بھاگ کر پیٹھ نہ دو تھوڑے دشمنوں کا تو ذکر ہی کیا ہے یا فعل و مفعول دونوں سے حال ہے یعنی تمہاری کثیر التعداد جماعت کا مقابلہ کثیر دشمنوں سے ہو اس وقت زحفا کا لفظ (شرط احترازی کے طور پر نہ ہوگا بلکہ) واقعہ کا اظہار ہوگا۔ عام طریقہ یہی ہے کہ جماعت کا جماعت سے مقابلہ ہوتا ہے یا صرف فاعل سے حال ہے اس صورت میں آئندہ ہونے والے واقعہ پر تنبیہ ہوگی بدر کے بعد جب حنین کی لڑائی پیش آئی تو مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی مگر اس کثرت کے باوجود وہ پیٹھ پھیر کر گھبراہٹ میں بھاگ کھڑے ہوئے میرے نزدیک بغوی کی تفسیر زیادہ مناسب ہے اس تفسیر پر ممانعت کے حکم میں عموم ہو جائے گا جماعت کا مقابلہ جماعت سے ہو یا ایک کا ایک سے بہر حال پیٹھ دینے کی ممانعت مستفاد ہوگی جب جمع کا مقابل جمع سے ہوتا ہے تو افراد کا افراد سے مقابلہ لازم ہے۔

مسئلہ:۔ اکثر اہل علم کے نزدیک میدان جنگ سے مقابلہ کے وقت بھاگنا گناہ کبیرہ ہے چاروں اماموں کا قول یہی ہے مگر سب کے نزدیک یہ شرط ہے کہ مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں نصف سے کم نہ ہو اگر نصف سے کم ہو تو دشمنوں کو چھوڑ کر بھاگنا جائز ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ الخ عطاء بن رباح کا قول ہے کہ آیت لَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ دوسری آیت اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ سے منسوخ کر دی گئی اس کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث بھی آیت مذکورہ کے حکم کی ناسخ ہے حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک جہادی دستہ کے ساتھ بھیجا وہاں پہنچ کر یہ دستہ شکست کھا کر تتر بتر ہو گیا اور ہم سب مدینہ میں واپس آکر چھپ رہے اور آپس میں کہا ہم (اس بھاگنے کی وجہ سے) تباہ ہو گئے (یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہم سے ہو گئی جس کی وجہ سے ہماری تباہی لازمی ہے) پھر خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم بھگوڑے ہیں فرمایا (نہیں) بلکہ تم تو مڑ کر دوبارہ حملہ کرنے والے ہو (یعنی یہ تو جنگی تدبیر ہے کہ دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے سپاہی میدان جنگ سے بھاگتا ہے اور پھر موقع پا کر مڑ کر حملہ کرتا ہے) اور میں تمہارے لئے جماعتی مرکز ہوں (جس کی طرف ایک دانش مند مجاہد لوٹ کر آتا ہے) رواہ الترمذی ورویٰ ابوداؤد بمثلہ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ شہید ہو گئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا اگر میری طرف سمٹ آتے تو میں ان کے لئے مرکزی پناہ گاہ (ثابت) ہوتا میں ہر مسلمان کے لئے جماعتی پناہ گاہ ہوں۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا حکم اس وقت ہوگا جب مسلمانوں کی تعداد کافروں کی تعداد سے آدھی سے بھی کم ہو (مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں ایسا ہی تھا) بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو شخص تین کے مقابلہ سے بھاگا وہ نہیں بھاگا اور جو دو کے مقابلہ سے بھاگا وہ (حقیقت میں) بھاگا۔ بعض لوگوں نے مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کی روشنی میں ہر صورت میں فرار کو جائز قرار دیا ہے (تعداد کی کمی بیشی کی کوئی شرط نہیں لگائی) حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا مقابلہ سے

روگرداں ہونے کی ممانعت صرف اہل بدر کے ساتھ مخصوص تھی رسول اللہ ﷺ وہاں موجود تھے انہی کے لئے بھاگنا ناجائز تھا اگر بھاگتے تو کہاں جاتے مشرکوں کے ہی طرف لوٹ کر جانا پڑتا بدر کے بعد تو (ہر لڑائی میں) مسلمان باہم ایک دوسرے کے لئے پناہ کا مقام تھے بھاگنے والا لوٹ کر بھی مسلمان کی طرف سمٹ کر آئے گا اس لئے بدر کے بعد قتال سے فرار گناہ کبیرہ نہیں حسن قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی مسلک ہے یزید بن ابی حبیب نے کہا بدر کے دن فرار ہونے والے کے لئے تو اللہ نے دوزخی ہونے کی صراحت فرمادی لیکن اس کے بعد احد کے بعد جو لوگ میدان قتال سے روگرداں ہوئے ان کے متعلق فرمایا اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ پھر حنین کے دن فرار ہونے والوں کے متعلق فرمایا ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۔

میں کہتا ہوں یہ قول اجماع امت کے خلاف ہے اور احد و حنین میں بھاگنے والوں کے متعلق جو آیات مذکورہ ہیں وہ تو ان لڑائیوں میں بھاگنے والوں کو گناہ گار قرار دے رہی ہیں اول جگہ صراحت ہے کہ بھاگنے والوں ہی کی بعض نازیبا حرکتوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے اور اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا دوسری آیت میں ہے تم منہ پھیر کر بھاگے پھر اللہ جس کی توبہ چاہے گا قبول فرمالے گا ظاہر ہے کہ معافی اور قبول توبہ بغیر ارتکاب گناہ کے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ رسول اللہ ﷺ نے سات ہلاکت آفریں چیزوں میں قتال سے بھاگنے کا شمار کیا ہے بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور اصحاب سنن نے حضرات صفوان بن عسال کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے سورت نساء کی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفسیر میں ہم نے کبائر کی تشریح کر دی ہے لہٰذا مندرجہ ذیل آیت کی وعید عام ہے (صرف اہل بدر کی خصوصیت نہیں)

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ جو شخص اس موقع پر ان کو پشت دے گا بشرطیکہ لڑائی کے لئے پینترا نہ بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے نہ آتا ہو تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

من یولهم یعنی جو کافروں کو قتال کے دن پیٹھ دے گا الا متحرفا لقتال یعنی دشمنوں کو فریب دینے کے لئے اپنی شکست دکھائے اور مقصد یہ ہو کہ دشمن کو غافل بنا کر لوٹ کر حملہ کرے گا۔ او متحیزا الی فئة یا اگر لڑتے لڑتے تھک جائے تو اپنی جماعت سے آملے اور مقصد یہ ہو کہ تھکان دور ہونے کے بعد دوبارہ جا کر لڑے گا بدر کے قصے میں بغویؒ نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جب مسلمان لڑائی سے فارغ ہو کر لوٹے تو بعض لوگ کہنے لگے میں نے فلاں کافر کو قتل کیا ہے دوسرا بولا میں نے فلاں کو مارا ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ پھر تم نے ان کو (اپنی قوت کی بدولت) قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا یعنی اللہ نے تمہاری مدد کی تم کو ان پر دست رس عنایت کی، ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالا اور فرشتوں سے تمہاری امداد کرائی۔ اصل کلام اس طرح تھا اگر دشمن پر فتح یاب ہونے پر تم فخر کرتے ہو تو غلطی کرتے ہو تم نے اپنے بل بوتے پر دشمنوں کو قتل نہیں کیا تمہاری محنت کشی فتح کی علت نہیں بلکہ اللہ نے غیر معمولی مدد دے کر دشمنوں کو قتل کیا۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ اور جب تم نے (اے نبی دشمنوں پر مٹھی بھر خاک) پھینک ماری تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ یعنی گو بظاہر تم نے پھینکی مگر دشمنوں کی آنکھوں میں جھونکنے اور وہاں تک پہنچانے کی تم کو قدرت نہ تھی اللہ نے وہ خاک اور کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں تک پہنچا دیں جس کی وجہ سے ان کو شکست ہوگئی۔

ابن جریر، ابن المنذر اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور اموی نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صغیر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مناجات کے وقت عرض کیا اگر تو اس جماعت کو ہلاک کر دے گا تو (اس وقت تیری پرستار چونکہ صرف یہی جماعت ہے اس لئے) زمین پر پھر کبھی تیری عبادت نہ ہوگی دعاء کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے (آکر) کہا ایک مٹھی خاک لے کر ان لوگوں کے چہروں پر پھینک مارو (حضور ﷺ نے مشورہ پر عمل کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی مشرک ایسا نہ

بچا جس کی آنکھوں نتھنوں اور منہ میں خاک نہ پڑ گئی ہو بالآخر سب پشت پھیر کر بھاگ پڑے حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا اب ان پر حملہ کرو حملہ ہوتے ہی مشرکوں کو شکست ہو گئی اور سرداران قریش میں جس کا قتل ہونا اللہ کو منظور تھا وہ مارا گیا اور جس کا قید کرنا منظور تھا وہ گرفتار کر لیا گیا اس وقت آیت فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم نازل ہوئی۔

طبرانی اور ابوالشیخ نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا مجھے ایک مٹھی کنکریاں دے دو حضرت علیؓ نے دے دیں رسول اللہ ﷺ نے کافروں کے چہروں پر پھینک ماریں نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں کوئی شخص نہ بچا جس کی آنکھوں میں کنکریاں نہ بھر گئی ہوں۔ ابوالشیخ، ابو نعیم اور ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے بدر کے دن آسمان سے کچھ کنکریاں گرنے کی آواز سنی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی طشت میں گری ہیں جب صف بندی ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے وہ کنکریاں لے کر مشرکوں کے چہروں پر پھینک ماریں جس کی وجہ سے ان میں بھگدڑ پڑ گئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن زید کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین کنکریاں پھینکی تھیں ایک کنکری مشرکوں کے میمنہ پر دوسری میسرہ پر اور تیسری درمیان میں اور شاهت الوجوه فرمایا تھا جس کی وجہ سے ان کو شکست ہو گئی حضرت محمد بن عمرو اسلمیؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں لے کر مشرکوں پر پھینک ماریں اور فرمایا شاهت الوجوه اللهم ارعب قلوبهم وزلزل اقدامهم (چہرے بگڑ گئے اے اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے دشمنوں میں بھگدڑ پڑ گئی کسی چیز کی طرف منہ نہ موڑا کمانڈر خوف زدہ ہو گئے مسلمان ان کو قتل اور قید کرنے لگے کوئی ایسا نہ بچا جس کا منہ اور آنکھیں (خاک اور) کنکریوں سے نہ بھر گئی ہوں جدھر جس کا سینگ سمائے بغیر رخ دیکھے چل دیا اور فرشتے ان کو قتل کرنے لگے ابن حاتم اور ابن جریر نے حسن سند کے ساتھ حکیم بن حزام کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کا دن ہوا تو ہم نے آسمان سے زمین کی طرف اترتی ہوئی ایک آواز سنی جیسے کسی طشت میں کوئی پتھری گری رسول اللہ ﷺ نے وہی پتھری لے کر شاهت الوجوه فرماتے ہوئے پھینک ماری جس کی وجہ سے ہم کو شکست ہو گئی آیات مذکورہ کی شان نزول میں کچھ غریب روایات اور بھی آئی ہیں (جن میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے)۔

حاکم نے بروایت سعید بن مسیب بحوالہ مسیب بیان کیا کہ احد کے دن ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور مصعبؓ بن عمیر اس کے مقابلہ پر آگئے ابی کی زرہ اور خود کے درمیان ایک شگاف تھا جس سے اس کی ہنسلی کی ہڈی رسول اللہ ﷺ نے دیکھ پائی اور اس شگاف میں چھوٹا نیزہ (برچھی) مارا ابی فوراً گھوڑے سے گر پڑے ایک پسلی ٹوٹ گئی مگر زخم سے خون نہیں نکلا (یعنی ایسا زخم نہیں لگا کہ خون نکلتا کچھ خراش لگ گئی) مگر ابی بیل کی طرح چلانے لگا کہ ساتھیوں نے کہا تو کیسا ڈھیلا آدمی ہے (کوئی زخم نہیں پھر کیوں چلاتا ہے) صرف ایک خراش لگی ہے ابی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تو یہ کہا تھا کہ میں ابی کو قتل کئے دیتا ہوں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر یہ زخم تمام ذی المجاز (ذی المجاز ایک میلہ کا نام ہے جہاں عکاظ کے میلہ کے بعد عرب جمع ہوتے تھے) والوں کے لگتا تو سب مر جاتے۔ غرض مکہ کو پہنچنے سے پہلے ابی مر گیا اور اللہ نے آیت ومارميت اذرميت ولكن الله رمی نازل فرمائی۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر غریب ہے۔ ابن جریرؒ نے عبدالرحمٰن بن جبیرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے کمان منگوا کر قلعہ پر تیر مارا تیر لڑھکتا ہوا نیچے آگرا نیچے ابن ابی الحقیق بستر پر لیٹا ہوا تھا تیر اس کے لگ گیا اور وہ مر گیا اس پر آیت ومارميت اذرميت ولكن الله رمی نازل ہوئی۔ یہ روایت مرسل اور جید ہے مگر غریب ہے۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۚ اور تاکہ مسلمانوں کی اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اللہ نے جو کچھ کیا وہ دین کو غالب کرنے اور دشمنوں کو مقہور کرنے کے لئے کیا اور اس لئے کیا کہ مومنوں کو نعمت عظیمہ عنایت فرمائے فتح مال غنیمت اور آیات کا مشاہدہ کرا کے ایمان میں قوت اور جہاد و شہادت کا ثواب اور

جنت اور مراتب قرب اور اپنی خوشنودی عطا فرمائے۔ میں کہتا ہوں و لیبلی الخ حقیقت میں ایک شبہ کا جواب ہے شبہ ہو سکتا تھا کہ اللہ جب تمام کافروں کو ہلاک کر سکتا تھا پھر مومنوں کے جہاد و جنگ کرنے اور فرشتوں کی کمک پہنچانے کی کیا ضرورت تھی پھر ایک فرشتہ بھی سب کو ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا جیسا کہ گزشتہ قوموں کے ساتھ کیا گیا اللہ نے خود فرمایا ہے وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ایسی صورت میں ہزاروں ملائکہ بھیج کر امداد کرانے کی ضرورت ہی کیا تھی اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ ہم نے جو کچھ کیا اس لئے کیا کہ دین غالب ہو جائے اور انسان و ملائکہ کے مل کر جنگ کرنے سے اہل ایمان کو ثواب، اجر، فتح، مال غنیمت اور مرتبہ قرب حاصل ہو جائے اگر اللہ بغیر کسی ذریعہ کے محض اپنی قدرت سے سب کو ہلاک کر دیتا یا ایک فرشتہ کی چیخ سے سب کو مار ڈالتا اور کوئی مشرک باقی نہ رہتا تو آئندہ کوئی کافر دولت ایمان سے سرفراز نہ ہوتا، جہنم میں مارے جاتے شکست پانے کے بعد جو مشرک لوگ بچ گئے جو بعد کو مسلمان ہوئے اور ایمان کی نعمت ان کو مل گئی اس کے علاوہ مومنوں کو جہاد اور شہادت کا ثواب مل گیا اور غازیوں کو مال غنیمت حاصل ہو گیا اور ملائکہ کو بھی شرف نصیب ہو گیا۔

فضائل اہل بدر

بخاری نے حضرت رفاعہ بن رافعؓ زرقی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا آپ لوگ اہل بدر کو اپنے اندر کس درجہ پر جانتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا وہ تمام مسلمانوں سے افضل ہیں یا اسی مفہوم کا کوئی اور جواب دیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا (ملائکہ میں) یہی مرتبہ ان ملائکہ کا ہے جو بدر میں شریک ہوئے تھے امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت رافع بن خدیجؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ امام احمد نے صحیح سند سے بر شرط مسلم حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بدر اور حدیبیہ میں شریک رہا وہ دوزخ میں ہرگز نہیں جائے گا ابو داؤد ابن ماجہ اور طبرانی نے جید سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اہل بدر کے احوال سے واقف ہو جانے پر فرماتا ہے کہ تم اب جو چاہو عمل کرو میں نے تم کو بخش دیا۔

امام احمدؒ کا بیان ہے کہ حضرت حفصہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود فرماتے سنا آپ فرما رہے تھے کہ جو کوئی بدر اور حدیبیہ میں حاضر رہا انشاء اللہ وہ دوزخ میں نہیں جائے گا حضرت حفصہؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ نے وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو دوزخ میں نہ اترے) نہیں فرمایا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا مسلم اور ترمذی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عبداللہؓ بن حاطب (اپنے باپ) حاطبؓ کی شکایت کرنے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حاطب بلاشبہ دوزخ میں جائے گا حضور ﷺ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو وہ دوزخ میں نہیں جائے گا وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھا۔

صحیحین میں حضرت علیؓ کی روایت سے حاطبؓ کے خط کا قصہ آیا ہے (کہ حاطبؓ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ارادہ کی اطلاع مکہ والوں کو دینے کے لئے خط لکھا تھا اور راستہ میں وہ خط حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پکڑ لیا تھا) اور یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حاطبؓ کی گردن مار دیجئے حضور ﷺ نے فرمایا کیا وہ شرکاء بدر میں سے نہیں ہے اور اللہ نے اہل بدر کے احوال پر مطلع ہونے کے بعد ان کو فرما دیا ہے کہ جو کچھ چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اور یہ بھی فرما دیا کہ تمہارے لئے جنت ضروری ہو گئی۔ ہم نے یہ حدیث سورۂ فتح اور سورۂ ممتحنہ میں ذکر کر دی ہے۔ بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن حضرت حارثہؓ بن زید شہید ہو گئے تو ان کی ماں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ واقف ہیں کہ حارثہ کا مجھ سے کیا رشتہ تھا اب اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور ثواب کی امید

لے یعنی رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا یہ فرمان جو اہل بدر کے متعلق ہے نقل فرمایا۔

رکھوں اور اگر اس کے علاوہ کوئی صورت ہو تو مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں حضور ﷺ نے فرمایا ارے کیا جنت ایک ہے جنتیں تو بہت ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے بخاری کے علاوہ بعض دوسری روایتوں میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حارثہؓ دور سے دیکھنے والوں میں شامل تھے ان الفاظ سے اہل بدر کی مزید فضیلت پر روشنی پڑتی ہے کہ حارثہ میدان جنگ کے وسط میں بھی نہ تھے ہلاکت گاہ میں بھی نہ تھے دور سے دیکھنے والوں میں تھے کہ ایک تیر آ لگا جب کہ آپ حوض سے پانی پی رہے تھے اس کے بعد جنت الفردوس میں ان کو جگہ ملی اور جنت الفردوس ہی جنت کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور سب سے برتر بھی ہے یہیں سے جنت کی نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں جب ایسے لوگوں کا یہ مرتبہ ہے تو پھر ان لوگوں کے مرتبہ کا کیا کہنا جو دشمن کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے اور دشمن کی تعداد بھی تین گنی تھی اور اسلحہ کی طاقت بھی تین گنی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل بدر کے متعلق فرمایا تم لوگ جو عمل چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا بظاہر اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اہل بدر کے لئے ہر عمل مباح کر دیا گیا ہے مگر یہ شریعت کے ضابطہ کے خلاف ہے۔ اس شبہ کا ازالہ بعض علماء نے اس طرح کیا کہ فرمان مذکورہ میں گزشتہ گناہوں کے معاف ہو جانے کی خبر دی گئی ہے (یعنی یہ مراد ہے کہ تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں آئندہ جیسا چاہو کرو جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے) لفظ غَفَرْتُ (میں نے بخش دیا) اسی مفہوم کی تائید کر رہا ہے۔

مگر یہ جواب غلط ہے کیونکہ حضرت حاطبؓ بن بلتعہ کے خط کا واقعہ تو بدر سے چھ برس بعد کا ہے اور اس وقت حضور اقدسؐ نے حضرت عمرؓ کی درخواست کی تردید کرتے ہوئے فرمان مذکورہ صادر فرمایا تھا (اگر بدر کے بعد کا کوئی جرم قابل مواخذہ ہوتا اور مغفور نہ ہوتا تو حضور ﷺ حاطبؓ کے متعلق مذکورہ بالا الفاظ نہ فرماتے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ گناہوں کا بخشا جانا بھی مراد ہے اور ماضی کا صیغہ مغفرت کے قطعی اور یقینی ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے پس صحیح یہ ہے کہ جو عمل چاہو کرو کے الفاظ اہل بدر کی عزت افزائی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اور یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ اہل بدر کی اللہ کی نظر میں عظمت مغفرت کی موجب ہے اور وہ ایسے مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں کہ اگر آئندہ ان سے گناہ کا صدور بھی ہو جائے تب بھی مواخذہ نہ ہوگا۔

فائدہ :- اہل بدر کو جو بشارت معافی دی گئی اس کا تعلق آخرت کے عذاب سے ہے دنیوی احکام سے اس کا تعلق نہیں ان کے قابل حد جرم کی سزا دنیا میں معاف نہیں کی گئی تھی۔

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بے شک اللہ سننے والا ہے یعنی ان کی فریاد اور دعا کو۔

عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ خوب جاننے والا ہے یعنی ان کی نیتوں کو اور تمام احوال کو۔

ذَٰلِكُمْ یہ یعنی خوب صورت آزمائش یا دشمنوں کو قتل کرنا یا ان پر کنکریاں پھینکنا ذلکم خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی مقصود یہ تھا۔

وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۸﴾ یعنی کافروں کے داؤ کو کمزور کر دینا بھی مقصود تھا اس جملہ کا عطف ذلکم پر ہے (گویا المقصود مبتدا محذوف ہے اور ذلکم سے الکافرین تک اس کی خبر ہے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کی آزمائش اور کافروں کی بیخ کنی اس جہاد کی غرض تھی)۔

محمد بن اسحاق اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر عذری کی روایت سے اور ابن جریر و ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (بدر کے دن) جب باہم مقابلہ پر صف آرائی ہوئی اور ایک فریق دوسرے کے قریب پہنچ گیا تو ابو جہل نے کہا اے اللہ! ہم میں سے جو بھی رشتہ قرابت کو قطع کرنے والا اور بری باتیں (باپ دادا کے خلاف) لانے والا ہو کل صبح تو اس کو ہلاک کر دے گویا ابو جہل نے خود اپنے خلاف فتح کی دعا کی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ اور اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آ پہنچا۔

یعنی اگر تم اللہ سے اس بات کے طالب تھے کہ جو اللہ کی نظر میں محبوب اور پسندیدہ ہو اس کو فتح نصیب ہو تو تمہاری درخواست

کے بموجب فتح آگئی حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے میں بدر کے دن لائن میں کھڑا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ میرے دائیں بائیں دو لڑکے ہیں اور میں دو نوجوان لڑکوں کے درمیان ہوں مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر میرے دونوں طرف طاقتور آدمی ہوتے تو بہتر ہوتا (کہ وقت پر کچھ میری مدد کرتے اور کچھ کام آتے) اتنے میں ایک لڑکے نے چپکے سے مجھے دبایا اور پوچھا چچا کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں، میں نے کہا ہاں لیکن بھتیجے تم کو اس سے کیا سروکار کہنے لگا مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ پایا تو میری نظر کے سامنے سے وہ ہٹنے نہ پائے گا یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے آئی ہے وہ مارا جائے گا۔ دوسرے نے بھی مجھے ہاتھ سے دبا کر یہی بات کہی مجھے ان کی باتیں سن کر اچنبھا ہوا اتنے میں ابو جہل یہ شعر گاتا ہوا لوگوں میں نظر پڑا ما تنقم الحرب العوان منی بازل عامین حدیث سنی پھر کہنے لگا ایسے ہی دن کے لئے میری ماں نے مجھے جنا تھا۔

میں نے ان لڑکوں سے کہا جس شخص کے متعلق تم دریافت کر رہے تھے وہ یہ ہے یہ سنتے ہی دونوں تلواریں لے کر اس پر جھپٹ پڑے اور دونوں نے فوراً مار کر اس کو ٹھنڈا کر دیا اور لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دے دی حضور ﷺ نے فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے پھر آپ نے ابو جہل کے اسلحہ اور اس سے چھینا ہوا سامان معاذ بن عمرو بن جموح کو عطا فرما دیا۔ یہ دونوں شخص معاذ بن عمر اور معاذ بن عفراء تھے۔

بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی دیکھ کر آئے کہ ابو جہل کس حال میں ہے حسب الحکم حضرت ابن مسعودؓ گئے اور جا کر دیکھا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو مار کر ٹھنڈا کر دیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے جا کر اس کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا کیا تو ابو جہل ہے (کہ اتنا غرور کرتا تھا) ابو جہل نے کہا کیا جس شخص کو اس کی قوم نے یا یہ کہا کہ تم لوگوں نے قتل کر دیا ہے اس سے بڑا کوئی ہے۔

امام احمد نے مسند میں ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن میں نے ابو جہل کو اس حال میں پڑا پایا کہ اس کی ایک ٹانگ پر تلوار لگی تھی اور ٹانگ لنگڑی ہو گئی تھی میں نے اس کی تلوار لے کر اس کو اسی تلوار سے قتل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے وہ تلوار مجھے ہی عنایت فرما دی حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ابو جہل کے اسلحہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن عمرو بن جموح کو عنایت فرما دیئے تھے دونوں کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف وہ تلوار جس سے ابو جہل کو حضرت ابن مسعودؓ نے قتل کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو عطا فرمائی تھی (اور باقی سامان و اسلحہ حضرت معاذؓ کو عنایت فرمائی)۔

ابن اسحٰق نے حضرت معاذؓ بن عمرو بن جموح کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ بدر سے فارغ ہو گئے تو آپ نے لاشوں میں ابو جہل کو تلاش کرنے کا حکم دیا اور دعا کی اے اللہ! وہ تیری گرفت سے نہ بچنے پائے۔ میں نے یہ فرمان سنا تو ابو جہل کی (تلاش) کو اپنے پیش نظر رکھا اور سیدھا اسی طرف چلا اور جا کر اس کے ایسی تلوار ماری کہ اس کی آدھی پنڈلی کٹ گئی اور میرے کندھے پر ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے تلوار ماری جس سے میرا ہاتھ کٹ کر لٹک گیا صرف کھال جڑی رہی اور جنگ نے مجھے اس کی طرف رخ نہ کرنے دیا کیونکہ دن بھر میں اس ہاتھ کو اپنے پیچھے لئے لڑتا رہا آخر جب اس نے مجھے زیادہ دکھ دیا تو میں نے قدم جما کر اس ہاتھ کو پکڑ کر کھینچا اور الگ کر کے پھینک دیا۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ حضرت معاذؓ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے قاضی (عیاض) نے العیون میں لکھا ہے کہ ابن وہب کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت معاذؓ اپنا (لٹکا یا کٹا ہوا) ہاتھ اٹھائے خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے اس پر لعاب مبارک لگا دیا فوراً ہاتھ جڑ گیا۔ قاضی عیاض نے شفاء میں ابن وہبؒ کی روایت سے اس طرح نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے حضرت معاذؓ کا ہاتھ کاٹ دیا تھا حضرت معاذؓ وہ ہاتھ اٹھائے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے اس پر لعاب لگا کر (اس کی جگہ پر) جوڑ دیا اور وہ جڑ گیا۔

اسحٰق نے بیان کیا ابو جہل زمین پر پچھڑا پڑا تھا حضرت معوذ بن عفراء اس کی طرف سے گذرے اور تلوار کا ایک کارگر ہاتھ مارا مگر کچھ جان اس میں باقی رہی۔ حضرت معاذؓ جنگ میں شہید ہو گئے پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابو جہل کی طرف سے گذرے آپ کا بیان ہے میں نے اس کو آخری سانسوں میں پایا اور گردن پر پاؤں رکھ کر کہا دشمن خدا اللہ نے تجھے ذلیل کر دیا بولا ذلیل کیسے کر دیا تم نے جس شخص کو قتل کیا ہے کیا اس سے زیادہ کوئی باعزت ہے (یعنی جس شخص کو اس کی قوم قتل کر دے وہ ذلیل نہیں ہوتا) مجھے یہ بتاؤ کہ انجام کس کے ہاتھ رہا (یعنی فتح کس کی ہوئی) میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فتح ہوئی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابو جہل نے مجھ سے کہا اے بکریوں کے چرواہے تو سخت (دشوار رس) بلندی پر چڑھا ہے (یعنی میرا سینہ اونچے پہاڑ کی طرح ہے جس کی چوٹی پر پہنچنا سخت دشوار تھا اور تو اس پر چڑھا بیٹھا ہے) پھر میں اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے حضور ﷺ نے (تعجب سے) فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے عرض کیا جی ہاں قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ کہہ کر میں نے حضور ﷺ کے سامنے سر ڈال دیا حضور ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا دوسری روایت میں ہے کہ آپ سجدہ میں گر گئے تیسری روایت میں ہے (بطور شکر) دو رکعت نماز پڑھی۔ ابن عابد نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اس امت کا فرعون ابو جہل ہے اس پر اللہ کی مار۔ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو قتل کر دیا فرمایا ملائکہ نے اس کو قتل کر دیا اور ابن مسعودؓ نے اس کا کام تمام کر دیا اور تیزی سے قتل کر دیا، عکرمہ کا بیان ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا محمد جو چیز لائے ہیں ہم بخدا اس کو (حق) نہیں جانتے (اے اللہ) ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان حقیقت واضح کر دے اس پر یہ آیت اتری اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَكُمُ الۡفَتۡحُ یعنی اگر تم (حق) فیصلہ کے طلب گار تھے تو تمہارے سامنے فیصلہ آگیا۔

سدیؒ اور کلبیؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب روانگی کے وقت مشرکوں نے کعبہ کے پردے پکڑ کر کہا تھا، اے اللہ دونوں لشکروں میں سے برتر لشکر کو دونوں گروہوں میں سے افضل گروہ کو اور دونوں دینوں میں سے بہتر دین کو فتح عطا کر اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی مذکورہ روایات کی روشنی میں آیت مذکورہ کے مخاطب کفار مکہ قرار پائیں گے لیکن حضرت ابی بن کعبؓ کا قول آیا ہے کہ آیت میں صحابہؓ کو خطاب کیا گیا ہے اللہ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح یعنی اگر تم کامیابی اور فتح مندی کے خواستگار تھے تو فتح و نصرت تم کو مل گئی۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت قیس بن حبابؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت قیسؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ چادر سر کے نیچے رکھے کعبے کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے ہم نے حضور ﷺ سے بطور شکوہ عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا نہیں کرتے اور اللہ سے نصرت کی درخواست نہیں کرتے یہ سن کر آپ اٹھ بیٹھے چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا تم سے پہلے بعض لوگ ایسے گذرے ہیں کہ زمین میں گڑھا کھود کر گڑھے میں ان کو کھڑا کر کے آرہ سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن یہ اذیت بھی ان کو ان کے دین سے نہیں لوٹا سکتی تھی بعض لوگوں کے گوشت کے اندر لوہے کی کنگھیاں، ہڈی اور پٹھے تک کی جاتی تھیں مگر یہ دکھ بھی ان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکتا تھا اللہ اس کام کو ضرور پورا کرے گا یہاں تک کہ تمہارا سوار صنعاء سے حضر موت تک بلا خوف و خطر جائے گا اور راستہ میں سوائے اللہ کے اور کسی کا اس کو ڈر نہ ہوگا (یعنی مسلمانوں کے لئے امن عام ہو جائے گا) مگر تم جلدی کرتے ہو (اور وقت سے پہلے غلبہ کے خواہش مند ہو)۔

وَاِنۡ تَنۡتَهُوۡا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ اور (اے کافرو! کفر اور رسول اللہ سے جنگ سے) اگر تم باز آجاؤ گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

وَاِنۡ تَعُوۡدُوۡا نَعُدۡ ۚ اور (رسول اللہ سے جنگ اور دشمنی کی طرف) دوبارہ لوٹو گے تو ہم بھی (بدر جیسے واقعہ کی طرف) دوبارہ لوٹیں گے۔

ع ۱۶ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ⑲ اور تمہارا گروہ کتنا ہی زیادہ ہو بالکل یا کسی دکھ کو تم سے دفع نہ کر سکے گا اور اللہ بلاشبہ ایمانداروں کے ساتھ ہے اگر ان تستفتحوا کے مخاطب مسلمان ہوں تو آیت کا مطلب اس طرح ہو گا اگر تم اللہ کی طرف سے نصرت کے خواستگار ہو تو اللہ کی طرف سے نصرت تم کو مل گئی اب اگر راہ حق میں جنگ و جہاد میں سستی کرنے سے باز رہو گے اور رسول اللہ ﷺ جس امر کو پسند کریں اس سے اعراض نہیں کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہو گا لیکن اگر انکار کی طرف لوٹ پڑے تو ہم بھی دشمن کو پھر برانگیختہ کر دیں گے اس وقت تمہاری کثرت تم کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گی اللہ کی مدد تو کامل ایمانداروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ تمہارے ساتھ اس کی مدد نہ ہو گی پھر تمہاری کثرت تعداد بے سود ہو گی آئندہ آیت سے اسی کی تائید ہو رہی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ⑳ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلو اور اس کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم (اعتقاد سے) سن تو لیتے ہو۔ عنہ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے کیونکہ اصل مقصود رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم اور ان کی مخالفت کی ممانعت ہی ہے اطاعت خدا کا ذکر تو بطور تمہید ہے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ اللہ کی اطاعت حقیقت میں رسول ہی کی اطاعت ہے بعض علماء کے نزدیک جہاد کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی جہاد سے روگرداں نہ ہو بعض کے نزدیک اطاعت کی طرف راجع ہے جو اطیعوا کے اندر ضمناً مذکور ہے۔

سننے سے مراد ہے قرآن مجید اور مواعظ رسول کو سننا اور تصدیق کرنا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ㉑ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو (زبان سے تو) کہتے ہیں ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے نہیں یعنی منافقوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو سننے اور تصدیق کرنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر موعظت پذیری اور قبول کے کانوں سے نہیں سنتے۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ㉒ درحقیقت اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے ہیں جو (حق کو) سمجھتے نہیں الدَّوَابِّ سے مراد ہیں زمین پر تمام چلنے رینگنے والے جانور یا صرف چوپائے مراد ہیں۔ بہرے گونگے سے مراد ہیں وہ لوگ جو حق بات کو گوش قبول سے نہیں سنتے اور کلمہ حق نہیں بولتے اللہ نے ایسے لوگوں کو بہائم میں شمار کیا اور بدترین چوپایہ قرار دیا کیونکہ چوپایوں سے امتیاز و برتری جس وجہ سے ان کو حاصل تھی وہ سبب فضیلت انہوں نے تباہ کر دیا (گوش حق نیوش اور نطق حق کو اور عقل صداقت فہم سے خالی ہو گئے) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آیت میں قبیلہ بنی عبدالدار کے افراد مراد ہیں جو کہتے تھے کہ محمد ﷺ جو چیز لے کر آئے ہیں ہم اس کے سننے سے بہرے اقرار کرنے سے گونگے اور دیکھنے سے نابینا ہیں جنگ احد میں یہ سب مارے گئے لشکر کے علمبردار یہی تھے ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے مصعب بن عمیر اور سویط بن حرملہ۔

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی یعنی قبول حق کی صلاحیت جانتا اور وہ اہل سعادت میں سے ہوتے اور اللہ کے اسم ہادی کا ان پر اثر پڑ سکتا۔

لَأَسْمَعَهُمْ تو ان کو سنا دیتا یعنی اس طرح سناتا کہ وہ سمجھتے اور قبول کر لیتے۔

وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ㉓ اور اگر ان کو سنا بھی دیتا (اور وہ فائدہ اندوز بھی ہو جاتے اور سمجھ بھی جاتے تب بھی ایمان و تصدیق و نفع اندوزی کے بعد مرتد ہو جاتے اور) منہ پھیر کر پشت موڑ جاتے (کیونکہ اللہ کو معلوم ہے کہ ان کے اندر کوئی بھلائی نہیں) اس لئے ظہور حق کے بعد بھی محض عناد کی وجہ سے حسب تقدیر فطری روگرداں ہو جاتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے کام (ساری عمر) کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اس وقت کتاب (لوح محفوظ) کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کا کام کرکے

دوزخ میں چلے جاتے ہیں الخ، رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین عن عبداللہ بن مسعودؓ۔

بغویؒ نے لکھا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے قصی ہمارا بابرکت شیخ تھا اس کو زندہ کر دو اور وہ آپ کی نبوت کی شہادت دے تو ہم ایمان لے آئیں گے اس پر اللہ نے فرمایا وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ یعنی اگر اللہ قصی کا کلام بھی ان کو سنادے تب بھی یہ منہ پھیر کر چل دیں گے ایمان نہیں لائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ اے ایمان والوں تم اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں سدی نے کہا زندہ کرنے والی چیز سے مراد ہے ایمان کیونکہ کافر مردہ ہے قتادہؒ نے کہا قرآن مراد ہے اسی سے زندگی نجات اور دونوں جہان میں عذاب سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے۔ مجاہد نے کہا حق مراد ہے ابن اسحاق کے نزدیک جہاد مراد ہے جہاد کے ذریعہ سے ہی اللہ نے ذلت کے بعد عزت عطا فرمائی قتیبی کے نزدیک شہید ہونا مراد ہے شہداء کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ الخ۔

میں کہتا ہوں سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ جس جس چیز کی رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہے وہ سب مراد قرار دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی دل کو مردہ کر دیتی ہے اور آپ کی اطاعت حیات قلب کی موجب ہے اس صورت میں دعوت کو لما یحییکم کے ساتھ مقید کرنا احترازی نہ ہوگا (یعنی یہ مطلب نہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی) اطاعت ان چیزوں میں کرو جو زندہ کرنے والی ہیں اور جو تعلیم زندہ کرنے والی نہیں ہے اس میں اطاعت نہ کرو بلکہ زندگی بخشی کی قید صرف اظہار مدح اور اطاعت پر برانگیختہ کرنے کے لئے ہوگی (اور اس بات پر تنبیہ ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر اطاعت زندگی بخش ہے) دل کی زندگی کا مطلب ہے پردے ہٹا کر تاریکی چھانٹ کر دل سے غفلت دور کرنا۔ ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ ﷺ کا ان کی طرف گذر ہوا آپ ﷺ نے ان کو آواز دی حضرت ابی بن کعب جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر خدمت ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں نے تم کو پکارا تھا تو تم نے فوراً اجابت کیوں نہیں کی (میری دعوت پر لبیک کیوں نہیں کہا اور کیوں حاضر نہیں ہوئے) حضرت ابیؓ نے عرض کیا میں نماز میں تھا فرمایا کیا اللہ یہ نہیں فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ حضرت ابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ بے شک حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک ضروری تھی آئندہ جب بھی آپ پکاریں گے میں ضرور جواب دوں گا خواہ نماز ہی پڑھتا ہوں یہ حدیث تائید کر رہی ہے کہ جس کام کی دعوت رسول اللہ ﷺ نے دی ہو اس کی تعمیل ضروری ہے۔

مسئلہ :- بعض علماء کا قول ہے کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ بعض نے کہا اگر کسی فوری کام کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہو تو اس کی تعمیل کے لئے نماز توڑ دینا لازم ہے۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے ورنہ ہر دینی ضروری کام کے لئے جو تاخیر کرنے سے فوت ہو رہا ہو نماز توڑ دینا جائز ہے (دعوت رسول اللہ ﷺ کی ہی کیا خصوصیت ہے) مثلاً کوئی نابینا کنویں میں گر رہا ہو اور کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہو اور خیال ہو کہ اگر نماز نہ توڑے گا تو اندھا کنویں میں گر پڑے گا تو نماز توڑ کر اس کو راستہ بتانا اور بچا دینا جائز ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ اور جان رکھو کہ اللہ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان، یعنی مردہ کر دے گا اور اطاعت خداوندی کی فرصت جو اس وقت حاصل ہے مرنے کے بعد نہیں ملے گی لہٰذا اس وقت کو غنیمت سمجھو بھلائیوں کی طرف تیزی سے بڑھو اور دلوں میں اللہ کی فرمانبرداری کے لئے خلوص پیدا کرو۔

یا یہ مطلب ہے کہ انسان طول حیات کی تمنا کرتا ہے مگر اللہ اس کے اور اس کی قلبی تمنا کے درمیان مانع ہو جاتا ہے اور اس کے عزائم کو فسخ کر دیتا ہے لہٰذا تم امور دین میں سستی نہ کرو (اور طول حیات کی تمنا نہ کرو اور یہ امید نہ قائم کرو کہ آئندہ نیکیاں کر لیں گے)۔

یا اس آیت میں بندہ سے اللہ کے قرب کو بطور تشبیہ بیان کیا ہے جیسے آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ میں (انتہائی قرب کو بطور تشبیہ ظاہر کیا گیا) ہے اور اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ دل کے اسرار سے اتنا واقف ہے کہ آدمی خود اپنے قلبی راز سے غافل ہو سکتا ہے مگر اللہ ناواقف نہیں ہے لہٰذا اخلاص خاطر لازم ہے یا اللہ کی کامل قدرت اور انسان کے دل پر اللہ کے پورا پورا قابو ہونے کی تصویر کشی کی گئی ہے اور یہ جتلایا گیا ہے کہ اللہ انسان کے عزم کو شکست کر دینے اور مقصد کو بدل دینے پر پورا قابو رکھتا ہے اگر اللہ انسان کی سعادت چاہتا ہے تو کفر و معصیت اور انسان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ (اس صورت میں آدمی گناہ کی طرف نہیں بڑھ سکتا) اور اگر انسان کی بدبختی اس کو منظور ہوتی ہے تو ایمان و طاعت اور قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (اس صورت میں آدمی ایمان و اطاعت کی طرف نہیں بڑھ سکتا) لہٰذا ہر وقت خاتمہ کا ڈر رکھنا اور اللہ سے ہر دم زاری اور التجا کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کثرت سے کرتے تھے۔ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ اے دلوں کو پلٹنے والے میرے دل کو اپنی طاعت پر جمائے رکھنا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لا چکے ہیں تو کیا آپ کو (آئندہ دین سے لوٹ جانے کا) ہمارے متعلق اندیشہ ہے فرمایا تمام دل اللہ کی ایک چٹکی میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے، رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ تمام بنی آدم کے دل ایک دل کی طرح رحمٰن کی ایک چٹکی میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ اے دلوں کو پھیر دینے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے (یا اپنی طاعت پر جما دے) رواہ مسلم۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک لڑکے کو یہ دعا کرتے سنا اے اللہ تو آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے لہٰذا میرے اور میرے گناہوں کے درمیان حائل ہو جا تاکہ میں کوئی برا کام نہ کر سکوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحمت کرے اور اس کو دعاء خیر دی۔

وَاَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے پس وہی تم کو تمہارے اعمال کی سزا جزا دے گا۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ اور اس معصیت سے اجتناب کرو جس کا وبال صرف انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنہوں نے ظلم کیا ہوگا بلکہ ظالم اور غیر ظالم سب کو اس کی مصیبت پہنچے گی لَا تُصِیْبَنَّ کی ضمیر فتنہ کی طرف راجع ہے اور فتنہ کے پہنچنے سے مراد ہے فتنہ کے نتیجہ بد کا پہنچنا لَا تُصِیْبَنَّ نہی کا صیغہ ہے اور یہ فتنہ کی صفت ہے (صفت کا موصوف پر حمل ہوتا ہے مگر نہی انشاء ہے اور انشاء کا حمل نہیں ہوتا اس لئے) لفظ یقال محذوف ہے یعنی ایسی معصیت سے بچو جس سے کہا جائے گا کہ تیرا وبال صرف ظالم کو ہی نہ پہنچے بلکہ ظالم اور غیر ظالم سب کو پہنچے یا نفی کا صیغہ ہی اور چونکہ یہ نفی نہی کے معنی کو متضمن ہے اس لئے نون ثقیلہ اس پر آ گیا۔ اس وقت مطلب وہ ہوگا جو اول الذکر ترجمہ سے ظاہر ہے۔ فتنہ یعنی معصیت سے مراد کونسا گناہ ہے اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض لوگوں کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک مراد ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کسی بدی کو اپنے اندر ٹھیرنے نہ دیں ورنہ اللہ ایسے عذاب میں مبتلا کر دے گا جو مجرم اور غیر مجرم سب کو پہنچے گا۔ اس کی تائید حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرمان سے ہو رہی ہے آپ نے فرمایا لوگو! تم آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (مسلمانو! تم اپنی ذات کے مکلف ہو اگر ہدایت پر ہو گے تو کوئی گمراہ اپنی گمراہی کا ضرر تم کو نہ پہنچا سکے گا) پڑھتے ہو اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے اگر لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور (باوجود قدرت کے) اس کی گرفت نہ کریں تو بہت ممکن ہے کہ اللہ اپنی طرف سے ان سب پر ایک عمومی عذاب لے آئے یہ حدیث چاروں اصحاب سنن نے نقل کی ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! بھلائی کا حکم دو اور بدی سے روکو اس سے پہلے کہ

(ایسا وقت آجائے کہ) تم اللہ سے (اپنے بچاؤ کے لئے) دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ ہو اور گناہوں کی معافی کی درخواست کرو اور گناہ معاف نہ کیے جائیں خوب سمجھ لو کہ بھلائی کا حکم دینا اور بدی سے روک دینا نہ (آنے والے) رزق کو دفع کرتا ہے اور نہ (دیر میں آنے والی) مقررہ موت کو قریب لے آتا ہے (یعنی اس سے نہ مالی مضرت پہنچتی ہے نہ جانی) علماء یہود و نصاریٰ نے جب بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دیا تو پیغمبروں کی زبانی اللہ نے ان پر لعنت بھیجی پھر سب کو عمومی عذاب میں مبتلا کر دیا۔ رواہ الاصبہانی۔

اس حدیث (کے مضمون) کی تائید حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ عدی بن عدی کندی کے دادا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ خاص خاص لوگوں کے (برے) عمل کی وجہ سے عمومی عذاب اللہ (نازل) نہیں کرتا ہاں اگر خاص طبقہ اپنے سامنے بدی ہوتے دیکھے اور اس کو رد کرنے پر قابو بھی رکھتا ہو اور باوجود قابو رکھنے کے رد نہ کرے تو پھر اللہ عام و خاص سب کو عذاب میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ والمعالم۔

حضرت نعمان بن بشیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی مقررہ حدود میں سستی کرنے والے اور ان میں داخل ہو جانے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جہاز میں کچھ لوگ سوار ہوں اور قرعہ اندازی کر کے کچھ زیریں حصہ میں اور کچھ بالائی حصہ میں قیام پذیر ہوں اور زیریں حصہ میں رہنے والا بالائی حصہ میں رہنے والوں کی طرف سے پانی کا مرور کرے اور پانی کے اس مرور سے ان کو تکلیف ہو اس لئے نیچے رہنے والا کلہاڑی لے کر جہاز کے نچلے حصہ میں کچھ سوراخ کرنے لگے یہ دیکھ کر اوپر والے کہیں تم یہ کیا کرتے ہو سوراخ کرنے والا جواب دے تم لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور پانی کا مرور بہر حال مجھے کرنا ہی تھا اس لئے سوراخ کر رہا ہوں اب اگر اوپر والے اس کو سوراخ کرنے سے روک دیں گے تو وہ سوراخ کرنے والا بھی بچ جائے گا اور اوپر والے بھی بچ جائیں گے ورنہ وہ تو ڈوبے گا ہی ساتھ میں اوپر والے بھی مریں گے۔ رواہ البخاری۔

میں کہتا ہوں مذکورہ احادیث سے اس امر پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ ظالم کے گناہ کا وبال غیر ظالم پر بھی پڑتا ہے ان احادیث سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اگر لوگوں کے سامنے کوئی شخص گناہ کرے اور وہ لوگ اس شخص کو گناہ سے روکنے پر (خواہ ہاتھ سے یا زبان سے) قدرت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں تو ایسی حالت میں اس گناہ کا عذاب عمومی ہو جاتا ہے جو کرنے والے پر بھی پڑتا ہے اور (ممانعت نہ کرنے والے) غیر مجرم پر بھی کیونکہ گناہ سے روکنا فرض ہے اور ایسا نہ کرنے والا ظالم ہے اس لئے عذاب کا مستحق یہ بھی ہو گیا اور اس پر عذاب ظالم پر ہی عذاب ہوا غیر مجرم پر عذاب نہ ہوا۔

دیکھو اس ساحلی بستی (یعنی ایلیا) کے رہنے والوں نے جب یوم شنبہ کی حرمت قائم رکھنے میں حدود مقررہ سے تجاوز کیا تو ایک گروہ (یعنی تدبیر اور حیلہ سے مچھلیاں تالاب میں قید کرنے والا گروہ) مجرم قرار پایا اور وہ گروہ بھی مبتلائے عذاب ہوا جنہوں نے خود شکار کا جرم نہیں کیا مگر روز شنبہ کی حرمت شکنی سے دوسروں کو نہ روکا باقی تیسرا گروہ جنہوں نے شنبہ کی حرمت شکنی سے بازداشت کی ان پر عذاب نہیں آیا اللہ نے فرمایا ہے اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ الخ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ترک نہی کا عذاب صرف تارک پر پڑا غیر تارک مبتلائے عذاب نہ ہوئے۔ لیکن آیت زیر تفسیر دلالت کر رہی ہے کہ ایسی مصیبت آئے گی جو ظالم اور غیر ظالم دونوں کو پہنچے گی (اس لئے اس آیت کی مندرجہ بالا تشریح غلط ہے)۔

بعض علماء کا قول ہے کہ فتنہ سے مراد ہی بغاوت اور ملک کی تخریب و تباہی اس کا وبال بے قصور لوگوں کو پہنچتا ہے۔ بے قصور لوگ مارے اور لوٹے جاتے ہیں قتادہؒ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو دانشمند صحابیؓ سمجھ گئے کہ عنقریب فتنے پیدا ہوں گے اسی بناء پر ابن زید نے کہا کہ فتنے سے مراد اس جگہ افتراق کلمہ اور آپس کی پھوٹ ہے۔

حسن بصری کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی حضرت عمارؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے حق میں ہوا مطرف کا بیان ہے میں نے حضرت زبیرؓ سے کہا ابو عبداللہ آپ نے خود خلیفہ کی مدد نہیں کی جس کے نتیجہ میں وہ شہید کر دیئے

گئے پھر خود ہی ان کے خون کا قصاص طلب کرنے لگے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہم اس آیت کو ایک مدت تک پڑھتے رہے اور نہیں سمجھتے تھے کہ اس آیت کے مصداق ہم ہیں آخر معلوم ہوا کہ ہم ہی اس آیت میں مراد ہیں آپ کا اشارہ جنگ جمل کی طرف تھا جس روز کہ آپ نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی تھی سدی ضحاکؒ اور قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قصہ کی رفتار بتا رہی ہے کہ آیت میں فتنہ سے مراد ہے جہاد نہ کرنا۔ خصوصاً اس زمانہ میں جب امام کی طرف سے مجاہدین میں بھرتی ہونے کا عام اعلان کر دیا گیا ہو اور جنگ کے وقت جہاد سے منہ موڑنا بھی مراد ہے اللہ نے فرمایا ہے وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ مومنوں کا ایک گروہ جہاد کو پسند نہ کرتا تھا اور حق کے معاملہ میں آپ سے جھگڑ رہا تھا۔

دوسری آیت میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ اے مسلمانو! جب کافروں سے تمہاری لڑائی اور مڈبھیڑ ہو جائے تو ان کو پیٹھ نہ دو۔ ایک اور آیت ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ اے ایمان والو اللہ اور رسول کے فرمان کو قبول کرو جب وہ تم کو دعوت دیں۔

ظالم اور غیر ظالم کو (عمومی) عذاب پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ مصیبت سب پر پڑے گی اگر جہاد کو بالکل چھوڑ دیا جائے تو کافروں کا غلبہ ہو جائے گا بچے بڑے عورت مرد سب ہی مسلمان مارے جائیں گے اور ان کا مال لوٹا جائے گا اور میدان جہاد سے منہ پھیر کر بھاگنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو مسلمان میدان میں جم کر لڑتے رہیں گے وہ (تعداد کی قلت اور مدد کے فقدان کی وجہ سے) شہید کر دیئے جائیں گے۔ دیکھو شیطانی اغواء کی وجہ سے جنگ احد میں جب کچھ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس کی مصیبت سب ہی مسلمانوں پر پڑی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی اور دانت شہید ہو گیا

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لَا تُصِیْبَنَّ (نفی نہ ہو بلکہ نہی کا صیغہ ہو پہلے فتنہ سے بچنے کا حکم دیا گیا پھر فتنہ کا ارتکاب کرنے کی ممانعت فرما دی مطلب یہ کہ فتنہ کا وبال صرف ظالم پر خصوصیت کے ساتھ پڑے گا پس تم فتنہ کا ارتکاب نہ کرو تاکہ ظالم یعنی تم پر فتنہ کا وبال نہ پڑے۔ اسی کی تائید بغویؒ کے قول سے ہوتی ہے کہ لَا تُصِیْبَنَّ خالص جزاء نہیں ہے (یعنی نفی نہیں ہے ورنہ اس میں نون نہ آتا (نون ثقیلہ تو صرف نہی پر آتا ہے) بلکہ یہ کلمہ نہی ہے مگر جزاء آمیز اس کی دوسری مثال کے لئے دیکھو اللہ نے فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ (چیونٹیوں کے سر گروہ نے کہا) چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ تمہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو روند نہ ڈالے یعنی اگر سوراخوں میں گھس نہ جاؤ گی تو سلیمان اور ان کا لشکر تم کو روند ڈالے گا لا تصیبن امر کا جواب نہیں ہو سکتا اگر جواب قرار دیا جائے گا تو یہ مطلب ہو جائے گا کہ اگر فتنہ سے بچو گے تو وہ فتنہ (یعنی اس کا وبال) صرف تم کو نہیں پہنچے گا عام لوگوں کو پہنچے گا یعنی تم کو اور دوسرے لوگوں کو سب کو عموماً پہنچے گا۔ (خلاصہ یہ کہ عذاب کی خصوصیت تمہارے ساتھ نہ ہوگی) کیونکہ (بقول شیخ عبدالقاہر) مقید کی نفی قید کی نفی ہوتی ہے (مطلق کی نفی نہیں ہوتی مطلق کے لئے حکم کا ثبوت باقی رہتا ہے) پس بصورت مذکورہ نزول عذاب کی خصوصیت زائل ہو جائے گی عموم باقی رہے گا۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ امر کا جواب ہے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ فتنہ تم کو پہنچے گا تو تم میں سے صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچے گا میں کہتا ہوں امر کے جواب میں ایک ایسی شرط محذوف ماننی ضروری ہے جو امر سے اخذ کی گئی ہو جیسے اَسْلِمْ تَدْخُلِ الْجَنَّۃَ اسلام لا جنت میں داخل ہو جائے گا یعنی اگر اسلام لائے گا تو جنت میں داخل ہو جائے گا یا آیت ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ اپنے گھروں میں چلی جاؤ (اگر گھروں میں چلی جاؤ گی تو) سلیمان اور ان کا لشکر تم کو پامال نہ کر پائے گا پس آیت مذکورہ میں اِنْ اَصَابَتْکُمْ کو شرط قرار دے کر محذوف ماننا غلط ہے بلکہ شرط محذوف اور جزاء مذکور سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر فتنہ کی صفت ہوگی امر کا جواب نہ ہوگا اور مطلب وہ ہوگا جو ہم نے سطور بالا میں بیان کر دیا۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لا تصیبن جواب قسم ہے اور قسم محذوف ہے پورا کلام اس طرح تھا فتنہ سے بچو خدا وہ فتنہ تم میں

سے صرف ظالموں (یعنی مجرموں) پر ہی نہ پڑے گا بلکہ تم سب پر پڑے گا اس کلام کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں جس فتنہ سے بچنے کا حکم ہے وہ نکرہ ہے اور اس سے آگے لاتصیبن میں اس کی ضمیر ہے لہٰذا اس میں بھی عموم ہونا چاہئے گویا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہر گناہ کا وبال مجرم اور غیر مجرم سب پر پڑے گا یہ مطلب خلاف نص بھی ہے اور اجماع علماء بھی اس کے خلاف ہے (ہر گناہ کا وبال سب لوگوں پر پڑنا باتفاق علماء غلط ہے) لاتزر وازرۃ وزر اخری میں صراحت ہے کہ مجرم کا بار غیر مجرم پر نہیں پڑ سکتا ہے لامحالہ یہی ماننا پڑے گا کہ فتنہ سے مراد ترک جہاد اور میدان سے فرار ہے اور دنیا میں ترک جہاد و فرار کی مصیبت عام مسلمانوں پر پڑنا فتنہ پہنچنے سے مراد ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے لہٰذا اللہ کے عذاب کے خوف سے فتنہ سے اجتناب رکھو۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ اور اس حالت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس زمین میں کمزور شمار کیے جاتے تھے تم کو اندیشہ لگا رہتا تھا کہ (مخالف) لوگ تم کو نوچ کھسوٹ نہ لیں سو اللہ نے تم کو مدینہ میں رہنے کا ٹھکانہ دیا اور اپنی نصرت سے تم کو قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر کرو۔

واذکروا سے خطاب مہاجروں کو ہے اور قلیل ہونے سے مراد ہے تعداد کم ہونا اور الارض سے مراد ہے مکہ اور الناس سے مراد قریش ہیں۔ لیکن ابوالشیخ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا گیا الناس سے مراد کون لوگ ہیں فرمایا اہل فارس قوت دینے سے مراد ہے بدر میں قوت عطا کرنا الطیبات سے مراد ہے مال غنیمت جو صرف مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا پہلے کسی امت کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ واذکروا میں تمام عرب سے خطاب ہے عرب اسلام سے پہلے ذلیل تھے روم و فارس کے غلام تھے رومی اور ایرانی باہم دشمن تھے مگر عرب کے دشمن دونوں تھے عربوں میں تاب مقابلہ نہ تھی جب اسلام آیا تو اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے پاس عربوں کا محفوظ ٹھکانا بنا دیا عربوں کو مضبوط پناہ گاہ مل گئی اور تمام مذاہب والوں کے مقابلہ میں اللہ نے ان کی نصرت کی۔

بغویؒ نے سعید بن منصور کی روایت سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی قتادہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اکیس روز تک بنی قریظہ کا محاصرہ رکھا بنی قریظہ نے درخواست کی کہ جن شرائط پر آپ نے بنی نضیر سے صلح کی ہے اسی شرط پر ہم سے بھی صلح کر لیجئے جس طرح بنی نضیر کو اذرعات اور اریحا علاقہ شام میں جا کر رہنے کی اجازت دے دی گئی ہم کو بھی ان کے پاس جا کر آباد ہونے کی اجازت دے دی جائے رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا سعدؓ بن معاذ کی ثالثی پر اگر راضی ہو تو اپنے پہاڑی قلعوں سے باہر آجاؤ اور سعدؓ کے فیصلہ پر رضامند ہو جاؤ۔ بنی قریظہ نے سعدؓ بن معاذ کی ثالثی قبول نہیں کی اور عرض کیا ہمارے پاس ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو (گفتگو کرنے کے لئے) بھیج دیں ابولبابہؓ کے بیوی بچے اور سارا مال یہودیوں کے پاس (یعنی ان کی بستی میں) تھا اس لئے آپ ان کے خیر خواہ تھے۔ حضور ﷺ نے ابولبابہ کو بھیج دیا ابولبابہؓ پہنچے تو یہودیوں نے سعدؓ بن معاذ کی ثالثی کے متعلق ان کی رائے دریافت کی ابولبابہؓ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا مراد یہ تھی کہ سعدؓ کا فیصلہ تمہارے سب کے قتل کا ہوگا تم ان کی ثالثی پر رضامند نہ ہو۔

سبیل الرشاد میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابولبابہؓ کو بھیج دیا آپ کو دیکھ کر یہودی مرد استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور عورتوں اور بچوں نے آپ کے سامنے رونا پیٹنا شروع کر دیا یہ منظر دیکھ کر آپ کا دل نرم پڑ گیا۔ کعب بن اسد نے کہا ابولبابہؓ دوسروں کے مقابلہ میں ہم نے آپ کا انتخاب کیا ہے محمد ﷺ اپنے فیصلہ پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنی ہی شرط کے مطابق ہم کو باہر نکل آنے کا حکم دے رہے ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے کیا ہم محمد ﷺ کے فیصلہ کے مطابق (اپنی پناہ گاہوں سے) نیچے اتر

آئیں حضرت ابولبابہؓ نے زبان سے تو ہاں کہہ دیا مگر ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کر دیا مطلب یہ تھا کہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔
حضرت ابولبابہؓ کا بیان ہے یہ اشارہ کرنے کے بعد اس جگہ سے میں ہٹا بھی نہ تھا کہ فوراً مجھے یقین ہو گیا کہ یہ تو میں نے اللہ اور اس کے رسول سے غداری کی یہ یقین آتے ہی پشیمان ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور (اتار دیا کہ) داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی لوگ میری واپسی کے منتظر تھے مگر میں گڑھی کے پیچھے سے دوسرے راستے سے نکل کر سیدھا مسجد پہنچا اور رسول اللہ کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا مسجد میں پہنچ کر پچھلے ستون سے جس کو (اب) ستون توبہ کہا جاتا ہے اپنے کو باندھ دیا اور پکا ارادہ کر لیا کہ یہاں سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا اللہ توبہ قبول فرما لے۔
بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابولبابہؓ نے یہ الفاظ کہے تھے میں نہیں کھلوں گا نہ کھانے پینے کا مزہ چکھوں گا تاوقتیکہ اللہ میری توبہ قبول نہ کر لے یا میں یونہی مر جاؤں۔ اس واقعہ کی رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچی تو فرمایا اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا لیکن جب اس نے خود وہ کام کر لیا جو اس نے چاہا تو اب جب تک اللہ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا میں اس کو نہیں کھولوں گا چنانچہ ابولبابہؓ سات روز تک اسی حالت میں بغیر کچھ کھائے پیئے رہے آخر بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔
سبیل الرشاد میں ابن ہشام کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابولبابہؓ چھ روز تک بندھے رہے بی بی آکر ہر نماز کے وقت کھول دیتی تھی آپ وضو کر کے نماز پڑھ لیتے اور پھر بندھ جاتے تھے ابن عقبہ کا بیان ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ ابولبابہؓ تقریباً بیس روز تک بندھے رہے بدایہ میں اسی کو سب سے زیادہ صحیح روایت کہا گیا ہے۔ ابن اسحاق نے پچیس دن بندھے رہنے کی صراحت کی ہے ابن وہب نے بروایت مالک حضرت عبداللہ بن ابی بکر کا بیان نقل کیا ہے جس میں بکری (باندھنے) کی رسی سے کچھ اوپر دس روز تک بندھے رہنے کی صراحت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ ان کی شنوائی اور بینائی تقریباً مفقود ہو گئی تھی کچھ سن نہ سکتے تھے اور نماز یا ضروری حاجت کے لئے بیٹی آکر کھول دیتی تھی اور فراغت کے بعد پھر باندھ دیتی تھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی بیوی یہ خدمت انجام دیتی تھی اور کبھی بیٹی۔ ابولبابہؓ کی توبہ ہی کے متعلق آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ نازل ہوئی۔
ابن اسحاق نے بروایت یزید بن عبداللہ بن قسیط بیان کیا کہ ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہونے کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تھے اول صبح (سحر کے وقت) رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا اللہ آپ کو ہنساتا رہے آپ ﷺ کے (اس وقت) ہنسنے کی کیا وجہ ہے فرمایا ابولبابہؓ کی توبہ قبول کر لی گئی حضرت ام سلمہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں یہ خوشخبری (باہر کے لوگوں کو) نہ دے دوں۔ فرمایا کیوں نہیں دے دو پردہ کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے دروازہ پر آکر کہا ابولبابہؓ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ہے یہ سنتے ہی لوگ ابولبابہؓ کو کھولنے کے لئے چڑھ دوڑے ابولبابہؓ نے کہا نہیں (مجھے کوئی نہ کھولے) خدا کی قسم جب تک رسول اللہ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے مجھے نہیں کھولیں گے (میں کسی کو کھولنے نہ دوں گا) چنانچہ فجر کی نماز کو جاتے میں رسول اللہ ﷺ ابولبابہؓ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو آزاد کیا۔
سہیلی نے حضرت علی بن حسین (یعنی امام زین العابدین) کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہؓ (شروع میں) ابولبابہؓ کو کھولنے کے لئے تشریف لے گئی تھیں مگر ابولبابہؓ نے کہا میں نے قسم کھالی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا مجھے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہؓ میرا ہی جز ہے (اس کا کھولنا میرا کھولنا ہے) اس روایت کی سند میں علی بن زید بن جدعان ضعیف راوی ہے پھر علیؓ بن حسینؓ کی یہ روایت مرسل بھی ہے (امام زین العابدینؒ نے حضرت فاطمہؓ کو نہیں دیکھا اور آپ نے کس سے سنا اس کا ذکر نہیں کیا نہ اپنے والد امام حسینؓ کا نہ امام حسنؓ کا نہ کسی اور صحابیؓ کا)۔
رہا ہونے کے بعد حضرت ابولبابہؓ نے کہا میری توبہ کی تکمیل اس وقت ہو گی جب میں اپنے خاندانی مکان کو چھوڑ دوں

کیونکہ اسی مکان میں مجھ سے گناہ کا صدور ہوا ہے اور اپنے تمام مال سے بھی کنارہ کش ہو جاؤں (کل مال خیرات کر دوں) رسول اللہ نے فرمایا اگر تم کو خیرات کرنی ہی ہے تو ایک تہائی مال خیرات کرنا تمہارے لئے کافی ہے۔ ابولبابہؓ کے متعلق اس کے بعد آیت ذیل نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول کی خیانت نہ کرو۔

خَون (مصدر) کا اصل لغوی معنی ہے کم کرنا جیسے وفاء کا لغوی معنی ہے پورا کرنا چونکہ امانت کے خلاف مفہوم (یعنی خیانت) میں کمی کا مفہوم ہوتا ہی ہے اس لئے امانت کے خلاف خیانت کا لفظ استعمال کیا جانے لگا۔

وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ اور نہ آپس میں امانتوں میں خیانت کرو اور تم جانتے ہو تخونوا کا عطف گذشتہ تخونوا پر ہے دونوں نہی کے ذیل میں ہیں (ترجمہ اسی طور پر کیا گیا ہے) یا اس جگہ تخونوا سے پہلے ان محذوف ہے اور واؤ عطف اور جمعیت کے لئے ہے (اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ لوگوں کی خیانت سے ملا کر اللہ اور رسول ﷺ کی خیانت نہ کرو یعنی دونوں خیانتوں کا مجموعہ نہ کرو) اول مطلب صحیح ہے کیونکہ دوسرے مطلب پر ہر خیانت کی الگ الگ صورت میں ممانعت نہ ہوگی بلکہ ایک خیانت کو دوسری خیانت سے ملا کر کرنے کی ممانعت ہوگی۔ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی خیانت تنہا ناجائز نہیں قرار پائے گی جیسے لا تاکل السمک وتشرب اللبن یعنی ایک وقت میں مچھلی بھی کھاؤ اور دودھ بھی پیو ایسا مت کرو (الگ الگ مختلف) اوقات میں مچھلی کھانے کی اور دودھ پینے کی ممانعت نہیں۔

وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ تم جانتے ہو کہ یہ امانت ہے لہٰذا جان کر خیانت نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ حلق کی طرف اشارہ کرنا خیانت ہے تو ایسا نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ تم خود جاننے والے ہو اچھے برے میں تمیز کر سکتے ہو ایسی حالت میں خیانت نہ کرو (گویا اس وقت تعلمون بمعنی عالموں کے ہوگا اور کسی مفعول کا محتاج نہ ہوگا)۔

سدی نے کہا کہ (آپس کی امانت میں خیانت بھی اللہ اور رسول ﷺ کی امانت میں خیانت ہے کیونکہ) جب انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی امانت میں خیانت کی تو یقیناً یہ اپنی ہی باہمی خیانت ہو گئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ کے فرائض کو ترک کرنا اللہ سے خیانت ہے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ترک کرنا رسول ﷺ سے خیانت ہے اور اللہ کے وہ فرائض و اعمال جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور جن کا امین اللہ نے اپنے بندوں کو بنایا ہے وہ انسانوں کی امانتیں ہیں یعنی ترک فرض و سنت نہ کرو اور فرائض پوشیدہ کو بھی ادا کرو۔ قتادہؓ نے کہا فرائض ہوں یا حدود پورا دین اللہ کی امانت ہے اس امانت کو ادا کرو (اس کی ادائیگی میں خیانت اور کمی نہ کرو) اور جس کے پاس جو امانت جس کسی کی ہو وہ صاحب امانت کو ادا کرے۔

حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؓ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول اگرچہ حضرت ابولبابہؓ کے فعل کے سلسلے میں ہوا تھا مگر عموم لفظ کا اعتبار ہے سبب نزول کی خصوصیت عموم حکم سے مانع نہیں (حکم عام ہے) اللہ کے فرائض و حدود کی ادائیگی میں کمی کرنا حرام ہے حضرت ابولبابہؓ کا عمل بھی اسی کی ایک شاخ ہے۔

ایک شبہ

امام احمدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا المستشار مؤتمن جس سے مشورہ لیا جائے اس کو امانت دار ہونا چاہئے (خیانت کے ساتھ دانستہ غلط مشورہ نہ دینا چاہئے) یہ حدیث صحیح ہے ترمذی نے حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ان کو بیان کیا ہے اس صورت میں یہودیوں نے جب ابولبابہؓ سے مشورہ لیا تو ان کو صحیح مشورہ دینا ہی چاہئے تھا ورنہ خیانت مشورہ کا گناہ ہوتا صحیح مشورہ کے بعد خیانت سے بچاؤ ان کا ممکن نہ تھا۔

ازالہ:۔ گناہ سے بچنے کی شکل یہ بھی ہو سکتی تھی کہ خاموش رہتے یا مشورہ دینے سے انکار کر دیتے اور کہہ دیتے کہ

جب تک تم مسلمان نہ ہو گے میرے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض قائم رہے گا اس لئے میں مشورہ نہیں دے سکا واللہ اعلم۔

ابن جریر نے سدی کی روایت سے لکھا ہے کہ صحابہؓ رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتے اور اس کو آپس میں پھیلاتے آخر مشرکوں تک بھی وہ بات جا پہنچتی (اور راز فاش ہو جاتا) اسی سلسلہ میں آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔ ابن جریر وغیرہ نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابو سفیان (لشکر لے کر مدینہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ سے) مکہ سے چلا حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی کہ ابو سفیان فلاں فلاں مقام پر ہے (مدینہ پر چڑھائی کرنے آرہا ہے) رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمادیا کہ ابو سفیان فلاں فلاں مقام پر آگیا ہے تم بھی (مدینہ سے) اس کی طرف چل نکلو مگر (اپنی روانگی کے مقصد کو) پوشیدہ رکھو کسی منافق نے اس کی اطلاع ابو سفیان کو دے دی کہ محمد ﷺ تو تمہارے مقابل آرہے ہیں اپنی احتیاط رکھو اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی یہ حدیث بہت زیادہ غریب ہے اس کی سند میں ضعف ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے امتحان کی چیزیں ہیں۔

فتن کا لغوی معنی ہے سونے کو آگ میں تپا کر کندن بنانا۔ امتحان اور جانچ کو اسی مناسبت سے فتنہ کہا جاتا ہے (کہ امتحان سے کھرا کھوٹا ظاہر ہو جاتا ہے) اللہ نے فرمایا ہے نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۔ فتنہ کا لفظ عذاب کے لئے بھی مستعمل ہے اللہ نے فرمایا ہے عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۔ کبھی کفر گناہ فساد اور تمام اسباب عذاب پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے اللہ نے فرمایا ہے واتقوا فتنہ الافی الفتنہ سقطوا الفتنہ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ مال و اولاد گناہ اور عذاب میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہیں اور اللہ کی طرف سے یہ ایک امتحان ہے اس لئے ان کو فتنہ فرمایا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول بھی حضرت ابو لبابہؓ ہی کے متعلق ہوا کیونکہ آپ کا مال اور بچے بنی قریظہ کی بستی میں تھے آپ کو ان کے متعلق اندیشہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک بچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا حضور ﷺ نے اس کو بوسہ دیا اور فرمایا سنو یہ (بچے) کنجوس ہو جانے اور بزدل بن جانے کا سبب ہیں اور یہ اللہ کی رحمت بھی ہیں، رواہ البغوی۔ ابو یعلیٰ نے حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے بیان کیا اولاد دل کا چین (بھی) ہے اور بزدلی کنجوسی اور غم کا سبب بھی حاکم نے حضرت خولہ بنت حکیم کی روایت سے بیان کیا کہ اولاد جنت کے سکھوں میں سے) ایک سکھ ہے۔

وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کے پاس اجر عظیم ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور رسول ﷺ کے خیر خواہ ہوں، امانت ادا کرتے ہوں، حدود کا لحاظ رکھتے ہوں اور مال و اولاد کی محبت پر اللہ کی خوشنودی کو ترجیح دیتے ہوں۔ ع ۱۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا اے ایمان والو اگر تم ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تم کو ایک فیصلہ کی چیز عنایت کر دے گا یعنی ایک بصیرت قلبی عطا فرمائے گا جس سے تم حق و باطل میں تمیز کر لو گے۔

فراست مومن کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے اس سے یہی قلبی بصیرت مراد ہے حضور ﷺ نے فرمایا تھا مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور یعنی خداداد نور بصیرت سے دیکھتا ہے۔ رواہ البخاری فی التاریخ والترمذی عن ابی سعید الخدریؓ و الطبرانی وابن عدی عن ابی امامۃؓ وابن جریر عن ابن عمرؓ۔ دوسری حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا خواہ مفتی تجھے فتویٰ دے چکے ہوں (مگر تو پھر بھی) اپنے دل سے فتویٰ طلب کر، رواہ البخاری فی التاریخ عن وابصہ بسند حسن یہ قلبی فتویٰ اسی وقت ہوتا ہے جب نفس تمام بری باتوں سے پاک ہو گیا ہو اور قلب کی نفسانیت فنا ہو چکی ہو حقیقت تقویٰ اس وقت ظاہر ہوتی ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو (باطنی) کشف کہتے ہیں۔

یا فرقان سے مراد وہ نصرت ہے جس سے اہل حق اور باطل پرستوں میں فرق ہو جاتا ہے اہل ایمان کو باعزت اور اہل کفر کو

ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا یعنی اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں متقیوں کے لئے تمام خطرات اور ہولناکیوں سے بچاؤ کا راستہ بنا دے گا۔ مقاتل بن حیان نے کہا کہ دین میں شبہات و شکوک واقع ہونے سے محفوظ رہنے کا طریقہ بتا دے گا۔ مقاتل کا قول اول الذکر تفسیر کے قریب ہے (جس میں فرقان سے بصیرت قلبی مراد قرار دی گئی ہے) عکرمہ نے نجات اور ضحاک نے ثبات فرقان کا ترجمہ کیا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا یعنی حق و باطل میں فیصلہ کر دے گا جس سے تمہاری حقانیت ظاہر اور تمہارے مخالفوں کی باطل پرستی ثابت ہو جائے گی فرقان (لغوی اعتبار سے) مصدر ہے جیسے رجحان اور نقصان۔

وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ اور تمہارے گناہ اتار دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یعنی تمہارے گزشتہ گناہ مٹا دے گا ان پر پردہ ڈال دے گا اور اپنی نعمتیں تم کو بخش دے گا۔

بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن آدم کے تین رجسٹر سامنے لائے جائیں گے ایک رجسٹر نیک اعمال کا دوسرا رجسٹر اس کے گناہوں کا اور تیسرے رجسٹر میں اللہ کی نعمتوں کا اندراج ہو گا جو اللہ نے اس بندہ کو عنایت کی ہوں گی پھر انعامات کے رجسٹر میں سے کسی حقیر ترین نعمت کو حکم ہو گا تو اپنے مقابل کسی عمل صالح کو وصول کر لے (یعنی اللہ کی اس حقیر ترین نعمت کا مقابلہ بندہ کے نیک عمل سے کیا جائے گا) تو اس نعمت کے مقابل تمام نیک اعمال بھی پورے نہ اتریں گے نعمت کہے گی تیری عزت کی قسم میں نے تو پورے اعمال کو بھی اپنے مقابل نہیں پایا نیک اعمال سب ختم ہو گئے تمام گناہ باقی ہیں اور دوسری نعمتیں بھی موجود ہیں اب اگر اللہ کو کسی بندہ پر رحم کرنا مقصود ہو گا تو فرمائے گا میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند گنی کر دیں تیری بد اعمالیاں معاف کر دیں اور تجھے اپنے انعام سے سرفراز کر دیا (گویا نیک اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اللہ کے انعام و رحمت سے بندہ کی بخشش ہو گی)۔

طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقعؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک ایسے بندہ کو قبر سے اٹھائے گا جس کا (اس کے اعمال نامہ میں) کوئی گناہ درج نہ ہو گا اللہ اس سے فرمائے گا (تیرا کوئی گناہ درج نہیں تو بے گناہ ہے) اب بتا تجھے تیرے نیک اعمال کے مطابق جزا دی جائے یا میں اپنے انعام کی وجہ سے تجھے ثواب دوں تجھے دونوں باتوں میں سے کون سی بات پسند ہے بندہ عرض کرے گا پروردگار تو خوب جانتا ہے کہ میں نے تیری کوئی نافرمانی نہیں کی (اس لئے میری نیکیوں کا ثواب عطا فرما) اللہ فرمائے گا میرے بندے کی نیکیوں کا میری نعمتوں سے مقابلہ کرو نتیجہ میں کوئی نیکی ایسی نہ بچے گی کہ جس کے مقابل بندہ کو نعمت نہ دے دی گئی ہو (ایسی حالت میں تمام نیکیوں کا معاوضہ دنیوی نعمتوں کی شکل میں مل چکا ہو گا اور کوئی نیکی قابل ثواب باقی نہ رہے گی ناچار ہو کر) بندہ عرض کرے گا اپنی رحمت اور انعام سے مجھے ثواب عطا فرما اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا (نیک) عمل نہیں بچائے گا صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی اپنے اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پائیں گے فرمایا نہ میں بھی بغیر اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت و فضل سے ڈھانک لے۔ متفق علیہ من روایۃ ابی ہریرۃؓ۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راستی اختیار کرو اور پوری راستی ممکن نہ ہو تو راستی کے قریب آ جاؤ اور بشارت پاؤ کیونکہ تم میں سے کسی کے اعمال تو جنت میں لے جانے والے نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا نہ میں بھی بغیر اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانک لے۔ اسی کی طرف اللہ نے اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے، یعنی اللہ نے نیک اعمال کے اجر کا جو وعدہ کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہارا تقویٰ موجب اجر ہے بلکہ یہ تو محض اللہ کا کرم اور مہربانی ہے (کہ اس نے نیک اعمال کو نجات کا ذریعہ بنا دیا ہے ورنہ تمام نیک اعمال تو اس قابل بھی نہیں کہ اللہ کے دنیوی احسانات کا بدل ہو سکیں) جیسے کوئی آقا کسی کام کے کرنے پر اپنے غلام کے لئے کوئی انعام مقرر کر دے (تو یہ محض اس کی مہربانی ہو گی) ورنہ اس خدمت کی انجام

وہی تو غلام کے لئے ویسے بھی ضروری ہوتی ہے بعض اہل تفسیر نے یکفر عنکم سیاٰتکم ویغفرلکم کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تمہارے صغیرہ گناہ ساقط کر دے گا اور کبیرہ گناہ معاف فرمادے گا۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور (یاد کرو) جب کہ کافر تمہارے متعلق خفیہ سازش کر رہے تھے اس آیت کا عطف اذا نتم قلیل پر ہے یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہاری تعداد کم تھی اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب کفار تمہارے متعلق خفیہ اسکیمیں بنارہے تھے یہ پوشیدہ اسکیمیں مکہ میں بنائی گئی تھیں (یعنی ہجرت سے پہلے) اور یہ سورت مدنی ہے۔

ابن اسحاقؒ، عبدالرزاقؒ، امام احمدؒ، ابن جریرؒ، ابو نعیمؒ، ابن المنذرؒ، اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور عبدالرزاق و عبد بن حمید نے قتادہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب انصار مسلمان ہو گئے تو قریش کو خیال ہوا کہ رسول اللہ کے پیرو اور ساتھی دوسرے شہر کے کچھ لوگ ہو گئے اور غیروں کا ایک جتھا ان کا ساتھی بن گیا پھر انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ہجرت کر کے کچھ مسلمان انصار کے پاس پہنچ گئے اور ان کو ٹھیرنے کی جگہ بھی مل گئی اور ٹھیرانے والے بھی اور حمایت کرنے والے بھی ہیں یہ دیکھ کر ان کو اندیشہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی انصار کے پاس چلے جائیں گے اور ان سے مل کر ہم سے لڑنے کو تیار ہو جائیں گے اس لئے پنچایت گھر میں جو قصی بن کلاب (قریش کے مورث اعلیٰ) کا گھر تھا سب کا اجتماع ہوا قریش ہر کام کا مشورہ اسی دار الندوہ (پنچایت گھر) میں جمع ہو کر کرتے تھے چنانچہ سب یہیں اکٹھے ہوئے اسی یوم الاجتماع کو یوم الرحمت کہا جاتا ہے یہ لوگ جمع ہی تھے کہ ابلیس ایک سال خوردہ بوڑھے کی شکل میں چادر اوڑھے دروازہ پر آکھڑا ہو گیا لوگوں نے دروازہ پر کھڑا دیکھا تو پوچھا یہ کون بوڑھا آدمی ہے شیخ نے جواب دیا نجد کا رہنے والا ایک بوڑھا ہے جس نے سنا تھا کہ آپ لوگ ایک مہم میں مشورہ کرنے یہاں جمع ہوئے ہیں اس لئے وہ بھی تمہاری باتیں سننے چلا آیا امید ہے کہ آپ اس میں اچھی رائے اور خیر خواہی پائیں گے لوگوں نے کہا بہت اچھا اندر آجاؤ بوڑھا اندر آگیا وہاں قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ طعیمہ بن عاری نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابو جہل بن ہشام، حجاج کے دونوں بیٹے منبہ اور منبہ، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب، جبیر بن مطعم اور حکیم بن حزام جمع تھے موخر الذکر تینوں حضرات آخر میں مشرف باسلام بھی ہو گئے (باقی اشخاص کافر رہے اور اکثر بدر میں مارے گئے) ان کے علاوہ بھی قریش اور دوسرے قبائل کے کچھ اشخاص تھے جو قابل ذکر نہیں۔

حاضرین میں سے ایک شخص بولا آپ لوگوں کو اس شخص کے حالات معلوم ہی ہیں میرے خیال میں کچھ بعید نہیں کہ یہ شخص اپنے پیرودں کو جو غیر لوگ ہیں ساتھ لے کر ہم پر حملہ کر دے اس لئے باہم مشورہ کر لو اور کسی رائے پر متفق ہو جاؤ ایک شخص نے جس کا نام سہیلی نے بروایت عبدالسلام ابوالبختری بن ہشام بتایا ہے کہا اس کو زنجیروں میں باندھ کر کسی گھر میں بند کر دو اور دروزاہ مقفل کر دو، یہاں تک کہ وہ موت جو اس جیسے دوسرے گزشتہ شعراء زہیر، نابغہ وغیرہ کو آئی اس کو بھی (قید خانہ کے اندر) آجائے۔ شیخ نجدی بولا بخدا یہ رائے تمہارے لئے سود مند نہیں اگر تم اس کو مکان کے اندر بند بھی کر دو گے تب بھی بند دروازوں کے اندر سے اس کا حکم اس کے ساتھیوں تک پہنچ جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ وہ تم سے لڑ کر اور غالب آکر اس کو تم سے چھین لیں۔ حاضرین نے کہا شیخ نے سچ کہا ایک اور شخص نے کہا سہیلی نے اس کا نام ابوالاسود ربیعہ بن عمر بتایا ہے جو قبیلہ بنی عامر بن لوی کا ایک فرد تھا۔ ہم اپنے اندر سے اس کو نکال دیں جہاں چاہے چلا جائے جو چاہے کرے ہم کو ضرر نہ پہنچے گا وہ ہم سے غائب ہو جائے گا اور ہم کو اس سے فراغت ہو جائے گی تو ہم اپنے معاملات کی درستی کر لیں گے اور (زائل شدہ) اتحاد کو ٹھیک کر لیں گے۔ شیخ نجدی بولا یہ رائے بھی ٹھیک نہیں تم واقف ہو کہ اس کی باتیں کیسی اچھی ہوتی ہیں اس کی گفتگو میں کیسی مٹھاس ہوتی ہے جو چیز یہ پیش کرتا ہے وہ دلوں میں اتر جاتی ہے اگر تم نے ایسا کیا تو وہ چلا جائے گا اور کچھ لوگوں کے دلوں کو لبھا کر سب کو ساتھ لا کر تم کو روند ڈالے گا اور اقتدار تمہارے ہاتھوں سے چھین کر جیسا سلوک کرنا چاہے گا تمہارے ساتھ کرے گا۔ لہٰذا اس کے علاوہ کوئی اور بات سوچو ابو جہل نے کہا میری ایک رائے ہے جس سے تم لوگ ابھی تک واقف نہیں ہو لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے ابو جہل نے کہا میرا خیال ہے کہ ہم ہر قبیلہ سے ایک جیالا شریف جوان لے لیں پھر ہر جوان کے ہاتھ میں تلوار دے دیں اور

سب مل کر یکدم اس پر ٹوٹ پڑیں سب تلواریں یکبارگی پڑیں اس طرح قتل کر کے ہم کو اس کی طرف سے چین مل جائے گا۔ بنی عبد مناف ساری قوم سے تو نہ لڑ سکیں گے اور قتل کا جرم تمام قبائل پر عائد ہوگا لامحالہ خوں بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے ہم سب مل کر خون بہا ادا کر دیں گے یہ مشورہ سن کر شیخ نجدی بولا بات تو یہ ہے اس کے سوا کوئی رائے نہیں ہو سکتی پھر اس نے مندرجہ ذیل دو شعر پڑھے۔

الرأی رأیان رأی لیس یعرفہ ۔۔۔ ھاد ورای کنصل السیف معروف

یکون اولہ عز و مکرمۃ ۔۔۔ یوما واٰخرہ حمد و تشریف

رائے دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ رائے جس کو کوئی راہنما نہیں جانتا (یعنی غیر معروف ناپسندیدہ رائے) اور دوسری معروف (ممتاز) رائے تلوار کے پھل کی طرح (روشن چمکدار) جس کے آغاز میں عزت اور بزرگی ہوتی ہے اور انجام میں تعریف و تعظیم۔

غرض اسی رائے پر متفق ہو کر مجمع برخاست ہو گیا اس مشورہ کی اطلاع حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو دے دی اور کہہ دیا کہ جس بستر پر آپ رات کو (روز) سوتے ہیں آج رات اس بستر پر نہ رہنا اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکل جانے کی اجازت دے دی رات کا اندھیرا ہوا تو قریش رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر اس انتظار میں جمع ہو گئے کہ آپ ﷺ سو جائیں تو وہ حملہ کریں رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی موجودگی محسوس کر لی اور حضرت علیؓ سے فرمایا میری سبز حضرمی چادر اوڑھ کر میری جگہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ ان کی طرف سے تم کو کوئی دکھ نہیں پہنچے گا رسول اللہ ﷺ وہی سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سویا کرتے تھے باہر سب جمع ہو گئے تو ابو جہل نے کہا محمد ﷺ کہتے ہیں کہ اگر تم ان کی پیروی کرو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ ہو جاؤ گے پھر مرنے کے بعد تم کو زندہ کیا جائے گا اور اردن کے باغوں کی طرح تم کو باغ ملیں گے اور اگر تم ان کے حکم پر نہیں چلو گے تو ان کے ہاتھوں قتل کئے جاؤ گے پھر مرنے کے بعد تم کو زندہ کیا جائے گا اور آگ میں جلایا جائے گا رسول اللہ ﷺ مٹھی میں خاک لئے مکان سے برآمد ہوئے اور فرمایا ہاں میں یہ بات کہتا ہوں اور تو مقتولین میں سے ایک ہوگا ۔ اللہ نے قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کو دکھائی نہیں دیئے آپ ہر ایک کے سر پر کچھ کچھ مٹی ڈالتے اور یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﷺ لَا يُبْصِرُوْنَ تک پڑھتے چلے گئے کوئی بھی ایسا نہ بچا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے سر پر خاک نہ ڈالی ہو پھر باہر آ کر آپ جہاں جانا چاہتے تھے چلے گئے جب حضور ﷺ تشریف لے گئے تو کوئی بیرونی شخص قریش کے پاس آیا اور اس نے کہا یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو قریش نے کہا محمد ﷺ کا آنے والے نے کہا اللہ نے تم کو ناکام کر دیا خدا کی قسم وہ تو تمہارے سامنے سے نکل گئے اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا کہ انہوں نے اس کے سر پر خاک نہ ڈال دی ہو اب وہ اپنے کام کو جا چکے تم سوچ لو کہ تم کو اب کیا کرنا ہے یہ سن کر ہر ایک نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا تو سر پر خاک دکھائی دی پھر اندر جھانکنے لگے تو وہاں رسول اللہ ﷺ کی چادر اوڑھے کوئی شخص دکھائی دیا کہنے لگے خدا کی قسم محمد ﷺ تو یہ چادر اوڑھے سو رہے ہیں اسی حالت میں صبح ہو گئی تو حضرت علیؓ بستر سے اٹھ بیٹھے اس وقت کہنے لگے بے شک اس شخص نے سچ کہا تھا یہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ غار ثور کی طرف تشریف لے گئے باقی قصہ سورہ توبہ میں انشاء اللہ آئے گا۔

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی جان کا ایثار کیا اور رسول اللہ ﷺ کا لباس پہن کر آپ ﷺ کی جگہ سو گئے مشرک رسول اللہ ﷺ کو تاک رہے تھے مگر وہاں حضور ﷺ کی جگہ علیؓ تھے اور علیؓ کو ہی وہ رسول اللہ سمجھے ہوئے تھے حضرت علیؓ سوتے میں جب کروٹ لے کر سیدھے ہوئے تو مشرکوں کو علیؓ کی شکل نظر آئی کہنے لگے تو بڑا کمینہ ہے تیرا ساتھی تو کروٹ نہیں لیتا تھا اور تو (سوتے میں) کروٹ لیتا ہے ہم پہچان نہ سکے (چادر کے اندر تجھے دیکھ کر غلط سمجھے)۔

حاکم نے حضرت علیؓ بن حسینؓ (یعنی امام زین العابدینؒ) کا قول نقل کیا ہے کہ (آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کا مصداق حضرت علیؓ ہی ہیں) علیؓ نے ہی اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے اپنی جان فروخت کی یا

خریدی اور اسی کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار فرمائے۔

وقیت بنفسی خیر من وطی الحصی ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر

رسول الالہ اخاف ان یمکروا بہ فنجاہ ذوالطول الالہ من المکر

وبات رسول اللہ فی الغار امنا موقی وفی حفظ الالہ وفی ستر

وبت اراعیہم وما یتہمونہ وقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

جن لوگوں نے (بطحاء کی) پتھریوں کو روندا اور کعبہ اور سنگ اسود کا طواف کیا ان میں سب سے برتر ہستی کو اپنی جان کی پیش کش کر کے میں نے بچایا جو اللہ کے رسول ﷺ تھے مجھے اندیشہ تھا کہ مشرک ان پر خفیہ داؤ نہ کریں آخر مشرکوں کے داؤ سے قدرت والے اللہ نے ان کو بچالیا۔ رسول اللہ ﷺ رات بھر غار کے اندر بے فکری کے ساتھ محفوظ اللہ کی حفاظت و پناہ میں رہے اور میں نے رات بھر مشرکوں کی اور ان کی سازش کی تاک جھانک رکھی اور اپنی جان کو مارے جانے اور قید ہونے پر جمائے رکھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے مشرکوں کے اسی اجتماع اور واقعات کے متعلق آیت واذیمکرو بک الذین کفروا الخ نازل ہوئی:

لِيُثْبِتُوكَ تاکہ تم کو گرفتار کر کے باندھ کے قید کر دیں جس طرح ابوالبختری کی رائے تھی۔

أَوْ يَقْتُلُوكَ یا تم کو قتل کر دیں جیسے ابوجہل کی رائے تھی اور شیطان نے اس کو پسند کیا تھا۔

أَوْ يُخْرِجُوكَ یا تم کو (مکہ سے) نکال باہر کر دیں جیسے ابوالاسود کی رائے تھی۔

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔

مکر کا (لغوی) معنی ہے کسی تدبیر سے دوسرے کو اس کے مقصد سے پھیر دینا مکر کی دو قسمیں ہیں اچھا برا اگر اچھا فعل مقصود ہو تو اچھا مکر ہے برا فعل مقصود ہو برا مکر ہے (گویا مکر کی اچھائی برائی مقصد کی اچھائی برائی سے وابستہ ہے) مکر کی ابتدائی نسبت اللہ کی طرف صحیح نہیں کیونکہ مطلق مکر سے برے مکر کی طرف ذہنی انتقال ہو سکتا ہے ہاں اگر دوسروں کے مکر کے مقابل اللہ کی طرف مکر کی نسبت کی جائے تو درست ہے (یعنی دوسروں کا مکر جب مذموم اور برا ہو گا اور اس کے مقابل اللہ کی طرف مکر کی نسبت کی جائے گی تو لامحالہ اللہ کا مکر اچھا ہی ہو گا اور برا مکر ہونے کا وہم بھی نہ ہو سکے گا)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ قریش سازشیں کر رہے تھے کہ محمد ﷺ کی دعوت اکارت جائے اور اللہ کا نور بجھ جائے اور اللہ تدبیر کر رہا تھا کہ اس کا نور پھیل جائے اور کام پورا ہو جائے اور اللہ کے دشمن تباہ ہو جائیں۔

وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝ اور سب سے مستحکم اور بہتر تدبیر کرنے والا اللہ ہے کیونکہ اللہ کی ہر تدبیر اور عمل اچھا اور خیر ہی خیر ہے۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک اللہ کے مکر کا معنی ہے مشرکوں کی سازشوں کا ناکام بنادینا بعض اہل تفسیر نے کہا کہ مشرکوں کے مکر کے بدلے کو اللہ کا مکر کہا گیا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ مکر اللہ کا معنی ہے بندہ کو ڈھیل دینا اور دنیوی سامان و عیش پر اس کو قابو عطا کرنا اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جس کو دنیوی فراخی حاصل ہو اور وہ اس فراخ حالی کو اللہ کا مکر (ڈھیل) نہ سمجھے وہ فریب خوردہ ہے۔

ابن جریر نے عبید بن عمیر کی سند سے مطلب بن وداعہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تمہاری قوم تمہارے متعلق کیا مشورہ کرتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مجھے قید کرنے یا قتل کرنے یا جلاوطن کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں ابو طالب نے کہا تم کو یہ کس نے بتایا حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب نے ابو طالب نے کہا تمہارا رب بہت اچھا ہے تم اس کے خیر خواہ رہو۔ وہ تو خود میرا خیر خواہ ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے اس روایت میں ابو طالب کا ذکر غریب بلکہ منکر ہے یہ واقعہ تو ہجرت کی رات کا ہے جب کہ ابو طالب کے انتقال کو تین سال گذر چکے تھے۔

ابن جریرؒ نے سعیدؓ بن جبیر کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط طعیمہ بن عدی اور نضر بن حارث گرفتار ہونے کے بعد مارے گئے نضر بن حارث کو حضرت مقدادؓ نے گرفتار کیا تھا جب نضر کو قتل کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تو حضرت مقدادؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ تو میرا (قیدی) ہے فرمایا یہ اللہ کی کتاب کے متعلق ایسی باتیں کہتا تھا (یعنی پارینہ داستان اور اساطیر الاولین کہتا تھا اللہ اس کا قتل ضروری ہے) اس کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا اور جب ان کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں۔ یعنی نضر بن حارث کہتا ہے چونکہ نضر کے قول پر سب راضی تھے اس لئے قول کی نسبت سب کی طرف کردی جس طرح حضرت صالحؑ کی اونٹنی کا قاتل صرف قدار بن سالف تھا مگر تمام قوم ثمود اس فعل پر راضی تھی اس لئے فعقروھا میں کونچیں کاٹنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کردی گئی۔

قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ہم نے (قرآن) سن لیا اگر ہم چاہیں تو ہم ایسا ہی (کلام) کہہ سکتے ہیں ان کا یہ قول انتہائی عناد اور جاہلانہ خصوصیت کا مظہر تھا دس سال تک قرآن ان کو مقابلہ کی دعوت دیتا رہا اور چیلنج کرتا رہا کہ اگر ایسا کلام بنا سکتے ہو تو بنا کر لاؤ پھر اگر ان میں مقابلہ کی طاقت تھی تو ایسا کرنے سے مانع کیا تھا مغلوبیت اور عاجز ہونے کی ذلت سے ان کو نفرت ہونی ہی چاہئے تھی اور تھی بھی پھر ادنیٰ سورت کی مثال پیش نہ کرنے کی کیا وجہ تھی۔

إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۱﴾ یہ تو محض گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں اساطیر اسطورہ کی جمع ہے لکھی ہوئی تحریر یعنی گزشتہ اقوام کے واقعات جو پچھلے لوگوں نے لکھے ہیں بغویؒ نے لکھا ہے کہ نضر بن حارث تاجر تھا فارس اور حیرہ (عراق) کو جایا کرتا تھا وہاں رستم واسفندیار کی داستانیں اور عجمیوں کے قصے کہانیاں سنا کرتا تھا اور یہود و نصاریٰ کی طرف سے گذرتا تھا تو ان کو توریت و انجیل پڑھتے اور رکوع سجدہ کرتے پاتا تھا پھر جب مکہ میں آیا اور رسول اللہ ﷺ کو قرآن اور نماز پڑھتے دیکھا تو بولا ہم نے (ایسی بہت باتیں) سنی ہیں اگر ہم چاہیں تو ایسا ہی کلام کہہ سکتے ہیں۔

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے حق ہی ہے (اور ہم اس کی صداقت سے انکار کرتے ہیں تو انکار کی پاداش میں) ہم پر آسمان سے پتھر برسا جیسے اصحاب فیل اور قوم لوط کو تو نے سزا دی تھی۔

أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۲﴾ یا کوئی اور اذیت رساں عذاب ہم پر بھیج دے۔ یہ بات کہنے سے ان کا مقصود محض استہزاء کرنا اور یہ بتانا تھا کہ ہم یقین رکھتے ہیں اور بصیرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

ابن جریر نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ بات کہنے والا نضر بن حارث ہی تھا اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ امتوں کے احوال بیان فرمائے تو نضر بن حارث نے کہا میں بھی چاہوں تو ایسی باتیں بیان کر سکتا ہوں یہ تو وہ قصے ہیں جو پہلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون نے فرمایا اللہ سے ڈر۔ محمد ﷺ تو سچی بات کہتے ہیں نضر بولا میں بھی سچی بات کہہ رہا ہوں حضرت عثمانؓ نے فرمایا محمد ﷺ تو لا الہ الا اللہ کہتے ہیں (اور تو شرک کی باتیں کرتا ہے) بولا میں بھی لا الہ الا اللہ کا قائل ہوں اور یہ یعنی بت اللہ کی بیٹیاں ہیں (اللہ نہیں ہیں) پھر کہنے لگا اللھم ان کان ھذا ھوالحق من عندک یعنی یہ قرآن اگر حق ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں تو انکار کی پاداش میں ہم پر پتھر برسا یا کوئی دوسرا سخت عذاب ہم پر بھیج دے اس قول کا مقصد قرآن کا مذاق اڑانا اور قرآن کے باطل ہونے پر اپنے یقین کا اظہار کرنا ہے۔ نضر بن حارث ہی کے متعلق آیت سال سائل بعذاب واقع نازل ہوئی تھی عطاء نے کہا نضر بن حارث کے متعلق کچھ اوپر دس آیات کا نزول ہوا اور جس عذاب کا وہ طلب گار تھا بدر کے دن اسی نے اس کو گھیر لیا۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ

يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور اللہ ایسا نہیں کرے گا کہ ان کے اندر آپ کے موجود ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے اور اللہ ان کو عذاب دینے والا نہیں ایسی حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کیا استحقاق ہے کہ اللہ ان کو (بالکل) عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے (مسلمانوں کو) روکتے ہیں۔

اس آیت کے تفسیری معنی میں علماء کے اقوال مختلف ہیں محمد ابن اسحاق نے اس آیت کو سابق آیت کا تتمہ اور مشرکوں کے قول کا جز قرار دیا ہے مطلب اس طرح ہوگا کہ مشرک کہتے ہیں اللہ ہم کو عذاب نہیں دے گا ہم تو اس سے استغفار کرتے ہیں نبی کی موجودگی میں اس کی امت کو اللہ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اللہ نے ان کی جہالت اور فریب خوردگی اور خود اپنے لئے بددعا کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے بطور تردید فرمایا کہ یہ لوگ اگرچہ استغفار کرتے ہیں اور آپ بھی ان میں موجود ہیں لیکن یہ چیزیں عذاب سے مانع نہیں ہو سکتیں جب کہ یہ لوگ مسجد حرام (کعبہ) سے مسلمانوں کو روکتے ہیں دوسرے اہل تفسیر کا خیال ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ سے نیا کلام ہے سابق آیت سے وابستہ نہیں ہے بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ابو جہل نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اس پر اللہ نے اپنی طرف سے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔

موخر الذکر تقدیر پر ضحاک اور ایک جماعت نے اور بروایت ابن جریر ابن ابزی نے یہ مطلب بیان کیا ہے جب آپ ان میں موجود ہیں تو اللہ ان پر ہرگز عذاب نہیں بھیجے گا یعنی رسول اللہ ﷺ ان میں موجود ہونا عذاب نہ آنے اور بددعا قبول نہ ہونے کا سبب ہے اللہ کا یہ ضابطہ نہیں کہ جب نبی موجود ہو تو قوم پر مکمل تباہ کن عذاب مسلط کر دیا جائے جس سے ان کا استیصال ہو جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں اور آپ ﷺ کو رحمت عالم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس وقت لیعذبہم میں لام نفی کی تاکید کے لئے ہوگا اور در پردہ اس بات پر تنبیہ ہوگی کہ جب نبی ان کو چھوڑ کر ہجرت کر جائیں گے اس وقت ان کو عذاب کا منتظر رہنا چاہئے اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں موجود تھے پھر ہجرت کر کے تشریف لے گئے اور کچھ (کمزور) مسلمان مکہ میں رہ گئے اور ہر وقت اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کی خواستگاری کرنے میں مشغول رہے اس وقت اللہ نے آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ نازل فرمائی پھر جب یہ پسماندہ مسلمان بھی مکہ سے چلے گئے تو کافروں کو عذاب میں مبتلا کیا گیا اور مسلمانوں کو فتح مکہ کی اجازت دی گئی یہی وہ عذاب الیم تھا جس کی دھمکی کافروں کو پہلے سے دی گئی تھی مسلمانوں کی مکہ میں موجودگی اور استغفار کا مانع عذاب ہونا دوسری آیت میں بھی صراحت کے ساتھ مذکور ہے فرمایا ہے وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ سے لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا تک۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کسی بستی پر اللہ نے عذاب نازل نہیں کیا جب تک اپنے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال کر مشیت کے مطابق جہاں چاہا پہنچا نہ دیا (دیکھو) اللہ نے فرمایا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ پس مسلمان جب نکل گئے تو اللہ نے فرمایا مالہم ان لا یعذبہم اللہ یعنی مسلمانوں کے نکل جانے کے بعد عذاب نازل نہ کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی بلکہ عذاب نازل کرنے کا سبب محکم ہو گیا لوگوں کو مسجد حرام سے انہوں نے روک دیا یعنی رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا چنانچہ بدر کے دن اللہ نے ان پر عذاب نازل کر دیا۔

حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے فرمایا (اے مسلمانو!) تمہارے اندر اللہ کے دنیوی عذاب سے محفوظ رہنے کے دو سبب تھے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی اور تمہارا استغفار کرتے رہنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ رسول اللہ ﷺ تو (دنیا سے) تشریف لے گئے اور استغفار (کا سلسلہ) روز قیامت تک تمہارے اندر باقی رہے گا (اس لئے دنیوی عمومی عذاب تم پر نہیں آئے گا)۔

ترمذی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے میری امت کے لئے عذاب سے محفوظ رہنے کی دو آیات مجھ پر نازل فرمائیں فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ میں جب (دنیا سے) چلا جاؤں گا تو استغفار کے (سلسلہ) کو ان کے اندر قیامت تک کے لئے چھوڑ جاؤں گا ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے (یعنی یہ حضرت ابو موسیٰؓ کا قول ہو سکتا ہے اس کو (رسول اللہ ﷺ کا قول قرار دینا ضعیف ہے)۔

بعض علماء کا قول ہے کہ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ مشرک استغفار کرتے ہیں (یعنی ہم ضمیر مشرکوں کی طرف راجع ہے) چنانچہ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ مشرک کعبہ کا طواف کرتے تھے اور طواف کرتے میں کہتے جاتے تھے غفرانک غفرانک (ہم تیری مغفرت کے طلب گار ہیں) اس پر اللہ نے آیت وما کان اللہ لیعذبہم الخ نازل فرمائی۔ ابن جریر نے یزید بن رومان کی روایت سے لکھا ہے کہ قریش کے لوگوں میں سے بعض نے بعض سے کہا محمد (تنہا) اللہ کی تعظیم کرتے ہیں اے اللہ اگر یہ حق ہے تو ہم پر پتھر برسا کہنے کو تو انہوں نے یہ بات کہہ دی لیکن جب شام ہوئی تو کہے پر پشیمان ہوئے اور دعا کی غفرانک اللّٰہم اس پر اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ سے لَا يَعْلَمُوْنَ تک۔

قتادہؒ اور سدیؒ نے کہا آیت مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ مشرک استغفار کر لیتے تو اللہ ان کو عذاب نہ دیتا لیکن انہوں نے استغفار نہیں کیا کیونکہ اگر گناہ کا اقرار کر کے معافی کے طلب گار ہو جاتے تو مومن ہو جاتے۔ اسی کی مثل آیت مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (یعنی اس میں بھی نفی تقدیری ہے مطلب یہ کہ ظالم بستیوں والے اگر مصلح ہوتے تو اللہ ان کو ہلاک نہ کرتا (لیکن وہ اصلاح پسند نہ تھے اگر مصلح ہوتے تو ظلم نہ کرتے عادل ہو جاتے)۔

بعض کا قول ہے کہ اس کلام میں اللہ نے اسلام مصاحبت رسول اور استغفار کی لوگوں کو دعوت دی ہے اور دعوت دینا اصل مقصد ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ تو میری اطاعت کرے گا تو میں تجھے سزا نہیں دوں گا اس کا مقصد بھی ترغیب اطاعت ہے۔

مجاہدؒ اور عکرمہؒ نے یستغفرون کی تفسیر یسلمون کے لفظ سے کی ہے یعنی اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو ان پر عذاب نہ آتا والبی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ہم یستغفرون کا مقصد یہ ہے کہ (چونکہ) اللہ کی طرف سے یہ امر پہلے ہی طے کر دیا گیا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور استغفار کریں گے جیسے ابو سفیانؓ بن حرب صفوانؓ بن امیہ عکرمہؓ بن ابی جہل سہیلؓ بن عمر حکیمؓ بن حزام وغیرہ (اس لئے عذاب عمومی نازل نہیں ہوا اگر ان میں سے بعض کا مسلمان ہو جانا تقدیر الٰہی میں نہ ہوتا تو عذاب آ جاتا) عبدالوہاب نے مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ھم یستغفرون کا مطلب یہ ہے کہ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا ہوگی جو استغفار کرے گی بعض علماء کا قول ہے کہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ میں عذاب سے مراد ہے بالکل تباہ و برباد کر دینے والا (عذاب استیصال) اور مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ میں عذاب سے مراد ہے عذاب قتل بعض کے نزدیک نفی عذاب سے مراد ہے عذاب استیصالی دنیا میں نہ ہونا اور وقوع عذاب سے مراد ہے عذاب آخرت۔

وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ اور وہ مسجد حرام کے متولی (ہونے کے قابل) نہیں تھے حسن کا قول ہے کہ مشرک کہتے تھے ہم کعبہ کے متولی (حقدار) ہیں جس کو چاہیں گے اندر آنے سے روک دیں گے اور جس کو چاہیں گے اندر آنے دیں گے اس کی تردید میں اللہ نے جملہ مذکورہ نازل فرمایا اس وقت اولیاء سے اولیاء کعبہ مراد ہوں گے (اور ہٗ ضمیر بیت کی طرف راجع ہوگی)۔

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ نہیں ہیں حقدار کعبہ کے مگر متقی یعنی وہی لوگ کعبہ کے حقدار ہیں جو شرک سے پرہیز رکھنے والے ہیں اور اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں کرتے۔ بعض اہل تفسیر نے ہٗ ضمیر اللہ کی طرف راجع کی ہے یعنی اللہ کے

دوست نہیں ہیں مگر متقی۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾ لیکن ان میں سے اکثر ناواقف ہیں۔ نہیں جانتے کہ کعبہ کی تولیت کا ان کو استحقاق نہیں لفظ اکثر ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ان میں سے بعض لوگ اس بات کو جانتے ہیں اور دانستہ عناد کا مظاہرہ کرتے ہیں یا اکثر سے مراد سب ہیں جیسے لفظ قلت سے عدم (بالکل نہ ہونا) مراد لے لیا جاتا ہے [1]

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ اور کعبہ کے پاس ان کی نماز صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہوتی ہیں۔ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے یا وہ عبادت مراد ہے جس کو مشرک نماز کرتے تھے مکاء کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ نے سیٹی کیا ہے اصل میں مکاء اس سفید پرندہ کو کہا جاتا تھا جس کی آواز سیٹی کی طرح ہوتی تھی یہ پرندہ حجاز میں ہوتا تھا اس معنی کے لحاظ سے آیت میں مکاء سے مراد مکاء کی آواز ہوگی تصدیہ کا معنی تالی بجانا بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے اور طواف کی حالت میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے واحدی نے حضرت ابن عمرؓ کی طرف بھی اس بیان کو منسوب کیا ہے۔

بغویؒ نے مجاہدؒ کا بیان لکھا ہے کہ قبیلہ عبدالدار کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے طواف کرتے وقت سامنے آجاتے مذاق بناتے اور اپنے منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹیاں بجاتے تھے اس روایت کی روشنی میں مکاء کا معنی ہوگا پھونکوں کے اندر انگلیاں داخل کرنا اور تصدیہ کا معنی ہوگا سیٹی جیسی آواز نکالنی پہاڑ کے درہ میں آواز نکالنے والے کو جو بازگشت سنائی دیتی ہے جس کو صدا کہا جاتا ہے اس کا ماخذ لفظ تصدیہ ہی ہے لغت میں صدا اس آواز کو کہتے ہیں جو (میدان یا پہاڑ یا کسی بلند عمارت میں) ہر طرف سے آتی ہے۔

ابن جریر نے بحوالہ سعید بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طواف کے دوران قریش آپ ﷺ کے سامنے آجاتے آپ ﷺ سے ٹھٹا کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جعفر بن ابی ربیعہؒ نے حضرت ابوسلمہؒ بن عبدالرحمن سے مکاء و تصدیہ کا معنی پوچھا تو ابوسلمہؒ نے دونوں ہتھیلیاں ملا کر بیچ میں پھونکا جس سے سیٹی جیسی آواز پیدا ہوئی رواہ ابن جریر مقاتل کا بیان ہے کہ آپ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو دو آدمی آپ کے داہنی جانب کھڑے ہو جاتے اور دو آدمی آپ کی بائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور تالیاں بجاتے تاکہ آپ کی نماز گڑبڑ ہو اور آپ نماز نہ پڑھ سکیں یہ لوگ قبیلہ عبدالدار کے تھے سعید بن جبیرؒ نے کہا تصدیہ سے مراد ہے مسلمانوں کو مسجد حرام اور دین اور نماز سے روکنا، اس قول کی بنا پر تصدیہ کا مادہ صدٌّ قرار پائے گا دوسری دال کو یاء سے بدل دیا گیا۔

بہر صورت لفظ صلوٰۃ سے مراد کافروں کی وہ حرکات ہوں گی جن کو نماز کے قائم مقام انہوں نے بنا رکھا تھا حکم تو دیا گیا تھا مسجد میں نماز پڑھنے کا اور انہوں نے بجائے نماز کے ان حرکات کو اختیار کیا۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ اب تم عذاب کو چکھو کفر کرتے رہنے کے عوض عذاب سے

---

[1] حضرت رفاعہؓ بن رافع راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو ایک جگہ جمع کرو جب سب لوگ بارگاہ نبوت پر حاضر ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میری قوم کے سب لوگ (یعنی مہاجرین) حاضر ہیں انصار نے بھی یہ بات سن لی اور خیال کیا کہ قریش کے متعلق کوئی وحی آئی ہے چلو ہم بھی چلیں چنانچہ سننے اور دیکھنے والے آگئے (یعنی پیام وحی کو سننے اور حالات کو دیکھنے کے لئے انصار بھی آگئے) رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور سب کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کیا تم میں تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہے مہاجرین نے عرض کیا جی ہاں ہمارے حلیف اور بھانجے اور اہل قرابت (یعنی انصار) ہیں فرمایا ہمارے حلیف تو ہم میں سے ہیں ہمارے بھانجے بھی ہم میں سے ہیں اور ہمارے اہل قرابت بھی ہم میں سے ہیں تم قرآن میں سنتے ہو ان اولیاءہ الا المتقون پس اگر تم وہ (متقی) ہو تو ٹھیک ہے ورنہ سمجھ لو کہ لوگ قیامت کے دن (نیک) اعمال لے کر آئیں گے اور تم (گناہوں کا) بار لیکر آؤ گے تو تم سے رو گردانی کر لی جائے گی (تمہاری طرف نظر التفات و توجہ نہیں کی جائے گی)۔

مراد ہے بدر کی لڑائی میں مارا جانا بعض کے نزدیک عذاب آخرت مراد ہے اور العذاب میں الف لام عہدی ہو سکتا ہے یعنی وہ عذاب جس کی انہوں نے درخواست کی تھی اور کہا تھا او ائتنا بعذاب الیم اور کفر سے مراد ہے اعتقادی اور عملی کفر۔ یہ آیت گزشتہ آیت سے وابستہ ہے اور اس بات کو پختہ کر رہی ہے کہ واقعی وہ عذاب کے مستحق ہیں اور تولیت کعبہ کے حقدار نہیں ہیں جس کے یہ احوال ہوں جو اوپر بیان کر دیئے گئے وہ ضرور عذاب کا مستحق ہو گا اور تولیت کعبہ کا حقدار نہ ہو گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنا مال راہ خدا سے لوگوں کو روکنے کے لئے یقیناً خرچ کرتے ہیں سبیل اللہ سے مراد ہی اللہ کا دین کلبی نے کہا اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جنہوں نے بدر کے موقع پر (قریش کے سارے لشکر کو) کھانا کھلایا تھا یہ بارہ آدمی تھے ابو جہل بن ہشام، ربیعہ بن عبد الشمس کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، ابو البختری بن ہشام، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف زمعہ بن اسود، حارث بن عامر بن نوفل، عباس بن عبد المطلب یہ سب افراد قریشی تھے اور ہر شخص روزانہ دس اونٹ ذبح کیا کرتا تھا۔ محمد بن اسحاق نے کہا مجھ سے زہری اور محمد بن یحییٰ بن حبان اور عاصم بن عمر بن قتادہ اور حصین بن عبد الرحمن نے بیان کیا کہ جب بدر کے دن قریش مارے گئے اور شکست کھا کر مکہ کو لوٹے تو عبد اللہ بن ابی اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور دوسرے وہ لوگ جن کے باپ یا بیٹے بدر میں مارے گئے تھے ابو سفیان کے اور ان قریشیوں کے پاس گئے جن کی ابو سفیان والے تجارتی قافلہ میں شرکت تھی اور ان سے کہا اے گروہ قریش محمد ﷺ نے تمہاری قوت توڑ دی تمہارے چنے ہوئے لوگوں کو قتل کر دیا اب تم (قافلہ کے اس تجارتی) مال سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم محمد ﷺ سے لڑ کر انتقام لے سکیں لوگوں نے یہ بات قبول کر لی بقول ابن عباسؓ انہی کے متعلق آیت ان الذین کفروا سے یحشرون تک نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حکم بن عتیبہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ یہ آیت ابو سفیان کے متعلق نازل ہوئی جس نے چالیس اوقیہ سونا مشرکوں پر خرچ کیا تھا ابن جریر نے ابزی اور سعید بن جبیر کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ آیت ابو سفیان کے حق میں نازل ہوئی جس نے دو ہزار [1] احابیش کو اجرت دے کر جنگ احد کے لئے تیار کیا تھا میں کہتا ہوں الفاظ عام ہیں مذکورہ اشخاص بھی اس حکم میں داخل ہیں اور ان کی طرح کے دوسرے لوگ بھی۔

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً اب تو یہ (راہ خدا سے روکنے کے لئے) مال صرف کرتے ہیں (لیکن) پھر یہ ان کے لئے (دنیا میں ہی) باعث پشیمانی و غم ہو جائے گا کیونکہ مال بھی جائے گا اور مقصد بھی حاصل نہ ہو گا حسرت ہونے سے مراد ہے موجب حسرت ہونا کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے باعث حسرت کو حسرت قرار دیا۔

ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ پھر (انجام کار) یہ مغلوب ہوں گے، اگرچہ شروع میں لڑائی اونچی نیچی (یعنی برابر سرابر) ہوتی رہے گی۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا یعنی کفر پر قائم رہے جہنم کی طرف ان کو ہنکا کر لے جایا جائے گا۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ

تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ان ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا کر سب کو متصل کر کے جہنم میں ڈال دے ناپاک و پاک سے مراد کافر و مومن ہے یا گناہ و نیکی اور لیمیز کے لام کا تعلق یحشرون سے ہے یا یغلبون سے۔ یا ناپاک سے مراد وہ مال ہے جو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں کفار نے صرف کیا تھا اور پاک سے مراد وہ مال ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مدد میں مسلمانوں نے صرف کیا تھا۔

---

[1] احابیش کچھ قبائل عرب تھے جو بنی اللیث کے ساتھ مل گئے تھے تاکہ جنگ میں ان کا ساتھ دیں۔ تحبش کا معنی ہے جمع ہونا بعض کے نزدیک احابیش مختلف قبائل کے کچھ لوگ تھے جنہوں نے کوہ حبش کے نیچے قریش سے مدد کا معاہدہ کیا تھا۔

برکم یعنی باہم ملادے (رکم جمع کرنا باہم ملانا) سحاب مرکوم (گھنا تہ بہ تہ بادل) اسی معنی کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ یہی سب گھاٹا اٹھانے والے ہیں یہ ہی سے اشارہ ناپاک گروہ یا منافقوں کی 18
طرف ہے اور گھاٹا اٹھانے سے مراد ہے پورا پورا گھاٹا اٹھانا کہ مال دے کر آخرت کا عذاب مول لیا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر
یہ کفر عداوت رسول اور قتال سے باز آجائیں گے تو جو کچھ (کفر فساد اور گناہ ان سے) پہلے ہو چکا اس کو بخش دیا جائے گا آخر میں
کفار میں سے ایک بڑی جماعت اسلام لے آئی ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن عاص وغیرہ
بہت اشخاص مسلمان ہو گئے بدر کے قیدیوں میں سے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث،
ابوالعاص بن ربیع، ابو عزیز بن عمیر عبدری، صائب بن ابی حبیش خالد بن ہشام مخزومی، عبداللہ بن ابی السائب، مطلب بن
حنطب، ابو ودعہ سہمی، عبداللہ بن ابی بن خلف، وہب بن عمیس جمحی، سہیل بن عمر عامری، ام المومنین حضرت سودہؓ کے بھائی
عبداللہ بن زمعہ، قیس بن سائب امیہ بن خلف کے آزاد کردہ غلام نسطاس۔

سائب بن عبید زر فدیہ ادا کرنے کے بعد مسلمان ہوئے عدی بن خیار فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ولید بن مغیرہ کو
ہشام اور خالد نے گرفتار کر لیا تھا جب زر فدیہ انہوں نے ادا کر دیا اور رہا ہو گئے تو پھر مسلمان ہو گئے لوگوں نے بے وقوف بنایا (کہ
مسلمان ہونا ہی تھا تو قید کی حالت میں مسلمان ہو گئے ہوتے مسلمان ہوتے ہی رہا ہو جاتے زر فدیہ ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی)
کہنے لگے لوگ خیال کرتے کہ میں قید میں رہنے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا مجھے یہ بات پسند نہ تھی (بلکہ بطیب خاطر برضاء رغبت
مسلمان ہونا تھا) آپ مسلمان ہو گئے تو ننھیال والوں نے آپ کو قید کر دیا رسول اللہ ﷺ آپ کے لئے قنوت میں دعا کیا کرتے
تھے آخر چھوٹ گئے اور حضور ﷺ کی وفات کے سال خدمت گرامی میں پہنچ گئے۔

حضرت عمرو بن عاص کا بیان ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا دست مبارک بڑھایئے میں
بیعت کرنا چاہتا ہوں حضور ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا حضور ﷺ نے فرمایا عمرو کیا بات ہے میں نے عرض
کیا میں کچھ شرط رکھنا چاہتا ہوں فرمایا پیش کرو کیا شرط ہے میں نے عرض کیا شرط یہ ہے کہ میرے (گزشتہ) قصور معاف ہو
جائیں فرمایا عمرو کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام گزشتہ جرائم کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی جو کچھ پہلے ہو چکا اس کو ڈھا دیتی ہے اور حج
بھی سابق باتوں (یعنی گناہوں) کو ڈھا دیتا ہے، رواہ مسلم۔

وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اور اگر (رسول اللہ ﷺ) سے لڑنے کی طرف دوبارہ
لوٹیں گے تو کفار سابقین کے متعلق قانون نافذ ہو چکا ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کی مخالفت کی ان کو تباہ کر دیا گیا جیسے بدر میں
لڑنے والے کافروں کے ساتھ کیا گیا لہٰذا ان لوگوں کو بھی اسی قانون سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ اور (اے مسلمانو) ان کافروں سے
اس حد تک لڑو کہ فتنہ (یعنی شرک اور ملک میں فساد) نہ رہے اور دین خالص اللہ ہی کا ہو جائے فتنہ سے مراد ہے زمین پر فساد ہونا
اور زمین پر سب سے بڑا فساد ہے شرک کا اقتدار لہٰذا فتنہ نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا
کریں (بہرحال اقتدار مشرکوں کے ہاتھ میں نہ رہے) دین سے مراد ملت اسلام اور اسلامی عبادات و فرائض نہیں ورنہ ادائے
جزیہ والی آیت میں اور اس آیت میں تناقض پیدا ہو جائے گا (جزیہ والی آیت میں تو حکم دیا گیا ہے کہ اگر کفار جزیہ ادا کریں یعنی
مسلمانوں کے اقتدار کو مان لیں تو ان سے نہ لڑو اور اس آیت میں لڑنے کا حکم اس وقت تک لازم قرار دیا گیا جب تک سب
مسلمان نہ ہو جائیں) بلکہ دین سے مراد ہے حکومت، اقتدار، غلبہ، تسلط، دین کے یہ تمام معانی قاموس میں مذکور ہیں۔

حضرت مقداد بن اسود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کوئی ایسا مکان اور خیمہ روئے زمین پر باقی نہیں
رہے گا جس کے اندر اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے (خواہ) عزت مند کو عزت دے کر یا ذلیل کو ذلت دے کر یا تو مکان اور

ڈیرے والوں کو (مشرف باسلام کر کے) اللہ عزت عطا فرمادے گا اور ان کو اہل کلمہ بنادے گا یا (اسلام سے محروم رکھ کر) ان کو ذلیل کردے گا اور وہ کلمہ اسلام کے زیر فرمان ہو جائیں گے اس طرح سارا اقتدار اللہ ہی کا ہو جائے گا رواحمد زیر فرمان ہونے سے مراد ہے محکوم ہو جانا اور ذمی بن جانا۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ پھر اگر باز آجائیں تو اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے یعنی اگر وہ کفر سے باز آجائیں گے اور اسلام لے آئیں گے تو اللہ ان کے اعمال کے مطابق ان کو جزا دے گا کیونکہ اللہ بلاشبہ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس وقت تک لوگوں (یعنی کافروں) سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کے قائل ہو جائیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں جب وہ ایسا کرلیں تو ان کے خون اور مال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے سوائے حق اسلام کے (یعنی حقوق عباد کی وجہ سے ان سے قصاص اور مالی معاوضات لئے جاسکیں گے) اور ان کا باطنی حساب اللہ کے ذمہ ہے (اندرونی حالت اللہ کو معلوم ہے کہ کون اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے ایمان لایا اور کون سچے دل سے مسلمان ہوا) متفق علیہ، مسلم کی روایت میں سوائے حق اسلام کا لفظ نہیں ہے (یعنی حقوق عباد کا استثناء نہیں ہے) اصحاب ستہ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے سیوطیؒ نے اس کو متواتر کہا ہے۔

یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اگر جنگ سے باز آجائیں خواہ مسلمان ہو کر یا ذمی بن کر تو اللہ ان کے اعمال کا بینا ہے تم ان سے نہ لڑو اللہ خود ان کے اسلام و کفر اور اچھے برے اعمال کی جزاء سزا دے گا یعقوب کی قرات میں یعملون کی جگہ تعملون آیا ہے اس صورت میں مسلمانوں کو خطاب ہوگا یعنی اے مسلمانو! جیسا سلوک تم مسلمانوں سے کرتے ہو ویسا ہی برتاؤ تم ان سے کرو۔ ان پر ظلم نہ کرو بلاشبہ تمہارے اعمال کے موافق تم کو بدلہ دیگا صفوان بن سلیم نے چند صحابہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خوب سن لو جو کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کریگا یا اس کے حق میں کمی کریگا اسکی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا یا اس سے بغیر اس کی رضامندی کے کچھ لے گا تو قیامت کے دن اسکی طرف سے میں جھگڑنے والا ہوں گا۔ رواہ ابوداؤد۔ یہ مطلب دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے باز رہنے سے مراد کفر سے باز رہنا ہو گا یا جنگ سے باز رہنا مسلمان ہونے کا اظہار کر کے ہو یا ذمی بن کر اور جزیہ دے کر۔

بیضاویؒ نے تعملون کی قرات پر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مسلمانو! تم جو جہاد کرتے ہو دعوت اسلام دیتے ہو کفر کی تاریکی سے نور ایمان کی طرف آنے کی تبلیغ کرتے ہو تمہارے اس عمل کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے وہ تم کو اس کی جزا دے گا بیضاوی کی یہ تفسیر اسی تقدیر پر ہو گی جب باز رہنے سے مراد ہو کفر سے باز رہنا جو بلاوجہ تخصیص ہے پھر تعملون کا لفظ ہر نیکی بدی کو شامل ہے اس میں بھی تخصیص کرنی پڑے گی اور صرف جہاد و تبلیغ اسلام مراد لینی پڑے گی۔

وَإِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ اسلام سے روگرداں رہے اور کفر سے باز نہ آئے یا اطاعت سے روگرداں رہے لڑائی سے باز نہ آئے
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلَاكُمْ تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارا مددگار ہے اس پر بھروسہ رکھو اور کافروں سے لڑو ان کی دشمنی کی پرواہ نہ کرو، خواہ وہ کتنے ہی زیادہ ہوں (اندیشہ نہ کرو)۔

نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ اللہ بہترین حامی ہے (اپنے دوستوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا) اور بڑا اچھا مددگار ہے (جو اس کے دین کی حمایت کرے اس کو مغلوب نہیں ہونے دیتا)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پارہ واعلموا

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ اور جان لو کہ جو شئے بطور غنیمت تم کو (کافروں سے) حاصل ہو

مابمعنی الذی ہے اور غنمتم صلہ ہے اور موصول کی طرف راجع ہونے والی ضمیر محذوف ہے یعنی جو کچھ مال غنیمت تم کو حاصل ہو ماکو (ان کے ساتھ) ملا کر لکھنا درست نہیں ورنہ ماکافہ ہو جائے گا (موصول نہ ہوگا) غنیمت کافر حربی کے اس مال کو کہتے ہیں جو جبراً یا غالب آکر حاصل کیا گیا ہو (چونکہ خطاب مسلمانوں کی جماعت کو ہے) اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ امام (یعنی مسلمانوں کے حاکم یا قائم مقام) کی اجازت کے بغیر ایک یا دو مسلمان دارالحرب میں جا کر حربی کافروں سے کچھ مال چھین لیں گے یا چرالیں گے تو اس میں خمس (پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرنا واجب نہیں لیکن اگر امام کی اجازت کے بغیر چار آدمیوں نے دارالحرب میں جا کر کچھ مال حربیوں کا لے لیا تو اس میں خمس واجب ہے محیط میں ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جماعت کی تعداد سات ہونی چاہئے اگر حفاظتی طاقت نہ ہو اور اگر حفاظتی طاقت حاصل ہو تو دس آدمیوں کا دستہ جماعت کہلائے گا۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور اکثر علماء کا قول ہے کہ اگر ایک شخص بھی دارالحرب میں جا کر کسی حربی کا مال چرا کر لے آئے گا تو اس میں بھی خمس واجب ہوگا کیونکہ وہ حربی کا مال ہے جو جبراً حاصل کیا گیا ہے لہٰذا غنیمت کے حکم میں ہے امام اعظمؒ اور ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے کہ چوری کا مال غنیمت کا مال نہیں ہے چوری کا مال جبراً نہیں حاصل کیا جاتا بلکہ جھپٹ کر یا خفیہ طور پر حاصل کیا جاتا ہے۔ چور تدبیر سے چوری کرتا ہے اور یہ دوسرے مباحات کی طرح مال حاصل کرنے کا ایک مباح طریقہ ہے جیسے جنگل سے لکڑیاں جمع کرنا یا شکار کرنا اور خمس کے وجوب کے لئے مال غنیمت ہونا ضروری ہے ہاں اگر امام کی اجازت سے ایک دو آدمیوں نے دارالحرب میں جا کر کسی تدبیر سے کچھ مال حاصل کر لیا تو بالاتفاق اس میں خمس واجب ہے کیونکہ امام کی اجازت کے بعد جانے والے کی مدد کرنا امام پر لازم ہے اور حفاظتی طاقت رکھنے والی جماعت خواہ چار کی ہو یا زائد کی ہو اگر امام کی اجازت کے بغیر بھی دارالحرب میں جائے گی تو ان کی مدد امام پر لازم ہے تاکہ مسلمانوں کی اور اسلام کی توہین نہ ہو اور جب امام کی پشت پناہی حاصل ہو تو پھر وہ لوگ چور نہیں کہلائے جاسکتے من شیئی کے لفظ سے تعمیم ہو گئی یعنی مال غنیمت کتنا ہی ہو خواہ صرف دھاگہ اور سوئی ہو (سب کا پانچواں حصہ واجب ہے) حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے، دھاگہ اور سوئی بھی داخل کر دو اور مال غنیمت کی چوری سے اجتناب رکھو، قیامت کے دن چور کے لئے یہ چوری باعث عار ہوگی۔ رواہ الدارمی امام شافعیؒ نے یہ حدیث عمرو بن شعیب کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ یہ سن کر ایک شخص جس کے ہاتھ میں بالوں کا ایک گچھا تھا بولا میں نے یہ خچر کے زین کی مرمت کرنے کے لئے لے لیا تھا حضور ﷺ نے فرمایا میرا اور بنی عبدالمطلب کا جو حصہ ہے وہ تیرا ہے۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے چونکہ لفظ ما میں شرط کا معنی ہے اس لئے فان میں فاء لائی گئی اور چونکہ یہ فقرہ محل رفع میں ہے خواہ اس کو مبتدا محذوف الخبر قرار دیا جائے یا خبر محذوف المبتدا اس لئے ان للہ نہیں ذکر کیا ان فرمایا یعنی اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہو جو واجب ہے یا واجب یہ ہے کہ اس کا خمس اللہ کا ہو۔

غنیمت کا پانچواں حصہ اپنی ملک میں مخصوص طور پر رکھا اہل غنیمت کی ملک نہیں قرار دیا اسی لئے حنفیہ قائل ہیں کہ مال خمس کی ادائیگی اہل غنیمت پر واجب نہیں وہ تو ان کی ملک میں داخل ہی نہیں ہوا شروع سے ہی وہ اللہ کی ملک ہے ہاں زکوٰۃ ادا کرنی اہل مال پر واجب ہے (کیونکہ مال زکوٰۃ کی ملکیت اہل مال کی ہوتی ہے) اللہ نے اہل مال کو ہی حکم دیا ہے کہ زکوٰۃ ادا کریں (یعنی اپنی ملکیت سے نکال کر اہل استحقاق کی ملکیت میں داخل کر دیں) یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال لوگوں کے مال کا میل کچیل قرار دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل کے لئے حرام کر دیا گیا اور (خمس کے مال کا چونکہ شروع سے ہی اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں ہوتا اس لئے) خمس آپ کے لئے حلال کیا گیا اس سے آگے اللہ نے اپنے خالص حق کے مصرف کی تفصیل بیان کر دی اور فرمایا۔

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى اور رسول ﷺ کا اور رسول ﷺ کے اقارب کا حق ہے۔

اقارب کی تفصیل میں علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض علماء کے نزدیک تمام قریش اقارب ہیں مجاہدؒ اور امام زین العابدین کے نزدیک صرف بنی ہاشم اقارب ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک عبد مناف کے دو بیٹوں ہاشم اور مطلب کی اولاد اقارب ہیں اور عبد مناف کے دوسرے دو بیٹوں عبد الشمس اور نوفل کی نسل اقارب میں داخل نہیں۔

امام شافعیؒ نے بسند معتبر حضرت جبیرؓ بن مطعم کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوی القربیٰ کا حصہ صرف بنی ہاشم اور بنی المطلب کو تقسیم کیا بنی عبد الشمس اور بنی نوفل کو کچھ نہیں دیا بخاری نے صحیح میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ حضرت جبیرؓ بن مطعم نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نے ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو تقسیم فرمایا تو میں اور عثمان بن عفان خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے ہاشمی بھائیوں کی فضیلت کا تو انکار نہیں کیونکہ آپ بنی ہاشم میں سے ہیں لیکن بنی مطلب کی قرابت اور ہماری قرابت تو ایک ہی ہے پھر حضور ﷺ نے ان کو دیا اور ہم کو نہیں دیا یہ ترجیح کیوں ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈال کر جال بنا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا بنی ہاشم اور بنی مطلب تو اس طرح (باہم وابستہ اور) ایک ہی ہیں ابو داؤد اور نسائی نے یہ حدیث نقل کی ہے اور برقانی نے اس کو شرط مسلم کے موافق قرار دیا ہے اس حدیث میں اشارہ اس معاہدہ کی دستاویز کی طرف ہے جس میں قریش نے لکھا تھا کہ بنی ہاشم کے ساتھ نہ بیٹھیں گے نہ ان سے خرید و فروخت کریں گے نہ نکاح کا رشتہ قائم کریں گے ایک سال تک قریش اس معاہدہ پر قائم رہے اس دستاویز میں اگرچہ بنی مطلب بکاذ کرتہ تھا مگر بنی مطلب نے بنی ہاشم کا ساتھ نہیں چھوڑا شعب ابی طالب میں ان کے ساتھ جا کر رہے۔ کذا فی السنن و المغازی و کذا روی البیہقی فی السنن و الدلائل۔

خطابی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں بس بنی ہاشم اور بنی مطلب تو ایک جیسے ہیں اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مطلب کو بنی ہاشم کے ساتھ ملا دیا اور ان کو بنی ہاشم میں شمار کیا اس کی علت صرف یہ تھی کہ اسلام اور جاہلیت دونوں زمانوں میں دونوں خاندانوں باہم موافق اور مددگار تھے محض نسبی قرابت ہی ظاہر کرنی مقصود نہیں ہے ورنہ بنی عبد الشمس اور بنی نوفل کا رشتہ بھی بنی مطلب ہی کی طرح تھا۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ محض قرب نصرت مراد ہے قرابت مراد نہیں ہے (بنی ہاشم کے مددگار بنی مطلب تھے اس لئے ان کو ذوی القربیٰ قرار دیا اور بنی عبد الشمس اور بنی ہاشم کے مددگار نہ تھے اس لئے ان کو اقارب نہیں مانا گیا) صاحب ہدایہ کا یہ قول غلط ہے اگر صرف قرب نصرت مراد ہوتی تو حضرت عثمانؓ بہ نسبت حضرت عباسؓ کے اس کے زیادہ مستحق تھے آپ آغاز اسلام میں ہی اسلام لے آئے تھے اور حضرت عباسؓ بدر کی لڑائی کے بعد مسلمان ہوئے بلکہ جو مہاجرین و انصار رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار نہ تھے اور قرب نصرت رکھتے تھے ان کو خمس کا استحقاق زیادہ ہونا چاہئے۔

وَالْيَتٰمٰى اور یتیموں کے لئے یتٰمیٰ یتیم کی جمع ہے یتیم بن باپ کے بچہ کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے یتیم کا معنی ہے باپ کا مر جانا بچہ ہونے کی شرط اس لئے ضروری ہے کہ ایک حدیث میں ابو داؤد نے حضرت علیؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جوان ہونے کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ اس حدیث کو عقیلی عبد الحق، ابن القطان اور منذری وغیرہ نے معلل قرار دیا ہے اور

نووی نے اس کو حسن کہا ہے۔ طبرانی نے دوسری سند سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اور ابو داؤد طیالسی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اسی موضوع کی ایک حدیث حضرت طلحہ بن حذیفہؓ سے بھی آئی جو طبرانی کبیر میں منقول ہے اس کی سند غنیمت ہے ابن عدی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی حزام بن عثمان بھی ہے جو (محدثین کے نزدیک) متروک ہے۔ حضرت انسؓ سے بھی یہی حدیث مروی ہے۔

وَالْمَسٰكِيْنِ اور مسکینوں کے لئے اس کی تحقیقات ہم سورۂ توبہ میں مصارف صدقات کے ذیل میں کریں گے۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ لا اور مسافر کے لئے جو اپنے گھر سے دور ہوتا ہے چونکہ مسافر عموماً راہ نوردی میں مشغول رہتا ہے اس لئے گویا راستہ کی اولاد ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو ابن السبیل کہا جاتا ہے۔

موخر الذکر تینوں اقسام کو خمس کا حقدار صرف ناداری اور احتیاج کی بناء پر کیا گیا ہے اسی لئے ائمہ کا اتفاق رائے ہے کہ اگر یہ لوگ مالدار اور غنی ہوں تو ان کو خمس نہ دیا جائے۔ بعض لوگوں نے ذوی القربیٰ کے استحقاق خمس کی علت فقر و ناداری کو ہی قرار دیا مالدار اقارب بھی خمس کے مستحق نہیں مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ ذوی القربیٰ کے لفظ سے فقر کی طرف اشارہ بھی نہیں اور یتیم وابن السبیل کے الفاظ ناداری کی غمازی کرتے ہیں حضرت عباسؓ باوجودیکہ بڑے مالدار تھے مگر رسول اللہ ﷺ ان کو بھی خمس میں سے دیا کرتے تھے۔

تمام ائمہ کا اجماع ہے اور تمام راوی بھی اس امر پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے پانچ حصے کرتے تھے جن میں سے چار حصے تو شرکاء جہاد کو عطا فرما دیتے تھے اور پانچویں حصہ کے پھر پانچ حصے کرتے تھے جن میں سے ایک حصہ تو اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے لے لیتے تھے اور اپنا اور اپنے گھر والوں کا خرچ اسی سے چلاتے تھے اور کچھ بچ رہتا تھا تو اس سے جہاد کے لئے ہتھیار اور گھوڑے خریدتے تھے اور مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرتے تھے اور ایک حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو بانٹ دیتے تھے مالدار، نادار، مرد عورت سب کو دیتے تھے اور تین حصے یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو عنایت کرتے تھے۔

قابل غور یہ امر ہے کہ جن پانچ اقسام کو اللہ نے قرآن میں مستحق قرار دیا ہے کیا ان پانچوں اقسام کو دینا ضروری ہے اور ایک کا حصہ دوسری قسم والوں کو دینا جائز نہیں یا یہ مطلب ہے کہ یہ پانچوں اقسام مصرف خمس ہیں ان کے علاوہ دوسروں کو دینا جائز نہیں لیکن امام کو اختیار ہے کہ کسی ایک ہی قسم کو دے دے دوسرے گروہ کو نہ دے اور ایک گروہ میں سے بھی صرف ایک ہی شخص کو سب دے دے دوسرے شخص کو بالکل نہ دے موخر الذکر قول کو امام اعظم نے اختیار کیا ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ تحفہ میں مذکور ہے موخر الذکر تینوں اقسام یعنی یتیمی مسکینی اور مسافر ہمارے نزدیک مصارف خمس ہیں لیکن (وجوبی) مستحق ان میں سے کوئی بھی نہیں اگر ایک ہی قسم کو سب مال دے دے تو جائز ہے لیکن امام شافعیؒ اور متقدمین و متاخرین کی ایک جماعت قائل ہے کہ ہر گروہ کو اس کا حصہ دینا ضروری ہے امام کسی ایک قسم یا دو قسموں کو مخصوص طور پر نہیں دے سکتا بلکہ تمام اقسام کو تقسیم کرنا لازم ہے، اب اگر ہر گروہ کی ایک محدود جماعت ہو جس کی تعداد معین ہو تو اس گروہ کے ہر فرد کو دینا ضروری ہے کسی فرد کو محروم کرنا درست نہیں اور تقسیم کے وقت ہر ایک کا حصہ برابر رکھنا لازم ہے جیسے پانچ حصہ میں سے چار حصے شرکاء جہاد میں سے ہر فرد کو تقسیم کرنا لازم ہے اور کسی کو محروم رکھنا بالاجماع درست نہیں۔ امام شافعیؒ نے رشتہ قرابت رکھنے والے مستحقین میراث کی طرح (مال غنیمت پانے والے) اقارب کو بھی قرار دیا ہے فرق یہ ہے کہ (میراث میں قریب ترین کی موجودگی میں بعید کو میراث نہیں ملتی اور مال غنیمت میں) قریب و بعید ہر ایک حصہ دار ہوتا ہے میراث کی طرح مرد کا دوہرا اور عورت کا اکہرا حصہ مال غنیمت میں بھی ہوتا ہے اور اگر بے شمار ہوں جن کی گنتی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ہر قسم میں سے تین اشخاص کو دینا ضروری ہے کیونکہ لذی القربیٰ میں لام اختصاص پر دلالت کر رہا ہے اور اختصاص کا تقاضا ہے کہ وہ مال (تقسیم سے پہلے ہی) ان کا ہو یا کم از کم ان کو استحقاق ملکیت ہو اور ہر گروہ کا ذکر بصیغہ جمع کیا ہے اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے (ہم جس قرآن کو اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں اس میں تو ذی القربیٰ ہے جو جمع کا صیغہ نہیں البتہ یتامیٰ اور مساکین بصیغہ جمع ہے)۔

امام اعظمؒ اور آپ کے ہم خیال لوگوں کا کہنا ہے کہ لام مطلق اختصاص کے لئے ہے (نہ ملکیت پر دلالت کر رہا ہے نہ استحقاق پر) مطلب یہ ہے کہ خاص طور پر انہی اقسام مذکورہ کو مال غنیمت دیا جائے ان کے علاوہ کسی اور کو نہ دیا جائے اور الف لام استغراق کے لئے نہیں بلکہ جنسیت کے لئے ہے اس لئے جمعیت کا مفہوم باطل ہو گیا (پس یہ مطلب نہیں کہ ان اقسام میں سے ہر ایک قسم کو دیا جائے یا ایک قسم کے ہر فرد کو دیا جائے) اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اصناف مذکورہ میں باہم تداخل ممکن ہے (ان اقسام کے درمیان کوئی امتیازی حد فاصل نہیں کہ ایک قسم کے ساتھ دوسری قسم کا اجتماع ناممکن ہو) قرابت دار یتیم بھی ہو سکتا ہے اور مسکین بھی اور مسافر بھی (بلکہ ایک شخص کے مجموعی چاروں احوال بھی ہو سکتے ہیں) اسی طرح یتیم باقی تین اوصاف کا بھی حامل ہو سکتا ہے اور مساکین اور مسافر بھی اسی طرح (چاروں اوصاف کے مجموعہ ہو سکتے ہیں) اب اگر ایک صنف کا حصہ دوسری صنف کو دینا ناجائز قرار دیا جائے تو ضروری ہے کہ ہر ایک صنف کا جدا جدا اس طرح ذکر کیا جائے کہ وہ کسی دوسری صنف کے ساتھ جمع نہ ہو (یعنی قرابت دار کی یہ شرط ہو کہ وہ یتیم مسکین اور مسافر نہ ہو اور یتیم و مسکین و مسافر میں سے ہر صنف کی یہ شرط ہو کہ باقی تین اصناف کے اوصاف ان کے اندر نہ ہوں) ان کے علاوہ یہ بھی لازم آئے گا کہ اگر کسی صنف کا کوئی فرد دوسری اصناف کی صفات کا حامل ہو (مثلاً قرابت دار یتیم بھی ہو یا یتیم مسکین بھی ہو یا مسکین مسافر بھی ہو یا مسکین قرابت دار بھی ہو یا مسافر رشتہ دار بھی ہو وغیرہ وغیرہ) تو اس کو دو گنا سہ گنا چہار گنا حصہ دیا جائے (ایک اپنی صنف کا اور باقی حصے دوسری اصناف کے) جیسے میراث میں دوہرا رشتہ رکھنے والے کو دوہرا حصہ ملتا ہے مثلاً شوہر اگر متوفیہ کے چچا کا بیٹا بھی ہو تو وہ شوہریت کا فرض حصہ بھی پائے گا اور چچازاد ہونے کی وجہ سے عصبہ بھی ہو گا اور عصبہ کا حصہ بھی اس کو ملے گا۔

دلیل عقلی کے علاوہ مختلف احادیث بھی ہمارے قول کو ثابت کر رہی ہیں صحیحین میں حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ چکی پینے کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں ٹھینٹ پڑ گئی تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (غنیمت میں) کچھ باندی غلام آئے ہیں (کسی باندی کی درخواست کے لئے) حضرت سیدہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئی لیکن حضور ﷺ موجود نہ تھے ملاقات نہ ہو سکی حضرت عائشہؓ سے آمد کی غرض بیان کر دی اور جب رسول اللہ ﷺ کاشانہ نبوت میں تشریف لے آئے تو حضرت عائشہؓ نے جناب سیدہؓ کی آمد کا ذکر کر دیا، رسول اللہ ﷺ اطلاع پا کر فوراً ہمارے گھر تشریف لے آئے ہم اپنے بستروں پر جا چکے تھے حضور ﷺ کو دیکھ کر ہم اٹھنے لگے تو فرمایا اپنی اپنی جگہ لیٹے رہو حضور ﷺ آ کر ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے (اور حضور کے پاؤں میرے پیٹ سے لگ گئے) مجھے حضور کے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس ہوئی (غالباً سردی کا زمانہ ہو گا) پھر بیٹھ کر فرمایا کیا میں تم دونوں کو ایسی چیز بتاؤں جو تمہاری درخواست کردہ چیز سے بہتر ہے خواب گاہ میں پہنچ کر ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت فاطمہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو خادم سے تمہارے لئے بہتر ہے ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔

طحاوی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فاطمہؓ سے ایک روز فرمایا اللہ نے تمہارے باپ کو فراخی عطا فرما دی۔ حضور کے پاس کچھ باندی یا غلام آ گئے ہیں ایک خادم تم بھی جا کر مانگ لو۔ حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ گزارش کر دی حضور ﷺ نے فرمایا میں اہل صفہ کو بھوکا چھوڑ دوں اور تم کو (کوئی باندی) دے دوں ایسا نہیں کر سکتا میرے پاس اہل صفہ کے مصارف کے لئے کچھ (نقد و جنس) نہیں ہے اور وہ بھوکے ہیں میں یہ (باندی غلام) بیچ کر ان پر خرچ کروں گا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتا دوں جو تمہارے معروضہ اور سوال سے بہتر ہے مجھے جبرئیل نے یہ چیز بتائی ہے ہر نماز کے بعد بستر پر جاتے وقت دس بار اللہ اکبر دس بار سبحان اللہ اور دس بار الحمد للہ پڑھ لیا کرو۔

طحاوی نے فضلؒ بن حسن بن عمر بن حکم کی روایت سے بیان کیا کہ فضلؒ کی ماں نے کہا میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں پہنچی پھر ہم دونوں حضرت فاطمہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں آپ کسی جہاد سے واپس

تشریف لائے تھے اور آپ کے ساتھ (غنیمت کے) کچھ باندی اور غلام بھی تھے حضرت فاطمہؓ نے حضور ﷺ سے ایک خادم ملنے کی درخواست کی، فرمایا شہداء بدر کے یتیم تم سے آگے ہیں (یعنی زیادہ حقدار ہیں)۔

یہ تمام احادیث بتا رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (چاروں اصناف میں سے) کسی ایک کو دیتے اور دوسروں کو ترک کر دیا کرتے تھے ورنہ حضرت فاطمہؓ کو ان کے حق سے کس طرح روک دیتے حضرت فاطمہؓ تو قرابت دار تھیں اور قرابت دار ہونے کی وجہ سے خمس کی حقدار بھی تھیں پھر آپ کا حق صفہ کے فقراء اور شہداء بدر کے یتیموں کو کیوں عطا فرمایا اقارب کا حق تو امام شافعیؒ کے نزدیک فقراء و یتامیٰ کو نہیں دیا جا سکتا بلکہ اقارب کے حصہ کے علاوہ فقراء اور یتامیٰ کا حصہ تو ان کے نزدیک ضروری ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں اشعث بن سوار کے حوالہ سے بروایت ابو الزبیر حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جو ہمارے مدعیٰ کی تائید کرتا ہے حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مال خمس سے اہل جہاد کے لئے سواریاں خرید کر دیتے تھے اور حوادث قومی میں بھی اس کو صرف کرتے تھے پھر جب مال بہت ہو گیا تو آپ یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو بھی دینے لگے۔

میرے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ ملکیت کے اعتبار سے تو خمس اللہ کا ہے اللہ نے اس کو براہ راست اپنی ملک میں رکھا بندوں کو مالک نہیں بنایا اور استحقاق تصرف کے اعتبار سے رسول ﷺ کا ہے کہ رسول ﷺ جتنا چاہیں اپنے لئے رکھیں اور اقارب و یتامیٰ و مساکین و مسافر بھی اس کا مصرف ہیں (اس لئے یہ مال ان چاروں کے صرف میں بھی لایا جا سکتا ہے)۔

پس لام تین ٹکڑوں میں تعلق کو ظاہر کر رہا ہے مگر تعلق کی نوعیت چونکہ مختلف ہے اس لئے تینوں لفظوں پر جدا جدا مستقل طور پر لایا گیا ہے اللہ کا لام ملکیت پر للرسول کا لام اختیار صرف پر اور لذی القربیٰ کا لام مصرف اور اہل ہونے پر دلالت کر رہا ہے اور چونکہ مصرف خرچ ہونے کی حالت موخر الذکر چاروں اقسام میں ایک ہی جیسی تھی اس لئے لذی القربیٰ کے ایک لام کے تحت سب کو ذکر کر دیا ہر مصرف پر جدا جدا لام ذکر نہیں کیا گیا گویا لام جو تعلق واختصاص پر دلالت کر رہا ہے وہ تعلق و اختصاص مشترک ہے جس کے تین معانی ہیں ملکیت اختیار تصرف اور مقام صرف ہونا یوں کہو کہ اول حقیقی معنی ہے اور باقی دونوں مجازی اور چونکہ ایک ساتھ مشترک کے متعدد معانی یا حقیقت و مجاز کا مجموعہ (یا دو مجازی معنی) مراد نہیں ہو سکتے اس لئے تینوں انواع پر لام الگ الگ ذکر کیا گیا (تاکہ ایک جگہ ملکیت دوسری جگہ تصرف اور تیسری جگہ مصرف مراد ہو سکے) پورے خمس پر رسول اللہ ﷺ کو اختیار تصرف حاصل تھا اس پر مندرجہ ذیل حدیث جس کو عمرو بن عبسہ کی روایت سے ابوداؤد نے ذکر کیا ہے روشنی ڈالتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے پہلو سے ایک بال لے کر فرمایا تمہارے اموال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کے علاوہ اتنا لینا بھی میرے لئے حلال نہیں اور پانچواں حصہ بھی لوٹا کر تم کو ہی تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

عمرو بن شعیب کی روایت کے الفاظ یہ ہیں سوائے خمس کے اس مال غنیمت میں سے میرے لئے کچھ (حلال) نہیں اور نہ یہ (یعنی اونٹ کا ایک بال) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خمس (کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ) فرمایا۔ خمس الخمس پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ (یعنی کل مال غنیمت کا پچیسواں حصہ) نہیں فرمایا (اس لئے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو پورے خمس کو تقسیم کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

مسئلہ:۔ کیا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ مال غنیمت یعنی خمس میں باقی رہا یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

امام شافعیؒ قائل ہیں کہ خمس میں جو رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کی زندگی میں تھا وہ اب مسلمانوں کے مفاد اور اسلام کی تقویت کے لئے صرف کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ خود اپنی زندگی میں اپنے حصہ کا مال جو ضروری مصارف سے بچ جاتا تھا اہل جہاد کے لئے اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری میں صرف کرتے تھے۔ اعمش نے ابراہیم کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ (اپنے اپنے عہد خلافت میں) گھوڑوں اور اسلحہ کی خریداری میں رسول اللہ ﷺ کا حصہ غنیمت صرف کیا کرتے تھے۔

قتادہؒ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت سے حصہ لینے کا استحقاق حاکم ہونے کی وجہ سے تھا اس لئے آپ کے

بعد جو آپ کا جانشین ہو اس کو یہ حصہ دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کا حصہ ساقط ہو گیا کیونکہ آپ خمس کا استحقاق حاکم وامیر ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رسول ہونے کی وجہ سے تھا اور رسالت کا دروازہ آپ کے بعد بند ہو گیا لہٰذا خلیفہ کو آپ کا حصہ نہیں دیا جا سکتا بات یہ ہے کہ اگر کسی حکم کو کسی صیغہ مشتق سے وابستہ کیا جاتا ہے تو حکم کے تعلق کی علت مشتق کی وصفیت ہوتی ہے (جیسے خمس کو رسول اللہ ﷺ سے وابستہ کیا گیا ہے اور رسول صفت کا صیغہ ہے پس خمس کا استحقاق وصف رسالت کی وجہ سے ہو گا اور وصف رسالت ہی استحقاق خمس کی علت ہو گا) دیکھو مال غنیمت میں سے کوئی چیز پسند کرنے اور اپنے لئے چن لینے کا استحقاق رسول اللہ ﷺ کو تھا بدر کے دن منبہ بن حجاج کی تلوار جس کو ذوالفقار کہا جاتا تھا رسول اللہ نے اپنے لئے پسند کر لی تھی اور خیبر کے قیدیوں میں سے حیی بن اخطب (یہودی) کی بیٹی حضرت صفیہؓ کا انتخاب حضور ﷺ نے اپنے لئے کر لیا تھا (رواہ ابو داؤد فی سنہ والحاکم وصححہ عن عائشہؓ) لیکن حضور ﷺ کے بعد باتفاق علماء اسلام کسی مسلم کمانڈر یا خلیفہ کو صفی (پسندیدگی اور انتخاب) کا یہ حق حاصل نہیں پس اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی خلیفہ کو مال غنیمت میں سے خمس لینے کا بھی حق نہیں ہے۔

مسئلہ :- رسول اللہ ﷺ کے بعد کیا آپ کے اقارب کا حصہ حسب سابق باقی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے اقارب کا حصہ بھی ساقط ہو گیا احناف نے اس قول کے مختلف دلائل بیان کئے ہیں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اقارب کا یہ حصہ رشتہ داری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت کی وجہ سے تھا (بنی ہاشم جاہلیت اور اسلام ہر دور میں رسول اللہ ﷺ کے مددگار ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ ان کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا کرتے تھے) جبیر بن مطعم کی روایت اوپر گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مطلب کو خمس میں سے حصہ دیا اور بنی نوفل اور بنی عبد الشمس کو نہیں دیا (باوجودیکہ ان دونوں قبائل کا رشتہ بنی ہاشم سے وہی تھا جو بنی مطلب کا تھا) اور فرمایا وہ یعنی بنی مطلب (بنی ہاشم کے ساتھ) جاہلیت اور اسلام میں اس طرح (وابستہ) رہے ہیں آپ نے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے یہ بات فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ذوی القربیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جو (رشتہ داری کے علاوہ) قرابت نصرت بھی رکھتے تھے (تھا) قرابت نسب مراد نہیں ہے اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد نصرت رسول ﷺ کا سلسلہ ختم ہو گیا (لہٰذا اقارب رسول اللہ ﷺ کا بھی حصہ ساقط ہو گیا) صاحب ہدایہ کی یہ دلیل نہایت ضعیف ہے ضعف کی وجہ ہم نے اوپر ذکر کر دی ہے طحاوی نے لکھا ہے کہ اقارب سے مراد سب اہل قرابت تو بہر حال نہیں ہیں بنی نوفل اور بنی عبد الشمس کو رسول اللہ ﷺ نے کوئی حصہ نہیں دیا بلکہ خاص خاص قرابت دار مراد ہیں خاص خاص قرابت دار کون تھے اس کا انتخاب رسول اللہ ﷺ کی رائے پر موقوف تھا جس کو چاہا آپ نے دیا اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی رائے جاننے اور دریافت کرنے کا سلسلہ ختم ہو گیا اس لئے اقارب کا حصہ بھی ساقط ہو گیا جیسے مال غنیمت میں سے کوئی چیز اپنے لئے چھانٹ لینے کا حق حضور ﷺ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا حضور ﷺ کی زندگی تک قائم تھا۔

طحاوی نے اسی دلیل کو دوسرے طرز سے اس طرح بیان کیا ہے کہ آیت میں ذوی القربیٰ کا لفظ تمام قرابت داروں کو شامل ہے کسی کی خصوصیت نہیں رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا اور بنی نوفل و بنی امیہ کو کچھ نہیں دیا جن لوگوں کو دیا ان کی تعداد معین بھی تھی کچھ ان میں مالدار تھے کچھ نادار اسی طرح جن کو کچھ نہیں دیا ان کی گنتی بھی مقرر تھی اور ان میں بھی کچھ مالدار اور کچھ نادار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ مال رسول اللہ ﷺ کا تھا اور اقارب کی تعیین، انتخاب اور عطاء کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو تھا جس طرح مال غنیمت سے بعض چیزوں کو اپنے لئے چھانٹ لینے کا اختیار حضور ﷺ کو تھا پس آپ کی وفات سے جس طرح حق صفی (پسندیدگی اور چھانٹ لینے کا حق) ختم ہو گیا اسی طرح اقارب (کی تعیین کر کے ان کو اقارب) کا حصہ دینا بھی واجب نہیں رہا۔ طحاوی نے لکھا ہے یہی قول امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا ہے۔

میں کہتا ہوں مذکورہ بالا دونوں دلیلیں ضعیف ہیں چونکہ بنی مطلب ہر طرح بنی ہاشم کے مددگار اور حمایت کنندہ تھے اس

لئے رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم کے ساتھ بنی مطلب کو بھی ملا دیا۔ عبد مناف کی اولاد ہونے اور رشتہ میں یگانگت ہونے کی اس میں دخل نہ تھا جس طرح صدقہ کا مال جب بنی ہاشم پر حرام کر دیا تو ان کے چچازادوں یعنی بنی مطلب پر بھی حرام کر دیا اس کی وجہ سے بھی رشتہ کی یگانگت اور سب کا عبد مناف کی اولاد ہونا نہ تھی پھر یہ کہنا بجائے خود غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بنی مطلب کی قرابت ایسی ہی تھی جیسی بنی ہاشم سے کیونکہ بنی ہاشم کی قرابت زیادہ تھی (ایک دادا کی اولاد کی باہم قرابت ولوا کے بھائی کی اولاد کی قرابت سے زیادہ قریبی ہوتی ہے۔

اور اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ آیت میں ذوی القربیٰ سے مراد تمام اقارب نہیں بعض اقارب مراد ہیں مگر ان کی تعیین نہیں کی گئی تو یہ ہی کہا جائے گا کہ ذوی القربیٰ کا لفظ مجمل تھا رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دے کر ان کو بیان کر دیا مگر اجمال ہمیشہ ہر وقت اجمال نہیں رہتا کہ رسول اللہ ﷺ کے بیان کے بعد بھی یہ مجمل ہی رہے اور آئندہ پھر بیان کا محتاج ہو۔ پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اللہ نے تعیین اور تقسیم کا اختیار رسول اللہ ﷺ کی رائے پر رکھا تھا لیکن حضور ﷺ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی رائے کا سلسلہ منقطع ہو جائے یہ ناقابل تسلیم ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد یہ تقسیم و تعیین آپ کے خلفاء کی رائے پر موقوف ہونا چاہئے صدقات میں اور مال غنیمت کے خمس میں مسکینوں یتیموں اور مسافروں کا حصہ بغیر تعیین و تخصیص کے کتاب اللہ میں ہے لیکن بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا یہ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں دے دیا گیا پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ اختیار خلفاء کو منتقل ہو گیا۔

پھر تعیین اقرباء کا حق اگر رسول اللہ ﷺ کو دے دیا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذوی القربیٰ کا حصہ بھی رسول اللہ ﷺ کا ہو گیا بالکل اسی طرح جس طرح مسکینوں یتیموں اور مسافروں کی تعیین کا حق رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا مگر ان کے حصہ کا مالک رسول اللہ ﷺ کو نہیں بنایا گیا اور اختیار تعیین رسول اللہ کے ہاتھ میں ہونے کا یہ معنی نہیں کہ ان کے حصے کا مال رسول اللہ کا ہے پس جس طرح ان ہر اقسام کو تقسیم کرنے اور تعیین حصص کرنے کا اختیار رسول اللہ کے بعد خلفاء کے ہاتھ میں باجماع علماء ہے اسی طرح اقارب کا حصہ تقسیم کرنے کا اختیار بھی حضور کے بعد ساقط نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ خلفاء کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے

......خلفاء راشدین کا عمل کیا تھا؟......

- خلفاء راشدین کے عمل کو ہر فریق اپنے قول کے ثبوت میں پیش کرتا ہے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ خلفاء راشدین نے خمس کے مال میں تین سہام قائم رکھے تھے (یتامیٰ مسکین اور ابن السبیل کے باقی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اقارب کے سہام ساقط کر دیئے تھے) اور خلفائے راشدین کا عمل ہی قابل اقتداء ہے صاحب ہدایہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ خلفاء کے اس عمل کی کسی صحابی نے تردید نہیں کی لہٰذا یہ عمل اجماعی ہو گیا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء ذوی القربیٰ کو خمس کا حصہ دیتے تھے اور نادار و مالدار کا کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء حضرت عباسؓ کو ان کا حصہ دیا کرتے تھے باوجودیکہ حضرت عباسؓ مالدار تھے۔

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں کلبی کی روایت سے ابو صالح کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خمس کے پانچ سہام کئے جاتے تھے ایک اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا ایک ذوی القربیٰ کا اور تین سہام یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے صرف تین سہام قائم کئے۔ رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربیٰ کے حصے ساقط کر دیئے پھر حضرت علیؓ نے بھی تینوں خلفاء کی طرح خمس کے تین ہی سہام قائم رکھے۔

امام ابو یوسفؒ نے اس کے خلاف محمد بن اسحاق کی روایت سے بحوالہ زہری یہ قصہ نقل کیا ہے کہ بجدہ نے حضرت ابن

عباسؓ کو لکھا کہ اب ذوی القربیٰ کا حصہ کس کو دیا جائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا تم نے مجھ سے ذوی القربیٰ کے حصہ کے متعلق دریافت کیا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ کس کا ہونا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ حصہ ہمارا ہے عمر بن خطابؓ نے ذوی القربیٰ کا حصہ ہم کو دینے سے انکار کر دیا بلکہ ہمارے نا کتخداؤں کی شادی اور قرضداروں کے قرض کی ادائیگی اور ہمارے (ضرورتمندوں) ناداروں کے لئے خدمت گاروں (یعنی باندی غلام) فراہم کرنے میں صرف کرنا چاہا مگر ہم نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور یہی خواہش کی کہ ذوی القربیٰ کا حصہ ہم کو دیا جائے۔

امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے ہم سے قیس بن مسلم نے حسن بن محمد بن حنفیہ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ذوالقربیٰ کے حصوں کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہو گیا بعض لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کے خلیفہ کو ملنا چاہئے۔ کسی نے کہا ذوی القربیٰ کا حصہ رسول اللہ ﷺ کے اقارب کے لئے (رہنا) چاہئے اس کے خلاف بعض کا خیال ہوا کہ ذوی القربیٰ کا حصہ خلیفہ کے قرابت داروں کا ہونا چاہئے آخر سب لوگوں کا اتفاق آراء اس امر پر ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربیٰ کے حصے (جہاد کے لئے) گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری میں صرف کرنا چاہئے۔ طحاوی نے بھی یہ روایت قیس بن مسلم ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اتنا زائد بھی نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا ہے۔

طحاوی نے محمد بن خزیمہ کی سند سے محمد بن اسحاق کا بیان نقل کیا ہے ابن اسحاق نے بیان کیا میں نے ابو جعفر سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جب عراق پر اقتدار حاصل ہو گیا تو آپ نے ذوی القربیٰ کے حصے کے متعلق کیا کیا۔ ابو جعفر نے جواب دیا خدا کی قسم حضرت علیؓ نے ذوی القربیٰ کے حصہ کے متعلق وہی طریقہ اختیار کیا جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا تھا ابن اسحاق نے کہا پھر آپ لوگ یہ کیا کہتے ہیں (کہ ذوی القربیٰ کا حصہ ہمارا ہے) ابو جعفر نے فرمایا اہل عراق حضرت علیؓ کی رائے پر چلتے تھے ابن اسحاق نے کہا پھر حضرت علی کے لئے مانع کیا تھا (کیوں ذوی القربیٰ کا حصہ انہوں نے آپ کو نہیں دیا) ابو جعفر نے فرمایا حضرت کو صرف یہ خیال رہا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی مخالفت کرنے کی تہمت آپ پر نہ لگائی جائے (لوگ اصل مسئلہ تو سمجھیں گے نہیں بدگمان لوگ حضرت علیؓ کے اس فعل کو بدنیتی پر محمول کریں گے۔

میں کہتا ہوں اگر مذکورہ بالا اقوال صحابہؓ صحیح ثابت ہو جائیں تو ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خلفاء نے مال خمس کے تین حصے کئے اور ذوی القربیٰ کا حصہ ان کو نہیں دیا اور چونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ پورا خمس صرف ایک صنف کو دے دینے کا اختیار خلیفہ کو ہے اور امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے اس لئے ذوی القربیٰ کو ان کا حصہ نہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا حصہ ساقط کر دیا گیا یا ان کو دینا ناجائز ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بیان کی ہے

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ فرما رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ حکم نافذ فرما دیجئے کہ ہم لوگوں کا (یعنی ذوی القربیٰ کا) خمس میں جو حق ہے اس کو آپ کی زندگی ہی میں (اقرباء کو) تقسیم کر دوں تاکہ آپ کے بعد اس (حق تولیت و تقسیم) میں ہم سے کوئی نزاع نہ کر سکے حضور ﷺ نے (میری درخواست کے موافق) کر دیا اور مجھے تقسیم کا متولی بنا دیا اور حضور ﷺ کی حیات میں ہی میں نے خمس کا حصہ ذوی القربیٰ کو تقسیم کیا پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بھی مجھے اس کا متولی رکھا اور میں نے ان کی زندگی بھر (سہم اقارب کی) تقسیم کی پھر حضرت عمرؓ نے بھی مجھے متولی رکھا اور میں نے ان کی زندگی بھر تقسیم کا کام کیا جب عمرؓ کی خلافت کا آخری سال آیا تو (خمس کا) بہت مال آیا اور حضرت عمرؓ نے اس میں سے ہمارا حصہ نکال کر الگ رکھ دیا اور مجھے بلوا کر کہا اس کو لے کر (ذوی القربیٰ کو) بانٹ دو میں نے کہا امیر المومنین ہم لوگوں کو اس سال مال کی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے مسلمان حاجت مند ہیں اس لئے دوسرے مسلمانوں کو ہی (ذوی القربیٰ کا) یہ حصہ بھی تقسیم کر دیجئے جب میں حضرت عمرؓ کے پاس سے نکل کر آیا تو حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے میری ملاقات ہوئی۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا علی تم نے آج ہم لوگوں کو ایسی چیز سے محروم کر دیا جو آئندہ کبھی لوٹ کر ہم کو نہیں

ملے گی (یعنی ذوی القربیٰ کا حصہ خمس میں سے آئندہ نہیں نکالا جائے گا) چنانچہ حضرت عمرؓ کے بعد سے اب تک ہم کو کسی نے ذوی القربیٰ کا حصہ تقسیم کرنے کے لئے نہیں بلایا۔ ابوداؤد نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ ذوی القربیٰ کا حصہ دیتے تھے اسی طرح حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی دیتے تھے البتہ آخری سال حضرت علیؓ کے مشورہ سے حضرت عمرؓ نے ذوی القربیٰ کو کچھ نہیں دیا۔ غالباً حضرت ابن عباسؓ کا مذکورہ قول کہ حضرت عمرؓ ہمارے نا کتخدا وں کا نکاح اور ہمارے قرضداروں کے قرض کی ادائیگی اس مال سے کرنا چاہتے تھے اور ہمارا اصرار تھا کہ ہمارے قبضہ میں (ذوی القربیٰ کا حصہ) دے دیں (ہم جیسا چاہیں کریں) اور حضرت عمرؓ نے اس سے انکار کر دیا تھا یہ واقعہ غالباً خلافت کے آخری سال کا ہے جب حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کو اس کا مشورہ دے چکے تھے دونوں قولوں کے تضاد کو دور کرنے کے لئے یہی تاویل کی جاسکتی ہے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ خلفاء نے ساقط نہیں کیا ذوی القربیٰ مالدار ہوں یا نادار سب کو دینا جائز ہے لیکن اگر ایک صنف کو ضرورت نہ ہو اور دوسری صنف حاجت مند ہو تو ایک صنف کا حصہ دوسری صنف کو امام دے سکتا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے مشورہ سے حضرت عمرؓ نے کیا اور حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں بھی اسی طریقہ پر عمل کیا امام کی صوابدید کے خلاف کرنا مناسب نہیں۔

امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے عطاء بن سائب کہتے تھے کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربیٰ کے سہام بنی ہاشم کو بھجوا دیئے تھے میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ غالباً یہ ہو گی کہ عمرؒ بن عبد العزیز کو بنی ہاشم زیادہ ضرورت مند معلوم ہوں گے اس لئے رسول اللہ ﷺ کا حصہ بھی انہوں نے بنی ہاشم کو بھیج دیا۔

ابوداؤد نے لکھا ہے کہ سعید بن مسیب نے حضرت جبیر بن مطعمؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو خمس میں سے حصہ عطا فرمایا اور بنی عبد الشمس اور بنی نوفل کو خمس میں سے کچھ نہیں دیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کی طرح خمس کی تقسیم کرتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کی طرح حضور ﷺ کے اقارب کو نہیں دیتے تھے ہاں حضرت عمرؓ اور آپ کے بعد آنے والے خلفاء ذوی القربیٰ کا حصہ بھی دیتے تھے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ کے اس بیان سے ثابت ہو رہا ہے کہ خلفاء کبھی ذوی القربیٰ کو دیتے تھے کبھی نہیں دیتے تھے اس سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے۔

فصل: آیت کی عبارت صراحۃً اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ خاص اللہ کا ہے جو اللہ کی راہ میں اصناف مذکورہ کو دیا جائے لیکن بطور اشارہ یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ پانچ حصوں میں سے چار حصے ان لوگوں کے ہیں جنہوں نے مال غنیمت حاصل کیا ہو یہ بات اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں بطور اشارہ معلوم ہو رہی ہے لیکن صراحت کے حکم میں ہے جیسے آیت میراث میں آیا ہے وَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوں تو ماں کا ایک تہائی ہے باپ کا کتنا ہے یہ مذکور نہیں مگر دو تہائی باقی ہیں (اور کوئی دوسرا وارث نہیں) لامحالہ باقی دو تہائی باپ کو دیا جائے گا باپ کے حصہ کا بیان اگرچہ عبارت میں نہیں کیا گیا لیکن یہ منطوق کے حکم میں ہے (کیونکہ ماں کو دینے کے بعد باپ کے سوا کوئی وارث نہیں تو لامحالہ دو تہائی باپ کا ہی ہو گا)۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں اس آیت سے آیت یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کا حکم منسوخ قرار دیا جائے گا الانفال للہ والرسول میں تو سارا اختیار رسول کو دیا گیا ہے کسی دوسرے کا حصہ مال غنیمت میں بالکل مقرر نہیں کیا گیا جیسے سعید بن جبیر کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے (اور اس آیت میں رسول اللہ کو خمس کا اختیار دیا گیا اور خمس کے مصرف کی تفصیل کر دی اور اشارہ بغیر عبارت کے باقی چار حصے مجاہدین کے لئے مقرر کر دیئے)۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ آیت انما غنمتم من شیء الخ کا نزول غزوہ بنی قینقاع میں ہوا ہجرت کے بیسویں مہینے غزوہ بدر سے ایک ماہ کے بعد ۱۵/ شوال کو یہ غزوہ ہوا تھا اسی غزوہ میں یہ حکم نازل ہوا۔ بیہقی نے دلائل میں سعید بن کعب کی روایت

سے اسی طرح بیان کیا ہے اور سعید بن مسیب کی روایت بھی یونہی ہے صحیح یہ ہے کہ اول آیت قل الانفال نازل ہوئی اور پھر
غزوۂ بدر کے موقع پر یہی آیت مذکورہ نازل ہوئی (جس نے آیت قل الانفال کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

مسئلہ:۔ پانچ حصوں میں سے چار حصے باجماع علماء اسی لشکر کو دیے جائیں گے جس نے دشمن سے مال غنیمت
حاصل کیا ہو کسی ایک فرد کو محروم رکھنے اور نہ دینے کا اختیار خلیفہ کو نہیں ہے۔ البتہ مقتول کے بدن یا قبضہ سے چھینا ہوا مال
(کپڑے اسلحہ نقدی سامان) کس کو دیا جائے اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ مقتول سے چھینا ہوا سامان (زرہ، ہتھیار، لباس، نقدی وغیرہ) قاتل کا ہے بشرطیکہ
قاتل نے رو در رو سامنے ہو کر ایسے مقام پر آکر قتل کیا ہو کہ مقتول کو بھی قاتل کو قتل کرنے سے کوئی خاص رکاوٹ نہ ہو پس
اگر قاتل نے دور سے کوئی تیر چلایا اور وہ مشرکوں کی جماعت میں سے کسی کے لگ گیا اور وہ مر گیا تو مقتول کا سامان قاتل کا نہ ہو
گا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ قاتل اس جماعت میں سے ہو جو مال غنیمت میں حصہ دار ہو (یعنی مجاہدین کی فوج میں سے ہو اگر
کوئی بیرونی آدمی جو شریک جہاد نہ ہو کسی مشرک کو قتل کردے تو مقتول کا مال قاتل کا نہ ہوگا) امام احمدؒ کے نزدیک قاتل حصہ
غنیمت کا مستحق ہو یا نہ ہو بہر حال مقتول کا سامان اس کا ہوگا امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مقتول کا سامان قاتل کا اس وقت
ہوگا جب امام نے حکم جاری کر دیا ہو اگر امام نے حکم نہ دیا ہو تو قاتل مقتول کے سامان کا مستحق نہ ہوگا بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک
وہ سامان مجاہدین کے لشکر کے حصوں میں شامل کر دیا جائے گا (اور سب فوج کو دیا جائے گا) اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کو خمس
میں شامل کر دیا جائے گا (جو اقارب فقراء و یتامیٰ اور مسافروں کو خمس کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا)۔

حضرت ابو قتادہؓ کا بیان ہے ہم غزوہ حنین کے سال رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب ہو کر جہاد کے لئے مدینہ سے چلے
دشمن سے مقابلہ ہوا تو (ابتداء) مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان کے اوپر سوار ہے
میں نے اس کے پیچھے سے گردن اور کاندھے کے جوڑ پر تلوار ماری جس سے زرہ کٹ گئی مشرک اس مسلمان کو چھوڑ کر مجھ سے
چمٹ گیا اور ایسا دبایا کہ مجھے موت کا مزہ آگیا لیکن (زخم کی تکلیف سے) وہ فوراً مر گیا اور میں چھوٹ گیا اس کے بعد میں نے
حضرت عمرؓ سے فرمایا مسلمانوں کو کیا ہوا کہ بھاگے جا رہے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کا حکم پھر مسلمان لوٹ آئے (اور دوبارہ
منظم ہو گئے) اور رسول اللہ نے بیٹھ کر فرمایا جس نے کسی (مشرک) کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس گواہ ہوں تو مقتول سے چھینا ہوا
سامان اسی قاتل کا ہے میں نے یہ فرمان سن کر کہا کوئی میرے لئے شہادت دینے والا ہے یہ کہہ کر بیٹھ گیا رسول اللہ ﷺ نے
پھر وہی الفاظ فرمائے اور میں نے بھی وہی الفاظ کہے کہ کوئی میرے لئے شہادت دے سکتا ہے یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا حضور ﷺ
نے تیسری بار بھی پہلے کی طرح فرمایا اور میں بھی (شہادت طلب کرنے کے لئے) کھڑا ہو گیا (مگر کسی نے شہادت نہ دی) رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا ابو قتادہؓ کیا بات ہے میں نے حضور ﷺ سے واقعہ بیان کر دیا یہ سن کر ایک شخص بولا ابو قتادہؓ نے سچ کہا اس کے
مقتول کا سامان میرے پاس ہے (اس کو کچھ دے کر) میری طرف سے راضی کر دیجئے (کہ وہ مقتول کے سامان سے دستبردار
ہو جائے) حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا نہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا ایک شیر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑے اور
مقتول کا سامان تجھے دے دے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکرؓ نے سچ کہا اس کو دے دے (چنانچہ اس شخص نے مجھے وہ سامان دے
دیا میں نے اس سے بنی سلمہ کی آبادی میں کھجوروں کا ایک باغچہ خریدا یہ پہلا مال تھا جو حالت اسلام میں میں نے حاصل کیا۔ رواہ
البخاری و مسلم فی صحیحہما۔

طحاوی کی روایت ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ نے ایک مشرک کو مار ڈالا رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان اور زرہ ابو قتادہؓ کو
عنایت فرما دی۔ آپؐ نے اس کو پانچ اوقیہ میں فروخت کیا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا جس نے کسی (مشرک) کو مار ڈالا تو مقتول سے
چھینا ہوا سامان قاتل کا ہوگا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے اس روز بیس مشرکوں کو قتل کیا اور ان کا سامان لے لیا۔ رواہ الدارمی والطحاوی

ابوداؤد۔ حضرت سلمہ بن اکوع کا بیان ہے ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب ہو کر بنی ہوازن سے جہاد کیا میں نے ایک شخص کو مار ڈالا اور اس کا اونٹ مہار پکڑ کر کھینچتا لے آیا اونٹ پر مقتول کا سب سامان اور اسلحہ لدا ہوا تھا سامنے سے رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ساتھ لئے تشریف لے آئے اور دریافت فرمایا فلاں شخص کو کس نے قتل کیا ہے لوگوں نے جواب دیا ابن اکوع نے فرمایا مقتول کا سب سامان ابن اکوع کا ہے، رواہ الطحاوی۔

حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت ہے کہ مشرکوں کا ایک جاسوس رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور صحابہؓ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا پھر چپکے سے سرک گیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو تلاش کر کے قتل کر دو میں نے سب سے پہلے اس کو تلاش کر کے قتل کر دیا اور اس کا سامان لے لیا حضور ﷺ نے وہ سامان مجھے ہی عنایت فرما دیا، رواہ الطحاوی۔ حاکم نے واقدیؒ کی سند سے بیان کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ نے مرحب کی دونوں پنڈلیوں کو تلوار کی ضرب سے کاٹ دیا مگر کام تمام نہیں کیا ادھر سے حضرت علی کا گذر ہوا آپ نے اس کی گردن مار دی اور رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو مرحب کا سامان (اسلحہ لباس وغیرہ) عنایت فرما دیا۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ہی مرحب کو قتل کیا تھا صحیح مسلم میں اسی کی صراحت آئی ہے۔

حضرت عوف بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان قاتل کے لئے قرار دیا۔ رواہ الطحاوی دوسری روایت میں علاوہ حضرت عوفؓ بن مالک کے حضرت خالدؓ بن ولید سے بھی یہی حکم منقول ہے امام احمد، ابوداؤد اور طبرانی نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ امام احمد نے حضرت عوف بن مالک اور حضرت خالد بن ولید کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینے ہوئے سامان کو پانچ حصوں پر تقسیم نہیں کیا (بلکہ کل سامان قاتل کے لئے مقرر فرما دیا۔

ابوداؤد ابن حبان اور طبرانی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کے سامان کا قاتل کو دینے کا فیصلہ صادر فرمایا اور اس کے پانچ حصے نہیں کئے امام احمدؒ نے حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جو کسی کو مار ڈالے تو مقتول سے چھینا ہوا سامان قاتل کا ہے اس حدیث کی سند میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک مشرک نے مسلمانوں کو دعوت مقابلہ دی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو مقابلہ کا حکم دیا حضرت زبیرؓ نے صف سے نکل کر اس مشرک کو قتل کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس کا سامان حضرت زبیرؓ کو دے دیا، روی الطحاوی

ابن ہمام نے لکھا ہے اس میں تو کلام نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ جس نے کسی کو قتل کر دیا ہو تو مقتول کا سامان قاتل کا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کیا قانون کا درجہ رکھتا ہے جس پر عمل ہر وقت اور ہر حالت میں ہونا چاہئے یا محض عنایت اور ترغیبی فرمان تھا جو اس واقعہ میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ امام شافعی کے نزدیک اس کلام کا درجہ قانون کا ہے اصل ضابطہ یہی ہے کہ فرمان رسالت قانون شرعی ہوتا ہے (بشرطیکہ ہنگامی اور خصوصی نہ ہو)۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوقتادہ کی روایت کی رفتار بتا رہی ہے کہ قتل سے پہلے یہ حضرت ابوقتادہؓ پر محض عنایت ہی نہ تھی بلکہ جب حضرت ابوقتادہؓ نے قتل کر دیا تو حضور ﷺ نے یہ حکم دیا۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

حدیث میں جو صراحت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کے سامان کے پانچ سہام نہیں کئے اس سے امام مالک کے قول کے خلاف امام شافعی و امام احمد کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کیونکہ امام مالک مقتول کے سامان کے بھی پانچ حصے کرنے کے قائل ہیں۔

فائدہ :- حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ براء بن مالک (برادر انسؓ بن مالک) نے فارس کے ایک مرزبان سے مقابلہ کیا اور برچھا مار کر اس کی کاٹھی کا اگلا حصہ توڑ کر اس کو زخمی کر دیا جس سے وہ مر گیا پھر اس کے سامان کی قیمت کا اندازہ کیا گیا تو کوئی تیس ہزار کا سامان معلوم ہوا فجر کی نماز جب ہم پڑھ چکے تو حضرت عمرؓ تشریف لائے اور ابوطلحہؓ سے فرمایا پہلے ہم مقتول کے سامان کے پانچ حصے نہیں کرتے تھے لیکن براء نے جو سامان چھینا ہے اس کی قیمت بڑی ہے لہٰذا ہم نے اس کے پانچ سہام کرنے کی

تجویز کی ہے۔ چنانچہ تخمینہ سے اس سامان کی قیمت ۳۰ ہزار قرار پائی تو ہم نے (پانچویں حصہ کی قیمت) چھ ہزار (حضرت عمرؓ کو) دے دیئے اور چار سہام یعنی ۲۴ ہزار کا سامان تو یونہی حضرت براء کا تھا ہی چھ ہزار ادا کرنے کے بعد کل سامان حضرت براء کا ہو گیا) رواہ الطحاوی۔

طحاوی کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ براء بن مالک نے فارس کے ایک سردار کو دوبدو مقابلہ کر کے قتل کر دیا اور اس کا سامان اتار لیا اور حضرت عمرؓ کو تحریری اطلاع دے کر حکم طلب کیا حضرت عمرؓ نے سپہ سالار کو لکھ بھیجا کہ سامان کا پانچواں حصہ اپنے قبضہ میں لے لو اور باقی (چار حصے) براء کو دے دو امیر لشکر نے پانچواں حصہ لے لیا۔ یہ دونوں آثار بتا رہے ہیں کہ مقتول کا سامان ہے تو قاتل کا اور اس کے پانچ سہام قائم کرنا درست نہیں ہے لیکن اگر مال زیادہ ہو اور خلیفہ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لینا چاہے تو نکال سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مقتول کے سامان کو قاتل کے لئے مخصوص اس وقت قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ امام نے ترغیب جہاد کے زیر اثر ایسا حکم دیا ہو طبرانی نے اوسط اور کبیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے امام کے قول کی تائید ہوتی ہے قصہ یہ ہے کہ حبیبؓ بن سلمہ کی اطلاع ملی کہ والئ قبرص آذربائیجان کے راستے پر جانے کے لئے نکلا ہے اور اس کے ساتھ زمرد یاقوت اور موتی وغیرہ کثرت سے ہیں یہ خبر سن کر حبیبؓ نکل کھڑے ہوئے اور پہنچ کر والئ قبرص کو قتل کر کے اس کا سامان لے آئے ابو عبیدہؓ (جنرل کمانڈر) نے اس مال کا پانچواں حصہ (مال غنیمت کی طرح) لینا چاہا تو حبیبؓ نے کہا اللہ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے اس سے آپ مجھے محروم نہ کریں رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا سامان قاتل کا قرار دیا ہے۔ معاذؓ بولے حبیبؓ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آدمی کو وہی لینا چاہئے جو بطیب خاطر اس کا امام حاکم اس کو دے دے۔ یہ روایت مخدوش ہے اس کی سند میں ایک راوی عمرو بن واقد ہے اسحاق بن راہویہ نے اپنی سند سے جنادہ بن امیہ کی روایت سے اس کو نقل کیا ہے اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حبیبؓ والئ قبرص کا سامان پانچ خچروں پر لدا ہوا لے کر آئے دیبا (ریشمی دریائی) کپڑا تھا اور یاقوت و زبرجد تھے حبیب نے سب لینا چاہا اور حضرت ابو عبیدہؓ کچھ دینا چاہتے تھے حبیبؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی (مشرک) کو مار ڈالے تو مقتول کا سامان اسی (قاتل) کا ہے ابو عبیدہؓ نے کہا حضور ﷺ کا یہ فرمان ہمیشہ کے لئے نہ تھا (بلکہ ہنگامی اور خصوصی تھا) معاذؓ نے یہ قصہ سنا تو آپ حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت حبیبؓ کے پاس گئے دونوں اس وقت جھگڑ رہے تھے۔

حضرت معاذؓ نے کہا (حبیب) تم اللہ سے نہیں ڈرتے تمہارا امام جو بطیب خاطر تم کو دے رہا ہے تم اس کو کیوں نہیں قبول کرتے تمہارا امال تو بس وہی ہے جو تمہارا امیر بطیب خاطر تم کو دے دے حضرت معاذؓ نے اس مضمون کا ایک فرمان نبوی بھی بیان کیا آخر سب کا معاذؓ کے قول پر اتفاق رائے ہو گیا اور ابو عبیدہؓ نے خمس لینے کے بعد باقی چہار سہام حبیبؓ کو دے دیئے اور حبیبؓ نے ان کو ایک ہزار دینار میں فروخت کیا اس روایت کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

صحیحین میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ابو جہل کے قتل کے سلسلہ میں منقول ہے اس بیان میں یہ بھی آیا ہے کہ معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء کی تلواریں رسول اللہ ﷺ نے معائنہ فرمائیں اور معائنہ کے بعد فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے لیکن ابو جہل کا سارا سامان حضورؐ نے معاذ بن عمرو بن جموح کو دے دیا معاذؓ بن عفراء کو کچھ نہیں دیا اگر مقتول کا سامان قاتل کو دینا (عموماً) لازم ہوتا تو (چونکہ دونوں قاتل تھے اس لئے) دونوں کو وہ سامان دیا جاتا۔

مسلم اور ابوداؤد نے لکھا ہے کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے بیان کیا کہ موتہ کے جہاد میں زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ گیا ایک یمنی شخص مددی بھی میرا رفیق سفر تھا رومیوں کی جماعت سے ہمارا مقابلہ ہوا رومیوں کی جماعت کا ایک شخص سرخ گھوڑے پر سوار تھا اس کی زین بھی سنہری تھی اور ہتھیار بھی سنہری تھے وہ مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دے رہا تھا مددی اس کے انتظار میں ایک پتھر کی آڑ لے کر بیٹھ گیا جب رومی پتھر کی طرف سے گذرا تو مددی نے حملہ کر دیا اور اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں رومی گر پڑا مددی اس پر سوار ہو گیا اور قتل کر دیا اور اس کے گھوڑے اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی فتح

کے بعد حضرت خالدؓ بن ولیدؓ (جنرل کمانڈر) نے مددی سے کچھ چھینا ہوا مال (یعنی خمس) لے لیا حضرت عوف کا بیان ہے کہ میں خالدؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان قاتل کا قرار دیا ہے۔ فرمایا بے شک ایسا ہے لیکن میرے خیال میں مقتول کا سامان بہت تھا اس لئے میں نے کچھ حصہ لے لیا میں نے کہا یا تو آپ واپس کر دیں ورنہ میں رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دوں گا خالدؓ نے واپس کرنے سے انکار کر دیا غرض جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے تو میں نے مددیؓ کا قصہ اور خالدؓ کے سلوک کا تذکرہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خالدؓ تم نے جو کچھ اس سے لیا ہے واپس دے دو میں نے یہ حکم سن کر کہا او خالدؓ کیا میں نے تم سے پوری بات نہیں کہہ دی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے میں نے واقعہ عرض کر دیا واقعہ کی تفصیل سن کر حضورؐ کو غصہ آگیا اور فرمایا خالدؓ (کچھ) واپس نہ کرنا۔ میرے لئے تم میرے مقرر کردہ امیروں کو چھوڑ دو (میں جانوں اور وہ جانیں) ان کے حکم کی بھلائی تم کو پہنچے گی اور حکم کی برائی خود ان پر پڑے گی (یعنی شرع کے مطابق حکم ہو یا خلاف بہر حال اس کی اچھائی برائی کے اللہ کے ہاں وہ ذمہ دار ہیں تمہارا کام حکم کو ماننا ہے یہی تمہارے لئے اچھائی ہے)۔

یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ مقتول کے کل سامان کا قاتل کو استحقاق نہیں ورنہ یہ ہر گز نہ ہوتا کہ پہلے تو رسول اللہ ﷺ نے خالد کو حکم دیا کہ جو کچھ لیا ہے واپس دے دو پھر حکم دیا کہ واپس نہ دو اگر لازمی استحقاق ہوتا تو مستحق کا حق ادا کرنے کی رسول اللہ ﷺ ممانعت نہ فرماتے۔

خطابی نے ممانعت واپسی کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس سے عوف کو تنبیہ کرنی مقصود تھی تاکہ والیان حکومت کے خلاف لوگ جرات نہ کریں خالدؓ کا فیصلہ اجتہادی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی کو جاری رکھا کثیر فائدہ کے لئے قلیل ضرر قابل برداشت ہوتا ہے ابن ہمام نے کہا خطابی کا یہ قول غلط ہے کیونکہ (امیر لشکر کے خلاف جس نے حدیث پیش کرنے کی جرات کی تھی اور امیر کے حکم کی) جس نے مخالفت کی تھی وہ مقتول کے سامان کا مالک نہ تھا حقدار تو مددی تھا اور خالدؓ کے فیصلہ کی مخالفت کرنے والے عوف تھے اور ایک کے جرم کی سزا دوسرا نہیں اٹھا سکتا اصل وجہ یہ تھی کہ اول رسول اللہ ﷺ نے مددیؓ کی خالد سے سفارش فرمائی کہ بطور حمایت پورا سامان ان کو دے دیں پھر جب ناراض ہو گئے تو اپنی سفارش واپس لے لی اور پورا مال دینے کی ممانعت فرما دی۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ناراضگی کی حالت میں ایسے شخص کا حق ادا کرنے سے روک دیا جو بے قصور تھا کسی جرم کا صدور اس سے نہیں ہوا اس سے معلوم ہوا کہ مقتول کا سامان قاتل کو ملنا کوئی قانونی چیز نہیں (امام کے اختیار پر موقوف ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ اول تو حبیبؓ والے قصہ کی حدیث معلول اور ضعیف ہے اور بر تقدیر صحت اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مقتول کے سامان کا پانچواں حصہ امیر وصول کر سکتا ہے مقتول کے سامان میں قاتل کا کوئی حصہ نہیں اور یہ دوسرے مال غنیمت کی طرح ہے (جس کے چار حصے عام مجاہدین کو دیئے جائیں اور ایک حصہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا نکالا جائے) اس کا ثبوت اس قصہ سے نہیں ہوتا رہا ابو جہل سے اتارے ہوئے ہتھیاروں اور سامان کا واقعہ تو وہ منسوخ ہے۔

بیہقی نے لکھا ہے کہ آیت قل الانفال للہ والرسول کی رو سے بدر کا کل مال غنیمت رسول اللہ ﷺ کا تھا جس کو چاہیں دیں حضور ﷺ نے اس میں سے ان لوگوں کو بھی دیا جو بدر میں شریک نہ تھے پھر بدر کے بعد آیت غنیمت (واعلموا انما غنمتم من شیء الخ) نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کے لئے مقرر کر دیا اور یہی حکم قائم ہو گیا

حضرت عوفؓ نے حضرت خالدؓ سے کہا تھا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان قاتل کیلئے مقرر کر دیا ہے اور اس کے جواب میں حضرت خالدؓ کا اقرار کرنا پھر رسول اللہ ﷺ کا خالد کو حکم دینا کہ جو کچھ لیا ہے اس کو واپس دے دیں یہ تمام امور اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ قانون عمومی تھا اور ضابطہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر مددیؓ نے اگرچہ خود امیر کے خلاف جرأت نہیں کی تھی بلکہ حضرت عوف نے ان کی حمایت میں جرأت کی تھی۔ لیکن چونکہ مددیؓ خود اس حمایت و وکالت پر راضی تھے اس لئے تنبیہ کے مستحق تھے اس لئے خالدؓ نے جو مال ان سے لیا تھا اس کی واپسی کی ممانعت کر دی گئی۔ . . . پھر

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میرے لئے مقرر کردہ امیروں کو رہنے دو الخ. اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امیر خواہ ظلم اور حق تلفی کرے اور کسی کا حق روک لے تب بھی لوگوں پر اس کی اطاعت واجب ہے ظلم کی سزا وہ خود بھگتے گا۔

مسئلہ:۔ تنفیل یعنی کسی کو حصہ سے زائد دے دینے کا حق باتفاق علماء امیر کو ہے بشرطیکہ دوران قتال میں، قتل سے پہلے امیر نے اس کا اظہار کر دیا ہو کیونکہ در حقیقت یہ ترغیب جہاد کی ایک صورت ہے اور امیر ترغیب جہاد پر مامور ہے اللہ نے فرما دیا حرض المومنین علی القتال اور مسلمانوں کو لڑنے پر برانگیختہ کرو۔

لہٰذا اگر امیر یہ اعلان کر دے کہ جو شخص کسی مشرک کو قتل کر دے گا تو اس کو دس روپیہ دیئے جائیں گے یا جو شخص اس قلعہ میں داخل ہو جائے گا اس کو اتنا انعام دیا جائے گا یا فوجی دستہ سے کہہ دے کہ خمس نکالنے کے بعد تم کو باقی مال کا آدھا یا چوتھائی حصہ (بطور انعام) دیا جائے گا یا یوں کہے کہ جو کسی عورت کو گرفتار کرے گا اس کو اسی کی باندی بنا دیا جائے گا یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ بعض فوجی دستوں کو رسول اللہ ﷺ بھیجا کرتے تھے اور عام لشکریوں کے حصہ کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ ان کو بطور انعام کچھ مزید عنایت فرما دیا کرتے تھے، متفق علیہ۔

یہ بات کہنا اور اس کا اعلان کرنا کہ جس شخص کے ہاتھ جو چیز لگے وہ اسی کی ہے ناجائز ہے اس سے اس خمس کا قانون ٹوٹ جائے گا جس کی صراحت اللہ نے اپنی کتاب میں فرما دی ہے۔ پھر احادیث میں پیادوں اور سواروں کے حصوں کی جو مقدار آئی ہے اس کا بھی ابطال ہو جائے گا۔ اسکے علاوہ جن مجاہدین کے ہاتھ میدان جنگ میں کوئی مال غنیمت نہ آیا ہو گا وہ مال غنیمت کا حصہ پانے سے محروم ہو جائیں گے احناف کی بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر امیر مناسب سمجھے تو جتنا مال غنیمت کسی کے ہاتھ آیا ہو وہ سب کا سب اس (جماعت یا فرد) کو دے سکتا ہے حاکم نے مطول کی وساطت اور ابو امامہ کی روایت سے حضرت عبادہ بن صامت کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مقابلہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس کے ہاتھ جو (مال غنیمت) لگے وہ اسی کا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آیت خمس جو اس کے بعد نازل ہوئی وہ اس حکم کی ناسخ ہے پس آیت خمس سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ:۔ انعام ان چہار سہام میں سے دیا جائے گا جو خمس نکالنے کے بعد باقی رہتے ہیں اور دار الاسلام میں جمع ہونے سے پہلے دیا جائے گا لیکن دار الاسلام میں جمع ہونے کے بعد پھر ان چار سہام میں سے انعام نہیں دیا جائے گا بلکہ خمس میں سے دیا جائے گا یہ تفریق امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک تو بہر حال خمس میں سے دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا مدار صرف امیر کی صواب دید پر ہے۔ امام مالکؒ نے ابو الزناد کی روایت سے سعید بن مسیبؒ کا قول نقل کیا ہے کہ لوگ (یعنی صحابہؓ) خمس میں سے ہی انعام دیا کرتے تھے ابن ابی شیبہ نے بھی سعید بن مسیب کا بیان اسی کے ہم معنی نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خمس کے ہمارے مقررہ حصہ کے علاوہ کچھ زائد عطا فرمایا چنانچہ مجھے ایک بوڑھا اونٹ ملا، متفق علیہ۔ امام ابو حنیفہ اس طرح کی روایات کو اس حالت پر محمول کرتے ہیں جب دار الاسلام میں مال پہنچ گیا ہو اور دار الاسلام میں پہنچنے سے پہلے تو انعام مجاہدین کے چار سہام میں سے ہی دیا جائے گا کیونکہ انعام پانے والے مجاہدین ہی ہوں گے یتامیٰ مساکین اور مسافر نہیں ہوں گے بغوی نے لکھا ہے کہ انعام اس مال میں سے دیا جائے گا جو خمس میں رسول اللہ ﷺ کا مقرر ہے یہی قول سعیدؒ بن مسیب کا بھی ہے امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا تھا کہ جو مال غنیمت اللہ نے تم کو عنایت کیا اس میں سے میرے لئے سوائے خمس (پانچویں حصہ) کے اور کچھ نہیں اور خمس بھی تم کو ہی لوٹا کر دے دیا جاتا ہے اس فرمان کا مطلب بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں سے (یعنی خمس میں سے) انعام دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں اگر رسول اللہ ﷺ نے خمس کے خمس یعنی مال غنیمت کے پچیسویں حصہ میں سے جو خالص طور پر حضور ﷺ ہی کے لئے تھا کسی کو کچھ عنایت کیا تو یہ حضور ﷺ کی طرف سے ایک موہبت اور بخشش تھی اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ مجاہدین کے حصہ کے مال میں سے کسی کو بطور انعام کچھ دینا ناجائز ہے، ہو تھو ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عبادہ بن صامت کا بیان نقل کیا ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل فی البداۃ الربع وفی الرجعۃ الثلث اس حدیث

کا مطلب خطابی نے یہ بیان کیا ہے کہ جب کوئی فوجی دستہ شروع میں کسی جہاد پر جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ بطور انعام اس کے لئے مال کا چہارم حصہ مقرر فرماتے اور جب سفر سے واپس آکر بغیر کسی آرام وراحت کے فوراً دوبارہ کسی جہاد پر چلے جاتے تو ان کے لئے ایک تہائی حصہ مقرر فرما دیتے کیونکہ پہلی مرتبہ جہاد کے لئے جانا زیادہ تکلیف دہ اور شاق نہیں ہوتا تھا اس لئے انعامی رقم کم مقرر کی جاتی تھی اور تھک کر سفر سے لوٹنے کے بعد دوبارہ پھر جہاد کے سفر پر جانا بڑا تکلیف دہ ہوتا تھا اس لئے اس کی انعامی رقم بھی زیادہ مقرر کی جاتی تھی۔ ابوداؤد نے حبیب بن سلمہ فہری کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ انعام زائد خمس (کل مال غنیمت کے پانچویں حصے) میں سے یا خمس کے خمس (کل مال غنیمت کے پچیسویں حصے) میں سے ہی دینا جائز ہے مجاہدین کے حصے کے مال (یعنی کل مال غنیمت کے ۴/۵ سہام) میں سے دینا درست نہیں کیونکہ حدیث میں تہائی اور چوتھائی کا ذکر ہے اور خمس کا تہائی یا چوتھائی ممکن نہیں لامحالہ مجاہدین کے حصوں کا یا کل مال غنیمت کا چوتھائی تہائی ہی حدیث میں مراد ہے اور طحاوی کا یہ قول غلط ہے کہ خمس کا تہائی چوتھائی حدیث میں مراد ہے حدیث میں یہ قید نہیں ہے خمس کی قید خود ساختہ ہے اور حدیث کو اپنے مطلب کے سانچہ میں ڈھالنے کی ایک کوشش ہے خود امام طحاوی نے حبیب بن سلمہ والی حدیث میں الربع بعد الخمس والثلث بعد الخمس کے الفاظ نقل کئے ہیں (جس کا مطلب صاف ہے کہ خمس نکالنے کے بعد جو مجاہدین کے چار سہام باقی رہتے ہیں ان میں سے چوتھائی یا تہائی حصہ بطور انعام مزید دیا کرتے تھے) امام احمد نے بھی یہی الفاظ نقل کئے ہیں اسی سے ابن جوزی نے استدلال کیا ہے کہ ۴/۵ سہام میں سے انعام مزید دینا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ جنگ کے خاتمہ پر اگر امیر لشکر کو کسی کی کوشش دوسروں کی کوشش سے زیادہ معلوم ہوئی ہو تو جائز ہے کہ امیر اس کو اس کے تقسیمی حصہ سے الگ کچھ مزید بھی دے دے خواہ دوران جنگ یا جنگ سے پہلے کوئی انعامی اعلان نہ کیا ہو۔ امام صاحب کے نزدیک صورت مذکورہ میں صرف خمس میں سے انعام دیا جاسکتا ہے لشکر والوں کے حصوں کو کاٹ کر نہیں دیا جاسکتا ہے ان کے حق کو کم نہیں کیا جاسکتا۔

......امام اعظمؒ کے مسلک پر اعتراض......

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام حضرت رباح کے ساتھ کچھ اونٹ روانہ کئے میں بھی رباح کے ساتھ تھا صبح ہوئی تو عبدالرحمن فزاری نے حملہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹ لوٹ لئے میں نے (بھاگ کر) ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف منہ کر کے تین بار چیخ کر کہا یا صباحاہ (یعنی اونٹ لوٹ لئے گئے) پھر اتر کر لٹیروں کے تعاقب میں چل دیا اور دور سے ان کے تیر مارنے لگا تیر مارتا تھا اور بطور رجز گاتا جاتا تھا انا ابن الاکوع والیوم یوم الرضع اس طرح برابر ان پر تیر برساتا اور زخمی کرتا چلا جا رہا تھا آخر مجبور ہو کر انہوں نے حضور ﷺ کے تمام اونٹ چھوڑ دیئے (یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر اونٹ میں نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا (یعنی سب چھین لئے اور سب کو اپنے پیچھے چھوڑ کر لٹیروں کے تعاقب میں مشغول رہا) بالآخر انہوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تیس چادریں اور تیس برچھے پھینک دیئے (تاکہ بھاگنے میں آسانی ہو) جو چیز وہ پھینکتے جاتے تھے میں اس پر پتھر جمع کر کے رکھ دیتا تھا تاکہ رسول اللہ اور صحابہؓ شناخت کر لیں میں نے ان کا پیچھا اس وقت تک کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوار مجھے نظر آگئے (جو مدینہ سے روانہ ہو کر پہنچ گئے تھے) رسول اللہ ﷺ کے سوار ابوقتادہؓ نے عبدالرحمن فزاری کو جا پکڑا اور اس کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج سب سے اچھا سوار ابوقتادہؓ اور سب سے اچھا پیادہ سلمہؓ ہے پھر حضور نے مجھے دو حصے عطا فرمائے ایک حصہ سوار کا اور ایک حصہ پیادہ کا۔ دونوں حصوں کا مجموعہ مجھے عنایت فرمایا پھر مدینہ کو واپسی میں عضباء اونٹنی پر اپنے پیچھے مجھے سوار کر لیا، رواہ مسلم۔

......احناف کی طرف سے جواب......

یہ حدیث ابن حبانؒ نے بھی بیان کی ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس جہاد میں سلمہ بن اکوع پیدل تھے رسول اللہ ﷺ نے اپنے خمس میں سے ان کو (انعامی) حصہ دیا تھا مسلمانوں کے حصوں میں سے کاٹ کر نہیں دیا تھا۔

قاسم بن سلام نے بھی یہ بیان نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ابن مہدی کہتے تھے میں نے یہ حدیث سفیان سے بیان کی تو انہوں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی (کہ جس کو جتنا چاہیں دوسرے مسلمانوں کا حصہ کاٹ کر دے دیں) قاسم نے کہا اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص قرار دینا ہی میرے نزدیک زیادہ مناسب ہے کیونکہ اگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے حصہ میں سے دیا ہوتا تو اس کو بخشش کہنا چاہیے تھا انعام مزید نہ کہنا چاہیے تھا۔

میں کہتا ہوں دونوں تاویلوں میں سے کسی کی ضرورت نہیں نہ ابن حبان کی بیان کردہ تاویل کی نہ قاسم کی توجیہ کی، ہم عنقریب ذکر کریں گے کہ سلمہ بن اکوع نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی ہمرکابی میں ہم نے بنی فزارہ سے جہاد کیا اس بیان میں ہے کہ مسلمان قیدیوں کا غیر مسلم قیدیوں سے تبادلہ کر لیا گیا اور حضرت ابو بکرؓ نے سلمہ کو ایک (قیدی) عورت بطور انعام عنایت کی۔

حضرت عبادہؓ بن صامت اور حضرت حبیبؓ بن سلمہؓ کی روایت سے جو حدیث ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفل فی بداءۃ الربع وفی رجعتہ الثلث اس حدیث کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ قتال کے شروع میں تو رسول اللہ ﷺ نے چوتھائی مال مقرر کیا تھا لیکن قتال سے واپسی کے بعد ایک تہائی مال بطور انعام عطا فرمایا اس مطلب کی روشنی میں طحاوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتال سے واپسی پر ایک تہائی مال اس مال میں سے دیا جو رسول اللہ ﷺ کے لئے تھا یعنی خمس میں سے طحاوی نے یہ تاویل اپنے اور امام ابو حنیفہ کے قول کو درست ثابت کرنے کے لئے کی ہے۔

بعض مجاہدین کو بطور انعام ان کے حصہ کے علاوہ مال غنیمت میں سے کچھ دینا باتفاق آراء صحابہؓ کے نزدیک جائز تھا صرف محل انعام میں اختلاف تھا۔ طحاویؒ نے مختلف سندوں سے حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں ایک جہاد میں عبید اللہ بن ابی بکرؓ کے ساتھ تھا جہاد میں کچھ قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت عبید اللہ نے تقسیم غنیمت سے پہلے ایک قیدی (غلام یا باندی) مجھے دینا چاہی میں نے کہا نہیں پہلے تقسیم کرو، تقسیم کے بعد خمس میں سے مجھے یہ (زائد) دے دینا، عبید اللہ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور کل مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے دینا چاہا میں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور عبید اللہؓ نے خمس میں سے دینے سے انکار کر دیا۔

طحاوی نے سلیمانؒ بن یسار کی روایت لکھی ہے۔ سلیمانؒ نے کہا ہم مغرب (افریقہ) کے جہاد میں معویہ بن خدیج کے ساتھ تھے معاویہؓ نے لوگوں کو (ان کے حصہ سے) کچھ زائد مال بطور عطیہ دیا ہمارے ساتھ صحابہؓ موجود تھے لیکن سوائے جبلہ بن عمرو کے کسی نے اس کو رد نہیں کیا خالد بن ابی عمرؒ کا بیان ہے میں نے سلیمان سے جہاد میں کچھ زائد مال (یعنی جو حصے سے زائد ہو) کے متعلق دریافت کیا فرمایا میں نے کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا صرف ابن خدیج نے ایسا کیا تھا افریقہ میں خمس نکالنے کے بعد بقیہ مال کا نصف ہم کو دیا تھا اس وقت ہمارے ساتھ مہاجرین اولین میں سے بہت سے صحابی موجود تھے (کسی نے لینے سے انکار نہیں کیا) صرف جبلہ نے لینے سے انکار کر دیا۔

مسئلہ:- جو چار سہام مہاجرین کے ہیں ان کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ پیادہ کو اکہرا حصہ اور گھوڑے سوار کو تین گونہ حصہ دیا جائے گا۔ ایک حصہ سوار کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔

قاضی عبدالوہاب نے کہا صحابہؓ میں سے حضرت عمر اور حضرت علی کا یہی فیصلہ تھا اور کسی صحابی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ تابعین میں سے عمرؒ بن عبدالعزیز اور ابن سیرینؒ اسی کے قائل تھے۔ فقہاء میں سے مالکؒ اوزاعیؒ لیث بن سعد سفیان ثوریؒ

شافعیؒ احمد بن حنبلؒ ابو ثورؒ ابو یوسفؒ اور محمدؒ بن حسن کا بھی اسی پر اتفاق ہے صرف امام ابو حنیفہ اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ ہوگا۔

جمہور نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت زبیر بن عوام کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ایک حصہ اور میرے گھوڑے کے دو حصے عطا فرمائے، رواہ احمد۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ خالد حذاء کہتے ہیں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث منقول ہیں سب میں سوار کے تین حصے آئے ہیں دار قطنی نے حضرت زبیرؓ بن عوام کے بیان کی طرح حضرت جابرؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سہلؓ بن حشمہ کی روایت بھی نقل کی ہیں۔ عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم نے ابن اسحاق کی سند سے غزوہ بنی قریظہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے سوار اور اس کے گھوڑے کے تین حصے مقرر فرمائے ایک سوار کا اور دو گھوڑے کے۔

اسی موضوع کی حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے کے دو حصے اور گھوڑے والے کا ایک حصہ مقرر فرمایا اس حدیث کو بخاری نے اور نسائی کے علاوہ دوسرے اصحاب السنن نے بیان کیا ہے۔ مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زائد (انعام) بانٹنے کے وقت گھوڑے کے دو اور پیادہ کا ایک حصہ مقرر فرمایا۔ دوسری روایت میں زائد (انعام) کا لفظ نہیں ہے ایک اور روایت میں تین حصے آیا ہے دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ سوار کا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی قول یہی منقول ہے، رواہ اسحاق بن راہویہ۔ ابو داؤد نے ابو عمرہ کی روایت سے اور بزار نے مقداد کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابو کبشہ انماری کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے گھوڑے کے دو حصے اور سوار کا ایک حصہ مقرر کردیا جو اس کو گھٹائے گا اللہ اس کو گھٹائے گا۔ الدار قطنی والطبرانی۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اس حدیث کی روایت میں محمد بن عمران عیسیؒ ایک راوی ہے جس کو اکثر لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حضرت ابو درہم کا بیان ہے کہ میں نے اور میرے بھائی نے رسول اللہ کے ہم رکاب رہ کر ایک جہاد کیا ہم دونوں کے دو گھوڑے تھے رسول اللہ ﷺ نے ہم کو چھ حصے دیئے چار حصے گھوڑوں کے اور دو حصے ہم دونوں کے رواہ الدار قطنی۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے بیان کیا حنین کے دن میں اور میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے ہمارے دو گھوڑے تھے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے چھ حصے مقرر فرمائے چار ہمارے دو گھوڑوں کے اور دو ہمارے ہم نے اپنے چھ سہام دو جوان اونٹوں کے عوض فروخت کردیئے۔

امام ابو حنیفہؒ کے قول کا ثبوت مجمع بن جاریہ انصاری کے بیان سے ملتا ہے مجمع نے کہا خیبر کا مال غنیمت حدیبیہ والوں کو تقسیم کیا گیا رسول اللہ ﷺ نے کل مال کے اٹھارہ سو حصے کئے کل لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی جن میں تین سو سوار تھے حضور ﷺ نے سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ عطا فرمایا (بارہ سو پیادوں کے بارہ سو حصے اور تین سو سواروں کے چھ سو حصے کل اٹھارہ سو) رواہ ابو داؤد ابو داؤد نے کہا یہ (راوی کا) وہم ہے صرف دو سو سوار تھے رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے کے دو حصے اور آدمی کا یعنی سوار کا ایک حصہ دیا تھا شافعی کا یہی قول ہے ہم نے بھی سورۂ فتح میں خیبر کے مال غنیمت کے تذکرہ ذیل میں یہی بیان کیا ہے۔

حضرت مقداد بن عمروؓ کی حدیث ہے کہ آپ بدر کے دن اپنے گھوڑے پر سوار تھے جس کو سبحہ کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دو حصے عطا فرمائے ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ آپ کی ذات کا۔ رواہ الطبرانی اس حدیث کی روایت میں واقدی ضعیف راوی ہے۔ واقدی نے مغازی میں جعفرؒ بن خارجہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام نے فرمایا بنی قریظہ کی جنگ میں میں موجود تھا اور سوار تھا رسول اللہ ﷺ نے ایک حصہ میرا اور ایک حصہ میرے گھوڑے کا دیا۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں عروہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بنی مصطلق کے کچھ قیدی باندی غلام رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آئے آپ نے ان میں سے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی مسلمانوں کو بانٹ دیئے سوار کو دوہرا دیا اور پیادہ کو اکہرا۔ اس حدیث کی سند اس طرح ہے محمد بن محمد سری از منذر بن محمد از محمد پدر منذر از یحیی بن محمد بن ہانی از محمد بن اسحاق از محمد بن جعفر

بن زبیر از عروہ۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں بروایت ابواسامہ وابن نمیر از عبیداللہ از نافع حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے سوار کا دوہرا حصہ اور پیدل کا اکہرا حصہ مقرر کیا۔ دار قطنی نے بھی اپنی سند سے یہ حدیث نقل کر کے کہا کہ ابوبکر نیشا پوری کہتے تھے کہ میرے نزدیک یہ ابن ابی شیبہ کی چوک ہے کیونکہ احمدؒ بن حنبل اور عبدالرحمٰنؒ بن بشیر وغیرہ نے ابن نمیر کی روایت سے یہ حدیث ابن ابی شیبہ کی نقل کے خلاف بیان کی ہے، اس میں سوار کے تین حصے اور پیدل کا ایک حصہ ہونے کی صراحت ہے اس کے بعد دار قطنی نے ابن ابی شیبہ کی حدیث کی طرح حدیث نقل کی ہے جس کی سند یہ ہے کہ نعیم از ابن مبارک از عبیداللہ بن عمرؓ از نافع از عبداللہؓ بن عمرؓ۔ ابن جوزی نے کہا اس روایت میں شاید چوک نعیم کی ہے کیونکہ ابن مبارک تو بڑے صحیح الحافظہ لوگوں میں سے تھے مگر ابن ہمام نے نعیم کو قابل اعتماد کہا ہے۔

دار قطنی نے یونس بن عبدالاعلیٰ کی روایت سے بسلسلہ ابن وہب از عبیداللہ بن عمر از نافع از عبداللہ بن عمر بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑوں کا بھی حصہ دیتے تھے سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ ابن ابی مریم اور خالد بن عبدالرحمٰن نے بروایت عبداللہ بن عمر عمری روایت مذکور کی متابعت کی ہے قعنبی نے بھی عمری کا یہ بیان نقل کیا ہے مگر اس میں شک ظاہر کیا ہے کہ حدیث میں فارس (سوار) کا لفظ ہے یا فرس (گھوڑے) کا دار قطنی نے بروایت حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ از عبیداللہ بن عمر از نافع از عبداللہ بن عمرؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ تقسیم کر کے دیا نضر بن محمد حماد نے اس کی مخالفت کی ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ عبیداللہ کی روایت کو جن لوگوں نے تعارض کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں سے کرخی بھی ہیں لیکن بیہقی کی روایت زیادہ مضبوط ہے ابن جوزی نے عبیداللہ بن عمرؓ کو ضعیف کہا ہے دار قطنی نے اپنی سند سے بروایت عبدالرحمٰن بن امین حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ بانٹ کر دیا کرتے تھے۔ امام ابویوسف نے بحوالہ حسن بن عمارہ از حکم بن عیینہ از مقسم حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کا مال غنیمت اس طرح تقسیم کیا کہ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا امام ابویوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ فقیہ اعظم ابو حنیفہ (اللہ ان کو اپنی رحمت میں چھپالے) فرماتے تھے کہ پیدل کا ایک حصہ ہے اور سوار (یا گھوڑے) کا بھی ایک حصہ ہے اور فرماتے تھے میں چوپائے کو مرد مسلم پر فضیلت نہیں دے سکتا (کہ گھوڑے کو دو حصے دوں) غالباً اس قول میں لفظ فارس سے امام کی مراد گھوڑا ہے۔

امام اعظمؒ مندرجہ ذیل اثر کی روشنی میں ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ آدمی کا قرار دیتے تھے زکریا بن حارث نے منذر بن ابی حمصہ ہمدانی کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے کسی غلام نے (جو مجاہدین کے کسی دستہ کا سردار تھا) شام کے کسی جہاد میں مال غنیمت اس طرح کی کہ گھوڑے کا ایک حصہ اور آدمی کا ایک حصہ دیا اس کی اپیل حضرت عمرؓ سے کی گئی آپ نے یہ تقسیم جاری رکھی۔

لیکن جن آثار واحادیث میں گھوڑے کے دو حصے اور آدمی کا ایک حصہ آیا ہے ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور مذکورہ اثر سے زیادہ وہ قابل اعتماد بھی ہیں اور عموماً جمہور کا معمول مختار بھی یہی ہے رہی یہ بات کہ اس صورت میں گھوڑے کا درجہ آدمی کے برابر یا بڑھ کر ہو جائے گا تو واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں سامان جہاد کے بیش از بیش فراہم کرنے کی ترغیب ہے کہ ہر شخص زیادہ تیاری کی کوشش کرے اور لوگ جہاد کے لئے گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کریں دیکھو گھوڑے کے حصہ سے گھوڑے کو کیا فائدہ پہنچتا ہے اس کا حصہ تو مالک کے پاس چلا جاتا ہے گھوڑے کو کچھ نہیں ملتا۔

ابن ہمام نے کہا قاعدہ یہ ہے کہ جب روایات میں اختلاف ہو تو نفی کو ترجیح دی جاتی ہے اس لئے تین حصوں والی روایت کو ہم تنفیل (مقررہ حصہ سے زائد یعنی مزید انعام) پر محمول کریں گے اور حضرت جابرؓ کے بیان میں جو آیا ہے کہ ہمارے سوار کو

تین سہام عطا فرمائے اور اسی طرح کی دوسری روایات تو ان سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مقررہ ضابطہ نہ تھا ورنہ حدیث
کے الفاظ اس طرح ہوتے رسول اللہ ﷺ ہمارے سوار کو تین سہام دیا کرتے تھے تین حصے دینے کا حکم دیا کرتے تھے حضور ﷺ
نے ایسا حکم جاری کر دیا تھا باقی ابوحنیفہ والی مندرجہ بالا حدیث تو وہ روایۃً صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ :- اگر کسی کے پاس دو گھوڑے ہوں تو امام مالک امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک اس کو صرف ایک گھوڑے
کا حصہ ملے گا امام مالک نے موطا میں لکھا ہے کہ ایک گھوڑے سے زائد کا حصہ میں نے نہیں سنا امام ابویوسفؒ اور امام احمدؒ کے
نزدیک گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا دو سے زائد کا باتفاق علماء نہیں دیا جائے گا امام ابویوسفؒ کے قول کی تائید مندرجہ ذیل روایات
سے ہوتی ہے دار قطنی نے بشیر بن عمر بن محصن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دو گھوڑوں کے چار حصے اور
ایک حصہ میرا عنایت فرمایا عبدالرزاق نے مکحول کی روایت سے بیان کیا ہے کہ غزوہ خیبر میں حضرت زبیر دو گھوڑوں کے ساتھ
شریک ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو پانچ حصے عطا فرمائے یہ روایت منقطع ہے۔

مغازی میں واقدی نے عبدالملک بن یحییٰ کی روایت سے لکھا ہے کہ عیسیٰؒ بن عمر نے بیان کیا کہ خیبر کی جنگ میں
حضرت زبیرؓ کے پاس دو گھوڑے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو پانچ حصے دیئے واقدی نے حارث بن عبداللہ بن کعب کی روایت
سے بیان کیا ہے کہ خیبر میں رسول اللہ ﷺ تین گھوڑے لے کر آئے تھے لزاز، ضرب، سکب اور زبیر بن عوام چند گھوڑے
ہمراہ لائے تھے اور خراش بن صمت دو گھوڑے لائے تھے اور براء بن اوس اور ابو عمر و انصاری بھی دو دو گھوڑے لائے تھے۔
رسول اللہ ﷺ نے دو دو گھوڑوں والوں کو چار چار حصے اور ایک ایک حصہ ان کی ذات کا کل پانچ پانچ حصے دیئے اور دو گھوڑوں سے
زائد کا حصہ نہیں دیا۔

ابن جوزی نے اپنی سند سے بروایت سعید بن منصور بوساطت ابن عیاش اوزاعی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ
گھوڑوں کا حصہ دیا کرتے تھے اور کسی کو دو گھوڑوں سے زائد کا حصہ نہیں دیتے تھے خواہ اس کے ساتھ دس گھوڑے ہوتے۔

سعید بن منصور نے بروایت فرج بن فضالہ بحوالہ محمد بن ولید زہری کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو
عبیدہؓ بن جراح کو لکھا کہ ایک گھوڑے کے دو حصے اور دو گھوڑوں کے چار حصے اور ان کے مالک کا ایک حصہ دو یہ پانچ حصے ہوئے دو
گھوڑوں سے زائد (کا حصہ نہ دو) وہ کوتل ہیں۔

امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ ہم سے ابن یحییٰ بن سعید نے حسن کا قول بیان کیا کہ اگر جہاد میں کسی کے
پاس چند گھوڑے ہوں تو مال غنیمت میں سے دو گھوڑوں سے زائد کا حصہ نہ دیا جائے۔ محمد بن اسحٰق نے بروایت یزید بن یزید بن
جابر مکحول کا قول بیان کیا ہے کہ دو گھوڑوں سے زائد کا حصہ نہ دیا جائے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے امام ابویوسف اور امام احمد کے قول کی تائید میں جو روایات پیش کی گئی ہیں ان سب میں (مال
غنیمت کا مقررہ حصہ مراد نہیں ہے بلکہ) انعامی حصہ مراد ہے جیسے حضرت سلمہ بن اکوع کو رسول اللہ ﷺ نے دوہرا حصہ دیا تھا
باوجودیکہ آپ پیدل تھے (سوار نہ تھے)۔

میں کہتا ہوں ایک گھوڑے کے دو حصے اور دو گھوڑوں کے چار حصے بطور انعام قرار دینا اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے
کہ امام کو یہ اختیار ہو کہ بغیر سابق اعلان کے لڑائی کے بعد بعض مجاہدین کو (ان کی کوشش کی قدر کرتے ہوئے) ان کے حصہ
سے زائد بطور انعام دے سکے اور لڑائی سے پہلے ایسا اعلان رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو یہ بات مذکورہ احادیث میں سے کسی میں
مروی نہیں۔

مسئلہ :- دارالاسلام میں مال غنیمت پہنچنے سے پہلے اگر لڑائی ختم ہونے کے بعد مجاہدین کو کمک پہنچ جائے اور امدادی
فوج دارالحرب میں مجاہدین سے جا ملے (لیکن جنگ میں شریک نہ ہونے پائے) تو تینوں اماموں کے نزدیک مال غنیمت میں ان کا
حصہ نہیں لگایا جائے گا اور امام اعظمؒ کے نزدیک ان کو بھی حصہ دیا جائے گا جمہور کے مسلک کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے

ہوتی ہے ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے صحیح سند کے ساتھ طارق بن شہاب احمسی کا بیان نقل کیا ہے کہ اہل بصرہ نے نہاوند میں جہاد کیا کوفہ والے حضرت عمار بن یاسر کی زیر قیادت اہل بصرہ کی کمک کو پہنچے لیکن اہل بصرہ غالب آچکے تھے ان کا ارادہ ہوا کہ کمک والوں کو مال غنیمت سے حصہ نہ دیں ایک سمی اور بقول طحاوی بنی عطارد کا ایک شخص (حضرت عمار سے) کہنے لگا کنکٹے غلام تو ہمارے مال غنیمت میں ہمارا ساجھی بننا چاہتا ہے حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ کو واقعہ لکھا حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا مال غنیمت اس کا ہے جو لڑائی میں شریک ہوا۔ حضرت عمار کا ایک کان اس وقت کٹ گیا تھا جب آپ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب کسی جہاد میں شریک ہوئے تھے حضرت عمار نے فرمایا میرا بہترین کان وہ تھا جو کام آگیا۔

طبرانی نے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کیا ہے مال غنیمت اس کا ہے جو جنگ میں شریک ہوا یہ روایت موقوفاً صحیح ہے۔ مرفوعاً غیر صحیح ہے۔ ابن عدی نے بطریق بختری بن مختار بروایت عبدالرحمٰن بن مسعود قول مذکور کا قائل حضرت علیؓ کو قرار دیا ہے یعنی یہ حدیث موقوف ہے (فرمان رسول اللہ ﷺ نہیں ہے) امام شافعی نے زید بن عبداللہ بن قسیط کے طریق سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں پانچ سو مسلمانوں کی فوج دے کر زیاد بن لبید کی مدد کے لئے بھیجا اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے لکھ بھیجا مال غنیمت اس کا ہے جو جنگ میں حاضر ہوا یہ روایت منقطع ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابان بن سعید بن عاص کو ایک فوجی دستہ کے ساتھ نجد کی جانب بھیجا ابان فتح خیبر کے بعد (واپس) پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے (خیبر کی غنیمت میں سے) ان کو حصہ نہیں دیا رواہ ابوداؤد وابونعیم موصولاً والبخاری تعلیقاً۔

حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ فتح کے بعد خیبر دارالاسلام ہو گیا تھا پس خیبر کا مال غنیمت خیبر میں موجود ہوتے ہوئے بھی دارالاسلام میں آگیا اور محفوظ ہو گیا اس کے بعد حضرت ابان اپنے دستہ کے ساتھ پہنچے تو ظاہر ہے کہ دارالاسلام میں مال پہنچنے اور جمع ہونے کے بعد جو کمک پہنچے گی وہ مال غنیمت میں حصہ پانے کی مستحق نہ ہو گی۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے حضور ﷺ نے ہم کو بھی حصہ دیا اور ہماری کشتی والوں کے علاوہ اور کسی ایسے شخص کو حصہ نہیں دیا جو فتح خیبر کے وقت وہاں موجود نہ تھا۔ ابن حبان نے کہا حضرت ابوموسیٰ کے ساتھیوں کو رسول اللہ ﷺ نے خمس کے خمس (یعنی اپنے حصہ) میں سے (بطور عنایت وانعام) عطا فرمایا تھا (مجاہدین کے ۵ ر ۴ حصوں میں سے نہیں دیا تھا)۔

مسئلہ :- لشکر کے ساتھ جانے والے تاجروں اور گھوڑوں کے سائیسوں کے لئے مال غنیمت میں امام اعظمؒ کے نزدیک کوئی حصہ نہیں جب تک وہ مار دھاڑ میں حصہ نہ لیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سب کا حصہ ہو گا کیونکہ حدیث نبوی اِنَّ الْغَنِیْمَۃَ لِمَنْ شَہِدَ الْوَقْعَۃَ عام ہے یہ لوگ موقع جنگ پر موجود ہوتے ہیں اس لئے ان کا بھی مال غنیمت میں حصہ ہے شافعی کا استدلال دو وجہوں سے غلط ہے اول تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں ہے بلکہ صحابی کا قول ہے مرفوع ہونا اس کا صحیح نہیں موقوف ہونا صحیح ہے دوسرے مطلب سمجھنے میں غلطی ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو بارادہ قتال شریک ہوا ہو اس کو مال غنیمت دیا جائے ارادہ قتال کا ظہور دو طرح سے ہوتا ہے یا تو پہلے سے تیاری کرے اور جہاد کے لئے روانہ ہونے کا اظہار کرے یا مار دھاڑ میں شریک ہو (خواہ پہلے سے اظہار نہ کیا ہو نہ تیاری کی ہو) اگر حدیث کو عموم پر رکھا جائے گا تو فوج کے ساتھ جو عورتیں بچے اور خدمت گار ہوں ان کو بھی مال غنیمت میں حصہ دار بنانا چاہئے جس کا قائل کوئی بھی نہیں۔ مسلم اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو عورتیں جہاد پر جاتی تھیں کیا ان کو مال غنیمت سے حصہ دیا جاتا تھا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا موقع جہاد پر جاتی ضرور تھیں لیکن مال غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہیں لگایا جاتا تھا۔ ابوداؤد کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ ان کو کچھ چھیتا دے دیا

جاتا تھا (یعنی بغیر حصہ مقرر کئے کوئی چیز دے دی جاتی تھی) یہ روایت بظاہر اس روایت کے خلاف نظر آتی ہے جو ابوداؤد اور نسائی نے بیان کی ہے حشرج بن زیاد نے اپنی دادی کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کا بھی اسی طرح حصہ دیا جس طرح مردوں کا دیا (لیکن یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ) حشرج راوی مجہول ہے۔

مسئلہ :- اگر لڑکے میں جنگ کی سکت ہو اور امام اس کو جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دے دے تو امام مالک کے نزدیک مال غنیمت میں اس کا بھی حصہ لگایا جائے گا جمہور کے نزدیک اس کا حصہ نہیں لگایا جائے گا البتہ چھینٹے کے طور پر اس کو کچھ دے دیا جائے گا لیکن ابوداؤد نے بروایت مکحول بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں لڑکوں اور گھوڑوں کا حصہ دیا، یہ روایت مرسل ہے اور بالفرض صحیح بھی ہو تو (چونکہ عام احادیث سے اس کا تعارض ہے اس لئے) اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی کچھ حصہ چھینٹے کے طور پر دے دیا۔

مسئلہ :- غیر منقولہ جائداد (زمین باغ وغیرہ) پر اگر مسلمان بزور شمشیر قابض ہو جائیں گے یعنی فتح کر لیں گے تو امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ منقولہ املاک کی طرح پہلے اس کا پانچواں حصہ نکالا جائے گا پھر بقیہ چار حصے مجاہدین کو تقسیم کر دیئے جائیں گے خیبر کی جائیداد رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح تقسیم کی تھی ایک روایت میں امام احمد کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ما غنمتم کا لفظ آیت میں عام ہے (منقولہ اور غیر منقولہ کی کوئی قید نہیں) ہاں اگر مجاہدین خود اپنی خوشی سے اپنا حق چھوڑ دیں اور اپنا حصہ نہ لیں تو وہ جائیداد عام مسلمانوں کے لئے امام وقف کر دے گا جس طرح حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کے متعلق کیا تھا امام مالک کہتے ہیں کہ غیر منقولہ جائیداد کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا امام کو کوئی حق نہیں بلکہ قبضہ ہوتے ہی وہ ساری جائیداد وقف ہو جائے گی ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے دوسری روایت میں اس کے خلاف امام احمد کا قول آیا ہے جس کو ایک روایت میں امام مالکؒ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے کہ امام کو اختیار ہے خواہ خمس نکالنے کے بعد مجاہدین کو تقسیم کر دے یا عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا امام کو اختیار ہے کہ خمس نکالنے کے بعد مجاہدین کو تقسیم کر دے یا اخراج پر انہی لوگوں کے قبضہ میں رہنے دے جن کے پاس وہ زمینیں ہوں یا ان سے نکال کر دوسرے لوگوں کو خراج پر دے دے وقف کرنے کا امام کو اختیار نہیں ہے۔

امام احمدؒ نے اپنے قول کے استدلال میں مندرجہ ذیل احادیث پیش کی ہیں حضرت سہل بن حثمہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو برابر برابر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ایک حصہ اپنی ضروریات و حوائج کیلئے اور دوسرا حصہ مسلمانوں کیلئے مسلمانوں کے حصے کے اٹھارہ سو سہام کر دیئے (بارہ سو سہام بارہ سو پیادوں کے اور چھ سو سہام تین سو سواروں کے)، رواہ ابن الجوزی۔

طحاوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو آدھی کی شرط پر دیا تھا پھر ابن رواحہ کو بھیجا ابن رواحہ نے جا کر اہل خیبر سے (پیداوار کی) بٹائی کر لی۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے پیداوار کی آدھی آدھی بٹائی کی شرط پر معاملہ کیا تھا۔

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ اللہ نے جب خیبر کی زمینیں اور باغات وغیرہ عنایت کئے تو رسول اللہ ﷺ نے سابق کی طرح انہی لوگوں کو برقرار رکھا اور (نصف نصف پیداوار کا) ان سے معاہدہ کر لیا پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ کو (پیداوار وصول کرنے کے لئے) ان پر نگران بنا کر بھیجا اس کے بعد طحاوی نے لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پورے خیبر کو تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ ایک ٹکڑے کو تقسیم کیا تھا اور ایک ٹکڑے کو تقسیم نہیں کیا تھا۔

میں کہتا ہوں سورۂ فتح خیبر کے قصہ کے ذیل میں ابن اسحاق کا قول ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ مال خیبر کی تقسیم تین طرح پر کی گئی تھی، شق۔ نطاۃ۔ کتیبہ۔ کتیبہ وہ حصے تھے جو خمس کے کئے گئے تھے اور شق و نطاۃ وہ اٹھارہ حصے تھے (جو مجاہدین کے تھے) نطاۃ کے پانچ سو حصے اور شق کے تیرہ سو حصے رہے وطیح اور سلالیم یہ مسلمانوں کی ضروریات کے لئے رکھے گئے تھے۔ ان کا معاملہ نصف

بٹائی پر یہودیوں سے کرلیا گیا تھا حضرت ابن رواحہ ہر سال جا کر (فصل پر مقدار پیداوار کا) تخمینہ کرلیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہودیوں کو نکال دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے (آغاز معاہدہ کے وقت ہی) فرمادیا تھا کہ ہم جب تک چاہیں گے تم کو رکھیں گے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں فتح عراق کے بعد (عراق کی زمینوں کے متعلق صحابہ کی آراء کی مختلف تھیں۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے متعدد علماء مدینہ نے بیان کیا کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف سے عراق کا لشکر آیا تو حضرت عمرؓ نے عراق اور شام کی خداداد زمینوں کی تقسیم کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ لیا۔ کچھ لوگوں نے خواہش کی کہ مجاہدین نے جو کچھ فتح کیا ہے وہ سب انہی کو دے دیا جائے حضرت عمرؓ نے کہا جب زمین اور اس کے غیر مسلم باشندے مجاہدین کو تقسیم کردیے جائیں گے اور ہر ایک کا حصہ محفوظ ہو جائے گا اور پھر ان کی نسل کو وہ جائیداد وراثت میں پہنچ جائے گی تو آئندہ آنے والے مسلمان کیا کریں گے اس لئے میری یہ رائے نہیں ہے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے فرمایا زمین اور اس کے باشندوں کی تقسیم کے متعلق رائے تو وہی ہونی چاہئے جو خداداد مال کے متعلق ہو حضرت عمرؓ نے فرمایا بات تو یہی ہے جو آپ فرمارہے ہیں لیکن میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا خدا کی قسم میرے بعد کوئی ایسا ملک تو فتح ہوگا نہیں جس سے کوئی بڑا حصول ہو بلکہ ممکن ہے وہ مسلمانوں پر بار ہی ثابت ہو اگر عراق اور شام کی زمینیں غیر مسلم باشندوں سمیت مجاہدین کو بانٹ دی گئیں تو پھر سرحدوں کا انتظام اور اس ملک اور دوسرے ملکوں کے غریبوں اور ناداروں کی اعانت کس مال سے ہوگی اہل شام و عراق نے حضرت عمرؓ پر ہجوم کرلیا اور کہنے لگے جو چیز اللہ نے ہم کو ہماری تلواروں کے ذریعہ سے عنایت کی وہ آپ ایسے لوگوں کے لئے اور ان کے بیٹوں پوتوں کے لئے وقف کر رہے ہیں جو نہ خود جہاد میں حاضر ہوئے نہ ان کے بیٹے پوتے۔ حضرت عمرؓ اس کے جواب میں صرف اتنا فرماتے تھے یہ میری رائے ہے مجاہدین نے کہا تو مشورہ کرلیجئے حضرت عمرؓ نے مہاجرین سابقین سے مشورہ طلب کیا تو مختلف لوگوں کی رائے مختلف ہوگئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے تھی کہ مجاہدین ان کے حقوق (یعنی زمینیں) بانٹ دی جائیں۔ حضرت علیؓ حضرت طلحہ اور حضرت عثمان کی رائے حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق تھی حضرت عمرؓ نے کئی بڑے بڑے انصاریوں کو طلب فرمایا دس قبیلہ اوس کے اور دس خزرج کے جب سب لوگ اکٹھے ہوگئے تو آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ جس امانت کا بار میں اٹھائے ہوئے ہوں اور مجھ پر آپ لوگوں کے معاملات کا جو بوجھ ڈالا گیا ہے اس کے اٹھانے میں آپ بھی میرا ساتھ دیں میں بھی آپ میں سے ایک فرد کی طرح (معمولی) فرد ہوں کچھ لوگوں نے میری رائے کی مخالفت کی کچھ نے موافقت کی آپ کو حق قائم کرنا چاہئے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ خواہ مخواہ میری رائے پر چلیں آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق کی تعلیم دے رہی ہے خدا کی قسم اگر میں کسی معاملہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں تو میرا مقصد اظہار حق ہی ہوتا ہے اور کوئی غرض نہیں ہوتی حاضرین نے کہا امیر المومنین (فرمائیے کیا بات ہے) ہم سن رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ ﷺ نے ان لوگوں کا کلام سنا جن کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں میں حق تلفی کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اگر میں ان کا واقعی حق ان کو نہ دے دوں اور دوسروں کو ان کا حق دے دوں تو یہ میری بدبختی ہوگی بات اتنی ہے کہ میرے خیال میں کسریٰ کے ملک کے بعد کوئی ملک قابل فتح نہیں رہا اور اللہ نے ہم کو ان کا مال ان کی زمینیں اور ان کی غیر مسلم بستیاں عنایت فرمادیں جو (منقول) مال غنیمت تھا خمس نکالنے کے بعد میں نے مجاہدین کو تقسیم کردیا اور خمس کا بھی جو مصرف ہے اسی مصرف میں اس کو لا رہا ہوں لیکن زمینیں اور ان کی غیر مسلم بستیاں میں روکنا چاہتا ہوں اور زمینوں کو خراج پر انہی کے پاس رکھنا چاہتا ہوں تاکہ جس طرح ان کی ذات پر فی کس جزیہ لاگو ہے اسی طرح زمین کا خراج بھی ان پر قائم ہو جائے اور وہ (دونوں قسم کی رقمیں) ادا کرتے رہیں اور مسلمانوں کے لئے کچھ ہو جائے مجاہدین کے لئے بھی ان کی نسل کے لئے بھی اور آئندہ آنے والے لوگوں کے لئے بھی دیکھو سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھی آدمی ہونا ضروری ہیں جو سرحدوں پر ہی رہیں ان بڑے بڑے شہروں شام جزیرہ کوفہ بصرہ اور مصر میں بھی فوجوں کی بھرتی ضروری ہے اور محافظین کی تنخواہیں دینی بھی لازم ہیں اگر

میں (ساری) زمینیں اور غیر مسلم بستیاں ان مجاہدین کو بانٹ دوں گا تو ان محافظین کو تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی۔

حاضرین نے بالاتفاق کہا آپ کی رائے ہی ٹھیک ہے سرحدوں اور ان شہروں کے لئے آدمیوں کی بھرتی ضروری ہے اور ان کی تنخواہیں جاری کرنا بھی لازم ہے تاکہ ان کی قوت حاصل رہے غیر مسلموں کو ان کی بستیوں میں لوٹا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے سامنے حقیقت آگئی اب مجھے ایک ایسے دانشمند سمجھدار آدمی کی ضرورت ہے جو ہر (قسم کی) زمین کو اس کے مقام پر رکھے اور غیر مسلموں پر اتنا خراج مقرر کرے جو ان کے لئے قابل برداشت ہو لوگوں نے بالاتفاق عثمان بن حنیف کا نام پیش کیا اور کہا آپ ان کو اس سے بھی زیادہ اہم کام پر مامور کر سکتے ہیں وہ بڑے صاحب بصیرت ہوش مند تجربہ کار شخص ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو فوراً طلب کیا اور اراضی عراق کے سروے پر مامور کیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے ایک سال پہلے تک صرف علاقہ کوفہ کا لگان ایک کروڑ درہم تک پہنچ گیا اور اس زمانہ میں درہم کا وزن ایک مثقال سوا چار ماشہ تھا۔

امام ابو یوسف نے لکھا ہے مجھ سے محمد بن اسحاق نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فتح عراق کے بعد وہاں کی زمینوں کے متعلق لوگوں سے مشورہ طلب کیا عمومی رائے یہ تھی کہ (مجاہدین کو) اراضی عراق تقسیم کر دی جائیں۔ بلالؓ بن رباح اس خیال میں بہت ہی سخت تھے حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ بغیر تقسیم کے جوں کی توں رہنے دی جائے، حضرت عمرؓ نے دعا کی اے اللہ بلالؓ کے مقابلہ میں میری مدد کر غرض دو تین روز یہی جھگڑا رہا آخر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے پاس میری رائے کی ایک (قطعی) دلیل ہے اللہ نے سورۂ حشر میں فرمایا ہے ماافاء اللہ علی رسولہ منہم سے والذین جاء وا من بعدھم تک ان آیات کا حکم عمومی ہے جو بعد کو آنے والے لوگ ہیں ان کو بھی یہ حکم شامل ہے پس یہ سب کا مال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان (مجاہدین) کو (ساری) زمینیں تقسیم کر دی جائیں اور پیچھے آنے والوں کو بغیر حصہ دیئے چھوڑ دیا جائے غرض زمینوں کو علی حالہا باقی رکھنے اور لگان وصول کرنے پر حضرت عمرؓ کی رائے پختہ ہو گئی۔

امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے مجھ سے لیث بن سعد نے بحوالہ حبیب بن ابی ثابت بیان کیا کہ صحابہ اور جمہور اہل اسلام نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمینیں تقسیم کر دی تھیں اسی طرح آپ بھی شام کی زمینوں کی تقسیم کر دیجئے حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت بلالؓ بن ابی رباح اس خیال کے سخت ترین حامی تھے حضرت عمرؓ نے کہا اس صورت میں تو جو مسلمان تم لوگوں کے بعد آنے والے ہیں ان کو یونہی چھوڑ دینا پڑے گا پھر دعا کی اے اللہ! بلالؓ کے مقابلہ میں میری مدد کر مسلمانوں کا خیال ہے کہ شام والوں پر جو عمواس کا طاعون آیا وہ حضرت عمرؓ کی بددعا کا ہی نتیجہ تھا ابو یوسف نے کہا حضرت عمرؓ نے وہ زمینیں ذمیوں ہی کے ساتھ میں رہنے دیں وہ خراج ادا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ زمینیں جن کے ہاتھ میں ہوں انہی کے قبضہ میں ادائے خراج کی شرط پر چھوڑ دینا اجماعی مسئلہ ہے اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

ایک شبہ......

اس صورت میں تو لازم آئے گا کہ اجماع سے آیت واعلموا انما غنمتم من شیء الخ کا عمومی حکم منسوخ ہو جائے حالانکہ اجماع سے آیت کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا نہ اجماع منسوخ ہوتا ہے پھر حضرت عمر کا آیت ماافاء اللہ علی رسولہ من اہل القری الخ سے استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں تو اس مال کا حکم مذکور ہے جس کے لئے مسلمانوں نے لشکر کشی نہ کی ہو اور ہمارا کلام اسی اراضی کے سلسلہ میں ہے جس کے لئے مسلمانوں نے لشکر کشی کی ہو۔

شبہ کا ازالہ......

امت محمدیہ کا اتفاق گمراہی پر تو ہو نہیں سکتا اور مذکورہ بالا مسئلہ پر اجماع ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ (بالاتفاق) آیت

ماغنمتم من شئ کا حکم عمومی نہیں (بلکہ مخصوص البعض ہے) دیکھو رسول اللہ ﷺ کے لئے بعض مال کو اپنے لئے چن لینے کا اختیار تھا۔ قاتل کے لئے مقتول سے چھینا ہوا مال بھی آپ نے مخصوص کر دیا تھا اور اس میں خمس جاری نہیں کیا پھر دار الحرب میں مسلمانوں کا لشکر جو کچھ پاتا تھا کھا سکتا تھا (کھانے کا نہ خمس نکالا جاتا تھا نہ تقسیم مساویانہ کی جاتی تھی)۔

محمد بن ابی المجالد نے جب حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے دریافت کیا کہ آپ لوگ کیا رسول اللہ کے زمانہ میں کھانے (یعنی غلہ پھل تیار کھانوں وغیرہ) کا خمس نکالا کرتے تھے تو فرمایا خیبر کے دن ہم کو کچھ طعام (غلہ وغیرہ) ہاتھ لگا تھا ہر شخص اپنی ضرورت کے لائق آکر لے جاتا تھا (یعنی خمس نہیں نکالا گیا تھا) حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک لشکر کو مال غنیمت میں کچھ طعام اور شہد ملا اس میں سے خمس نہیں نکالا گیا۔ عبدالرحمٰن کے آزاد کردہ غلام قاسم نے بعض صحابیوں کا قول نقل کیا ہے کہ جہاد میں ہم اونٹ کا گوشت کھاتے تھے تقسیم نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جب اپنے پڑاؤ پر آتے تھے تو ہماری خورجیاں گوشت سے بھری ہوئی تھیں یہ تینوں احادیث ابوداؤد نے نقل کی ہیں۔

فائدہ:۔ شوافع کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جو عراق اور شام کی زمینیں وقف قرار دی تھیں وہ مستحقین غنیمت کی رضا مندی سے کی تھیں مجاہدین اپنے حقوق سے خود دست بردار ہو گئے تھے۔

ہم کہتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے خمس ضرور نکالا جاتا کیونکہ خمس نہ خلیفہ کا حق ہوتا ہے نہ مجاہدین کا نہ کسی کے ساقط کرنے سے ساقط ہو سکتا ہے پھر حضرت عمرؓ نے ایک جریب انگور اور ایک جریب گندم پر الگ الگ لگان مقرر کیا تھا اب اگر زمین کو عام مسلمانوں کی ملک اور وقف مانا جائے گا اور ایک جریب میں جو کچھ پیدا ہو اس کے عوض ایک مخصوص رقم کی وصول یابی کو بطور معاوضہ تسلیم کیا جائے گا تو معدوم کی بیع لازم آئے گی (کیونکہ پیداوار تو آئندہ ہوگی اور پیداوار کا عوض ابھی مقرر کر دیا گیا) اور ایک خرابی یہ ہوگی کہ جو چیز اپنے پاس اور اپنے قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع کو درست قرار دینا ضروری ہو جائے گا حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے عراق و شام کی زمینوں کو مسلمانوں کی ملکیت میں دیا ہی نہ تھا ملک کافروں ہی کی ہی تسلیم کی تھی اور زمین کا خراج مقرر کر دیا تھا جیسے کافروں کی آزادی کو تسلیم کر کے ان پر جزیہ باندھ دیا تھا۔ جزیہ بندی کا یہ معنی تو نہیں کہ کافر مسلمانوں کا مملوک ہو جاتا ہے اور بحق ملکیت مسلمان کافروں پر ٹیکس لگا دیتے ہیں کیونکہ جزیہ کا قانون کافر عورتوں بوڑھے مردوں اور بچوں پر لاگو نہیں ہوتا خواہ بچے اور بوڑھے بعض جوانوں سے زیادہ کمائی کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اگر ملکیت کی بناء پر جزیہ کو ٹیکس مانا جائے تو ملکیت کے اندر تو عورتیں بوڑھے مرد اور بچے بھی داخل ہیں ان پر بھی جزیہ لاگو ہونا چاہئے۔

إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر جس کو ہم نے اپنے بندہ محمد ﷺ پر نازل کیا تھا (یعنی ملائکہ کے نزول پر اللہ کی طرف سے غیبی امداد پر اور معجزات پر ایمان رکھتے ہو۔ بدر کے موقع پر متعدد معجزات و آیات کا ظہور ہوا تھا۔

۱...... اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں میں ایک گروہ پر قابو عنایت کر دے گا پھر یہ بھی بتا دیا کہ مسلمانوں کا میلان خاطر قافلہ کی طرف تھا قریش کے لشکر کی طرف نہ تھا۔

۲...... غیبی بارش آئی جو مسلمانوں کے لئے باعث رحمت اور کافروں کے لئے موجب زحمت ہوئی۔

۳...... اللہ نے مدد کے لئے فرشتوں کو بھیجا کہ مسلمانوں نے ان کی آوازیں سنیں اور یہ صدا ان کے کانوں میں آئی کہ کوئی (گھوڑے کا نام لے کر) کہہ رہا ہے حیزوم آگے بڑھ لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ کسی انسان کی تلوار لگنے کے بغیر بعض کافروں کے سر دھڑ سے جدا ہو کر گر رہے ہیں ابوجہل کی لاش پر غیبی کوڑوں کی ضرب کے نشان بھی تھے۔

۴...... رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں کافروں کی طرف پھینکیں جس کی وجہ سے سب کے سب نابینا ہو گئے سب کی آنکھوں میں کنکریاں پڑ گئیں۔

۵...... مسلمانوں کو دلیر بنانے کے لئے کافروں کی کثیر تعداد کو مسلمانوں کی نظر میں قلیل بنا کر دکھایا گیا (یعنی مسلمانوں

نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دشمن کی تعداد ہم سے کم ہے)۔

۶..... رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی قتل گاہیں مسلمانوں کو پہلے سے تفصیل کے ساتھ بتادیں اور فرمادیا اس جگہ فلاں آدمی مارا جائے گا اس جگہ فلاں چنانچہ مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا وہ صحیح نکلا۔

۷..... رسول اللہ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط سے فرمایا تھا کہ اگر مکہ کے پہاڑوں سے باہر میں نے تجھے پالیا تو پکڑوا کر بندھوا کر مار ڈالوں گا چنانچہ یہ بات پوری ہوئی۔

۸..... رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو بتادیا کہ تم فلاں چیز اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھ کر آئے ہو اس اطلاع سے حضرت عباسؓ کے دل سے وہ شبہ جاتا رہا جو اس سے پہلے حضور ﷺ کی نبوت کے متعلق ان کو تھا۔

۹..... اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں کے اندر بھلائی معلوم ہوئی (اور تمہارا اخلاص ثابت ہو گیا) تو جو مال تم سے لے لیا گیا ہے اس سے بہتر اللہ تم کو عنایت فرمادے گا چنانچہ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا حضرت عباسؓ کو بیس اوقیہ (سونے یا چاندی) کے عوض اللہ نے بیس غلام عطا فرمائے جو آپ کے روپیہ سے تجارت کرتے تھے (اور نفع لا کر حضرت عباسؓ کو دیتے تھے)۔

۱۰..... اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مطلع فرمادیا کہ آپ کو قتل کرنے کا مشورہ مکہ میں عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ نے کیا ہے (اور آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے دونوں آئیں گے) اس اطلاع کے بعد اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کی حفاظت کر دی اسی بنیاد پر عمیر بن وہب مسلمان ہو گئے اور پھر اسلام کے داعی بن گئے۔

۱۱..... کھجور کی ایک خشک شاخ تلوار بن گئی۔ ابن سعدؒ نے زید بن اسلم اور یزیدؒ بن رومان وغیرہ کی روایت سے لکھا ہے اور بیہقی و ابن عساکر نے بھی یہ واقعہ حضرت عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بدر کی لڑائی میں عکاشہؓ بن محصن کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کو ایندھن کی ایک لکڑی اٹھا کر دے دی اور فرمایا عکاشہؓ اس سے لڑو جونہی عکاشہؓ نے وہ لکڑی ہاتھ میں لے کر ذرا اس کو حرکت دی وہ لکڑی فوراً ایک لمبی چوڑی سفید تلوار بن گئی۔ عکاشہ اسی تلوار سے لڑے یہاں تک کہ مسلمان فتح یاب ہو گئے اس تلوار کا نام عیون تھا عکاشہؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب مختلف معرکوں میں اسی سے لڑتے تھے آخر ارتداد کے زمانہ میں طلیحہ بن خویلد اسدی (مدعی نبوت) کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔

بیہقی نے بروایت داؤد بن حصین بنی اشہل کے چند آدمیوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بدر کے دن سلمہ بن اسلم بن حرش کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ خالی ہاتھ ہو گئے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں بنی طابہ کے نخلستان کے کسی درخت کی ایک چھڑی تھی آپ نے وہی چھڑی سلمہؓ کو دے کر فرمایا اس سے مارو جونہی سلمہ کے ہاتھ میں وہ چھڑی آئی فوراً عمدہ تلوار بن گئی اور برابر ان کے پاس رہی آخر خیبر میں آپ شہید ہو گئے۔

۱۲..... بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن حبیبؓ بن عدی کے چوٹ لگ گئی جس سے ان کا ایک پہلو ٹیڑھا ہو گیا (وہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے) حضور ﷺ نے اس پر لعاب دہن لگا دیا اور سیدھا کر کے جوڑ دیا پہلو جڑ گیا۔

۱۳..... بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ جنگ بدر میں حضرت قتادہؓ بن نعمان کی آنکھ پر چوٹ لگی آنکھ باہر نکل کر رخسار پر آگئی لوگوں نے اس کو کاٹ کر علیحدہ کر دینا چاہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو پھر قتادہؓ کو طلب فرما کر آنکھ کے حدقہ کو ہاتھ میں دبایا (آنکھ چڑھ کر اپنے حلقہ میں پیوست ہو گئی) معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ کس آنکھ پر چوٹ لگی ہے۔

۱۴..... بیہقی نے حضرت رفاعہؓ بن رافع کا بیان نقل کیا ہے حضرت رفاعہؓ نے بیان کیا کہ بدر کے دن میری آنکھ میں تیر لگ گیا اور آنکھ پھوٹ گئی رسول اللہ ﷺ نے اس پر تھتکار دیا اور میرے لئے دعا فرمادی پھر میرا دکھ جاتا رہا۔

۱۵..... ابن سعدؒ نے بروایت اسحاق از عبداللہ بن نوفل بیان کیا ہے کہ بدر کے دن نوفل گرفتار ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ برچھے تمہارے جدہ میں ہیں اگر وہ فدیہ کے طور پر دے دو تو تم کو رہا کر دیا جائے گا نوفل نے کہا اللہ کے اور

میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ میرے برتھے جدہ میں ہیں (یقیناً یہ اطلاع آپ کو اللہ نے دی ہے اس لئے میں مسلمان ہوتا ہوں) میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں یہ نیزے ایک ہزار تھے۔

یَوْمَ الْفُرْقَانِ فیصلہ کے دن۔

یعنی بدر کے دن جس میں حق و باطل کا فیصلہ کر دیا گیا اسلام کو اللہ نے غلبہ عطا فرمایا اور کفر واہل کفر کو دفع کر دیا۔

یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ " جس روز کو دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوا ایک گروہ اللہ کا تھا دوسرا گروہ شیطان کا ہجرت سے سول مہینے کے بعد ۱۷ رمضان کو جمعہ کے دن بدر کی جنگ ہوئی۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اور اللہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى اور یہ وہ وقت تھا جبکہ تم میدان کے ادھر والے کنارے پر تھے اور وہ (کفار) میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے۔

العدوۃ الدنیا وادی کا قریب ترین کنارہ یعنی شام کی طرف والا کنارہ جو مدینہ کی جانب ہے۔

العدوۃ القصوی وادی کا بعید ترین کنارہ یعنی یمن کی طرف والا کنارہ جو مدینہ سے بعید ترین ہے قصوی اقصی کا مونث ہے جیسے دنیا اونی کا، قیاس عرفی کے لحاظ سے اقصی کا مونث قصیا ہونا چاہئے لیکن قصوی کا استعمال قصیا سے زیادہ ہے۔

وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ اور قافلہ یعنی ابوسفیان والا قافلہ تم سے نشیب میں تھا یعنی تین میل کے فاصلہ پر سمندر کی طرف تھا مطلب یہ ہے کہ دشمن طاقتور تھا اس کی کمک قریب ہی تھی وہ قافلہ والوں سے مدد لے سکتا تھا اس کو اطمینان تھا کہ وہ اپنے مرکز پر جما رہے گا اور وہ لڑنے کا حریص بھی تھا اپنی کوشش سے دریغ کرنے والا نہ تھا اور مسلمانوں کی حالت کمزور تھی ان کا غالب آنا بظاہر حال بعید تھا وادی کا کنارہ پتیلا نرم تھا قدم اس میں دھنس رہے تھے چلنا دشوار تھا اور وہاں پانی بھی نہ تھا اور پرلا کنارہ اس کے خلاف تھا۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ اور اگر تم اور وہ (پہلے سے) باہم ٹھیرا لیتے تو ضرور اس سے تم میں اختلاف ہوتا یعنی مسلمانو اگر تم کافروں سے مل کر لڑنے اور مقابلہ کرنے کی کوئی تاریخ پہلے سے مقرر کر لیتے تو دشمنوں کی کثرت اور قوت کو دیکھ کر ڈر جاتے اور فتحیابی سے ناامید ہو کر مقررہ تاریخ پر لڑنے کے لئے جمع نہ ہوتے۔

وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ مگر اس لئے (ایسے کیا) کہ اللہ کو جو بات کرنی منظور تھی اس کو پورا کر دے۔ مگر اللہ تم کو دشمن کے مقابلہ پر بغیر پیشگی تاریخ کے تقرر کے لے آیا تم نکلے تھے قافلہ کی تاک میں اور دشمن نکلے تھے اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے اسی طرح دونوں گروہوں کا مقابلہ ہو گیا اور جو طے شدہ امر تھا وہ اسی طرح پورا ہو گیا یعنی اللہ نے اپنے دوستوں کی مدد کی ان کیلئے دین کو سربلند کر دیا اور دشمنوں کو ذلیل کر دیا۔

لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰى مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ تاکہ جس کو برباد (گمراہ) ہونا ہے وہ بھی نشان آنے کے بعد برباد ہو اور جس کو زندہ (یعنی ہدایت یاب) ہونا ہے وہ بھی نشان آنے کے بعد زندہ ہو۔

یعنی جو مرنے والا ہے وہ صداقت کا ثبوت دیکھ کر اور سبق آفریں حقیقت کا معائنہ کر کے اور واضح دلیل کا مشاہدہ کر کے مرے اور جو زندہ رہے وہ بھی مشاہدہ حقانیت و صداقت کر کے زندہ رہے تاکہ کسی (ہلاک ہونے والے) کو کوئی عذر و معذرت کا موقع باقی نہ رہے کیونکہ بدر کا واقعہ صداقت رسول اللہ ﷺ کی کھلی واضح نشانیوں میں سے ایک ہے۔

محمد ابن اسحاق نے کہا بطور استعارہ ہلاکت سے مراد کفر اور حیات سے مراد ایمان ہے (کیونکہ حقیقت میں کفر انسانیت کی موت اور ایمان انسانیت کی زندگی ہے) مطلب یہ کہ دلائل واضح کے بعد بھی جس کی تقدیر میں کافر رہنا لکھا ہے وہ کافر رہے گا اور علم الٰہی میں جس کا مومن ہونا ہے وہ ایمان لے آئے گا۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اور یہ یقینی حقیقت ہے کہ اللہ (کفر و ایمان کے کلام کو) خوب سننے والا اور (کفر و

ایمان کے عقائد کو) خوب جاننے والا ہے۔

یعنی کافروں کے کفر اور کفر کی سزا سے اور مومنوں کے ایمان اور ایمان کی جزا سے بخوبی واقف ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ نے آپ ﷺ کے خواب میں آپ ﷺ کو ان کی تعداد کم کر کے دکھائی اور اگر اللہ آپ کو ان کی تعداد کثیر دکھلا دیتا تو تم ہمت ہار جاتے اور اس امر میں تم میں باہم نزاع ہو جاتا مگر اللہ نے (اس اختلاف سے) بچالیا بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

اذیریکھم کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ یا یوم الفرقان سے بدل ہے یعنی ہم نے جو کچھ اپنے بندہ پر اتارا تھا فیصلہ کے دن جب کہ اللہ نے خواب میں تم کو دشمنوں کی تعداد کم کر کے دکھائی تھی۔ یا علیم سے اس کا تعلق ہے یعنی اللہ اس وقت کے مصالح سے واقف تھا جب خواب میں اللہ نے دشمنوں کی تعداد کم کر کے تم کو دکھائی تھی۔

قلت اعداد دکھانے کی غرض یہ ہے کہ مسلمان ثابت قدم رہیں، ان کے حوصلے بلند ہو جائیں اور دشمنوں کی کثرت دیکھ کر خوف زدہ نہ ہوں۔ واقعہ یہ ہوا کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ جب تک میں تم کو لڑنے کا حکم نہ دوں تم لڑائی نہ چھیڑنا اگر دشمن تمہارے قریب آجائیں تو تیر چلانا تلوار نہ چلانا تلوار کی جنگ اس وقت کرنا جب وہ تم پر ٹوٹ ہی پڑیں اس کے بعد جھونپڑی کے اندر حضور ﷺ کو کچھ نیند کی جھپکی آ گئی حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دشمن قریب آ پہنچے اور کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کرنے لگے رسول اللہ ﷺ (ابوبکرؓ کی آواز سے) بیدار ہو گئے خواب میں اللہ نے آپ کو دشمنوں کی تعداد کم کر کے دکھائی تھی آپ ﷺ نے صحابہؓ کو اس کی اطلاع دی (اس طرح لوگوں کی ہمت بندھی رہی اور حوصلے بلند رہے) ابن اسحاق اور ابن المنذر نے بروایت حبان بن واسع بیان کیا کہ بیدار ہو کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوبکرؓ بشارت ہو اللہ کی مدد تمہارے لئے آپہنچی یہ جبرئیل اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے کھینچے لا رہے ہیں، جن کے اوپر غبار ہے۔

حسن نے کہا رسول اللہ ﷺ کو دشمن کی تعداد کم کر کے بیداری میں دکھائی گئی تھی مسلمانوں کی نظروں میں بھی دشمنوں کی تعداد کم دکھائی دی تھی) آیت میں فی منامک (سے مراد خواب نہیں بلکہ اس سے فی عینک مراد ہے آنکھ محل خواب ہے یعنی تمہاری آنکھوں میں اللہ نے دشمن کی تعداد کم کر کے دکھائی تھی۔

لَفَشِلْتُمْ یعنی تم پست حوصلہ اور بزدل ہو جاتے وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ اور جنگ کے متعلق تمہارے خیالات مختلف ہو جاتے۔ کوئی ثابت قدم رہنے کی رائے دیتا کوئی بھاگ جانے کی۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ مگر اللہ نے تم کو باہمی اختلاف اور بزدلی سے محفوظ رکھا وہ بلاشبہ دلوں کے احوال کیفیات اور تغیر حالات سے بخوبی واقف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس فقرہ کی تشریح اس طرح کی کہ اللہ تمہارے دلوں کی حالت سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں اللہ کی محبت ہے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ اور جب تم دو بدو آمنے سامنے آ گئے تو اللہ ان کی تعداد تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھا رہا تھا اور تمہاری تعداد بھی ان کو کم دکھا رہا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا دشمنوں کی تعداد ہم کو اتنی کم نظر آتی تھی کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا، کیا تمہارے خیال میں یہ لوگ نوّے ہوں گے۔ اس نے جواب دیا میرے خیال میں سو ہوں گے۔ جب ہم نے ان کا ایک آدمی قید کر لیا (اور جنگ کے بعد اس سے پوچھا تم کتنے تھے تو اس نے کہا ایک ہزار، کافروں کی نظروں میں مسلمانوں کی تعداد کم دکھانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی زیادہ تعداد دیکھ کر بھاگ نہ جائیں

ابوجہل نے مسلمانوں کی تعداد دیکھ کر کہا تھا، محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تو ایک اونٹ کی خوراک ہیں، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بروایت ابن جریج بیان کیا کہ ابوجہل نے یہ بھی کہا تھا ان میں سے کسی کو قتل نہ کرنا بلکہ پکڑ کر رسیوں سے باندھ لینا۔ اس پر آیت اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ نازل ہوئی۔

یہ تعداد کی تقلیل کفار کی نظر میں جنگ چھڑنے سے پہلے تھی جب گھمسان کی جنگ ہونے لگی تو اس وقت کافروں کو

مسلمانوں کی تعداد اپنی تعداد سے دوگنی نظر آنے لگی۔

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ تاکہ جو بات اللہ کو کرنا منظور تھا وہ پوری کر دے۔

اس آیت کو مکرر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں فعل الگ الگ ہیں جن کی علت اس آیت کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ امراً" سے مراد پہلی آیت میں وہ مقابلہ ہے جس کو بطور حکایت نقل کیا گیا ہے اور اس جگہ امراً سے مراد اسلام اور اہل اسلام کا اعزاز اور شرک و گروہ شرک کی توہین ہے۔ (تو گویا تکرار الفاظ کے باوجود مراد میں اختلاف ہے اس لئے اس کو مکرر نہیں کہا جا سکتا)۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ اور سب مقدمے اللہ ہی کی طرف رجوع کیے جائیں گے وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہتا ہے دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو اگر (لڑنے کے لئے) تمہارا مقابلہ کسی (کافر) گروہ سے ہو جائے تو جمے رہو اور اللہ کی یاد بکثرت کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

فِئَةً سے مراد ہے کافر گروہ اور مقابلہ سے مراد ہے لڑنے کے لئے مقابلہ۔ گروہ کے لفظ کے ساتھ کافر کا لفظ ذکر کرنا چھوڑ دیا۔ کیونکہ مسلمان صرف کافروں سے ہی لڑتے ہیں۔ جمے رہنے سے مراد ہے لڑنے والے دشمنوں کے سامنے جمے رہنا مقابلہ کے وقت بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح احادیث میں یہی آیا ہے۔ اللہ کی یاد کرنے سے مراد ہے فتح کی دعا کرنا تاکہ اللہ کی یاد سے قوت حاصل ہو اور کامیابی کی قوی امید ہو۔ اس آخری جملہ میں اس بات کی در پردہ تعلیم ہے کہ مومن بندہ سے اللہ کی مہربانی کسی وقت منقطع نہیں ہوتی اس لئے بندہ پر لازم ہے کہ شدائد کے وقت بھی اللہ ہی کی طرف اپنی پوری توجہ رکھے اللہ کی یاد سے کسی وجہ سے بھی غافل نہ ہو اللہ کی مہربانی پر پورا بھروسہ رکھے اور خلوص دل کے ساتھ اسی کی یاد میں مشغول رہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور (تمام امور میں عموماً اور خصوصاً دشمن خدا سے لڑنے اور دین خدا کو سربلند کرنے میں) اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔

تفشلوا اور تذھب نہی کا جواب ہے اسی لئے دونوں منصوب ہیں اَنْ مضمر ہے۔ اخفش کے نزدیک ریح کا مجازی معنی مراد ہے یعنی اقتدار حکومت، اپنی منشاء کے موافق حکم کا اجراء جس طرح ہوا جس طرف کو چاہتی ہے آزادی کے ساتھ چلتی ہے اسی طرح خود مختار حکومت بھی اپنی چال اور حکم میں آزاد ہوتی ہے پس اسی آزادی رفتار اور حریت حکم کی وجہ سے ریح کے لفظ سے حکومت اور اقتدار اعلیٰ مراد ہو گیا۔

سدی کے نزدیک ریح سے مراد ہے دلیری، مقاتل کے نزدیک تیزی اور نضر بن شمیل کے نزدیک قوت، قتادہؒ اور ابن زیدؒ نے کہا مسلمانوں کو ہمیشہ فتح ہوا کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتی رہی ہے اللہ ہوا بھیج کر دشمنوں کے رخ کو پلٹ دیتا تھا جس سے مسلمان فتحیاب ہو جاتے تھے اس لئے ریح سے حقیقی معنی یعنی ہوا ہی مراد ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابوزید کا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پروا ہوا کے ذریعے سے فتح عنایت کی گئی اور عاد کو پچھی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔ حضرت نعمان بن مقرن کا بیان ہے میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب (جہادوں میں) شریک ہوتا رہا ہوں اگر شروع دن میں رسول اللہ ﷺ جنگ نہ کرتے تھے (لڑنا مناسب نہیں سمجھتے تھے) تو پھر سورج ڈھلنے کا اور (نرم) ہوائیں چلنے اور (اللہ کی طرف سے) نصرت نازل ہونے کا انتظار کرتے تھے، رواہ ابن ابی شیبہ۔

وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ اور (مرنے اور زخمی ہونے پر) صبر رکھو یقیناً اللہ صبر رکھنے

والوں کیساتھ ہے یعنی صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد (دنیا میں) اور اچھی جزاء (آخرت میں) ہو گی۔
بخاری نے صحیح میں عمرو بن عبید اللہؓ کے آزاد کردہ غلام ابو النصر سالم کی روایت سے بیان کیا ہے، سالم عمرو بن عبید اللہ کے کاتب بھی تھے کہ عبد اللہ بن ابی اوفیٰ نے ایک خط لکھا جو میں نے پڑھا تھا خط میں یہ لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی جہاد میں جبکہ دشمن کے مقابلہ پر تھے منتظر رہے یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا، زوال کے بعد (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت (بچاؤ) کی دعا کرو

لیکن جب مقابلہ ہو ہی جائے تو پھر ثابت قدم رہو۔ اور یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے پھر دعا کی اے اللہ اے کتاب نازل کرنے والے بادلوں کو چلانے والے اور (کافروں کے) گروہوں کو شکست دینے والے ان کو شکست دے دے اور ہم کو ان پر فتح عنایت کر دے۔

اللہ نے اس آیت میں جب جہاد کرنے اور ثابت قدم رہنے کا حکم دیدیا تو آئندہ آیت میں اخلاص نیت کی تعلیم دی کیونکہ نیتوں کے خلوص کے بغیر اعمال قابل قدر نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نہ تمہاری (ظاہری) صورتوں کو دیکھتا ہے نہ تمہارے مالوں کو بلکہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان آیا ہے لیکن جہاد اور نیت (باقی ہے ہجرت کا حکم ختم ہو گیا) اللہ نے فرمایا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۴۷﴾

اور ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے نکلے اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے تھے اور اللہ ان کے اعمال کو (اپنے علمی) احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ یعنی جہاد اور جنگ میں تم اہل مکہ کی طرح نہ ہونا جو قافلہ کی مدد کے لئے نکلے تھے مگر فخر و اکڑ کے ساتھ اور لوگوں کو دکھانے کے لئے۔
بطر کا معنی ہے فخر اور اکڑ زجاج نے کہا بطر کا معنی ہے نعمت پا کر سرکشی کرنا اور شکر ادا نہ کرنا بعض اہل لغت نے کہا کہ بطر کا معنی ہے نعمت کے نشہ میں سرمست ہو جانا اور شکر نہ کرنا۔ رئاء کا معنی ہے دکھاوٹ یعنی اچھائی کو دنیا کے سامنے ظاہر کرنا اور (اپنی) برائی کو چھپانا۔ مقصد یہ ہے کہ وہ تعداد کی کثرت اور مال کی فراوانی پر اکڑتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے تاکہ لوگ ان کی بہادری اور سخاوت کی تعریف اور ان کی عظمت کا اعتراف کریں۔
اللہ کے راستے سے روکنے سے مراد ہے اللہ اور رسول پر ایمان لانے سے روکنا ابو سفیان نے جب دیکھا کہ قافلہ کو حفاظت کے ساتھ وہ نکال لایا تو اس نے قریش کے پاس پیام بھیجا کہ تم اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے مکہ سے نکلے تھے اب چونکہ قافلہ بحفاظت پہنچ گیا اس لئے تم بھی واپس چلے جاؤ ابو جہل یہ پیام سن کر بولا بخدا ہم تو اس وقت تک واپس نہ ہوں گے جب تک بدر پر جا کر تین روز قیام نہ کر لیں گے۔ ہم بدر پر جا کر اونٹ ذبح کریں گے لوگوں کو کھانا دیں گے شرابیں پلائیں گے طوائفیں گائیں گی۔ عرب جب ہماری ان باتوں کا تذکرہ سنیں گے تو ہماری ہیبت ان پر پڑے گی چنانچہ یہ لوگ بدر پر پہنچے وہاں بجائے شراب کے موت کا دور چلا اور گانے والی باندیوں کی جگہ نوحہ کرنے والیوں نے بین کئے اللہ نے مسلمانوں کو قریش کی طرح ہو جانے سے منع فرمادیا اور ممانعت فرمادی کہ قریش کی طرح وہ بھی فخر اور اکڑ میں کہیں مبتلا ہو جائیں اور ہدایت کر دی کہ نیتوں میں خلوص رکھو۔ اللہ کے دین اور اس کے پیغمبر ﷺ کی مدد سے ثواب کی امید رکھو دکھاوٹ اور شہرت کے لئے یہ کام نہ کرو۔

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ

اور یاد کرو اس حالت کو جب کہ شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا تھا اور

شیطان نے ان سے کہا تھا کہ آج کوئی شخص تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں (بنی کنانہ کی طرف سے) تمہارا ضامن ہوں۔
اعمالھم سے مراد ہیں برے اعمال یعنی رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کرنا آپ کو قتل کرنے اور آپ سے لڑنے کا ارادہ کرنا، ہم لکھ چکے ہیں کہ قریش نے جب دار الندوہ میں اجتماع کیا تھا تو شیطان بھی وہاں سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں آکر شریک جلسہ ہو گیا تھا۔ قریش اور بنی بکر کے درمیان جو جنگ تھی اس کا ذکر بھی ہم نے کر دیا ہے۔ لاغالب لکم الیوم سے مراد یہ ہے کہ تمہاری تعداد بہت ہے اور تم بڑے مالدار بھی ہو اس لئے آج کوئی شخص تم پر غالب نہیں آسکتا۔ شیطان نے ان کے دماغوں میں یہ بات بھی جما دی تھی کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ نیک عمل ہیں۔ ان اعمال کے ذریعہ سے ہم کو نجات حاصل ہو گی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے دعا کی تھی اے اللہ! دونوں گروہوں میں جو بھی زیادہ سیدھے راستہ پر ہو اور دونوں مذہبوں میں سے جو بھی افضل ہو اس کی مدد کر۔

فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ پھر جب دونوں گروہوں نے (باہم مقابل ہو کر) ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو شیطان ایڑیوں کے بل پلٹ گیا (پشت پھیر کر بھاگ کھڑا ہوا) اور کہنے لگا، میں تم سے الگ ہوں، مجھے وہ چیز نظر آرہی ہے جو تم کو نہیں آتی مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

یعنی جب مسلمانوں اور کافروں کے دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے اور شیطان نے ملائکہ کو آسمان سے اترتے دیکھا اور سمجھ گیا کہ ان سے مقابلہ کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں تو منہ پھیر کر پشت موڑ کر بھاگا۔

طبرانی نے حضرت رفاعہؓ بن رافع کی روایت سے اور ابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اللہ نے ایک ہزار فرشتے بھیج کر اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کو مدد پہنچائی۔ حضرت جبرئیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ ایک طرف اور حضرت میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ دوسری جانب تھے۔ ابلیس بھی شیطانوں کا لشکر اور اپنا جھنڈا لئے آگیا۔ شیطانی لشکر والے بنی مدلج کے مردوں کے بھیس میں تھے اور خود ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں۔ اس وقت شیطان نے مشرکوں سے کہا لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ جوں ہی جبرئیل ابلیس کی طرف بڑھے اور ابلیس نے ان کو دیکھا اس وقت ابلیس کا ہاتھ کسی مشرک کے ہاتھ میں تھا فوراً ہاتھ چھڑا کر پشت پھیر کر بھاگا اور اس کے چیلے بھی اسی کے ساتھ چل دیئے، ایک شخص نے کہا، سراقہ تو نے تو کہا تھا اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ (اب بھاگا جارہا ہے) کہنے لگا اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ الخ ابلیس کا یہ فرار ملائکہ کو دیکھنے کے بعد ہوا تھا۔ حارث بن ہشام نے جب ابلیس کا کلام سنا اور حارث اس کو سراقہ ہی سمجھے ہوئے تھے (سراقہ بدر کے بعد مسلمان ہو گئے تھے) تو اس کا دامن پکڑ لیا مگر شیطان نے حارث کے سینہ پر ضرب کاری رسید کی۔ حارث گر پڑے اور شیطان بھاگ نکلا۔ کسی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا، آخر جا کر سمندر میں گر پڑا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا، اے میرے رب اپنا وہ وعدہ پورا کر جو تو نے مجھ سے کیا تھا۔ اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اس مہلت کی جو تو نے مجھے (قیامت تک کے لئے) دی تھی۔

اس دعا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ابلیس کو اپنے مارے جانے کا اندیشہ ہو گیا تھا (اس کو ڈر ہو گیا تھا کہ جبرئیل مجھے مار ڈالیں گے) ابو جہل کہنے لگا، لوگو! سراقہ نے تمہاری مدد نہ کی، تم اس کو کوئی اہمیت نہ دو اس کی تو محمد ﷺ سے سازش ہو ہی گئی تھی۔ عتبہ اور شیبہ کے مارے جانے کا بھی زیادہ خیال نہ کرو، انہوں نے جلدی کی تھی (اس لئے مارے گئے) قسم ہے لات و عزیٰ کی ہم جب تک محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ نہ لیں گے لوٹ کر نہ جائیں گے۔ تم میں سے کوئی آدمی مجھے ایسا ملنا چاہئے جس نے محمد ﷺ کے کسی آدمی کو قتل کیا ہو۔ ان کو پکڑ لو تاکہ ہم ان کو ان کے برے کرتوت بتا سکیں۔

روایت میں آیا ہے کہ بدر کے بعد لوگوں نے سراقہ کو مکہ میں دیکھا اور کہا، سراقہ تو نے ہماری صفوں میں شگاف ڈال دیا اور بھگدڑ ڈال دی۔ سراقہ نے جواب دیا، مجھے تو تمہارے کسی معاملہ کی خبر بھی نہیں۔ میں تو وہاں گیا ہی نہیں مجھے کچھ علم ہی نہیں

لوگوں نے سراقہ کی بات صحیح نہ مانی لیکن جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور اللہ نے شیطان کے متعلق جو آیات نازل کی تھیں وہ انہوں نے سنیں تو سمجھے کہ ابلیس سراقہ کی شکل میں آیا تھا۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ قتادہؒ نے فرمایا کہ ابلیس نے جو کہا تھا اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ یہ بات اس نے سچ کہی تھی اور انی اخاف اللہ جو کہا تھا تو یہ جھوٹ کہا تھا، بخدا اس کو اللہ کا خوف نہ تھا بلکہ اس کو معلوم تھا کہ اس میں طاقت اور دفاع کی قوت نہیں، اس لئے سب کو میدان میں تو لے آیا اور خود ان کی مدد نہ کی، بے مدد چھوڑ کر چل دیا۔ دشمن خدا کی یہ عادت ہی ہے کہ جب حق و باطل کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ اپنے فرماں برداروں اور پیروی کرنے والوں کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے اور سب سے الگ ہو جاتا ہے۔

عطاء نے اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ کا یہ مطلب بیان کیا کہ مجھے اللہ سے اس بات کا ڈر لگتا ہے کہ دوسرے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ کہیں وہ مجھے ہلاک نہ کر دے (یعنی اللہ کی طرف سے مجھے اپنی زندگی کا اندیشہ رہتا ہے)۔

کلبی نے کہا شیطان کو جبرئیلؑ کی طرف سے خوف تھا کہ کہیں جبرئیلؑ اس کو پکڑ کر لوگوں کو اس کی مکاری سے واقف نہ کر دیں پھر لوگ اس کا کہنا نہ مانیں۔ بعض نے اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میں اللہ کے وعدہ کی سچائی جانتا ہوں کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ مجھے تم لوگوں کے متعلق اللہ کا خوف ہے، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ بعض نے کہا کہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ پر کلام ختم ہو گیا۔ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ دوسرا جملہ ہے۔ (جس کا لفظی ربط پہلے جملے سے نہیں)۔

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ بن کریز کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شیطان جب عرفہ کے دن (حج کے دن) اللہ کی رحمت نازل ہوتے دیکھتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ اللہ (بندوں کے) بڑے بڑے گناہوں سے بھی در گزر فرما رہا ہے تو یہ حالت دیکھ کر وہ اتنا ذلیل حقیر بے عزت اور غضب ناک نظر آتا ہے کہ سوائے یوم بدر کے کبھی اتنا ذلیل نہیں دیکھا گیا، عرض کیا گیا (یا رسول اللہ ﷺ) شیطان نے بدر کے دن کیا بات دیکھی تھی (کہ وہ اپنے کو حقیر ترین ذلیل ترین اور بے عزت سمجھنے لگا تھا) فرمایا، اس نے جبرئیلؑ کو دیکھا کہ وہ ملائکہ کو ڈیوٹیوں کی تقسیم کر رہے تھے (یہ دیکھ کر اس کو اپنی ساری مکاری ہیچ نظر آنے لگی اور ذلیل ہو کر بھاگا)، رواہ مالک مرسلا والبغوی فی شرح السنۃ والمصابیح والحاکم۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ (یاد کرو) جب (مدینہ میں) منافق کہہ رہے تھے، منافقوں نے دیکھا کہ کچھ اوپر تین سو دس مسلمان مدینہ سے گئے ہیں اور یہ بھی انہوں نے سنا کہ ابو جہل ایک ہزار کی تعداد ساتھ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مکہ سے روانہ ہو گیا ہے تو منافق کہنے لگے، یہ لوگ مذہبی فریب میں ایسے پھنسے کہ ان لوگوں سے لڑنے چلے ہیں جن سے مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں۔

وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور وہ لوگ بھی کہہ رہے تھے جن کے دلوں میں بیماری تھی۔ یعنی جن کا ایمان خالص اور پختہ نہ تھا، دلوں میں شبہات باقی تھے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مشرک مراد ہیں۔ بعض نے کہا منافق ہی مراد ہیں لیکن چونکہ ان کے دونوں حال الگ تھے (منافقت بھی اور دلوں میں اسلام کی طرف سے شبہات بھی تھے) اس لئے عطف کر دیا گیا (جیسے الی الملک القرم و ابن الھمام ولیث الکتیبۃ فی المزدحم میں ایک ہی بادشاہ مراد ہے لیکن عظمت ذاتی شرافت نسب اور شجاعت اس کے مختلف اوصاف تھے اس لئے عطف کر دیا گیا)۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ بیمار دل والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمان ہونے کے بعد (ہجرت نہیں کر سکے تھے) کمزوری کی وجہ سے وہیں رہ گئے تھے، ان کے رشتہ داروں نے ہجرت نہیں کرنے دی تھی جب قریش بدر کو گئے تو جبراً ان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ بدر میں پہنچ کر ان لوگوں نے مسلمانوں کی تعداد کم دیکھی تو (اسلام کی صداقت کی طرف سے) شک میں پڑ گئے اور مرتد ہو کر کہنے لگے۔

غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا۔

یہ سب کے سب جنگ بدر میں مارے گئے قیس بن ولید بن مغیرہ مخزومی، ابو قیس بن فاکہ بن مغیرہ مخزومی حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب علی بن امیہ بن خلف جمحی اور عاص بن منبہ بن حجاج انہی لوگوں میں سے تھے۔ طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بات عتبہ بن ربیعہ اور اس کے ساتھیوں نے کہی تھی جو مشرک تھے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے (وہ ذلیل نہیں ہوتا) پس بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اپنی حکمت رسا کے زیر اثر ایسا کام کر دیتا ہے جس کو عقل بعید سمجھتی ہے اسی وجہ سے اس نے کافروں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔ دنیا میں کافروں کے قتل و ہزیمت کا تذکرہ کرنے کے بعد آئندہ آیت میں اس بدانجامی کا ذکر فرمایا جو مرنے کے بعد ان کو پیش آئی۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اور اگر آپ اس وقت کا واقعہ دیکھتے جب فرشتے ان کی جانیں قبض کر رہے تھے ان کے چہروں پر اور ان کی پشتوں پر مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے آگ کی سزا کا مزہ چکھو۔

تری (صیغہ مضارع) بمعنی ماضی ہے کیونکہ لو کی وجہ سے مضارع بمعنی ماضی ہوتا ہے، یتوفی یعنی روحیں قبض کر رہے تھے خواہ بدر میں یا دوسری جگہ، یتوفی کا فاعل ملائکہ ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ فاعل ہو اور الملٰئکۃ مبتداء اور یضربون خبر۔

يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ یعنی آگ کے کوڑوں اور لوہے کے گرزوں سے ان کے سامنے سے (چہروں پر) اور پیچھے سے (پشت پر) مار رہے تھے۔ سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا ادبار سے مراد سرین ہیں۔ اللہ نے بے حیائی کے لفظ کو ترک کر کے بطور کنایہ بیان کیا۔ وَذُوْقُوْا یعنی کہہ رہے تھے کہ دوامی آگ کا مزہ چکھو۔ تشریح مذکورہ کی بناء پر یتوفی سے الحریق تک برزخی عذاب کا بیان ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (یہ واقعہ بدر کا ہے برزخ کا نہیں) بدر میں مشرک جب مسلمانوں کی طرف رخ کر کے آگے بڑھتے تھے تو ملائکہ ان کے منہ پر تلواریں مارتے تھے اور جب منہ پھیر کر بھاگتے تھے تو فرشتے ان کی پشتوں پر مارتے تھے، اس طرح ملائکہ مشرکوں کو قتل کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے (ابھی کیا ہے آئندہ) آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ملائکہ لوہے کے گرزوں سے مار رہے تھے اور گرز کی ضرب سے زخموں میں آگ سی لگ جاتی تھی۔ ذوقوا عذاب الحریق کا یہی مطلب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مرنے کے بعد فرشتے یہ بات کہتے تھے اور کہیں گے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ یہ عذاب ان اعمال کی پاداش ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سے پہلے (یعنی دنیوی زندگی میں) سمیٹے تھے اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

بما میں ما سببیہ ہے۔ ما قدمت سے مراد ہے کفر اور گناہ، چونکہ عموماً کام ہاتھوں سے ہی کئے جاتے ہیں اس لئے ایدی سے بطور کنایہ ذات مراد ہوتی ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ کا عطف ما قدمت پر ہے۔ عذاب کا سبب اعمال ضرور ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اللہ ظالم نہیں ورنہ بغیر گناہ کے بھی عذاب دیتا۔ آیت وَاَنَّ اللّٰهَ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مجرم کو عذاب نہ دینے کا اختیار اللہ کو نہیں ہے۔ کیونکہ مستحق عذاب کو عذاب نہ دینا ظلم نہیں بلکہ رحمت و مغفرت ہے غیر مجرم کو عذاب دینا ظلم ہے۔

ظلام (مبالغہ کا صیغہ ہے مگر مبالغہ اس جگہ قوت اور فعل کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے نہیں بلکہ) فعل کی کثرت کے لئے ہے کیونکہ بندوں کی تعداد چونکہ بہت ہے اس لئے کثرت مظالم کی نفی کر دی گئی (مراد یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہیں کرتا) یہاں تک ملائکہ کے کلام کا بیان ہے۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ان کی حالت ایسی ہے جیسی فرعون والوں کی اور ان سے پہلے کے کافر لوگوں کی حالت تھی کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کا انکار کیا۔ سو خدا تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا، بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ محذوف مبتدا کی خبر ہے یعنی کافروں کا عمل اور طریقہ جس کے یہ عادی اور پابند ہیں آل فرعون کے عمل و طریقہ کی طرح ہے۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد ہے قوم نوح، عاد، ثمود اور دوسری گزشتہ کافر اقوام كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ عمل و طریقہ کی تشریح ہے۔ فاخذهم الله یعنی اللہ نے عذاب کی گرفت میں ان کو لے لیا جیسے گزشتہ اقوام کو دھر پکڑا تھا اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ یعنی اللہ پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی، نہ اس کے عذاب کو کوئی دفع کر سکتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتا جب تک وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے اور اس سبب سے بھی ہے کہ اللہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔

ذٰلک یعنی یہ عذاب جو ان پر نازل ہوا (یہ ظلم نہیں ہے بلکہ) بات اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتا ہے اس کو دکھ اور عذاب سے اس وقت تک نہیں بدلا کرتا جب تک وہ اپنی اچھی حالت کو بری حالت سے خود تبدیل نہ کرلیں (اور مستحق عذاب نہ ہو جائیں) مثلاً اہل مکہ کو اللہ نے رزق، عزت اور امن سے سرفراز کیا اور اصحاب فیل کے لشکر کو تباہ کیا تو اللہ نے بدر کے دن قید و قتل کی مصیبت میں اس وقت تک ان کو گرفتار نہیں کیا جب تک کہ انہوں نے دین اسمٰعیلی، ملت ابراہیم، اقرباء سے حسن سلوک، کعبہ کی خدمت، مہمان نوازی اور حاجیوں کو پانی پلانے اور دوسرے اچھے کاموں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی دشمنی نہ اختیار کرلی اور مسجد حرام سے ان کو روک نہ دیا اور قربانی کے جانوروں کی حرم میں داخلہ کی ممانعت نہ کردی اور اہل توحید کا خون بہانے کے درپے نہیں ہوگئے اور آیات کی تکذیب اور استہزاء قرآن کو اختیار نہ کرلیا۔

اہل تاریخ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دادا (عبدالمطلب بن ہاشم) کے دادا کا نام عبد مناف تھا اور عبد مناف (بن قصی) کے دادا کا نام کلاب (بن مرہ بن کعب بن لوی) تھا کلاب سے پہلے ان کے تمام آباء و اجداد نسلاً بعد نسل دین اسماعیلؑ پر تھے ہر بیٹے کو اپنے باپ سے ریاست قوم ملتی تھی اور دین اسمٰعیلؑ پر قائم رہنے کی وصیت بھی، اولاد اسمٰعیلؑ میں دین ابراہیمؑ کی تبدیلی اور بت پرستی کی ایجاد قصی بن کلاب کے زمانہ میں ہوئی، کعب بن لوی نے عرب کو مجتمع کیا تھا، تمام قریش اس کے پاس جمع ہوتے تھے۔ قصی ان کو خطاب کرتا اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع دیتا اور بتاتا تھا کہ وہ میری نسل میں سے ہوں گے، تم لوگ ان کا اتباع کرنا اور ان پر ایمان لانا پھر چند اشعار پڑھتا جن میں سے ایک شعر کا مضمون یہ تھا، کاش میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا جب قریش حق سے سرکشی کریں گے اور مدد نہ کریں گے۔ قصے منیٰ اور عرفات کے زمانہ میں حاجیوں کو بہت زیادہ کھانا کھلاتا تھا۔ اس کو رفادہ کہا جاتا ہے۔ چمڑے کے بڑے بڑے ٹینک اس نے بنوائے تھے جن میں پانی بھر کر مکہ اور منیٰ اور عرفات میں حاجیوں کو پلاتا تھا۔ اس کو سقایہ کہا جاتا ہے۔ قصی کے حکم سے عہد جاہلیت میں حاجیوں کو کھانا کھلاتے اور پانی پلانے کی رسم جاری تھی یہاں تک کہ اسلام آگیا اور اسلام نے بھی اس رسم کو قائم رکھا۔ قصی نے ایک دستور یہ ایجاد کیا تھا کہ مزدلفہ میں رات کو آگ جلاتا تھا کہ عرفہ سے روانہ ہونے والے آگ کو دیکھ لیں اور راستہ نہ بھٹک جائیں۔ آگ روشن کرنے کا یہ دستور برابر اسلام میں بھی جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے زمانہ میں یہ سلسلہ قائم رہا۔ مزدلفہ میں آگ روشن کی جاتی رہی عمرو بن لحی خزاعی پہلا شخص ہوا جس نے دین اسمٰعیلؑ کو بگاڑا بت پرستی کی اور سائبہ چھوڑنے کی رسم نکالی۔

سدی نے کہا نِعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ میں نعمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ اللہ نے یہ نعمت

قریش اور مکہ والوں کو عنایت کی تھی مگر انہوں نے تکذیب کی اور انکار کر دیا تو اللہ نے یہ نعمت انصار کو منتقل کر دی۔

بعض علماء کا قول ہے کہ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آل فرعون اور مکہ والوں کی مذہبی حالت پہلے پسندیدہ تھی پھر انہوں نے اس کو بگاڑ لیا کیونکہ یہ لوگ اچھی حالت پر کبھی نہ تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ بری حالت پر تو پہلے ہی تھے پھر انہوں نے بدترین حالت اختیار کر لی۔ بعثت سے پہلے بت پرست تھے پھر بعثت کے بعد پیغمبر برحق کو جھوٹا قرار دیا۔ آپ کے قتل کے درپے ہو گئے اور لوگوں کو راہ خدا سے روکنے لگے۔ اللہ نے ان پر اتنا کرم کیا تھا کہ (باوجود بت پرستی اور فسق و فجور کے) ان کو ڈھیل دے رکھی تھی (عذاب میں نہیں پکڑا تھا) لیکن جب انہوں نے اپنی حالت کو مزید بگاڑ لیا تو اللہ نے دنیا میں ہی فوراً ان پر عذاب نازل کر دیا۔

بظاہر کلام کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب یہ ہے کہ جب تک وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی نعمت سے سرفراز کیا خود اپنی حالت بگاڑ نہ لیں اللہ اپنی نعمت کو نہیں بدلتا اور عذاب نازل نہیں کرتا (مگر یہ مطلب غلط ہے کیونکہ ڈھیل دینے اور عذاب میں مبتلا نہ کرنے کی تو یہ وجہ ہو سکتی ہے جو آیت میں ذکر کی گئی ہے۔ عذاب میں مبتلا کرنے کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی اس لئے ظاہری مدلول الفاظ مراد نہیں بلکہ) حقیقت میں مطلب یہ ہے اور مفہوم بھی یہی ہے کہ جب لوگ اپنی حالت بگاڑ لیتے ہیں تو اللہ کا دستور ہے کہ وہ اپنی نعمت چھین لیتا ہے اور عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اور عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب یہ بھی ہے کہ اللہ ان کے کلام کو خوب سنتا اور ان کی حرکتوں کو خوب جانتا ہے (اور چونکہ ان کے اقوال و اطوار ان کو مستحق عذاب بنا دیتے ہیں اس لئے اللہ عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے)۔

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والے (کافروں) کی سی حالت ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا، اس پر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے ہلاک کر دیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

فَأَهْلَكْنَاهُمْ یعنی مختلف طریقوں سے ان کو ہلاک کیا کسی قوم کو ڈبو کر، کسی کو زلزلہ کے ذریعہ سے، کسی کو زمین میں دھنسا کر، کسی کی صورتیں بگاڑ کر اور کسی کو طوفان سے۔ کداب آل فرعون کو مکرر ذکر کرنے کی وجہ محض تاکید بیان ہے یا یوں کہا جائے کہ عذاب کے نزول کی وجہ پہلے کفر کو قرار دیا اور اس جگہ تغیر حالت کو یا یوں کہا جائے کہ پہلے فقط اتنا بیان کیا تھا کہ اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت کی اور اس جگہ گرفت کرنے کی نوعیت ظاہر کر دی کہ ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا اور بالکل تباہ کر دیا۔ وکل یعنی اگلے اور پچھلے سب ظالم تھے، کفر و معاصی اختیار کر کے انہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا تھا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کفر پر جمے رہے بس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

کفروا یعنی کفر پر جمے رہے اور قائم رہے فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ کی شرط لگانے سے وہ لوگ حکم آیت سے خارج ہو گئے جو پہلے کافر تھے اور پھر خلوص کے ساتھ ایمان لے آئے اور اسلامی کردار کا اچھا رہا یا فھم لا یومنون سے ان لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے جن کی سرشت ہی کفر پر ہوئی ہے فاء عاطفہ لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان کافروں کا کفر اللہ کے علم میں قائم ہو چکا ہے اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے اس وقت آیت کا حکم ان تمام کافروں کے لئے عام ہو گا جن کی موت کفر کی حالت میں ہونے والی ہے۔ ابوالشیخ نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول یہودیوں کے چھ قبائل کے متعلق ہوا تھا ان ہی میں سے ابن التابوت بھی تھا۔

الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ۝ جن سے آپ نے عہد لے لیا مگر پھر وہ اپنے معاہدہ کو ہر بار توڑتے رہے اور عہد شکنی سے ڈرتے نہیں۔

الذین عاھدت کفروا سے بدل بعض ہے یعنی یوں تو عموماً کفر برا ہے مگر خصوصیت کے ساتھ مذمت کے قابل شکست معاہدہ کرنے والے کافر ہیں اور اگر سعید بن جبیرؓ کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو یہ آیت گزشتہ آیت سے بدل کل ہوگی یعنی کافروں سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو عہد شکن ہیں مراد یہ کہ یہودیوں کے چھ قبائل بدترین جانور ہیں جنہوں نے بار بار نقض معاہدہ کیا (معاہدہ مصدر ہے اور اس کے مفعول پر من نہ آنا چاہئے عاہد تہم ہونا چاہئے لیکن) چونکہ معاہدہ کے اندر اخذ (لینے کا مفہوم ہے اس لئے من استعمال کیا گیا (معاہدہ کرنے کا معنی ہے کسی سے عہد لینا اور اس کا اس سے عہد لینا)۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ معاہدہ شکن کافروں سے مراد بنی قریظہ کے خاندان کے یہودی ہیں۔ وہ ورق پر رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان (آشتی محبت اور اخوت کی) ایک تحریر لکھی تھی جس میں یہودیوں سے مصالحت کا بھی ذکر تھا اور یہودیوں سے معاہدہ کیا گیا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رکھے جائیں گے اور ہر فریق کا نفع و نقصان دوسرے فریق کا فائدہ اور ضرر مانا جائے گا (یعنی یکجہتی کے ساتھ رہیں گے، کوئی کسی کو نہیں ستائے گا لیکن یہودیوں نے یہ معاہدہ توڑ ڈالا اور رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کیلئے ہتھیار دے کر مشرکوں کی مدد کی پھر کہنے لگے، ہم سے چوک اور غلطی ہو گئی ہم دوبارہ معاہدہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی معاہدہ کی خلاف ورزی کی، کعب بن اشرف نے مکہ جا کر کافروں کی موافقت کی اور خندق کے دن کافر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔

ھم لا یتقون کا معنی یہ ہے کہ باوجودیکہ اپنی اولاد کی شناخت کی طرح یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہیں پھر بھی انکار رسالت کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے کئے ہوئے ہر معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں۔

عبد بن حمید، ابن جریر اور ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت بشیر بن براء اور حضرت داؤد بن سلمہ نے یہودیوں سے فرمایا، اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو، مسلمان ہو جاؤ، ہم جب مشرک تھے تو محمد ﷺ کا نام لے کر تم ہم پر فتحیاب ہونے کی دعا کیا کرتے تھے اور ہم سے کہتے تھے کہ ان کی بعثت ہونے والی ہے اور آپ ﷺ کے اوصاف بھی بیان کیا کرتے تھے۔

اللہ نے کافروں کو بدترین چوپائے بلکہ بدترین خلق فرمایا اور کافروں میں سے بدترین وہ کافر ہیں جو کفر پر جمے رہتے ہیں اور کفر پر راسخ رہنے والوں میں بھی سب سے برے وہ ہیں جو عہد شکن ہیں۔

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں کو پائیں تو ان (کو سخت سزا دے کر ان) کے ذریعے سے ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو ان کے پیچھے ہیں تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں۔

یعنی اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ اور گرفتار کر لو فشرد بہم، تشرید کا لغوی معنی ہے بے چین کر کے متفرق کر دینا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو ایسی سزا دو کہ پیچھے والوں کو عبرت ہو۔ یعنی ان عہد شکنوں کو اس طرح قتل کرو اور سزا دو کہ مکہ اور یمن کے رہنے والے جو ان کے پیچھے ہیں ان کو عبرت ہو وہ ڈر جائیں اور اپنے جتھوں کو تمہارے مقابلے پر نہ لائیں۔ اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے تسلط پانے کے بعد بنی قریظہ کے ہر بالغ کو قتل کیا اور عورتوں بچوں کو باندی غلام بنایا اور ان کا مال تقسیم کیا۔ طبرانی نے حضرت اسلمؓ انصاری کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کے قیدیوں کی نگرانی پر مجھے مامور فرمایا تھا، چنانچہ میں نے جس لڑکے کو بالغ پایا اس کی گردن اڑا دی لعلہم یذکرون تاکہ وہ نصیحت اندوز ہوں اور آئندہ عہد شکنی کی جرات نہ کریں۔

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ اور اگر آپ کو کسی قوم سے غداری کا اندیشہ ہو تو آپ ان کا معاہدہ ان کو واپس کر دیں کہ آپ اور وہ اس (اطلاع) میں برابر ہو جائیں۔ خیانۃ یعنی عہد شکنی مطلب یہ کہ اگر علامات اور حالات سے تم کو اندازہ ہو جائے کہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں فانبذ یعنی تم بھی ان کا معاہدہ ان پر دے مارو، پھینک دو۔ علی سواء انصاف کے موافق یا یہ مطلب کہ تمہاری طرف سے (ان کو) نقض معاہدہ کی خبر دینے میں

برابر ہو حاصل یہ کہ معاہدہ توڑنے کی اطلاع پہلے ان کو دے دو تاکہ تمہاری طرف سے خیانت نہ ہو۔

ابوالشیخ نے زہری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے آکر کہا آپ نے تو ہتھیار کھول دیئے اور ہم اب تک قوم کے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ نکل کر چلئے اللہ نے بنی قریظہ سے جہاد و قتال کرنے کی آپ کو اجازت دے دی ہے اسی کے متعلق آیت وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً الخ نازل ہوئی۔

میں کہتا ہوں یہ قصہ غزوہ احزاب کے بعد کا ہے۔ حافظ محمد یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ بنی قینقاع کے یہودیوں نے عہد شکنی کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا تھا اور بغاوت و حسد کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک برقعہ پوش عربی عورت بنی قینقاع کے بازار میں آئی اور زیور خریدنے کسی سنار کے پاس بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اس کی نقاب اتروانا چاہی لیکن اس نے نقاب کھولنے سے انکار کر دیا۔ سنار نے اس کے کپڑے کا کنارہ کسی کانٹے میں الجھا دیا۔ عورت جو نہی اٹھی تو ننگی ہو گئی۔ لوگ اس پر ہنس پڑے۔ عورت چیخ پڑی عورت کی چیخ سن کر ایک مسلمان نے سنار پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر دیا۔ سنار تھا۔ یہودی یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کر کے مار ڈالا اور مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔ مقتول مسلمان کے گھر والوں نے مسلمانوں سے فریاد کی، مسلمان غضب ناک ہو گئے اس طرح مسلمانوں میں اور بنی قینقاع کے یہودیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ اس پر آیت وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً الخ نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے بنی قینقاع کی طرف سے (عہد شکنی کا) اندیشہ ہے چنانچہ اس آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ نے ان پر لشکر کشی کی۔ جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے سپرد کیا اور مدینہ میں اپنی جگہ حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کو قائم کیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے پندرہ روز تک ان کا سخت محاصرہ جاری رکھا آخر اللہ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور رسول اللہ ﷺ کے شرائط پر انہوں نے باہر نکل آنا منظور کر لیا شرائط یہ تھیں کہ ان کے سارے مال پر رسول اللہ ﷺ کا قبضہ ہو جائے گا۔ صرف عورتوں اور بچوں کو لے کر وہ جلا وطن ہو جائیں گے، چنانچہ تین روز کے بعد وہ مدینہ سے نکل گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے مال میں سے صفی اور کل مال کا پانچواں حصہ خود لے لیا اور چار خمس ۵ / ۴ ساتھ والوں کو بانٹ دیا۔ بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ کا یہ پہلا خمس تھا (یعنی بدر کے مسلمانوں کو پہلا مال غنیمت حاصل ہوا تھا جس کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کو ملا۔ صفی اس مال کو کہا جاتا تھا جو تقسیم سے پہلے کل مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ اپنے لئے چھانٹ لینے کا حق رکھتے تھے)۔ ع ۷

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ۝ بلاشبہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بغویؒ نے ایک حمیری شخص کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ معاویہؓ بلاد روم کی طرف جا رہے تھے تاکہ میعاد معاہدہ ختم ہوتے ہی (بغیر اعلان و اطلاع کے) ان سے جہاد شروع کر دیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص (سامنے سے) گھوڑے پر آ رہا ہے اور کہہ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر وفا عہد کرو، غداری نہ کرو۔ دیکھا تو وہ حضرت عمروؓ بن عنبسہ تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کو بلوایا اور پوچھا کیا بات ہے۔ حضرت عمروؓ بن عنبسہ نے فرمایا میں نے خود سنا ہے رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو وہ اس معاہدہ کی شکست و ریخت نہ کرے تاوقتیکہ معاہدہ کی مدت ختم نہ ہو جائے یا (فریق مخالف کی خلاف ورزی کی صورت میں) اس کا معاہدہ اسی پر لوٹا نہ دیا جائے یہ سن کر حضرت معاویہؓ لوٹ آئے۔

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اور یہ کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے۔ بغویؒ نے لکھا ہے بدر کے دن جو مشرک شکست کھا کر بھاگے تھے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ یقیناً وہ لوگ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے مسلمانو! تم سے جس قدر ہو سکے ان کافروں کے مقابلہ کے لئے طاقت فراہم کر لو۔

یعنی مسلمانو! معاہدہ توڑنے والے یا عام کافروں کے مقابلہ کے لئے جو تیاری ممکن ہو کر لو۔ اعداد کا معنی ہے ضرورت کے لئے تیاری کرنا۔ قوت سے مراد ہے سامان، اسلحہ، ٹریننگ، ریاضت جنگی، گھوڑے، کشتی، تیر اندازی کی مشق، گولی چلانا

وغیرہ جہاد کے لئے مال فراہم کرنا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ بعض کے نزدیک قوت سے مراد ہیں قلعے۔

حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ ممبر پر فرما رہے تھے واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ خبردار ہو جاؤ، قوت تیر اندازی ہے، خوب سن لو، قوت تیر اندازی ہے، آگاہ ہو جاؤ، قوت تیر اندازی ہے، رواہ مسلم۔

حضرت ابو نجیح سلمی کا بیان ہے میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر پہنچایا جنت میں اس کے لئے ایک درجہ ہے اور جس نے راہ خدا میں ایک تیر پھینکا وہ اس کے لئے (گناہوں کا) فدیہ ہے اور آزاد کرنے والا ہے (یعنی وہ دوزخ سے آزاد ہو جائے گا)، رواہ النسائی۔ حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب روم کی فتح تم کو عنایت کی جائے گی اور اللہ تمہارے لئے کافی ہوگا پس تم میں سے کوئی تیر بازی سے عاجز نہ ہو (یعنی بطور تفریح تیر اندازی کی مشق جاری رکھو)، رواہ مسلم، ابوداؤد، ترمذی نے حضرت عقبہ والی روایت نقل کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ راہ خدا میں جس کے بال سفید ہوئے قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور ہو جائیں گے، بیہقی نے شعب الایمان میں تینوں حدیثیں نقل کی ہیں، البتہ راہ خدا کی جگہ اسلام کا لفظ بیہقی کی روایت میں آیا ہے۔

حضرت عقبہؓ بن عامر کی روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرما رہے تھے۔ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں ہے یا یوں فرمایا اس نے نافرمانی کی، رواہ مسلم۔

حضرت ابو اسیدؓ کا بیان ہے بدر کے دن جب ہم نے قریش کے سامنے اور قریش نے ہمارے سامنے صف بندی کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وہ تمہارے قریب آجائیں تو تیروں سے کام لینا تم پر لازم ہے، رواہ البخاری۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ جہنی کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ ایک تیر کے ذریعے سے تین آدمیوں کو جنت میں لے جائے گا۔ تیر بنانے والا جو تیر بنانے سے امیدوار ثواب ہو۔ تیر پھینکنے والا۔ تیر جوڑ دینے والا۔ تم لوگ تیر اندازی کرو اور گھوڑوں پر سوار ہو۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے تمہاری تیر اندازی بہتر ہے آدمی کے لئے ہر لہو (کھیل) ناجائز ہے سوائے کمان سے تیر پھینکنے اور گھوڑے کی سواری کی ٹریننگ حاصل کرنے اور اپنی بیوی سے تفریح کرنے کے۔ یہ سب باتیں ٹھیک ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ، ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھ کر بے توجہی کے ساتھ اس کو ترک کر دیا تو حقیقت میں ایک نعمت کو اس نے چھوڑ دیا یا یوں فرمایا کہ نعمت کی اس نے ناشکری کی۔

بغویؒ کی روایت میں ہے کہ ایک تیر کے ذریعہ سے اللہ تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا، تیر بنانے والا اور تیر سے مدد پہنچانے والا اور راہ خدا میں تیر مارنے والا۔

وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ اور پلے ہوئے گھوڑوں کو بھی تیار رکھو یعنی جہاد کے لئے گھوڑوں کی پرورش کرنا رباط مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہے۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے، رباط وہ گھوڑے جو جہاد کے لئے باندھے جائیں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے رَبَطَ رَبْطًا و رِبَاطًا اور رَابَطَ مُرَابَطَۃً و رِبَاطًا دونوں طرح سے آتا ہے یا وزن فعال بمعنی مفعول ہے یا ربیط کی جمع ہے جیسے فصیل کی جمع فصال من رباط کا عطف من قوۃ پر ہے (قوت کا لفظ رباط الخیل کو بھی شامل ہے لیکن خصوصیت اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے خاص کا عطف عام پر کر دیا گیا) جیسے جبرئیل و میکائیل کا عطف الملئکۃ پر دوسری آیت میں کیا گیا ہے۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں میں برکت ہے، متفق علیہ۔

حضرت جریر بن عبداللہ راوی ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے کی پیشانی کے بال اپنی انگلی سے مروڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے، گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں سے قیامت تک خیر (بھلائی، نفع) وابستہ رہے گی ثواب (جہاد کا یا شہادت کا) اور مال غنیمت (بصورت فتح) رواہ مسلم، بغویؒ نے بطریق بخاری حضرت عروہ بارقی کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، گھوڑے تین (طرح کے) ہوتے ہیں ایک گھوڑا آدمی کے لئے (گناہ کا)

بار ہوتا ہے دوسرا گھوڑا آدمی کے لئے (بے آبروئی اور دوزخ سے) پردہ (آڑ حفاظت) ہوتا ہے تیسرا گھوڑا آدمی کے لئے ثواب کا ذریعہ ہوتا ہے جو گھوڑا آدمی دکھاوٹ غرور اور مسلمانوں سے اونچا اٹھنے کے لئے پالے وہ اس کے لئے بار (گناہ) ہے اور جو گھوڑا آدمی جہاد میں شریک ہونے کے لئے پالے اور اللہ نے جو حق گھوڑے کی سواری اور گھوڑے کی ذات سے وابستہ کردیا ہے اس کو فراموش نہ کرے تو ایسا گھوڑا اس شخص کے لئے پردہ ہے اور جو گھوڑا کسی مسلمان کو جہاد میں شریک کرنے کے لئے کوئی پالے وہ باعث اجر ہے اگر ایسے گھوڑے کو کسی چراگاہ یا سبزہ زار میں باندھ دے گا اور گھوڑا اس چراگاہ یا سبزہ زار سے کچھ کھائے گا تو جتنا وہ کھائے گا اسی کے بقدر گھوڑے والے کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو لید یا پیشاب کرے گا اسی کے بقدر مالک کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی جب گھوڑا رسی تڑا کر کہیں ایک ٹیلے یا دو ٹیلوں پر کلیلیں بھرے گا تب بھی اس کے قدموں کے نشانات اور لید اور پیشاب کے بقدر مالک کے لئے نیکیاں لکھا جائیں گی۔ اگر گھوڑے کو پانی پلانے کیلئے دریا پر لے جائے گا اور وہ وہاں پانی پئے گا تو جتنا اس نے پانی پیا ہو گا اس کے بقدر مالک کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی، رواہ مسلم۔

بغوی کی روایت میں نمبر دوم کے گھوڑے کے متعلق یہ الفاظ ہیں کہ جس شخص نے گھوڑا اس لئے پالا کہ وہ لوگوں کا ضرورت مند نہ رہے اور کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور گھوڑے کی ذات اور سواری سے اللہ کا جو حق وابستہ ہے اس کو بھی نہ بھولے تو ایسا گھوڑا پردہ ہے۔ حضرت ابو وہب جشمی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑے پالو ان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیر اکرو ان کی گردنوں میں قلادے ڈالو مگر تانت کے قلادے نہ ڈالو، رواہ ابوداؤد والنسائی۔

تُرۡهِبُونَ بِهِۦ عَدُوَّ ٱللَّهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَءَاخَرِينَ مِن دُونِهِمۡ لَا تَعۡلَمُونَهُمُ ٱللَّهُ يَعۡلَمُهُمۡۚ

اور اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔ عدو اللہ سے مراد کفار مکہ ہیں اور اخرین من دونھم سے مراد مکہ والوں کے علاوہ دوسرے کفار ہیں۔ مجاہد و مقاتل کے نزدیک یہودی قریظہ، سدی کے نزدیک اہل فارس اور ابن زید و حسن کے نزدیک منافق مراد ہیں۔

تم ان کو نہیں جانتے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ تمہارے ساتھ ہیں اور لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں اس لئے تم نہیں جانتے کہ حقیقت میں وہ کافر ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا آخرین سے مراد کافر جن ہیں ابوالشیخ نے ابوالمہدی کے سلسلہ سے مرفوعاً یہ قول نقل کیا ہے اور طبرانی نے یزیدی بن عبداللہ بن غریب کی روایت سے اس کو رسول اللہ ﷺ کا قول قرار دیا ہے۔

وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيۡءٖ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ يُوَفَّ إِلَيۡكُمۡ وَأَنتُمۡ لَا تُظۡلَمُونَ ۝ اور اللہ کی راہ میں جو چیز بھی خرچ کرو گے وہ (یعنی اس کا ثواب) تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارے حق میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ یعنی جہاد میں خرچ کرنے کا ثواب پورا پورا تم کو دیا جائے گا ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

حضرت زید بن خالد راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مجاہد کو سامان جہاد دیا اس نے خود جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے پیچھے اس کے گھر والوں کی نگہداشت اس کی بجائے کی اس نے جہاد کیا، متفق علیہ۔

حضرت ابو مسعود انصاری کا بیان ہے کہ ایک آدمی ایک اونٹنی جس کے نکیل پڑی ہوئی تھی لے کر آیا اور عرض کیا یہ جہاد کے لئے دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اس کے عوض تجھے سات سو اونٹنیاں ملیں گی سب کی نکیلیں پڑی ہوں گی، رواہ مسلم۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مالوں جانوں اور زبانوں سے مشرکوں سے جہاد کرو، رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی۔

حضرت خریم بن فاتک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے راہ خدا میں کچھ خرچ کیا اس کے لئے سات سو گنا (اجر) لکھا جائے گا، رواہ الترمذی والنسائی۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجاہد کے لئے اس کا اجر ہے اور بنانے والے کے لئے اپنے بنانے کا بھی اجر ہے اور مجاہد کا بھی، رواہ ابوداؤد۔ ابن ماجہ نے حضرت علیؓ، حضرت ابو درداءؓ،

حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوامامہؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جہاد کے لئے کچھ خرچ بھیجا اور خود اپنے گھر بیٹھا رہا اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات سو درہم کا ثواب ہوگا اور جس نے خود جہاد کیا اور خود ہی جہاد میں صرف کیا اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات ہزار درہم کا ثواب ہوگا پھر حضور ﷺ نے آیت وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ پڑھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حباب کا بیان ہے، میں موجود تھا رسول اللہ ﷺ جیش عسرت (تبوک کو جانے والے لشکر) کو تیار کرنے اور مدد کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمے ہیں۔ حضور ﷺ نے پھر جیش عسرت کی مدد کی ترغیب دی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا، میرے ذمے دو سو اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے ہیں۔ حضرت ﷺ نے پھر اپیل کی، حضرت عثمانؓ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کیا، مجھ پر راہ خدا میں تین سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت لازم ہوئے۔ راوی کا بیان ہے میں دیکھ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر سے اتر رہے تھے اور فرما رہے تھے، اس کے بعد عثمانؓ جو عمل بھی کرے عثمانؓ سے اس کا مواخذہ نہیں ہوگا اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے عثمان سے اس کا مواخذہ نہیں، رواہ الترمذی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کا بیان ہے۔ جیش عسرت کی تیاری کے وقت حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لے کر آئے اور لا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں بکھیر دیئے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی گود میں وہ اشرفیاں الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے، عثمان اس کے بعد جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہ پہنچے گا (یعنی مواخذہ نہ ہوگا) یہ الفاظ حضور ﷺ نے دوبار فرمائے، رواہ احمد۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱ اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو بلاشبہ وہ (تمہارے اقوال کو) سننے والا اور (تمہاری نیتوں کو) جاننے والا ہے۔

سلم (صلح) کا مقابل حرب (جنگ) چونکہ عربی زبان میں مونث ہے اس لئے سلم کو بھی مونث استعمال کیا۔ مراد یہ ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں اور معاہدہ کرنا چاہیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ اور معاہدہ کر لو۔ حسن و قتادہ کا خیال ہے کہ آیت اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ سے اس آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت کا حکم اہل کتاب کے لئے مخصوص ہے۔ کیونکہ اس آیت کا اتصال اہل کتاب کے قصہ سے ہی ہے۔

میں کہتا ہوں، نہ آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہے نہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی (اس لئے کہ اس آیت میں امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ یہاں) امر کا صیغہ اباحت کے لئے ہے یعنی صلح کرنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ اگر امام المسلمین مناسب سمجھے تو صلح کر سکتا ہے۔ اور آیت اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ کا حکم عمومی بھی نہیں بلکہ مخصوص البعض ہے۔ ذمی کافر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ ان کی مکاری کا تم کچھ اندیشہ نہ کرو اگر ان کے دلوں میں فریب ہوگا تو اللہ ان کے فریب سے تمہیں محفوظ رکھے گا جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کی حفاظت خود کرتا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ اور اگر وہ تم سے فریب کرنا چاہیں گے تو اللہ تمہارے لئے یقیناً کافی ہے۔ یعنی اگر وہ صلح کے پیرایہ میں جنگ کی تیاری کرنا چاہیں گے یا غداری کریں گے یا صلح میں کچھ فریب کریں گے تو ان کے فریب کو ناکام بنانے کے لئے اللہ تمہاری طرف سے کافی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۳

اللہ ہی تو ہے جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعے سے تم کو قوت عطا کی اور مومنوں کے دلوں کو باہم جوڑ دیا۔ اگر زمین کی تمام

چیزیں تم خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت پیدا کر دی۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

مومنوں سے مراد ہے قبیلہ اوس و خزرج والے دونوں قبائل میں اتنی عداوت اور کینہ و بغض اور شر و فساد تھا کہ دور ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ سورۂ آل عمران میں آیا ہے اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا مطلب یہ ہے کہ ان میں باہم اتنی سخت دشمنی تھی کہ روئے زمین کی دولت خرچ کرنے کے بعد بھی ان کے دلوں کو باہم نہیں جوڑا جا سکتا تھا مگر اللہ نے محض اپنی ہمہ گیر قدرت سے ان کے دلوں کو جوڑ دیا تمام لوگوں کے دل اللہ کی چٹکی میں ہیں جس طرف چاہتا ہے موڑ دیتا ہے۔ بلا شبہ اللہ غلبہ اور قدرت والا ہے کہ کوئی اس کی مشیت سے اس کو روک نہیں سکتا اور ایسا حکیم ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کو اپنی منشا کے مطابق کس طرح کرنا چاہئے۔

ع ۸ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ اے نبی آپ ﷺ کے لئے اللہ اور وہ مومن جنہوں نے آپ ﷺ کا اتباع کیا ہے کافی ہیں۔ اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ من اتبعک کا عطف حسبک کے کاف پر ہے خواہ اس کو حسبک کا مضاف الیہ مجرور قرار دیا جائے جیسا کہ علمائے کوفہ کا قول ہے یا مفعول معہ منصوب مانا جائے جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔ حسبک والضحاک سیف مهند اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا اے نبی ﷺ! تمہارے لئے اور تمہارے اتباع کرنے والے مومنوں کے لئے اللہ کافی ہے۔ اس ترکیب کلام میں معنوی لحاظ سے تو قرب فہم ہے مگر لفظی بعد ضرور ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ من اتبعک کا عطف اللہ پر ہے اس وقت مطلب اس طرح ہوگا اے نبی تمہارے لئے اللہ اور تمہارا اتباع کرنے والے مومن کافی ہیں۔ اس ترکیب میں لفظی قرب ضرور ہو جائیگا مگر معنوی بعد ہوگا۔ اس مطلب کی تائید سعید کی اس بیان سے ہوتی ہے جس کو ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب ۳۳ مرد اور چھ عورتیں مسلمان ہو گئیں تو (چالیسویں نمبر پر) حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو الشیخ نے سعید بن مسیب کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب حضرت عمر مسلمان ہو گئے تو اللہ نے آپ کے اسلام کے متعلق یہ آیت اتاری۔

طبرانی وغیرہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ۳۹ مرد و عورت ایمان لا چکے تھے، ان کے بعد حضرت عمر مسلمان ہوئے۔ اس طرح چالیس مسلمان ہو گئے۔ اس وقت اللہ نے آیت یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ الخ نازل فرمائی۔

بزار نے ضعیف سند کے ساتھ عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے تو مشرکوں نے کہا، آج ہماری قوم (کی طاقت) آدھی ہو گئی اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ تمام احادیث بتا رہی ہیں کہ یہ آیت مکی ہے مگر کلام کی رفتار کا تقاضا ہے کہ اس کو مدنی کہا جائے کیونکہ یہ سورت بدر کے بعد نازل ہوئی (تو یہ آیت بھی بدر کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہوگی)۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اے نبی مسلمانوں کو جہاد کے لئے بہت زیادہ ترغیب دو۔ حرض کا لغوی معنی ہے۔ بیماری کا بدن کو استادبلا کر دینا کہ اس کو لب گور کر دے۔ چونکہ مرض مریض کو عاجز کر کے ہلاکت کے کنارہ تک پہنچا دیتا ہے پس اس عاجز اور مجبور کرنے کے مفہوم کو پیش نظر رکھ کر اس شدید ترین ترغیب کے معنی میں بھی اس لفظ کا استعمال ہونے لگا جو آدمی کو مجبور کر دے اور حکم نہ ماننے کا حکم راستہ نہ چھوڑے۔

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اگر تم میں سے لڑائی میں ثابت قدم رہنے والے اور امید ثواب رکھنے والے بیس مرد ہوں گے تو دو سو دشمنوں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سو افراد لڑائی میں ثابت قدم رہنے والے اور امید ثواب رکھنے والے ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے وجہ یہ ہے کہ

وہ جنگ کی غرض سمجھتے نہیں یعنی مشرک امید ثواب نہیں رکھتے اللہ اور آخرت پر انکا ایمان نہیں اس لئے جنگ کے وقت ثابت قدم نہیں رہتے موت سے ڈرتے ہیں اور تم ثواب کی امید رکھتے ہو اللہ سے مراتب آخرت کے طلب گار ہو اس لئے جم کر لڑتے ہو۔

یہ کلام ہے تو خبری لیکن امر میں غالب آنے کا وعدہ بھی ہے کہ اگر ثابت قدم رہنے والے تم میں سے دس ہوں گے تو سو پر غالب آئیں گے یعنی تم دس گنا طاقت پر غالب آؤ گے۔ یہ حکم بدر کے دن تھا کہ ہر مسلمان پر دس کافروں سے لڑنا اللہ نے فرض کر دیا تھا۔ اسحٰق بن راہویہ نے اپنے مسند میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب اللہ نے ہر ایک مسلمان پر دس دس کافروں سے لڑنا واجب کر دیا تو یہ حکم مسلمانوں کے لئے بڑا تکلیف دہ اور شاق ہوا اس کے بعد اللہ نے اس میں کمی کر دی اور فرمایا۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ تمہارے اندر (جسمانی) طاقت کم ہے پس اب اگر تم میں سے جم کر لڑنے والے سو ہوں گے تو دو سو دشمنوں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار (صابر) ہوں گے تو دو ہزار دشمنوں پر غالب آئیں گے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ مشیت حقہ حکم میں تخفیف کر دی گئی، دس گنی طاقت سے لڑنے کی جگہ دو گنی طاقت سے لڑنے کا حکم ہو گیا اب اگر کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دو گنی ہو تو فرار جائز نہیں۔ سفیان کا بیان ہے کہ شبرمہ نے فرمایا میرے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی تعداد جب کم تھی تو ان کو زیادہ تعداد سے لڑنے کا حکم دیا جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو حکم میں تخفیف کر دی ایک ہی حکم (یعنی دس کے سو سے مقابلہ کرنے کا حکم) دو متناسب اعداد میں دینے سے یہ غرض ہے کہ یہ تناسب پیش نظر رہنا چاہئے خواہ تعداد کم ہو یا زیادہ (یعنی ایک دس، دو بیس، تین تیس چار چالیس دس سو، بیس دو سو وغیرہ)۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۶۶ اور اللہ کی مدد ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان ثابت قدم نہ رہیں اور غالب نہ آئیں۔

امام احمدؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے، ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ابن ابی شیبہ احمد، ترمذی، ابن المنذر اور طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ابن المنذر ابن مردویہ ابو الشیخ اور ابو نعیم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو حسن بھی کہا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں حضرت عباسؓ بھی تھے۔ ایک انصاری نے آپ کو گرفتار کیا تھا اور انصاریوں نے ان کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو جو یہ اطلاع ملی تو (آپ کو رات بھر نیند نہیں آئی اور) آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنے چچا عباسؓ کے خیال سے آج رات نیند نہیں آئی۔ انصار کا خیال ہے کہ عباسؓ کو قتل کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو کیا میں انصار کے پاس جاؤں فرمایا ہاں! حضرت عمرؓ انصار کے پاس گئے اور ان سے کہا عباسؓ کو چھوڑ دو انصار نے کہا واللہ ہم نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ اسی کو پسند کرتے ہیں۔ انصار نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ کی یہ رضا ہے تو ان کو لے لو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو لے لیا جب عباسؓ قبضہ میں آ گئے تو حضرت عمرؓ نے کہا عباسؓ مسلمان ہو جاؤ آپ کا اسلام لانا مجھے خطابؓ کے مسلمان ہونے سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی صرف یہ وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کا مسلمان ہونا پسند ہے۔

بخاری اور بیہقی نے حضرت انسؓ بن مالک کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ انصاری اجازت لے کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے بھانجے عباسؓ کا زر فدیہ معاف کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم ایک درہم بھی نہ چھوڑو پھر حضور ﷺ نے فرمایا یہ قیدی اللہ نے تمہارے قابو میں کر دیئے ہیں یہ سب

تمہارے بھائی بند ہیں ان کے متعلق تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کے قبیلہ کنبہ کے لوگ ہیں اللہ نے ان پر آپ کو کامیابی اور نصرت عنایت کر دی ہے یہ سب چچا زادے ہیں قبیلہ والے ہیں بھائی ہیں ان کو قتل نہ کیجئے۔ میری رائے ہے کہ ان سے زر فدیہ لے لیجئے ہم کو جو مال ان سے وصول ہوگا وہ کافروں کے مقابلہ کے لئے ہمارے لئے باعث قوت ہوگا اور امید ہے کہ آپ کے ذریعہ سے اللہ ان کو ہدایت فرما دے گا اور یہ آپ کے بازو بن جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا۔ وطن سے نکال باہر کیا اور آپ سے جنگ کی میری رائے ابو بکرؓ کی رائے کے موافق نہیں میری رائے ہے کہ فلاں شخص (حضرت عمرؓ کا ایک قریبی عزیز تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا) کو آپ میرے قابو میں دے دیں کہ میں اس کی گردن مار دوں تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کی محبت نہیں ہے یہ قریش کے سردار ان ہیں پیشوا ہیں لیڈر ہیں ان کی گردنیں مار دیجئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا یا رسول اللہ دادی میں بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ لگا کر ان کو جلا ڈالئے۔ حضرت عباسؓ عبداللہ کی یہ بات سن رہے تھے بولے تم نے قرابت کا رشتہ کاٹ دیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے کچھ لوگ کہنے لگے حضرت ابو بکرؓ کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... قبول کر لیں گے کسی نے کہا حضرت عمرؓ کے مشورہ پر چلیں گے اور بعض کا خیال ہوا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی رائے اختیار کر لیں گے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا کچھ لوگوں کے دل اللہ اتنے نرم کر دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض کے دل اتنے سخت کر دیتا ہے کہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ ابو بکر تمہاری مثال (صحابہ میں) ایسی ہے جیسے ملائکہ میں میکائیلؑ جو بارش لاتے ہیں اور انبیاء میں جیسے حضرت ابراہیمؑ جنہوں نے کہا تھا مَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔ عمرؓ تمہاری مثال (صحابہ میں) ایسی ہے جیسے ملائکہ میں جبرئیل جو سخت مصیبت اور عذاب اللہ کے دشمنوں پر لاتا ہے اور انبیاء میں جیسے حضرت نوحؑ جنہوں نے کہا تھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا اے رب زمین پر کافروں کے کسی متنفس کو نہ چھوڑ۔ یا جیسے انبیاء میں حضرت موسیٰؑ تھے جنہوں نے کہا تھا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ اے اللہ ان کے مالوں کو یکسر برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں (اور معاینہ عذاب کے بعد ایمان قبول نہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم دونوں متفق الرائے ہوتے تو میں تمہاری رائے کے خلاف نہ کرتا تم لوگ نادار ہو اس لئے ان میں سے کوئی بغیر فدیہ ادا کئے نہیں چھوٹ سکتا یا اس کی گردن ماری جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سہل بن بیضاء کو مستثنیٰ فرما دیجئے میں نے اس کو اسلام کا ذکر کرتے سنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے مجھے آسمان سے اپنے اوپر پتھر برسنے کا اندیشہ اس روز سے زیادہ کبھی نہیں ہوا (کہ میں نے ایک کافر کی سفارش کی) آخر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سہیل بن بیضاء مستثنیٰ ہے۔ دوسرا دن ہوا تو حضرت عمرؓ صبح ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ رو رہے ہیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ رونے کی کیا وجہ ہے بتائیے اگر میں بھی رو سکا تو روؤں گا۔ ورنہ آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونی شکل بنا لوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن خطاب کی رائے کے خلاف کرنے سے ہم پر دردناک عذاب آنے والا ہی تھا اگر عذاب آ جاتا تو ابن خطاب کے علاوہ عذاب سے کوئی بھی نہ بچتا۔ ایک قریب کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس درخت سے بھی زیادہ نزدیک عذاب جو تم لوگوں پر آنے والا تھا مجھے دکھایا گیا (مگر اللہ نے وہ عذاب ٹال دیا) اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ

نبی کے لئے زیبا نہیں کہ اس کے قیدی باقی رہیں وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۶۷﴾
جب تک کہ وہ اچھی طرح زمین میں (کفار کی) خون ریزی نہ کرلے تم تو دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی مصلحت کو چاہتا ہے اور اللہ زبردست قوت والا بڑی حکمت والا ہے۔ لہ

یثخن فی الارض یعنی خوب قتل کرے کافروں کو کمزور اور کفر کو ذلیل کردے۔ اثخنته المرض مرض نے اس کو سست کر دیا۔ آیت میں مفعول محذوف ہے۔ یعنی یثخن الاسری قیدیوں کو خوب قتل کرے قاموس میں ہے اثخن فلانا فلاں شخص کو کمزور کر دیا اثخن فی العدو دشمن کو خوب زخمی کیا۔ تریدون یعنی اے مسلمانو تم فدیہ لے کر دنیوی متاع حقیر کے خواستگار ہو واللہ یرید الاخرة اور اللہ تمہارے لئے آخرت کا ثواب چاہتا ہے کہ مشرکوں کو قتل کر کے اور اللہ کے دین کی مدد کر کے تم آخرت کا ثواب کماؤ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ واقعہ بدر کے دن کا ہے۔ مسلمان اس زمانہ میں کم تھے جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی اور ان کا اقتدار قوی ہو گیا تو آیت فاما منا بعد واما فداء نازل کر کے اللہ نے حکم مذکورہ منسوخ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو قیدیوں کو قتل کر دیں چاہیں باندی غلام بنالیں چاہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں چاہیں ویسے ہی آزاد کر دیں۔

مسئلہ :۔ علماء کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ امام المسلمین کو قیدیوں کو قتل کر دینے کا اختیار ہے یہ آیت اسی مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کو قتل کرا دیا تھا اور نضر ابن حارث طعیمہ بن عدی اور عقبہ بن ابی معیط کو بھی گرفتاری کے بعد قتل کرا دیا تھا۔ سبیل الرشاد میں ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے کہا محمد ﷺ بچوں کا کون ہے حضور ﷺ نے فرمایا آگ۔ عقبہ کو بقول ابن اسحٰق ابن ابی الافلح نے قتل کیا تھا اور بقول ابن ہشام حضرت علی بن ابی طالبؓ نے۔

مسئلہ :۔ قیدیوں کو غلام بنائے رکھنا باتفاق علماء جائز ہے اس میں کافروں کے شر کا دفعیہ اور مسلمانوں کی مصلحت کی تکمیل ہوتی ہے اسی بناء پر امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کوئی ازخود قیدی کو قتل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ فیصلہ امام کے ہاتھ میں ہے وہ جو مناسب سمجھے کرے ہاں اگر کسی نے ازخود (بغیر امام کی اجازت کے) قیدی کو قتل کر دیا تو اس کو قتل کا تاوان نہیں دینا پڑے گا۔

مسئلہ :۔ قیدیوں کو چھوڑ کر بلا معاوضہ دار الحرب میں بھیج دینا یا تاوان لے کر دار الحرب بھیج دینا یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر لینا یا ذمی بنا کر دار الاسلام میں آزادی کے ساتھ رکھنا یہ شقیں اما منا بعد واما فداء کی ہیں اور علماء کا ان مسائل میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد سفیان ثوری اسحاق (بن راہویہ) حسن اور عطاء کا قول ہے کہ (مفت) چھوڑ دینا یا فدیہ لے کر رہا کرنا یا قیدیوں سے تبادلہ کرنا سب صورتیں جائز ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اوزاعی قتادہ اور ضحاک قائل ہیں کہ مفت احسان رکھ کے چھوڑنا ناجائز ہے۔ مالی معاوضہ لے کر رہا کرنے کے متعلق امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ بھی ناجائز ہے لیکن سیر کبیر میں ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو اسی طرح

لہ قاضی ابو الفضل عیاض نے شفاء میں لکھا ہے کہ آیت ما کان لنبی ان یکون له اسری الخ میں رسول اللہ ﷺ کو کسی قصور کا مجرم اور گناہ کا مرتکب قرار دینا مقصود نہیں ہے بلکہ دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں آپ کی خصوصیت اور برتری کو ظاہر کرنا مقصود ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔
قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ تریدون میں خطاب ان لوگوں کو ہے جن کی خالص غرض وغایت صرف دنیوی ساز و سامان ہے اور مال کی کثرت ہی ان کا مقصد ہے اس میں خطاب نہ رسول اللہ ﷺ کو نہ عام صحابہؓ کو بلکہ ضحاک کی روایت میں آیا ہے کہ جب بدر کے دن مشرک شکست کھا کر بھاگے تو لوگ لڑائی چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اس سے حضرت عمرؓ کو اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں کفار پھر پلٹ کر حملہ نہ کر دیں۔

ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیدیوں کا تبادلہ بھی ایک روایت کی رو سے ناجائز ہے۔ صاحب قدوری وہدایہ نے یہی قول نقل کیا ہے قوی ترین روایت یہ ہے کہ تبادلہ جائز ہے صاحبین کا بھی قول یہی ہے۔

رہا آزاد کر کے ذمی بنا لینا تو امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اہل عراق اور باشندگان شام کو ذمی بنا کر رکھا تھا۔ امام شافعیؒ و امام احمد کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ قیدی ہونے کے بعد وہ مملوک ہو گئے (اور مملوک کو ذمی نہیں بنایا جا سکتا)۔

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر مفت یا مال لے کر یا قیدیوں سے تبادلہ کر کے ان کافروں کو دار الحرب بھیج دیا جائے گا تو کافروں کو قوت حاصل ہو گی اور لوٹ کر وہ دوبارہ ہم سے لڑیں گے۔ موخر الذکر صورت کے عدم جواز کی ایک وجہ یہ ہے کہ کافر قیدیوں کو دار الحرب میں بھیجنا تو ہمارا فعل ہے ہم اپنے اس فعل سے کفر کی اعانت کے مرتکب ہوں گے اور مسلمان قیدی کا کافروں میں قید رہنا یہ اللہ کی طرف سے مسلمان قیدی کا امتحان ہے جس کے مرتکب ہم نہیں (لہٰذا ہم کو تبادلہ کر کے کفر کی اعانت نہ کرنا چاہئے) باقی رہی آیت فلما منا بعد وا ما فداء ا تو یہ آیت منسوخ ہو گئی آیت فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ اور آیت اقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ آیت فدیہ کے حکم کی ناسخ ہیں۔

جمہور کے نزدیک آیت منّ و فدیہ منسوخ نہیں کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی اور ان کا اقتدار قوی ہو گیا تو آیت اما منا بعد واما فداء ا نازل ہوئی رہا آیت اقتلوا المشرکین کا حکم تو ان مشرکوں سے قیدی مراد نہیں ہیں کیونکہ باتفاق علماء قیدیوں کو باندی غلام بنانا جائز ہے (قتل کرنا لازم نہیں) اور امام ابو حنیفہؒ تو ان کو ذمی بنا کر چھوڑ رکھنے کے قائل ہیں (اس لئے ان کے نزدیک تو واجب القتل مشرکوں سے قیدی مراد ہو ہی نہیں سکتے)۔

مسلم نے صحیح میں ابو داؤد نے مسند میں اور ترمذی نے جامع میں حضرت عمران بن حصینؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مسلمانوں کا ایک مشرک (قیدی) سے تبادلہ کیا۔

مسلم اور احمد اور اصحاب السنن الاربعہ نے حضرت سلمہؓ بن اکوع کے حوالہ سے بیان کیا، حضرت سلمہؓ نے کہا رسول اللہ نے حضرت ابو بکرؓ کو ہمارا امیر بنا کر جہاد پر بھیجا ہم نے آپ کے زیر قیادت بنی فزارہ پر لشکر کشی کی جب (بنی فزارہ کے) پانی پر پہنچنے کے لئے ایک گھنٹہ کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابو بکرؓ کے حکم پر ہم نے پڑاؤ کیا پھر آپ نے بنی فزارہ پر حملہ کر دیا اور ان کے پانی پر اتر گئے اور وہاں جس (فزاری) کو مارا جانا تھا مارا گیا میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ جن میں عورتیں اور بچے تھے ایک بلندی کی طرف جا رہے ہیں، مجھے اندیشہ ہوا کہ مجھ سے پہلے یہ پہاڑی پر پہنچ جائیں گے (اور محفوظ ہو جائیں گے) اس لئے میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان حائل ہو کر ان پر تیر برسانا شروع کئے جب انہوں نے تیر (برستے) دیکھے تو رک گئے اور میں ان کو ہنکاتا لے آیا ان میں بنی فزارہ کی ایک عورت بھی تھی جس کے ساتھ عرب کی حسین ترین ایک لڑکی تھی۔ میں ان کو ہنکاتا ہوا حضرت ابو بکر تک لے آیا حضرت ابو بکرؓ نے وہ لڑکی مجھے عنایت کر دی پھر ہم مدینہ کو آ گئے مگر (راستہ میں) میں نے اس لڑکی کا کپڑا تک نہیں کھولا۔ بازار میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات مجھ سے ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا سلمہؓ یہ عورت مجھے دے دے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو مجھے پسند ہے اور میں نے اب تک اس کا کپڑا ابھی نہیں کھولا ہے حضور ﷺ خاموش ہو گئے اور دوسرا دن ہوا تو پھر بازار میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی اور حضور ﷺ نے فرمایا سلمہ اللہ تیرا بھلا کرے یہ عورت مجھے دے دے میں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کے لئے ہے میں نے اس کا کپڑا ابھی نہیں کھولا ہے۔ حضور ﷺ نے اس عورت کو مکہ بھیج دیا اور مکہ میں جو مسلمان قیدی تھے اس کے عوض ان قیدیوں کو رہا کرا لیا ابن اسحاق اور ابو داؤد نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب مکہ والوں نے اپنے قیدیوں کا زر فدیہ بھیجا تو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ نے بھی اپنے شوہر ابو العاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ان کو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا اس ہار کو دیکھ کر رسول اللہ

ﷺ پر سخت رقت طاری ہو گئی اور صحابہؓ سے فرمایا اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کے قیدی کو چھوڑ دو اور جو چیز اس نے بھیجی ہے اس کو بھی واپس کر دو۔ صحابہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حاکم کی صحیح روایت میں اتنا زائد آیا ہے کہ ابو العاص کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ نے اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ حضرت زینبؓ کو بھیج دے اس نے وعدہ کے مطابق عمل کیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ منجملہ ان لوگوں کے جن کو رسول اللہ ﷺ نے بلا معاوضہ رہا کیا تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا قیدی مطلب بن حنطب بھی تھا اور ابو عزہ جمحی بھی تھا یہ محتاج آدمی تھا اور اس کی چند لڑکیاں تھیں رسول اللہ ﷺ سے اس نے اپنی عیالداری اور ناداری کا عذر پیش کر کے رہائی کی درخواست کی تھی حضور ﷺ نے اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ کسی کی مدد میرے خلاف نہ کرنا اس نے چند اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی مدح بھی کی تھی لیکن احد میں مشرکوں کا شریک ہو کر پھر یہ لڑنے آیا۔ آخر گرفتار کر لیا گیا رسول اللہ ﷺ سے پھر اس نے معافی کی درخواست کی حضور ﷺ نے فرمایا اب تیرے رخسار مکہ کی خاک کو نہیں چھو سکتے کہ تو مکہ پہنچ کر کہے میں محمد ﷺ کو دوبار جل دے آیا اس کے بعد حضور ﷺ نے اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔

سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کو جن کے پاس مال نہ تھا رسول اللہ ﷺ نے بلا معاوضہ رہا کر دیا اور جن لوگوں سے زر فدیہ وصول کیا اس کی مقدار فی کس ایک ہزار سے چار ہزار تک وصول کی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان لوگوں کے متعلق مجھ سے درخواست کرتا تو اس کی وجہ سے میں ان کو (بلا معاوضہ چھوڑ دیتا)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سوار یمامہ کی جانب روانہ کئے وہ بنی حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے جس کو ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا۔ صحابہ نے اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ تیرے پاس کیا ہے ثمامہ نے جواب دیا بھلائی۔ محمد ﷺ اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو خونی کو قتل کرو گے اگر کرم کر کے چھوڑ دو گے تو شکر گزار پر کرم کرو گے اگر تم مال چاہتے ہو تو جتنا چاہو طلب کر لو رسول اللہ ﷺ اس کو یوں ہی چھوڑ کر تشریف لے گئے دوسرا دن ہوا تو پھر تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ کیا خیال ہے ثمامہ نے گزشتہ جواب کی طرح جواب دیا حضورؐ چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ تیسرا روز ہوا تو پھر تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ تیرا کیا خیال ہے ثمامہ نے جواب دیا میرا خیال وہی ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو صحابہؓ نے کھول دیا مسجد کے پاس ہی کچھ کھجور کے درخت تھے وہاں جا کر ثمامہ نے غسل کیا پھر مسجد میں آیا اور کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ محمد ﷺ خدا کی قسم روئے زمین پر کسی کی صورت سے مجھے اتنی نفرت نہ تھی جتنی آپ کی صورت سے تھی مگر اب آپ کا چہرہ تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب ہے خدا کی قسم کسی دین سے مجھے اتنی نفرت نہ تھی جتنی کہ آپ ﷺ کے دین سے تھی مگر اب آپ کا مذہب تمام مذاہب سے زیادہ پیارا ہو گیا آپ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ میرے لئے قابل نفرت تھا مگر اب تمام شہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہو گیا میں عمرہ کرنے جا رہا تھا کہ آپ کے سواروں نے پکڑ لیا اب آپ کا کیا حکم ہے رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ کو بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب ثمامہ مکہ پہنچے تو ایک شخص نے کہا کیا تم بے دین ہو گئے ثمامہ نے کہا نہیں میں اسلام لے آیا آئندہ خدا کی قسم رسول اللہ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہیں پہنچے گا۔

امام احمد نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق لوگوں سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا اللہ نے ان پر تم کو قابو عطا فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کی گردنیں مار دیجئے۔ حضور نے ان کے مشورہ کی طرف توجہ نہ دی حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا مناسب یہ ہے کہ آپ ان سے درگزر فرمائیں اور فدیہ قبول کر لیں رسول اللہ ﷺ نے (حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ کی موافق) ان کو معاف کر دیا اور فدیہ قبول کر لیا اس پر اللہ نے نازل فرمایا۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا تو جو چیز تم نے اختیار کی ہے اس کے متعلق تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہو جاتی۔

یعنی اللہ جب کسی قوم کو ہدایت کرتا ہے تو جب تک ممنوعات کو کھول کر نہیں بیان کر دیتا ان ممنوعات کا ارتکاب کرنے والوں کو نہ گمراہ قرار دیتا ہے نہ ان کو عذاب دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ منع کرنے سے پہلے کسی عمل کے مرتکب کا مواخذہ نہیں کرتا اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم پر عذاب آجاتا حسن مجاہد اور سعید بن جبیر نے آیت کا تفسیری مطلب یہ ہی بیان کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا آسمان سے ایک آگ آتی تھی جو مال غنیمت کو کھا جاتی تھی۔

بدر کے مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے حالانکہ اس وقت تک ان کے لئے مال غنیمت کی حلت نہیں ہوئی تھی اس پر اللہ نے آیت لولا کتاب من اللہ الخ نازل فرمائی۔ مطلب یہ کہ اللہ نے لوح محفوظ میں پہلے سے لکھ دیا تھا کہ مال غنیمت تمہارے لئے حلال کر دیا جائے گا اگر یہ سابق کا لکھا ہوا حکم نہ ہوتا تو تم پر عذاب آجاتا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان کردہ تفسیری مطلب اسی طرح روایت میں آیا ہے بعض نے توضیح مطلب اس طرح کی ہے کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر دینے سے دوسرے کافروں پر ہیبت پڑتی اور اسلام کی قوت کا مظاہرہ ہوتا یہ بات مسلمانوں نے نہیں سمجھی بلکہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ اگر معاوضہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے گا تو دو فائدے ہوں گے ایک یہ کہ قیدی زندہ رہیں گے اور آئندہ مسلمان ہو سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جن لوگوں کو چھوڑ دیا گیا تھا آئندہ ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے دوسرا فائدہ یہ کہ مال مل جائے گا تو مسلمانوں کی جہادی طاقت قوی ہو جائے گی (اسلحہ اور گھوڑے خریدیں گے) یہ مسلمانوں کی اجتہادی غلطی تھی اسی کے متعلق آیت میں فرمایا گیا ہے لوح محفوظ میں اللہ نے پہلے سے لکھ دیا تھا کہ اجتہادی غلطی کرنے والے پر عذاب نہ ہوگا اگر یہ سابقہ فیصلہ نہ ہوتا تو عذاب آجاتا۔

بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ لوح محفوظ میں پہلے سے ہی اللہ نے لکھ دیا تھا کہ اہل بدر پر عذاب نازل نہیں کرے گا اگر یہ سابقہ فیصلہ نہ ہوا ہوتا تو تم پر عذاب آجاتا فیما اخذتم یعنی تم لوگوں نے اللہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے محض اپنی صوابدید پر جو قیدیوں کا فدیہ لے لیا اس بناء پر تم پر عذاب آجاتا یا یہ مطلب کہ حلال ہونے اور اللہ کی طرف سے حکم نازل ہونے سے پہلے جو تم نے مال غنیمت لے لیا اس وجہ سے تم پر عذاب آجاتا۔ [1]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جتنے لوگ وہاں حاضر تھے ان میں سے سوائے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت سعد بن معاذ کے کوئی مال فدیہ کو ناپسند نہیں کرتا تھا حضرت عمر نے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ

---

[1] بعض لوگوں کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان قرآن پر نہ ہوتا جو سابق کتاب ہے اور اس پر ایمان لانے کی وجہ سے تم درگزر کے مستحق ہو گئے ہو تو تم پر عذاب آجاتا یعنی اگر تم قرآن کو ماننے والے نہ ہوتے اگر اس گروہ میں نہ ہوتے جس کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے (اور گزشتہ اقوام میں سے ہوتے) تو تم پر عذاب آجاتا ان تمام تاویلات و توجیہات سے ثابت ہوتا ہے کہ مال غنیمت لینے والوں نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا کوئی نافرمانی نہیں کی۔ قاضی ابو بکر بن علاء نے کہا کہ اس آیت میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ مال غنیمت اور فدیہ کے حلال ہونے کا جو حکم اللہ نے پہلے سے لکھ دیا تھا اللہ کے پیغمبر کی نظر رسا اس کے مطابق واقع ہوئی بدر کے واقعہ سے ایک سال پہلے بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہو گیا تھا کہ عبداللہ بن جحش کے جہادی دستہ میں جس میں ابن حضرمی کا قتل ہوا رسول اللہ ﷺ نے فدیہ لے لیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ لے کر چھوڑ دینا سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا جیسے اس سے پہلے بھی حضور ﷺ نے کیا تھا اور اللہ نے اظہار ناراضگی نہیں کیا تھا پس بدر کا کیس بھی ناراضگی کے قابل نہ تھا اس کا ذکر کرنے سے ناراضگی اور عتاب کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ چونکہ عظیم الشان تھا بہت قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا تھا اس لئے بطور منت نبی ذکر کر دیا اور مؤکد طور پر بتا دیا کہ اس چیز کی حلت پہلے سے ہی لوح محفوظ میں لکھ دی گئی تھی اور تم پر یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

دیا تھا اور حضرت سعد بن معاذ نے بھی عرض کیا تھا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ و آلہ و سلم) خوب خونریزی کرنی میرے نزدیک ان لوگوں کو باقی رکھنے سے اچھی ہے اس لئے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر آسمان سے عذاب آ جاتا تو سوائے عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے اور کوئی نہ بچتا۔

ابن ابی شیبہ ترمذی نسائی ابن سعد ابن جریر ابن حبان اور حاکم نے حضرت علی کی روایت سے لکھا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ حضرت جبرئیل نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا محمد تمہاری قوم نے جو قیدیوں کا فدیہ لے لیا ان کی یہ حرکت اللہ کو ناپسند ہوئی اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اپنی قوم کو دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دے دو تو وہ آگے بڑھ کر ان قیدیوں کی گردنیں ماردیں یا ان کا فدیہ لے لیں لیکن فدیہ لینے کی شرط یہ ہے کہ قیدیوں کی گنتی کی برابر تمہاری قوم کے آدمی (آئندہ) مارے جائیں گے رسول اللہ نے لوگوں کو بلوا کر ان سے اس حکم کا ذکر کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قیدی تو ہمارا خاندانی کنبہ ہیں ہمارے بھائی ہیں ہم ان سے فدیہ اس لئے لے رہے ہیں کہ دشمنوں کے مقابلے میں ہم کو اسلحہ وغیرہ کی قوت حاصل ہو جائے اب اگر ان لوگوں کی گنتی کے برابر ہمارے آدمی شہید ہو جائیں تو ہم اس بات کو برا نہیں سمجھتے (چنانچہ آئندہ جنگ احد میں ستر صحابی شہید ہو گئے) [1]

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت سابقہ کے نزول کے بعد فدیہ کا مال لینے سے صحابہ نے ہاتھ روک لئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾ سو جو کچھ تم نے ع ٥ ٩

لے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ (کے حکم کی خلاف ورزی) سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

یعنی تم نے جو فدیہ اور مال غنیمت لے لیا ہے اب اللہ نے اس کو تمہارے لئے مباح کر دیا (اب اس کو کھا سکتے ہو) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے چھ خصوصیات عطا فرما کر دوسرے انبیاء پر برتری دی گئی ہے ان چھ خصوصیات میں آپ نے ایک خصوصیت یہ ذکر فرمائی کہ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ طبرانی نے صحیح سند سے سائب بن یزید کی روایت سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت پانچ خصوصیات دے کر عطا کی گئی اور میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا جب کہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا بیہقی نے صحیح سند سے بروایت ابو امامہ یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس میں پانچ کی جگہ چار کا لفظ ہے طبرانی نے حضرت ابو درداء کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا اللہ نے ہماری کمزوری اور ناداری کو دیکھ کر ہمارے لئے اس کو پاک بنا دیا۔

---

[1] قاضی ابو الفضل عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ (اجازت دونوں باتوں کی تھی صرف صحیح اور اصح یعنی غیر اولیٰ اور اولیٰ کا فرق تھا) صحابہ نے کوئی کام خلاف اذن نہیں کیا تھا صرف بعض لوگوں نے فدیہ لینے کو جو غیر اولیٰ تھا قتل و خونریزی پر جو اولیٰ فعل تھا ترجیح دی تھی اور اولیٰ کو ترک کیا تھا اولیٰ عمل کو ترک کرنے پر ہی ان کو عتاب کیا گیا بعض کو اختیار غیر اولیٰ اور بعض کو اختیار اولیٰ پر متنبہ کیا۔ بہر حال نافرمانی کسی نے نہیں کی تھی طبری نے بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے اس قصہ میں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آسمان سے عذاب آ جاتا تو اس سے سوائے عمر کے اور کوئی نہ بچتا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور انہی کے ہم خیال لوگوں کی رائے صحیح تھی حضرت عمر کا نام تعیین کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ہی قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا خلاصہ یہ کہ اس فعل نے عذاب کا مستحق تو بنا دیا تھا مگر تقدیر سابقہ میں چونکہ فدیہ لینا حلال کر دیا گیا تھا اس لئے عذاب نازل نہ ہوا کیونکہ عذاب کا نزول مقدر ہی نہ تھا۔

داؤدی کا قول ہے اول تو یہ خبر ثابت نہیں اور ثابت بھی ہو تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیز کا حکم دیا تھا جس کی اللہ کی طرف سے کوئی نص نہ تھی اللہ نے اپنے رسول کے لئے اس بات سے (یعنی از خود کوئی دینی حکم دینے سے) پاک ہونے کا اظہار کر دیا ہے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی بدر کے دن گرفتار کر لئے گئے تھے آپ ان دس میں سے ایک تھے جنہوں نے بدر والے کافروں کے کھانے کا ذمہ لیا تھا خاص بدر کے دن سب (قریش اور دوسرے کافروں) کو کھانا کھلانے کی آپ کی باری تھی آپ بیس اوقیہ سونا کھانا کھلانے کے لئے لے کر آئے تھے جب بدر کے دن جنگ ہوگئی تو وہ سونا حضرت عباسؓ کے پاس رہ گیا اور جب گرفتار ہوئے تو وہ سونا بھی آپ کے پاس ہی تھا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ یہ بیس اوقیہ میرے زر فدیہ میں محسوب کر لیا جائے حضور صلعم نے انکار کر دیا اور فرمایا جو چیز تم (اسلام کے خلاف) کام میں لانے کے لئے لے کر نکلے ہو میں اس کو تمہارے لئے نہیں چھوڑوں گا (یعنی زر فدیہ میں شمار نہیں کروں گا) حضرت عباسؓ کو مجبور کیا گیا کہ اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ ادا کریں حضرت عباسؓ نے عرض کیا محمد ﷺ تم نے مجھے ایسا کر کے چھوڑا ہے کہ جب تک زندہ رہوں قریش کے سامنے بھیک مانگتا پھروں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو وہ سونا کیا ہوا جو مکہ سے چلتے وقت تم ام الفضل کو دے آئے تھے اور یہ کہہ آئے تھے معلوم نہیں مجھے کیا پیش آئے اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ سونا تمہارا اور عبداللہ اور عبیداللہ اور فضل اور قثم کے لئے موجود ہے یعنی حضرت عباس کے چاروں بیٹوں کے لئے حضرت عباسؓ نے عرض کیا آپ کو کس نے بتایا حضور ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے بتایا حضرت عباسؓ فوراً بول اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عبدہٗ ورسولہ سوائے اللہ کے اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم بیہقی ابو نعیم اسحاق بن راہویہ طبرانی اور ابو الشیخ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق و ابو نعیم نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن ستر قیدی گرفتار کئے ان میں حضرت عباسؓ اور عقیل بھی تھے اور ان پر چالیس اوقیہ سونا زر فدیہ مقرر کیا بیہقی نے اسماعیل بن عباد الرحمن کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ اور عقیل اور نوفل اور ان کے بھائی کا زر فدیہ چار سو دینار تھا ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بدر کے ہر قیدی کے فدیہ سے زیادہ حضرت عباس کا فدیہ تھا تھا آپ کا زر فدیہ ایک سو اوقیہ سونا تھا۔

ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے کافروں کا فدیہ (فی کس) چار سو مقرر کیا تھا حضرت عباسؓ نے عرض کیا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مال کیا ہوا جو تم ام فضل کو دے کر آئے تھے اور یہ کہہ کر آئے تھے کہ اس سفر میں اگر مجھ پر کوئی افتاد پڑے تو یہ میرے بیٹوں فضل اور عبداللہ اور قثم کا ہے حضرت عباسؓ نے عرض کیا واللہ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ بلاشک اللہ کے رسول ہیں اس چیز سے تو سوائے میرے اور ام فضل کے اور کوئی واقف ہی نہ تھا سعید بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ پر چار سو اوقیہ (زر) فدیہ مقرر کیا تھا کچھ لوگوں نے چالیس کہا ہے اور عقیل پر اسی اوقیہ حضرت عباسؓ نے عرض کیا آپ نے مجھے عمر بھر کے لئے قریش میں سب سے محتاج کر کے چھوڑ دیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اے نبی ﷺ تم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں کے اندر بہتری معلوم ہوئی تو تم سے جو کچھ لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو اللہ عنایت کر دے گا اور تمہارے قصور معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ بدر کے قیدیوں کی ایک جماعت نے جس میں حضرت عباسؓ بھی شامل تھے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ہم تو مسلمان تھے مجبوری کے زیر اثر ہم (مقابلہ پر) آئے تھے ہم سے فدیہ کیوں لیا جارہا ہے اس پر آیت یاایھا النبی نازل ہوئی۔

فی قلوبکم خیرا میں خیر سے مراد ہے ایمان اور اخلاص یؤتکم خیرا سے یہ مراد ہے کہ جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے اس سے چند گنا دنیا میں اور ثواب آخرت میں عنایت کرے گا۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ نے فرمایا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور درخواست کی کہ جو بیس اوقیہ سونا میرے پاس نکلا اس کو حساب میں لگا لیا جائے تو خدا کی قسم یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے اس سونے کے عوض مجھے بیس غلام عنایت کردے جن میں سے ہر ایک میرے سرمایہ سے تجارت کرتا ہے (اور کل نفع مجھے ملتا ہے) اسی کے ساتھ میں اللہ سے مغفرت کا بھی امیدوار ہوں۔

بغوی نے حضرت عباس کا قول اس طرح نقل کیا ہے اللہ نے اس کے عوض مجھے بیس غلام عنایت فرمادیئے کہ سب کے سب تاجر ہیں اور کثیر مال کماتے ہیں ہر ایک کم سے کم بیس ہزار درہم بجائے بیس اوقیہ کے کماتا ہے اور اللہ نے مجھے زمزم (کی تولیت) بھی عنایت کردی ہے جس کے مقابلہ میں مجھے مکہ کا سارا مال بھی پسند نہیں اور مجھے اپنے رب سے مغفرت کی امید بھی لگی ہوئی ہے۔

سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت حضرت عباسؓ نے فرمایا کاش مجھ سے اس مال سے جو آپ نے لیا ہے کئی گنا زیادہ لیا ہوتا کیونکہ اللہ نے مجھے اس مال سے بہتر عنایت کردیا یعنی چالیس غلام عنایت کردے جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں (میرا) مال ہے جس سے وہ کمائی کرتا ہے اور وہ کمائی میری ہوتی ہے) اور مجھے اللہ سے مغفرت کی امید بھی لگی ہوئی ہے۔

بخاری اور ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بحرین سے کچھ مال آیا آپ نے حکم دیا اس کو مسجد میں پھیلا دو (یعنی یونہی بے قدری کے ساتھ ڈال دو) اتنے میں حضرت عباس آگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (مجھے اس میں سے) عنایت کیجئے میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لے لو حضرت عباسؓ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا کپڑا بھر لیا اور جب اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکے کہنے لگے کسی کو اٹھوانے کا حکم دے دیجئے۔ حضور صلعم نے فرمایا نہیں حضرت عباسؓ نے کہا تو آپ اٹھوا دیجئے حضورؐ نے فرمایا نہیں حضرت عباسؓ نے (مجبورا) کچھ حصہ نکال دیا اور اٹھا کر کاندھے پر رکھ کر لے گئے اور جاتے میں کہنے لگے اللہ نے جو وعدہ فرمایا تھا میں وہی لے رہا ہوں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کردیا رسول اللہ ﷺ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھے جب تک وہاں ایک درہم بھی رہا۔

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾

اور اگر وہ آپ سے فریب کرنا چاہیں گے تو (پرواہ نہ کرو) اس سے پہلے بھی وہ اللہ سے خیانت کر چکے اور ان کو اللہ نے (آپ کے) قابو میں دے دیا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

یعنی فدیہ دے کر یا مفت قید سے چھوٹ کر اگر وہ بد عہدی اور پیمان شکنی کریں گے (تو عہد شکنی کا وبال انہی پر پڑے گا) اس کا ثبوت یہ ہے کہ عہد الست کو انہوں نے اس سے پہلے توڑ دیا کفر و شرک میں مبتلا ہو کر یا یہ مراد ہے کہ عقل عطا فرما کر جو ان سے (فطری) عہد لیا گیا اس کو انہوں نے توڑ دیا آخر اللہ نے ان پر آپ کو قابو عنایت کردیا اب اگر دوبارہ یہ عہد شکنی کریں گے تو ہم دوبارہ ان کو آپ کے قابو میں دے دیں گے ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو عزہ جمحی کو بدر کے دن بغیر فدیہ لئے اپنی عنایت سے رہا کردیا اور اس سے وعدہ لے لیا کہ ہمارے خلاف کسی مشرک کی آئندہ مدد نہ کرنا لیکن احد کی جنگ میں وہ مشرکوں کے ساتھ ہو کر آیا۔ آخر گرفتار کرلیا گیا اور رسول اللہ نے پکڑوا کر اس کو قتل کرادیا۔

واللہ علیم حکیم یعنی اللہ ان کے دلوں کے خیالات اور ارادہ سے واقف ہے اور اس کے افعال پر حکمت اور مبنی بر مصلحت ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جان

ومال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے (مہاجرین کو) رہنے کو جگہ دی اور (ان کی) مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

ھاجروا یعنی جنہوں نے اپنی قوم کو اور اپنے گھروں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں چھوڑا مطلب یہ کہ جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی۔ وجاھدوا باموالھم یعنی اسلحہ اور گھوڑوں کے خریدنے اور دوسری دینی ضرورتوں میں مال کو صرف کیا۔ والذین آووا اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مہاجر ساتھیوں کو اپنے گھروں کے اندر مدینہ میں جگہ دی اور ٹھہرایا۔

ونصروا اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی مدد کی (اول گروہ سے مراد مہاجرین ہیں اور) ان سے مراد انصار ہیں۔ اولئک بعضھم اولیاء بعض یہ سب باہم دوست ہیں کافروں کے دوست نہیں خواہ وہ ان کے (خاندان اور رشتہ کے اعتبار سے) قرابتدار ہی ہوں لہٰذا مومنوں کے لئے کافروں سے (قلبی) دوستی کرنی جائز نہیں نہ ان کی مدد کرنی جائز ہے خواہ کفار ان کے باپ دادا یا بیٹے پوتے یا چچا ماموں ہوں یا ان کے کنبہ اور قبیلہ والے ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول میراث کے متعلق ہوا مہاجرین آپس میں وارث ہوتے تھے۔ مسلم غیر مہاجر مسلم مہاجر کا وارث نہیں ہوتا تھا خواہ وہ اس کا قرابتدار ہی ہوتا گویا باہم توارث کی بنیاد ہجرت تھی (اسلام نہ تھا) لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور ہجرت کا حکم ختم ہو گیا تو پھر مہاجر، غیر مہاجر باہم وارث ہونے لگے اور قرابت وارثت کی بنیاد قرار پائی اور اس آیت کے حکم کو اللہ نے آیت واولوالارحام بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ سے منسوخ کر دیا۔

میرے نزدیک اگر آیت زیر تفسیر کو میراث کے متعلق ہی قرار دیا جائے تب بھی یہ منسوخ نہیں ہے ناسخ منسوخ کا حکم تو اس وقت ہو گا جب (دونوں آیتوں میں ایسا تضاد ہو جس کو دور کرنا ممکن نہ ہو حضرت ابن عباسؓ نے جو یہ فرمایا کہ مہاجرین وانصار باہم وارث ہوتے تھے قرابتدار وارث نہیں ہوتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرابتدار کافر مہاجرین کے وارث نہیں ہوتے تھے کیونکہ دونوں میں دینی اختلاف تھا (اور اختلاف دین اب بھی میراث سے مانع ہے اور مومن غیر مہاجر اپنے قرابت دار مومن مہاجر کا وارث نہ ہوتا تھا کیونکہ وطنیت اور دار کا اختلاف تھا (ایک دار الحرب کا دوسرا دار الاسلام کا رہنے والا تھا اور اختلاف دار مانع میراث اب بھی ہے) آخر جب مکہ فتح ہو گیا اور دار الاسلام بن گیا اور ہجرت کا حکم ختم ہو گیا اور اہل مکہ مسلمان ہو گئے تو (اختلاف دین بھی جاتا رہا اور اختلاف دار بھی لہٰذا) باہم قرابتدار وارث ہونے لگے رہی یہ بات کہ انصاری مہاجر کا وارث ہوتا تھا تو ایسا ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ دونوں کے درمیان موالات کا معاہدہ تھا اور اب بھی اگر میراث سے کوئی امر مانع نہ ہو اور کوئی نسبی یا سببی وارث نہ ہو تو عقد موالات اب بھی موجب میراث ہے امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے عقد موالات کا موجب ارث ہونا منسوخ نہیں ہوا

ایک امر باقی رہتا ہے کہ انصاری مہاجر کا یا مہاجر انصاری کا ایسی صورت میں وارث ہوتا تھا کہ قرابتدار مومن مدینہ میں موجود ہو اور عقد موالات کے تحت انصاری اور مہاجر باہم وارث ہوں قرابت دار وارث نہ ہوں تو یہ بات روایت سے ثابت نہیں نہ آیت اس مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾ اور جو لوگ ایمان (تو) لے آئے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں تاوقتیکہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد طلب کریں تو تمہارے ذمے ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ جن سے تمہارا معاہدہ (صلح) ہو اور اللہ بلاشک تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

مالکم من ولایتھم چونکہ فریضہ ہجرت کو (باوجود قادر ہونے کے) ترک کرنے والا مومن فاسق ہے اس لئے غیر مہاجر مومن کی دوستی کی نفی کر دی جو بظاہر نفی ہے مگر مراد نہی ہے (یعنی غیر مہاجر سے دوستی مت کرو) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاسق مسلمان کی دوستی صالح مومن کے لئے اس وقت تک زیبا نہیں جب تک وہ توبہ نہ کرلے اور اگر ولایت سے مراد میراث

ہو تو میراث کی نفی ہو جائے گی اس سے یہ نتیجہ مستفاد ہو گا کہ اختلاف دارین میراث سے مانع ہے۔

وان استنصروکم یعنی اگر غیر مہاجر مومن حربی دشمنوں کے مقابلہ میں تم سے دینی مدد کے خواستگار ہوں تو ان کی مدد کرنی تم پر واجب ہے۔ الا علی قوم ہاں جس (کافر) قوم سے تمہارا معاہدہ (صلح) ہو تو اس کے خلاف مدد کرنی درست نہیں عہد شکنی جائز نہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل کی مدد نہیں کی یہ قصہ تفصیل کے ساتھ سورت فتح میں ذکر کر دیا گیا ہے

واللہ بما تعملون بصیر اس آیت میں حدود شرح سے تجاوز کرنے کی ممانعت اور بازداشت ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اور وہ جو کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں مقصد یہ ہے کہ کافروں سے دوستی کرنی اور (مسلمانوں کے خلاف) ان کی مدد کرنی مومنوں کے لئے جائز نہیں۔ حضرت اسامہ بن زید کی روایت سے بخاری و مسلم نے صحیحین میں اور اصحاب السنن نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلم کا سورۂ نساء میں آیت میراث کی تفسیر میں ہم نے اس کی توضیح کر دی ہے۔

مسئلہ :۔ مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کچھ حربی کافر دار الحرب میں کسی کافر بستی پر حملہ کر دیں اور اس بستی کے باشندوں کو لوٹیں اور وہاں کافر بھی رہتے ہوں اور مستامن مسلمان بھی تو مسلمانوں کے لئے بستی والے کافروں کی مدد کرنی جائز نہیں ہاں اگر اپنے جان و مال کا اندیشہ ہو تو حملہ کرنے والوں سے مقابلہ کرنا جائز ہے کیونکہ لڑائی میں مقابلہ کرنے کا معنی ہے اپنی جان دینے کے لئے تیار ہو جانا اور مسلمان کی جان صرف اللہ کا بول بالا کرنے اور دین کی عزت کو قائم رکھنے کے لئے دی جاسکتی ہے یا اپنے اوپر سے ضرر کو دفع کرنے کے لئے اگر اپنی جان و مال کا اندیشہ نہ ہو تو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ بستی کے کافروں کی حملہ کرنے والے کافروں کے مقابلہ میں مدد کرے کافروں کی حمایت میں جان دینا درست نہیں۔

مسئلہ :۔ اگر دار الحرب میں کافروں کے ساتھ کچھ مسلمان بھی امن کا معاہدہ کر کے رہتے ہوں اور یہ کافر دار الحرب سے باہر کسی مسلمان گروہ پر حملہ کر کے ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لائیں اور قیدیوں کو لے کر بستی والے مسلمانوں کی طرف سے گزریں تو اس بستی کے مسلمان باشندوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہم وطن لٹیروں سے لڑ کر مسلمان قیدیوں کو رہا کرائیں خواہ یہ قیدی خارجی ہی ہوں کیونکہ مسلمانوں کو قید کرنے سے یہ کافر مسلمانوں کے مالک نہیں بن جاتے اب اگر کافروں کے قبضہ میں مسلمانوں کو رہنے دیا جائے گا تو یہ ظلم کی حمایت ہو گی ہاں اگر مسلمانوں کا صرف مال لوٹ کر لائے ہوں تو چونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حربی کافر مسلمانوں سے لوٹے ہوئے مال کے مالک بن جاتے ہیں اور بستی میں رہنے والے مسلمانوں نے ان سے معاہدہ کر لیا ہے کہ جس مال پر تم قابض ہو گے اس سے تعرض نہیں کریں گے اس لئے دار الاسلام سے لوٹے ہوئے مال کو چھڑوانے کے لئے اپنے وطنی حربی کافروں سے جنگ جائز نہیں۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بگاڑ ہو جائے گا یعنی تم کو جو باہمی امداد و حمایت کرنے اور کافروں سے تعلقات منقطع کرنے یہاں تک کہ میراثی سلسلہ توڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے اگر اس کی تعمیل نہ کرو گے (اور باہم امداد نہ کرو گے یا کافروں کی حمایت کرو گے) تو ملک میں ایک فتنہ یعنی کفر کا غلبہ پیدا ہو جائے گا اور بڑا بگاڑ ہو جائے گا۔ یعنی جہاد ترک کرنے اور کافر و مومن کے اختلاط رکھنے کی وجہ سے اسلام کمزور ہو جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا (یعنی مہاجرین و مجاہدین) اور وہ لوگ جنہوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہی سب لوگ حقیقی مومن ہیں یعنی پکے ایمان والے ہیں اپنے مسلمان ہونے کے دعوے میں سچے ہیں انہوں نے ہی ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا ہجرت کی راہ خدا میں جان و مال صرف کیا اور حق کی مدد کی ان کے برخلاف وہ لوگ ہیں جو مسلمان ہو گئے مگر نہ ہجرت کی نہ جہاد کیا۔ ان کو اگرچہ مومن کہنا صحیح تو ہے اللہ نے فرمایا والذین

آمنوولم یہاجروا لیکن ان کا ایمان کامل نہیں ان کی سچائی عمل سے ثابت نہیں ہو سکی۔ ان کے ایمان میں نفاق کا احتمال ہے۔ بظاہر آیات میں تکرار نظر آرہی ہے لیکن حقیقت میں تکرار نہیں پہلی آیت میں باہم امداد کرنے اور تعلقات مضبوط کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس جگہ ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی دونوں جگہ مقصد جدا جدا ہے پھر اس سے اگلے جملہ میں ان سے رزق و ثواب کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے ارشاد ہوا ہے۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت ہے اور (جنت میں) بڑی عزت کی روزی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام اپنے سے پہلے (کے جرائم کو) کو ڈھاتا ہے اور ہجرت بھی پہلے (گناہوں) کو ڈھادیتی ہے حضرت عمرو بن عاص کی روایت سے یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

صلح حدیبیہ سے پہلے جن مسلمانوں نے پہلی ہجرت کی وہ مہاجرین سابقین کہلاتے ہیں اور جنہوں نے حدیبیہ کے بعد ہجرت کی وہ دوسری ہجرت والے کہلاتے ہیں اور جن لوگوں نے ایک بار گھر چھوڑ کر حبش کو چلے گئے اور دوسری بار مدینہ گئے وہ دو ہجرت والے کہلاتے ہیں انہی میں سے حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفر طیار بھی تھے پہلی ہجرت والوں کا ذکر اوپر کی آیت میں کر دیا دوسری ہجرت والوں کا تذکرہ ذیل کی آیت میں کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ اور جو لوگ (صلح حدیبیہ کے) بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ لوگ تم میں سے ہی ہیں مہاجرین اولین اور انصار کو خطاب ہے کہ دوسری ہجرت کرنے والے مجاہدین بھی تم ہی میں سے ہیں ان کا شمار بھی تم میں سے ہے وہ بھی تمہاری جنس میں سے ہیں تم آپس میں دوست ہو اور ایک دوسرے کی میراث کا وارث ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اور (مسلمانوں میں) جو لوگ قرابتدار ہیں (وہ میراث اور صلہ الرحم کے استحقاق میں قرابت نسب نہ رکھنے والوں کے مقابلہ میں) باہم زیادہ قرب رکھتے ہیں اللہ کے فیصلہ اور حکم میں یا لوح محفوظ میں یونہی ہے بلا شبہ اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ قرابت اسلام اور نکاح سے میراث کو وابستہ کرنے کی حکمت کا بھی اسی کو علم ہے۔

اس آیت کا مضمون سابق آیت کے خلاف نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا اگر کوئی قرابتدار مسلمان ہو تو قرابت نہ رکھنے والے مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ قرابتدار مسلمان میراث کا زیادہ مستحق ہے اب اگر وہ ان قرابتداروں میں سے ہو جن کا ذکر سورت نساء کی آیت میراث میں کیا گیا ہے تو وہ حسب تقسیم خداوندی میراث کا مستحق ہوگا اور اگر ان میں سے نہ ہو بلکہ اور دور پرے کا کوئی رشتہ دار ہو تب بھی وہ ان مسلمانوں کے مقابلہ میں جو بالکل اجنبی ہیں اور میت سے ان کا دور کا رشتہ بھی نہیں ہو تا میت کے مال کا زیادہ مستحق ہوگا اور میراثی قرابتداروں کے حصوں کی تعیین سورہ نساء میں مذکور ہے۔ موخر الذکر اس آیۃ سے معلوم ہو رہا ہے اس آیۃ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جس کا کوئی (شرعی) وارث (ذی فرض یا عصبہ) نہ ہو اس کا ماموں وارث ہوتا ہے۔ یہ حدیث ہم نے سورۂ نساء میں ذکر کر دی ہے۔

اس سے امام شافعیؒ کے مسلک کا ضعف ظاہر ہو رہا ہے امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو نہ ذوی الفروض میں سے ہو نہ عصبات میں سے اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا (ذوی الفروض وہ وارث ہیں جن کے حصوں کی تعیین اللہ نے خود کر دی ہے اور عصبہ وہ وارث ہوتا ہے کہ ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جتنا مال بچتا ہے وہ سب اس کو ملتا ہے اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو وہ کل مال کا وارث ہو جاتا ہے اور اگر ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو اس کو کچھ نہیں ملتا اگر کسی مسلمان کا کوئی بھی رشتہ دار مسلمان نہ ہو تو اس کا مال جمہور اہل اسلام کا ہوگا اور بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا پہلی آیۃ میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ لاوارث مسلمان کا مال کافر رشتہ داروں کو نہیں دیا جائے گا بلکہ اجنبی بے قرابت مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

(سورہ انفال ختم شد)

سورہ توبہ

ہم حمد کرتے ہیں تیری!

اے وہ معبود کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم ہر عیب اور خرابی سے تیری پاکی کا اعتراف کرتے ہیں تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے مغفرت کے طلب گار ہیں۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو اقتدار کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت نصیب کرتا ہے۔ تیرے ہی دست قدرت میں ہر بھلائی ہے۔ تو ہی بلاشبہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو ہمارا مالک ہے اور آسمان زمین اور ان کی کائنات کا مالک ہے ہم رحمت و سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ محمد ﷺ کے لئے جو تیرے رسول اور حبیب اور ہمارے آقا و مولیٰ ہیں اور تمام انبیاء اور رسولوں کے لئے اور تیرے تمام نیک بندوں کے لئے بھی۔

سورۂ توبہ

یہ سورہ مدنی ہے اس میں ۱۲۹ یا ۱۳۰ آیات ہیں

ابو عطیہ ہمدانی راوی ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے لکھ کر بھیجا سورہ برات (خود) سیکھو اور اپنی عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ برات میں ترغیب جہاد ہے اور سورت نور میں پردہ کی تلقین ہے (اول مردوں کا فریضہ ہے اور دوسرا عورتوں کا) حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورت انفال اور سورت برات کو ہم جوڑ کہا جاتا تھا اسی لئے سبع طوال میں میں نے ان کو ایک جگہ لکھوایا۔

اس سورہ کے متعدد نام ہیں۔ (۱) برات۔ کیونکہ اس میں کافروں سے بیزاری اور دست برداری کا اعلان ہے۔ (۲) سورۂ توبہ کیونکہ اس میں مسلمانوں کیلئے توبہ قبول کرنے کا ذکر ہے (۳) مقشقشہ النفاق سے بیزار کرنے والی ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے بروایت زید بن اسلم بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا مقشقشہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ یہ نفاق سے بیزار کرتی ہے (۴) مُبَعثِرہ یہ نام ابن المنذر نے محمد ابن اسحاق کی روایت سے بیان کیا ہے چونکہ لوگوں کے اندرونی رازوں کی پردہ کشائی کرتی ہے اس لئے اس کو مبعثرہ کہا گیا۔ (۵) البحوث یہ نام ابن حاتم طبرانی اور حاکم نے ابو راشد حرانی کی روایت سے حضرت مقداد بن اسود کے حوالے سے لکھا ہے (۶) المثیرہ یہ نام ابن المنذر اور ابو الشیخ اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ سورۃ نفاق کی حالت اکھاڑ کر سامنے لاتی ہے منافقوں کی پردہ دری کرتی اور ان کے نفاق کو کریدکر ظاہر

کرتی ہے۔ (۷) مُنَکِّلَہ (عذاب والی) مُدَمْدِمَہ (تباہی لانے والی)۔ (۸) سورۃ عذاب، یہ نام حضرت حذیفہ نے لیا فرمایا جس کو تم سورۂ توبہ کہتے ہو وہ سورۂ عذاب ہے، خدا کی قسم اس نے کسی کو بغیر اثر انداز ہوئے نہیں چھوڑا رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی و ابو الشیخ والحاکم و ابن مردویہ۔ حضرت ابن عباس نے بھی حضرت عمرؓ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کا نام سورۃ العذاب ذکر کیا ہے اخرجہ ابو عوانہ و ابن المنذر و ابو الشیخ و ابن مردویہ۔ (۹) الفاضحہ بھی اس کا نام ہے، یہ منافقوں کو رسوا کرنے والی ہے۔ بغوی نے نقل کیا ہے کہ سعید بن جبیر نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس سے کہا سورۂ توبہ، آپ نے فرمایا وہ فاضحہ ہے پیہم نازل ہوتی رہی اور لوگوں کو (منافقوں کے حالات کی) اطلاع دیتی رہی یہاں تک کہ لوگوں کا یہ خیال ہو گیا کہ کسی کو بغیر تذکرہ کئے اس نے نہیں چھوڑا میں نے کہا سورۂ انفال فرمایا یہ سورۂ بدر ہے۔ میں نے کہا سورۂ حشر فرمایا اس کو سورۂ نضیر کہو (اس میں قبروں سے مردوں کے نکلنے اور میدان میں جمع ہونے کا بیان ہے۔

سورۂ برات کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں ہے

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے میں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا الانفال مثانی میں سے ہے اور برات مئین میں سے آپ حضرات نے دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اور دونوں کے بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور برات کو سبع طوال میں درج کر دیا اس کی کیا وجہ۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، مختلف زمانوں میں رسول اللہ ﷺ پر متعدد سورتیں نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا جب کچھ نازل ہوتا تھا تو آپ ﷺ اپنے کاتب کو بلوا کر حکم دیتے تھے۔ اس آیت کو فلاں سورہ میں رکھو۔ سورۂ انفال مدینہ کے ابتدائی ایام میں (یعنی ہجرت کے فوراً بعد) نازل ہوئی اور سورۂ برات سب سے آخری زمانہ میں اور دونوں کا بیان باہم ملتا جلتا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں صراحت نہیں فرمائی کہ سورۂ برات سورۂ انفال کا جزء ہے اس لئے میں نے دونوں کو یکجا کر دیا اور برات کو سبع طوال میں درج کر دیا اور دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی سطر نہیں لکھی۔ رواہ البغوی بسندہ و احمد و ابوداؤد والنسائی و ابن حبان والحاکم والترمذی۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے

بسم اللہ کے ترک کی وجہ ایک یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ برات کا نزول امان کا حکم اٹھا لینے کے لئے ہوا اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ امان کی تعلیم ہے۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب سے دریافت کیا، برات میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کیوں نہیں لکھی گئی فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ امان ہے اور برات تلوار لے کر اتری ہے۔ کذا اخرج ابو الشیخ و ابن مردویہ۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ صحابہ کی رائے باہم مختلف تھی کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ سورۂ انفال و برات کا مجموعہ ایک ہی سورت ہے کچھ لوگ کہتے تھے، دونوں الگ الگ سورتیں ہیں جو لوگ ان کو دو سورتیں کہتے ہیں ان کی رعایت کرتے ہوئے دونوں سورتوں کے درمیان خلاء (کچھ فاصلہ) چھوڑ دیا گیا اور جو لوگ دونوں کو دو مستقل سورتیں جانتے تھے اور اس مجموعے کو سبع طوال میں ساتویں سورت کہتے تھے جس کا نزول جہاد کے متعلق ہوا تھا تو ان کے قول کی رعایت کرتے ہوئے دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی گئی۔

بغویؒ نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف چلے گئے تو منافق افواہیں پھیلانے اور ایسی باتیں کہنے لگے جن سے مسلمانوں میں سخت بے چینی پیدا ہو جائے اور جو معاہدے رسول اللہ ﷺ سے کر چکے تھے ان کو توڑنے لگے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو یقین تھا مسلمان شاہ شام یعنی قیصر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے (اور وہیں تباہ ہو جائیں گے) اس پر اللہ نے بھی اپنے پیغمبر کو کافروں سے معاہدہ ختم کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ اللہ اور اس کے رسول کی

طرف سے ان مشرکوں کے عہد سے دست برداری ہے جن سے تم نے بلا تعیین مدت معاہدہ کر رکھا تھا۔

براۃ نشاۃ اور دَنَاءۃ کی طرح مصدر ہے۔ مبتدا محذوف ہے یعنی یہ برات ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں تک پہنچنے والی ہے زجاج نے کہا مطلب یہ ہے کہ جب مشرکوں نے معاہدے توڑ دیئے تو اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ بھی ان کو عہد دینے اور معاہدے کو پورا کرنے سے بری الذمہ ہے۔

عاهدتم میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو خطاب ہے۔ برات کا تعلق اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے ظاہر کیا گیا اور معاہدہ کا تعلق رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے، اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ معاہدات کو توڑ دینا اور ختم کر دینا رسول اللہ اور مسلمانوں پر واجب ہے۔

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝

سو تم اس سر زمین میں چار مہینے چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم خدا پر غالب نہیں آسکتے اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ بلاشبہ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے۔

یعنی چین وامن کے ساتھ مسلمانوں سے بے خوف ہو کر چار مہینے ملک میں گھومتے پھرو مگر یہ سمجھ لو کہ تم اللہ کے پنجہ سے چھوٹ نہیں سکتے، اللہ نے اگرچہ تم کو مہلت دے دی ہے مگر تم اس کی گرفت سے باہر نہیں ہو اور اللہ کافروں کو ضرور ذلیل کرنے والا ہے۔ دنیا میں قتل اور قید کی ذلت اور آخرت میں عذاب جہنم کی خواری۔

زہری کے نزدیک چار ماہ سے مراد ہیں شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کیونکہ یہ آیت شوال میں نازل ہوئی تھی۔ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک دس ذی الحجہ سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ مراد ہیں آئندہ آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے، فرمایا ہے۔

وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ [1] اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے۔ اذان کا معنی ہے اعلان۔ وزن فعال بمعنی افعال آتا ہے، جیسے امان بمعنی ایمان اور عطاء بمعنی اعطاء۔ نماز کی بانگ کو اذان بھی اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے محاورہ میں بولا جاتا ہے اذنته، فاذن میں نے اس کو اطلاع دے دی تو اس کو علم ہو گیا۔ اصل میں یہ لفظ اذن سے بنا ہے یعنی میں نے اس کے کان میں ڈال دی اذان ترکیب عبارت کے لحاظ سے براۃ کی طرح ہے۔

بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یوم الحج الاکبر یوم عرفہ ہے۔ حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن زبیر کی طرف بھی بغوی نے اس قول کی نسبت کی ہے۔ عطا، طاؤس، مجاہد اور سعید بن مسیب کا بھی یہی قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس تفسیر کا مدار رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر ہے کہ حج عرفہ ہے۔ اخرجہ احمد وابوداؤد

---

[1] حسن سے یوم الحج الاکبر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا اس سال تھا۔ جب رسول اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا تھا اور سب کو ابوبکرؓ نے حج کرایا تھا حج کرنے والوں میں مسلمان بھی تھے اور مشرک بھی " اسی لئے اس حج کا نام بڑا حج رکھا گیا یہ دن عیسائیوں اور یہودیوں کی عید کے دن کے مطابق پڑ گیا تھا۔ علامہ شعبی کی روایت ہے کہ حضرت ابو ذر اور حضرت زبیر میں سے کسی نے رسول اللہؐ سے سنا آپ ممبر پر جمعہ کے دن یہ آیت پڑھ رہے تھے تو ایک نے دوسرے سے پوچھا تھا یہ آیت کب نازل ہوئی۔ نماز ختم ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارا جمعہ نہیں ہوا معاملہ کا رجوع ہے؟

الترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم والدار قطنی والبیہقی من حدیث عبدالرحمٰن بن معمر۔ ابن ابی حاتم حضرت مسور بن مخرمہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عرفہ کا دن حج اکبر کا دن ہے۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے یوم الحج الاکبر سے مراد قربانی کا دن ہے۔ یحییٰ بن خراز کا بیان ہے کہ حضرت علی سفید خچر پر سوار ہو کر قربانی کے دن جبانہ جانے کے ارادے سے برآمد ہوئے، ایک آدمی نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ کر یوم الحج الاکبر کے متعلق دریافت کیا حضرت علیؓ نے فرمایا یہی دن ہے اب سواری کو چھوڑ دے۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یوم الحج الاکبر کے متعلق دریافت کیا حضور ﷺ نے فرمایا قربانی کا دن۔ ابن جریر نے اس کی تائید میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت بھی نقل کی ہے

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایات سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ شعبی سعید بن جبیر اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ حج الوداع میں قربانی کے دن جمرات کے پاس کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا یہ حج اکبر کا دن ہے

بغویؒ نے ابن جریج کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مجاہد نے فرمایا یوم الحج الاکبر حج کا پورا وقت ہے یعنی منٰی کے تمام ایام۔ سفیان ثوری بھی فرماتے تھے، یوم الحج الاکبر سے مراد اوقات حج اکبر ہیں یعنی منٰی کے تمام ایام جیسے یوم صفین، یوم جمل، یوم بعاث سے مراد (صرف ایک دن نہیں ہے بلکہ یوم سے مراد) وقت اور زمانہ ہے کیونکہ یہ لڑائیاں (صرف ایک دن میں ختم نہیں ہو گئیں بلکہ) چند روز تک قائم رہی تھیں۔

عمرہ کو چونکہ حج اصغر کہا جاتا ہے اس لئے حج کے ساتھ اکبر کی صفت ذکر کر دی (تاکہ عمرہ کا احتمال نہ رہے) زہری، شعبی اور عطاء نے بھی یہی توضیح کی ہے اور ان حضرات نے کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چار ماہ کا ذکر آیت میں ہے ان کا آغاز حج اکبر کے دن سے ہوا تھا۔

میں کہتا ہوں آیت میں حج اکبر کے دن اعلان کئے جانے کا ذکر ہے، اس اعلان کو چار مہینے کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا کہ آغاز کا دن یوم اعلان کو قرار دیا جا سکے سیاحت کا اختیار چار ماہ تک دیا گیا ہے اور سیاحت کے آغاز اور انتہا کا کوئی دن نہیں بتایا گیا نہ مہینہ کا تعین کیا تو تعین کیسے کی

اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ کہ بے شک اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اللہ کا رسول ﷺ بھی۔ پہلا اعلان برات صرف ان مشرکوں سے تھا جنہوں نے معاہدے کرنے کے بعد عہد شکنی کی تھی اور یہ اعلان برات عام ہے۔ اس میں شکست معاہدہ کرنے والے کافروں سے بھی برات کا اظہار کیا گیا ہے اور ان مشرکوں سے بھی جنہوں نے کوئی معاہدہ ہی نہیں کیا تھا اسی لئے الی الناس فرمایا، ہاں وہ مشرک اس اعلان برات سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی نہیں کی، ان کے متعلق فرمایا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ ان کا معاہدہ پورا کرو اور چونکہ اس آیت میں چار ماہ سیاحت کرنے کا کوئی حکم نہیں اس لئے یوم حج اکبر کو آغاز سیاحت کی تاریخ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ آیت بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ کا نزول اگرچہ ان لوگوں کے حق میں ہوا جو غزوۂ تبوک کے زمانہ میں تھے ان میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جن کا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا اور کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے معاہدہ کرنے کے بعد شکست عہد کی تھی ان دونوں گروہوں سے اظہار برات کر دیا گیا اور چار ماہ تک چلنے پھرنے اور آزادی کے ساتھ بغیر خوف کے گھومنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے مورد کی خصوصیت حکم کو خاص نہیں کر دیتی، لہٰذا مندرجہ بالا دونوں فریقوں کے لئے جو سیاحت کی آزادی دی ہے اور قتال حرام کیا ہے

یہ حکم ہر زمانہ میں تاقیامت باقی رہے گا، اللہ نے فرمایا فاذا انسلخ الاشہر الحرم (اور) دوسری آیت میں منہا اربعۃ حرم

۱؎ اس آیت میں ورسولہ کلام سابق کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن ابی ملیکہ کی روایت ہے کہ ایک اعرابی حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں مدینہ آیا اور کہا مجھے کوئی اللہ کا کلام پڑھا دے۔ ایک شخص نے اس کو سورت برأت پڑھا دی اور ورسولہ کے لام کو زیر کے ساتھ پڑھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ مشرکوں اور اپنے رسول سے بری الذمہ ہے۔ اعرابی بولا جب اللہ اپنے رسول سے بری الذمہ ہے تو میں بھی بری ہوں۔ حضرت عمرؓ تک بات پہنچی تو آپ نے اس کو بلایا اور پوچھا کیا تو اللہ کے رسول سے اظہار بیزاری کرتا ہے۔ اعرابی نے کہا اے امیر المومنین جب میں مدینہ میں آیا تو مجھے قرآن کریم سے کوئی واقفیت نہ تھی میں نے خواہش کی کہ کوئی مجھے پڑھا دے ... اعرابی نے کہا بخدا اللہ اور اس کا رسول جس سے بری ہیں میں بھی اس سے بیزار ہوں۔ حضرت عمرؓ نے یہ تقریر سن کر حکم دیا کہ سوائے عربی زبان کے ماہر کے کوئی شخص لوگوں کو قرآن نہ پڑھائے۔ اس کے بعد آپ نے ابو الاسود دؤلی کو حکم دیا اور انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں نحو کو مرتب کیا۔

ایک شبہ :- بعض لوگوں کا قول ہے کہ اشہر حرم (چار مہینے جن میں لڑنا حرام تھا) میں قتال بے شک بڑا جرم تھا مگر آیت قاتلوا المشرکین کافۃ نے اس حرمت کو منسوخ کر دیا گیا۔ اس آیت کا یہ مطلب ہو گیا کہ تمام مشرکوں سے لڑو ہر زمانہ میں خواہ غیر حرام مہینوں میں ہو یا اشہر حرم میں۔ یہ قول قتادہ عطا خراسانی، زہری اور سفیان ثوری کا ہے ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین میں قبیلہ ہوازن سے اور طائف میں قبیلہ ثقیف سے جہاد کیا اور ان کا محاصرہ ماہ شوال کامل اور ذیقعدہ کے کچھ حصہ میں جاری رکھا۔

ہم کہتے ہیں قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً کو ناسخ قرار دینا غلط ہے بلکہ یہ آیت تو پوری آیت کا ایک جزو اور تکملہ ہے پوری آیت اس طرح ہے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً یہ پوری آیت ایک ہی وقت میں نازل ہوئی۔ اس لئے اس کا کوئی جزو دوسرے جزو کا ناسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ ناسخ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نزول منسوخ سے کچھ مدت کے بعد ہوا ہو (لہٰذا اشہر حرم کی حرمت کا نسخ قاتلوا المشرکین سے نہیں ہو سکتا۔ دونوں کے نزول کا وقت ایک ہی ہے) رہا تخصیص کا تصور تو اس جگہ وہ ممکن ہی نہیں۔ کافۃ کی تفسیر میں یہ کہنا کہ ہر زمانہ میں قتال کرو یہ صریح غلط ہے۔ کافۃ کا معنی تو یہ ہے کہ سب سے لڑو۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر زمانہ میں لڑو کافۃ کا لفظ عموم افراد پر دلالت کر رہا ہے۔ عموم اوقات کا مفہوم اس سے نہیں نکلتا۔

رہا شوال اور ذیقعدہ میں رسول اللہ کا طائف میں محاصرہ کرنا تو یہ خبر آحاد سے ثابت ہے اور خبر آحاد ظنی ہوتی ہے اس سے حکم قرآن کا نسخ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو سورۂ توبہ کا نزول تو طائف کے جہاد کے بعد ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے اسی روز پہلے حج وداع میں قربانی کے دن خطبہ میں فرمایا تھا کہ زمانہ گھوم کر اسی ہیئت پر آ گیا جس ہیئت پر آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت تھا، سال بارہ مہینہ کا ہوتا ہے جن میں چار حرمت والے مہینے ہیں تین مہینے پے در پے ہیں، ذیقعدہ ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب مضر کا ہے جو جمادی (الثانی) اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے رواہ الشیخان فی الصحیحین من حدیث ابی بکرہ۔

یہ بھی ممکن ہے کہ طائف میں بنی ثقیف کا ذیقعدہ میں محاصرہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خصوصی جواز کے ماتحت ہو جس طرح حرم کے اندر رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص طور پر کچھ دیر کے لئے جائز کر دیا گیا۔ تھا رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا اللہ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن ہی اس شہر کو حرمت والا کر دیا تھا پس اللہ کی دی ہوئی حرمت کی وجہ سے قیامت کے دن تک یہ شہر حرمت والا رہے گا یہاں مجھ سے پہلے کسی کے لئے قتال کرنا جائز نہیں کیا گیا اور میرے لئے بھی یہاں دن میں ایک ساعت کے لئے قتال کرنا جائز کیا گیا تھا، رواہ الشیخان فی الصحیحین من حدیث ابن عباس۔

صحیحین میں حضرت ابو شریح عدوی کی روایت سے اس حدیث میں اتنا حصہ اور بھی آیا ہے اگر اللہ کے رسول کے قتال سے کوئی شخص یہاں لڑنے کی اجازت سمجھنے لگے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دے دی تھی تم کو نہیں دی اور رسول اللہ کو بھی اجازت دن کے ایک ساعت کے لئے دی تھی اب اس کی حرمت دوبارہ ویسی ہی ہو گئی جیسے کل تھی۔

قصہ

شوال ۹ ھ میں جب یہ سورت نازل ہوئی تو حج کے اجتماع میں لوگوں کو سنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ نسائی نے حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا ہم بھی آپ کے ساتھ گئے (مدینہ سے روانہ ہو کر) عرج میں پہنچے صبح کی نماز کے لئے الصلوٰۃ خیر من النوم کی ندا ہوئی حضرت ابو بکر تیار ہو کر نماز کی تکبیر کہنا ہی چاہتے تھے کہ پیچھے سے اونٹ کی آواز سنائی دی، آپ تکبیر کہنے سے رک گئے اور فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی جدعاء کی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خود حج کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اور آپ تشریف لے آئے اگر ایسا

ہے تو ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کریں گے اتنے میں حضرت علیؓ اونٹنی پر سوار تشریف لے آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دریافت کیا، کیا آپ امیر حج ہو کر آئے ہیں یا قاصد ہو کر۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا قاصد ہو کر، اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ مواقف حج میں لوگوں کو سورۂ برات پڑھ کر سنا دوں۔ غرض ہم مکہ پہنچے اور یوم ترویہ سے ایک دن پہلے یعنی ۷ ذی الحجہ کو حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا اور لوگوں کے سامنے آداب حج بیان کئے۔ جب خطبہ سے فارغ ہو گئے تو حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور آخر تک سورۂ برات پڑھی پھر ہم حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ نکل آئے۔ جب عرفہ کا دن ہوا تو پھر حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا اور آداب حج سکھائے اور جب آپ خطاب سے فارغ ہو گئے تو حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور سورۂ برات آخر تک پڑھ کر سنائی پھر قربانی کرنے کا دن ہوا اور ہم چلے تو حضرت ابو بکرؓ نے پھر لوگوں کو خطاب کیا روانگی اور قربانی کے احکام اور دوسرے مناسک حج بتائے اور آپ کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو پوری برات کی سورت پڑھ کر سنائی پھر واپسی کا پہلا دن ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو خطاب کیا، واپسی کی کیفیت اور پتھریاں مارنے کا طریقہ اور دوسرے آداب بیان کئے اور آپ کے بعد حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر سورۂ برات پوری پڑھ کر سنائی۔ ؎

بغویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سال حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور آپ کے بعد حضرت علیؓ کو اپنی عضباء اونٹنی پر سوار کر کے بھیجا تاکہ سورۂ برات کا ابتدائی حصہ اجتماع حج میں لوگوں کو سنا دیں اور ابھی اختیار دے دیا کہ مکہ اور منیٰ اور عرفات میں اعلان عام کر دیں کہ (آئندہ) ہر مشرک سے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی ذمہ داری اٹھ گئی اور کوئی شخص برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرے۔ حضرت ابو بکرؓ (حضرت علیؓ کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر) لوٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میری بابت کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے فرمایا مناسب نہیں کہ اس (اعلان برات) کو کوئی شخص بھی (لوگوں تک) پہنچائے سوائے اس شخص کے جو میرے گھر والوں میں سے ہو (کیونکہ کسی دوسرے کے اعلان کا لوگوں کو یقین نہیں آئے گا) ابو بکرؓ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ (یعنی تمہاری خوشی کے لئے کافی نہیں ہے کہ) تم میرے ساتھی غار میں تھے اور قیامت کے دن میرے حوض پر میرے ساتھی ہو گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہ بلاشبہ میں اس پر راضی ہوں اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ امیر حج اور حضرت علیؓ سورۂ برات کا اعلان کرنے کے لئے چل دیئے ساتویں تاریخ ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو خطاب کیا اور مناسک حج سمجھائے اور حج کرایا۔ عرب اسی سال

؎ حضرت عروہ راوی ہیں کہ ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر کو امیر حج بنا کر بھیجا اور آداب حج ان کو لکھ کر دے دیئے اور حضرت علی کو سورۂ برات کی آیات دے کر حضرت ابو بکر کے ساتھ بھیج دیا اور ان کو حکم دے دیا کہ منیٰ عرفات اور تمام مقامات حج میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد جو مشرک حج کرے گا یا جو برہنہ طواف کعبہ کرے گا اس کی حفاظت کا ذمہ دار نہ اللہ ہے اور نہ اللہ کا رسول اور جس کا کوئی معاہدہ اللہ کے رسول سے ہو چکا ہے اس کے لئے رسول اللہ نے چار ماہ کا وقت مقرر کر دیا حضرت علی اونٹنی پر سوار ہو کر چل دیئے اور تمام مواقف حج میں جا کر علی الاعلان سب کو براءۃ من اللہ ورسولہ اور یابنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد پڑھ کر سنا دیا۔ ترمذی نے حضرت انس کی روایت سے لکھا ہے کہ (اول) رسول اللہ ﷺ نے سورۂ برات حضرت ابو بکر کو دے کر بھیجا تھا پھر واپس بلوا لیا اور فرمایا یہ کام سوائے اس شخص کے جو میرے گھر والوں میں سے ہے اور کسی کے لئے زیبا نہیں چنانچہ حضرت علیؓ کو آپ نے طلب فرما کر سورۂ برات ان کو دے کر بھیجا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ برات (اول) حضرت ابو بکر کو دے کر مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا پھر ان کے پیچھے حضرت علی کو بھیجا اور علی نے ابو بکر سے برات کے اعلان کا اختیار لے لیا حضرت ابو بکر کو کچھ اس کا احساس ہوا تو حضور نے فرمایا ابو بکر سوائے میری ذات یا میرے گھر والوں میں سے کسی شخص کے اور کوئی اس خدمت کو ادا نہیں کر سکتا ورنہ عرب یقین نہیں کریں گے ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے ترمذی نے اس روایت کو حسن اور حاکم نے صحیح بھی کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر کو بھیجا اور حکم دیا کہ ان کلمات (آیات) کی منادی کریں پھر حضرت ابو بکر کے پیچھے حضرت علی کو انہی (آیات) کا اعلان کرنے کے لئے بھیج دیا، حسب الحکم دونوں حضرات گئے دونوں نے حج کیا اور ایام تشریق میں حضرت علی نے اعلان کیا ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ فسیحوا فی الارض اربعۃ اشہر اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ کعبہ کا طواف کرے اور جنت میں سوائے مومن کے اور کوئی نہیں جائے گا۔ حضرت علیؓ یہ اعلان کر رہے تھے پھر میں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی یہی اعلان کیا۔

تک حج کے معاملہ میں اپنے جاہلی دستور کے پابند تھے جب قربانی کا دن ہوا تو حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر وہی اعلان کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور سورت برات سب کو پڑھ کر سنائی۔

زید بن تبیع کا بیان ہے، ہم نے حضرت علی سے دریافت کیا آپ کو کیا پیام دے کر بھیجا گیا تھا فرمایا چار باتوں کا اعلان کرنے کے لئے مجھے بھیجا گیا۔ (۱) آئندہ ننگا ہو کر کوئی شخص کعبہ کا طواف نہ کرے۔ (۲) جس کا رسول اللہ سے کوئی میعادی معاہدہ (صلح) ہو وہ اپنی مقررہ میعاد تک معاہدہ پر رہے گا اور جس کا کوئی معاہدہ نہ ہو اس کے لئے چار ماہ کی میعاد دی جاتی ہے۔ (۳) جنت میں سوائے مومن کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ (۴) اس سال کے بعد مومنوں کے ساتھ مشرکوں کا اجتماع نہ ہوگا۔ (یعنی مشرک حج نہ کر سکیں گے)

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے دوسرے اعلان کرنے والوں کے ساتھ قربانی کے دن منیٰ میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی برہنہ آدمی کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔ حمید بن عبدالرحمن نے حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ حمید کی یہ بھی روایت ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ اونٹ بٹھا کر حکم دیا کہ وہ برات کا اعلان کر دیں، ابوہریرہؓ نے کہا پھر علی نے بھی ہمارے ساتھ منیٰ کے اجتماع میں قربانی کے دن اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرے گا۔

نتیجہ اس قصہ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امارت حج سے معزول نہیں کیا تھا اور حضرت علیؓ کو صرف ان آیات کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا حضرت علیؓ کو اس خدمت پر مامور کرنے کی وجہ یہ تھی کہ عرب کے دستور کے مطابق معاہدات کا انعقاد یا شکست قوم کا سردار یا سردار کے خاندان کا کوئی فرد ہی کر سکتا تھا (دوسرا کوئی نہیں کر سکتا تھا) رسول اللہ ﷺ نے اسی عذر کو ساقط کرنے کے لئے حضرت علیؓ کا اس خدمت پر تقرر کیا تا کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ معاہدہ کی یہ شکست تو ہمارے رواج کے خلاف ہے (ہم اس کو تسلیم نہیں کر سکتے) رسول اللہ ﷺ کے فرمان لا ینبغی لاحد ان یبلغ ھذا الا رجل من اھلی کا یہی مطلب ہے (اس سے حضرت ابوبکرؓ کی تنقیص لازم نہیں آتی) حضرت انسؓ کی روایت سے امام احمد اور ترمذی نے حدیث مذکور انہی الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

ہم نے جو قصہ نقل کیا ہے اس کا کچھ حصہ مسند احمد سے اور کچھ حصہ دلائل بیہقی سے لیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے آیا ہے اور کچھ حصہ تفسیر ابن مردویہ سے اخذ کیا ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے منقول ہے۔

فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ پس اگر تم (کفر سے اسلام کی طرف) لوٹ آؤ گے تو (دنیا و آخرت میں) تمہارے لئے بہتر ہو گا۔

وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ اور اگر (توبہ اور اسلام سے) پشت موڑ لو گے۔

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ تو سمجھ رکھو کہ تم اللہ کو ہرانے والے نہیں اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتے نہ اس سے بھاگ سکتے ہو کلام کا کچھ حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔ پورا کلام (اس طرح تھا اگر تم پشت موڑ لو گے تو جان رکھو کہ اللہ تم کو دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا کیونکہ تم اللہ کو مغلوب نہیں کر سکتے)۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

دنیا میں قتل و قید کی شکل میں اور آخرت میں دوزخ کی صورت میں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کر لیا ہو اور انہوں نے معاہدہ کی تکمیل میں کوئی کمی نہ کی ہو اور تمہارے

خلاف کسی کی مدد نہ کی ہو تو ان سے کیا ہوا معاہدہ میعاد مقررہ تک پورا کرو۔ بلاشبہ اللہ اہل تقویٰ کو پسند کرتا ہے اور وفاء معاہدہ بھی تقویٰ ہے کا تقاضا ہے لہٰذا معاہدہ کو پورا کرو۔ الا الذین عاھدتم من المشرکین سے استثناء ہے اور استثناء سے ایک توہم کا ازالہ ہو رہا ہے کہ تم کو ان مشرکوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جنہوں نے معاہدہ کرنے کے بعد تم سے عہد شکنی کی ہو یا تم سے ان کا کوئی

معاہدہ ہی نہ ہوا ہو باقی وہ مشرکین جن سے تمہارا میعادی یا غیر میعادی معاہدہ ہو گیا ہے اور انہوں نے عہد شکنی بھی نہیں کی ہے ان سے لڑنے کا حکم نہیں ہے۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ بنی کنانہ کی ایک شاخ بنی حمزہ نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کر رکھا تھا اور عہد شکنی بھی نہیں کی تھی اور میعاد معاہدہ میں نو مہینے باقی تھے، معاہدین سے یہ لوگ مراد ہیں۔

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ پھر جب ماہہائے حرام گزر جائیں۔ انسلاخ کا مادہ سلخ ہے، سلخ الشاۃ بکری کی کھال اتارنا۔ انسلاخ کا معنی ہے کسی چیز کا اپنے غلاف سے برآمد ہو جانا۔

مجاہد اور ابن اسحاق نے کہا اشہر حرم سے مراد ہیں معاہدہ کے مہینے جن کی میعاد چار ماہ ہے اور جن لوگوں سے معاہدہ نہ ہو ان کے لئے اشہر حرم کی آخری حد ماہ محرم کی آخری تاریخ ہے یعنی (۱۰ ذی الحجہ سے جو اعلان برات کی اولین تاریخ تھی) پچاس دن۔ ان کو حُرُم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے مشرکوں کا خون بہانا اور ان سے لڑنا ان مہینوں کے اندر مسلمانوں کے لئے حرام کر دیا ہے۔ مجاہد کے اس قول پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ تو پچاس دن ہوں گے اشہر م حرم پورے تو نہ ہوں گے، اشہر حرم کا جزو اور حصہ ہوں گے اور اللہ نے اشہر حرم کا گزر جانا فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ ۱۰ ذی الحجہ سے آخر محرم تک ایک ایسی مدت تھی جس کا اتصال پچھلے مہینوں سے تھا اس لئے اشہر حرم کا لفظ ذکر کر دیا گویا مراد یہ ہے کہ جب بقیہ مدت آخر محرم تک گزر جائے جو ۱۰ ذی الحجہ سے پہلے گزرے ہوئے مہینے کو ان سے ملا کر اشہر م حُرُم بن جاتی ہے۔

یہ خواہ مخواہ کی توڑ مروڑ ہے صحیح یہی ہے کہ اشہر حُرُم ہر سال کے چار مہینے ہیں (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔)

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ تو (سوائے معاہدین اور پابند معاہدہ لوگوں کے) سب مشرکوں کو قتل کرو۔

حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ جہاں ان کو پاؤ اکثر اہل تفسیر نے لفظ حیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ حرم کے اندر ہو یا باہر جہاں پاؤ مار دو یہ تفسیر احادیث مبارکہ کے خلاف ہے۔ حرم کے اندر قتال کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرما دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے دن ہی اللہ نے اس شہر کو باحرمت بنا دیا تھا، پس قیامت تک یہ شہر خدا داد حرمت کی وجہ سے حرام رہے گا۔ مجھ سے پہلے یہاں کسی کے لئے لڑنا حلال نہیں کیا گیا اور میرے لئے صرف ایک ساعت کے لئے یہاں قتال کی حلت ہوئی اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے قتال کرنے سے اس جگہ قتال کرنے کو مباح قرار دے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی تم کو نہیں دی اور میرے لئے بھی قتال کی اجازت دن میں ایک ساعت کے لئے تھی اب اس کی حرمت لوٹ کر ویسی ہی ہو گئی جیسے کل تھی۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہیں الی یوم القیامۃ (روز قیامت تک) کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ حرم کے اندر حرمت قتال منسوخ نہیں ہوئی، نہ ہو سکتی ہے۔

پس آیت میں حیث سے مراد عام جگہ ضرور ہے مگر حرم کے علاوہ۔

مسئلہ:۔ اگر مشرک حرم کے اندر یا ماہہائے حرام میں اپنی طرف سے جنگ چھیڑ دیں (اور حرم و اشہر حرم کا لحاظ نہ کریں) تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے بھی (جوابی) جنگ کرنی جائز ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم الخ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیل سے ذکر دیا گیا ہے۔

وَخُذُوهُمْ اور ان کو پکڑو یعنی قیدی بناؤ اخیذ کا معنی ہے قیدی

وَاحْصُرُوهُمْ اور ان کو گھیرو، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مشرک قلعہ بند ہو جائیں تو ان کا

محاصرہ کو لو، نکلنے نہ دو تاکہ وہ مجبور ہو کر یا جنگ کریں یا مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کرنا قبول کریں۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مکہ میں داخل ہونے اور ممالک اسلامیہ میں گھومنے پھرنے سے کافروں کو روک دو۔

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ اور ان کی تاک میں ہر کمین گاہ میں بیٹھو۔ مرصد گھات کا مقام جہاں سے دشمن کی نگرانی رکھی جاتی ہے۔ رصدت الشیئی میں نے اس چیز کی تاک لگائی۔ مطلب یہ ہے کہ تم مشرکوں کی گھات میں لگے رہو کہ جس طرف سے وہ آئیں تم ان کو گرفتار کر لو تاکہ مکہ میں داخل ہونے اور ملک میں پھیلنے نہ پائیں۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر اگر وہ (شرک سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم (کرنے کا اقرار) کریں اور زکوٰۃ ادا کریں (یعنی نماز و زکوٰۃ کے فرض ہونے کا اعتراف کریں) تو ان کا راستہ چھوڑ دو (معاف کر دو) بے شک اللہ (توبہ کرنے والے کو) معاف کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے

حسن بن فضیل نے کہا اس آیت سے ان تمام آیات کے احکام کو منسوخ کر دیا جن میں مسلمانوں کو کافروں کے ظلم و ایذا پر صبر کرنے اور درگزر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ

اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو اتنی مدت کے لئے پناہ دے دو کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے امن کے مقام تک (بحفاظت) پہنچا دو۔

یعنی اگر وہ اسلام نہ لائے تو اس کی قوم کی بستی تک بحفاظت اس کو پہنچا دو، اس کے بعد اگر وہ تم سے لڑے تو تم بھی لڑو اور قابو مل جائے تو قتل کر دو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ع یہ (وقتی امن یا یہ حکم) اس لئے ہے کہ یہ لوگ بے سمجھ ہیں یعنی حق و باطل کا ان کو امتیاز نہیں ہے، کلام اللہ سننا ان کے لئے ضروری ہے تاکہ ان کو (اول) علم تو ہو جائے (کہ اللہ کا کیا پیام ہے اور اسلام کیا ہے اور خدا نے کیا فرمایا ہے) حسن نے کہا یہ آیت محکم ہے، اس کا حکم قیامت تک لئے ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ ان مشرکین (قریش) کا عہد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک کیسے قابل رعایت رہے گا۔ کیف یکون کی خبر ہے یا للمشرکین کی یا عند اللہ کی اور استفہام انکار تعجبی کے لئے ہے یعنی یہ بات نہایت بعید ہے کہ باوجود بدکار اور اہل عناد ہونے کے مشرکین عہد کے پابند رہیں اور عہد شکنی نہ کریں یا یہ بات بعید ہے کہ مشرکین توکئے ہوئے عہد کو توڑیں اور اللہ اور اللہ کا رسول اس عہد کی پابندی رکھیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ سوائے ان لوگوں کے جن سے مسجد حرام کے پاس تم نے معاہدہ کیا ہے۔ یہ استثناء مشرکین سے ہے اگر مشرکین سے مراد عہد شکن مشرک ہوں تو استثناء منقطع ہوگا (کیونکہ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کو شامل ہی نہیں ہوگا) اس وقت الا بمعنی لٰکن کے ہوگا (اور اگر مشرکین کے لفظ کو عموم پر رکھا جائے تو استثناء متصل اور الذین محل نصب میں ہوگا یا مشرکین سے بدل ہوگا اور محل جر میں ہوگا۔

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ پس جب تک وہ تمہارے معاہدے پر ٹھیک ٹھیک قائم رہیں تم بھی ان کے معاہدہ پر قائم رہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا الذین عاہدتم سے مراد قریش ہیں۔ قتادہ نے کہا اہل مکہ مراد ہیں جن سے حدیبیہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کیا تھا۔ حدیبیہ کے معاہدہ والوں کے متعلق توقف رکھنے کا اللہ نے حکم دیا کہ جب تک یہ معاہدہ کے پابند رہیں تم بھی پابند رہو۔ لیکن وہ معاہدہ پر قائم نہیں رہے، عہد شکنی کے مرتکب ہو گئے بنی خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی مدد کی، اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے جہاد کیا، یہاں تک کہ مکہ فتح کر لیا پھر امان کا عمومی اعلان کر دیا اور چار ماہ کے اندر دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کا حکم دیا یا تو چار ماہ کے اندر مسلمان ہو جائیں یا مکہ چھوڑ کر جہاں جائیں چلے جائیں، اہل مکہ سب کے سب چار ماہ گزرنے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔

سدی کلبی اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قبائل بنی بکر کی تین شاخیں، بنی خزیمہ، بنی مدلج ضمرہ اور بنی وائل حدیبیہ کے معاہدہ میں قریش کے ساتھ شریک تھے (کیونکہ یہ قبائل قریش کے حلیف تھے) اس معاہدہ کی خلاف ورزی قریش اور بنی وائل نے کی بنی ضمرہ نے نہیں کی پس آیت میں جن لوگوں کے معاہدہ کو قائم رکھنے کا حکم ہے وہ صرف بنی ضمرہ تھے، انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب قریش کی عہد شکنی کی پاداش میں مسلمانوں نے لشکر کشی کر کے مکہ فتح کر لیا تھا اب جو بات گزر گئی اس کے متعلق فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم کیسے کہا جاسکتا تھا بلکہ یہ وہ لوگ مراد ہیں جن کے متعلق الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احدا فرمایا تھا یعنی وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے قریش کی عہد شکنی نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کے حلفاء یعنی بنی خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی مدد نہیں کی۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ بے شک اللہ تقویٰ والوں کو پسند کرتا ہے اور وفا عہد پر قائم رہنا تقویٰ کی ایک شاخ ہے۔

کَیْفَ کیسے تعجب کا مکرر اظہار کیا، اس سے مقصود علت تعجب کا اظہار ہے یعنی یہ لوگ عہد پر کیسے قائم رہ سکتے ہیں یا ان لوگوں سے عہد کو پورا کرنے کا کیسے حکم دیا جاسکتا ہے، حالانکہ ان کی یہ حالت ہے کہ

وَاِنْ یَّظْھَرُوْا عَلَیْکُمْ لَا یَرْقُبُوْا فِیْکُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً ؕ حالانکہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پاجائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں نہ قول قرار کا۔ لا یرقبوا انہمداشت نہیں کریں گے ضحاک نے کہا، لحاظ نہیں کریں گے، قطرب نے کہا رعایت نہیں کریں گے۔ الًّا قتادہ نے کہا حلف کا۔ حضرت ابن عباسؓ نے الا کا ترجمہ کیا ہے قرابت، یمان نے رشتہ داری اور سدی نے عہد۔ ذمۃ کا ترجمہ بھی عہد ہی ہے۔ لفظوں کا اختلاف ہے۔ بعض نے الا کا ترجمہ تربیت کیا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اِلًّا کا معنی ہے جوار (ہمسائیگی اور پناہ) اسی سے حلف کے معنی میں استعمال کیا گیا۔ عرب کا قاعدہ تھا کہ جب باہم محالفہ (مخلف یا باہمی امداد کا معاہدہ) کرتے تھے تو اس محالفہ کو شہرت دیتے اور بلند آواز سے اعلان کرتے تھے گویا ہر معاہد فریق دوسرے کا حلیف اور مددگار بن جاتا تھا) اس کے بعد اس لفظ کا استعمال قرابت کے مفہوم میں ہونے لگا کیونکہ قرابت کا رابطہ حلف کی بندش سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے پھر اس کا معنی ہوگا ربوبیت اور تربیت (تربیت کرنے والا تربیت پانے والے کا مکمل ذمہ دار ہوتا ہے، عقد تربیت بہت زیادہ محکم ہوتا ہے) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ اِلّ (بمعنی قرابت اِلّ الشیء سے مشتق ہے، الَّ الشیئی کا معنی ہے اس چیز کی حدبندی کر دی، محدود کر دیا۔ یا اَلّ البرق (بجلی چمکی) سے ماخوذ ہے۔ ابومجیز اور مجاہد نے کہا الّ عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی میں اس کا معنی ہے اللہ، عبید بن عمرؓ جبرئیل پڑھتے تھے جس کا ترجمہ ہے بندۂ خدا، ایک روایت میں آیا ہے کہ مسیلمہ کذاب کی قوم کے کچھ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے مسیلمہ کا خط پڑھوایا، انہوں نے خط پڑھا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یہ کلام ال (یعنی اللہ) کا نہیں، اس ترجمہ کی تائید عکرمہ کی قرأت سے ہوتی ہے جس میں لا یرقبون فی مومن الا آیا ہے، کسی مومن کے معاملہ میں وہ اللہ کا بھی لحاظ نہیں کرتے، قاموس میں ہے۔ اِلّ بکسر ہمزہ کا معنی ہے عہد، حلف، پناہ گیر، پناہ دہندہ، قرابت کھری اصل، معدن، کینہ، دشمنی، ربوبیت (پرورش) وحی الٰہی، مصیبت کے وقت بے صبری۔ اللہ ہر اسم مرکب جس کا دوسرا جزء ال ہو (جیسے جبرئیل میکائیل) وہاں ال کا معنی اللہ ہوتا ہے۔

ذمۃ عہد یا وہ حق جس کا ترک قابل عیب اور برا ہو۔

یُرْضُوْنَکُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ وَتَاْبٰی قُلُوْبُھُمْ ۚ وَاَکْثَرُھُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔

یعنی بطور نفاق و فریب، ایمان، اطاعت اور وفاء عہد کی باتیں کرتے ہیں تاکہ تم راضی ہو جاؤ اور دلوں میں کفر و عداوت کو پوشیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ان کو کامیابی ہو جائے اور قابو مل جائے تو زبانوں سے کہے ہوئے اقوال کے خلاف کرنے لگیں۔ ان میں

اکثر عہد شکن ہیں۔ آیت بالا میں فسق سے مراد ہے عہد شکنی بعض مشرک وعدے کے سچے اور معاہدہ کے پختہ تھے۔ عہد شکنی سے نفرت کرتے تھے۔ سب ہی غدار نہ تھے۔ اس لئے اکثر کو فاسق فرمایا۔ کل کو عہد شکن نہیں قرار دیا۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ انہوں نے قرآن کے عوض لے لیا تھوڑا مول اسی لئے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روک دیا۔ آیات اللہ سے مراد ہے قرآن مجید اور اشتراء سے مراد ہے عوض میں لے لینا اور ثمن سے مراد ہے دنیا کی متاع حقیر (خواہ کتنی ہی زیادہ ہو) بغوی نے لکھا ہے کہ ابوسفیان کا کھانا کھانے کے عوض انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ دیا تھا چونکہ ابوسفیان نے ان سب لوگوں کو کھانا کھلایا تھا جن سے اس کا باہمی امداد کا معاہدہ تھا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اہل طائف نے قریش کو مالی امداد دی تھی تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں۔ سبیل اللہ سے مراد ہے اللہ کا دین۔ فصدوا میں فاء (تعلیلیہ یا تعقیبیہ) دلالت کر رہی ہے کہ دنیا کے عوض آیات اللہ کو فروخت کرنے نے ان کو اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکنے لگے۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ بلاشبہ بہت برے ہیں ان کے کرتوت

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ مومن کے معاملہ میں وہ نہ کسی قرابت کا لحاظ کرتے ہیں نہ دوستی اور قول و قرار کا۔ یہ سابق آیات کی تکرار نہیں ہے بلکہ ماکانوا یعملون کی تشریح ہے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ پہلی آیت لایرقبون سے مراد تو عام منافق ہیں اور اس جگہ لایرقبون سے مراد یہودی اور وہ عرب مراد ہیں جن کو ابوسفیان نے جمع کر کے کھانا کھلایا تھا (اور مسلمانوں کے مقابلہ میں لیا تھا)۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ (اور یہی بلاشبہ (شرارت اور بدی میں) حد سے بڑھ جانے والے ہیں

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ پھر اگر یہ (شرک سے) توبہ کرلیں اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ یعنی ان کا نفع و ضرر تمہارا نفع و ضرر ہے۔

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ اور جاننے والے لوگوں کی تنبیہ کے لئے ہم آیات (احکام) الگ الگ بیان کر رہے ہیں۔ معاہدہ کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے احکام کی تفصیل پر غور کرنے کی ترغیب دینے کے لئے یہ جملہ الگ مستقل طور پر ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت نے اہل قبلہ کی خون کو حرام کر دیا۔ (کسی شخص یا فرقہ کی خون ریزی بشرطیکہ وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہو جائز نہیں) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تم کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے پس جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی (قابل اعتبار) نہیں۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور (اداء زکوٰۃ کا انکار کر کے) جن عربوں کو منکر اسلام ہونا تھا وہ منکر ہو گئے (اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسے مرتدوں سے جہاد کا ارادہ کیا) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ ان لوگوں سے قتال کرنا چاہتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا تھا کہ مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم اس وقت تک ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں۔ جب وہ اس کلمہ توحید کے قائل ہو جائیں تو ان کی جان و مال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے (ہاں حق العباد کے تحت محفوظ نہ رہے گا) اور ان (کے خلوص یا نفاق) کی حساب فہمی اللہ کے ذمہ ہے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا خدا کی قسم میں اس سے لڑوں گا۔ زکوٰۃ مال کا حق ہے (یعنی مالی عبادت ہے) اگر یہ لوگ بکری کا ایک بچہ بھی (رسول اللہ کے زمانہ میں) دیتے تھے اور اب نہ دیں گے تو میں ان سے قتال کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ نے اس فیصلہ کے لئے ابوبکرؓ کے سینہ کو کھول دیا (اس وقت میں نے سمجھا بعد کو) مجھے معلوم ہوا کہ یہی فیصلہ حق تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جاری (جیسی) نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا، وہی مسلم ہے جس کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول پر ہے، رواہ البخاری۔ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہو جائیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے لگیں جب ایسا کرلیں گے تو میری طرف سے انکی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے بجز حق قانونی (اسلام) اور وہ ماخوذ ہونگے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ مسلم نے آخری جملہ نقل نہیں کیا ہے

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ اور اگر وہ معاہدہ کرنے کے بعد پیمان شکنی کریں اور تمہارے دین پر طنز کریں یعنی تمہارے دین کی تکذیب و تشنیع کریں۔

بغویؒ نے لکھا ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو دین اسلام پر کھلم کھلا طنز کرے اس کا معاہدہ (مسلمانوں سے) قائم نہیں رہتا (یعنی یہ فعل خلاف معاہدہ ہے) میں کہتا ہوں بغویؒ کا یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ معاہدہ امن کی شکست کا حکم تو دو شرطوں کے مجموعہ پر مبنی ہے، ایک یہ کہ کفار پیمان شکنی کریں دوسرا یہ کہ وہ دین اسلام پر طنز کریں، اگر ایک شرط موجود ہو تو تنہا اس پر حکم مرتب نہیں ہو سکتا۔

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ پس تم ان پیشوایان کفر سے لڑو۔ کیونکہ اس صورت میں ان کی قسمیں (باقی) نہیں رہیں۔

انمتھم (ان کے پیشوا) کی جگہ ائمۃ الکفر (کفر کے پیشوا) فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مقاتلہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کفر کے سردار اور پیشوا ہیں، کفر کی سرداری نے ہی ان کو مستحق قتل بنا دیا ہے۔ بعض کے نزدیک ائمۃ الکفر سے مراد مشرکوں کے سردار اور لیڈر ہیں یعنی اہل مکہ۔ کیونکہ ان سے مقاتلہ کی اہمیت زیادہ تھی اور وہ ہی قتل کے زیادہ مستحق تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت ابوسفیان بن حرب، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے سرداران قریش کے حق میں نازل ہوئی، جنہوں نے عہد شکنی کی تھی یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا (بلکہ نکلنے پر مجبور کر دیا تھا) ایمان یمین کی جمع ہے یمین کا معنی ہے عہد یعنی جب انہوں نے معاہدات توڑ دیئے تو پھر تم پر بھی معاہدات کی پابندی واجب نہیں۔ قطرب نے لا ایمان لھم کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ معاہدات کے پابند نہیں۔

بعض قراتوں میں لا ایمان لھم آیا ہے یعنی ان کا دین ایمان کچھ نہیں یا ایمان امن سے مشتق ہے یعنی ان کو امن نہ دو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اس مقصد سے کہ یہ باز آجائیں۔

یہ عبارت قاتلوا سے وابستہ ہے اور بیچ میں لا ایمان لھم جملہ معترضہ ہے مطلب یہ ہے کہ مشرکوں سے لڑنے کی غرض یہ ہونی چاہئے کہ وہ شرک اور گناہ سے باز آجائیں، ظالموں کی طرح اذیت رسانی مقصود نہ ہو نہ بادشاہوں کی طرح ملک و مال کا حصول پیش نظر ہو۔ اس سے آگے مسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لئے فرمایا۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کرنے کی تجویز کی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ آیت میں قوما سے مراد ہے یہودی اور منافق اور کفار مدینہ جنہوں نے معاہدہ شکنی کی تھی اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو لے کر جب تبوک تشریف لے گئے تھے تو مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کو نکال دینے کا ارادہ کیا تھا اور کہا تھا لیخرجن الاعزمنھا الاذل۔

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اور انہوں نے تم سے پہلے چھیڑ نکالی یعنی تمہاری دشمنی کی ابتداء کی رسول اللہ ﷺ نے ان سے کوئی قتال نہیں کیا تھا مگر انہوں نے (خلاف معاہدہ) مشرکوں کی مدد کی۔ یہ تفسیر اور قوما سے کفار مدینہ مراد لینا ہی صحیح اور قوی ہے کیونکہ یہ سورت غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی تھی اس وقت اہل مکہ مسلمان ہو چکے تھے لہذا اہل مکہ کے متعلق اس آیت کا نزول نہیں ہو سکتا (اور کفار مکہ مراد نہیں ہو سکتے) اس کے علاوہ ہمّوا کا لفظ بتا رہا ہے کہ کافروں نے رسول اللہ ﷺ کو نکال دینے کا ارادہ تو کیا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکے مگر اہل مکہ نے (مسلمان ہونے سے پہلے) رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا مشورہ کر کے طے کر لیا تھا کہ آپ کو قتل کر دیں گے اور بالآخر ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ آپ ﷺ مکہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے (آخر کار مکہ سے ہجرت کر لی) اللہ نے فرمایا ہے واخراج اہلہ منہ اکبر عند اللہ بعض اہل تفسیر کے نزدیک

کفار مکہ مراد ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کی بنی خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی مدد کی انہوں نے ہی دار الندوہ میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی قرآن پیش کیا دلائل سے قائل کیا اور قرآن کی طرح کلام پیش کرنے کا چیلنج کیا لیکن وہ دشمنی اور قتال پر کمربستہ ہو گئے دار الندوہ میں جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا مشورہ طے کیا۔

مشرکوں نے آغاز جنگ کیا اس کے ثبوت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب ابوسفیان والا قافلہ صحیح سالم نکل آیا تب بھی ابوجہل نے کہا کہ جب تک ہم محمد اور اس کے ساتھیوں کی جڑیں نہ اکھاڑ دیں گے واپس نہ جائیں گے یا آغاز جنگ کا یہ مطلب بیان کیا جائے کہ (بنی بکر کو مدد دے کر) بنی خزاعہ سے لڑنے کا آغاز مشرکوں نے ہی کیا۔ یہ آخری تاویل اسی وقت درست ہوگی جب آیات مذکورہ کا نزول فتح مکہ سے پہلے قرار دیں اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول صحیح ہو جائے گا کہ ان آیات کا نزول ابوسفیان وغیرہ کے متعلق ہوا اور الا الذین عاهدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لهم سے مراد قریش ہیں جن سے جنگ نہ کرنے کا حکم اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دے دیا تھا بشرطیکہ قریش معاہدہ صلح پر قائم رہیں لیکن وہ قائم نہ رہے۔

أَتَخْشَوْنَهُمْ کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ یعنی کیا تم ان سے لڑنا اس اندیشہ سے ترک کرتے ہو کہ شاید تم پر ان کی طرف سے کوئی مصیبت آجائے گی۔

فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾ پس اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ یعنی اللہ اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے حکم جہاد و قتال کی تعمیل نہ کرنے سے ڈرو۔ فاللہ میں فاء سببیت کے لئے یعنی اللہ کا خوف دوسروں سے نہ ڈرنے کا سبب ہے۔ ان کنتم مومنین شرط ہے جس کی جزاء پر کلام سابق دلالت کر رہا ہے اس لئے مزید ذکر کی ضرورت نہیں یعنی اگر تم مومن ہو تو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو جو شخص عقیدہ رکھتا ہو کہ جواہر و اعراض اور بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے اور اس کی مشیت و ارادہ کے بغیر کوئی کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا تو اس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا وہ کسی سے نہ ڈرے۔

ترک قتال پر تنبیہ کے بعد اگلی آیت میں قتال کا حکم پھر دیا اور فرمایا۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ

قاتلوهم ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں سے (قتل کرا کے) ان کو عذاب دے گا اور (قید و بند کے ذریعہ سے) ان کو ذلیل کرے گا اور (اپنی مدد سے) اور ان پر تم کو غلبہ دے گا اور اہل ایمان کے دلوں کو تسکین دے گا اور ان کے دلوں کی بے چینی کو دور کرے گا۔ یعنی قریش نے بنی بکر کی مدد کر کے جو ان کے دلوں میں غصہ کی آگ بھڑکا دی ہے اس کو (قریش کی ذلت و قتل کے ذریعہ سے) ٹھنڈا کرے گا۔

ابوالشیخ نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کی بابت ہوا جنہوں نے مکہ میں بنی بکر کو قتل کیا تھا عکرمہ نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ آیت بنی خزاعہ کے متعلق نازل ہوئی۔ سدیؒ کا بھی یہی قول ہے کہ قوم مومنین سے مراد بنی خزاعہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے۔ بنی بکر کے قتل سے ان کے دلوں کو تسکین حاصل ہوئی تھی۔

وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ اور جس کو چاہے گا اللہ توبہ کی توفیق دے دے گا اور اللہ (ماضی و مستقبل کو) خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ آیت میں چند معجزات ہیں، اس امر کی پیشین گوئی ہے کہ بعض لوگ کفر سے توبہ کرلیں گے اور اللہ بہت لوگوں کو اسلام کی توفیق دے گا۔ چنانچہ ابوسفیان عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ بکثرت سرداران قریش مسلمان ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے، روایت میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قتل) موقوف کرو مگر بنی خزاعہ کے لئے بنی بکر کو قتل کرنے کا عصر تک

اختیار ہے (مفہوم حدیث)۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے (ظاہر طور پر) ابھی ان لوگوں کو تو تمہارے اندر سے چھانٹا ہی نہیں جنہوں نے (ایسے موقع پر) جہاد کیا اور اللہ اور اللہ کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو خاص دوست نہ بنایا ہو۔

مسلمانوں کو جہاد جب کسی قدر ناگوار ہوا تو ام حسبتم سے خطاب کر کے ان کو توبیخ کی گئی، بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ خطاب منافقوں کو ہے۔ ام بمعنی بل ہے اور استفہام زجر کے لئے ہے۔ ان تترکوا سے یہ مراد ہے کہ تم کو جہاد کا حکم نہیں دیا جائے گا، تمہارا امتحان نہیں لیا جائے گا اور سچے جھوٹے کو چھانٹ کر الگ الگ نہیں کیا جائے گا لما یعلم اللہ کا یہ مطلب ہے کہ ابھی تک مجاہدوں کے جہاد کا عملی ظہور نہیں ہوا نفی علم سے بطور مبالغہ نفی معلوم مراد ہے گویا مدلل طور پر معلوم کی نفی ثابت کر دی گئی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ کو اس کا علم ہوتا اور اللہ کو علم نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایسا واقعہ ہی نہیں ہوا یا یوں کہا جائے کہ لازم بول کر ملزوم مراد ہے کیونکہ ہر واقعہ کے لئے اللہ کا علم لازم ہے اور جب اللہ کو علم نہیں تو اس کا ملزوم یعنی وہ واقعہ ہی نہیں۔

ولم یتخذوا کا عطف جاہدوا پر ہے اور لَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ کا مفعول ہے۔ ولیجۃ کا معنی ہے اندرونی دوست راز دار۔ لما یعلم سے اس طرف اشارہ ہے کہ امت محمدیہ میں مخلص مجاہدین کے پائے جانے کی امید رکھنا چاہئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایک گروہ مسلسل ایسا ہوتا رہے گا۔ جو اللہ کے احکام کو قائم کرے گا کوئی ان کی مدد نہ کرے اور کوئی مخالفت کرے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا (یعنی اللہ ان کا مددگار اور حامی ہو گا کسی مخالف کی مخالفت ان پر اثر انداز نہ ہو گی) وہ اسی حالت پر قائم ہوں گے کہ اللہ کا حکم آ جائے گا (قیامت برپا ہو جائے گی) یہ حدیث معاویہ کی روایت سے صحیحین میں منقول ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے، حاکم نے بھی یہ حدیث حضرت عمر کی روایت سے بیان کی ہے اور اس کو صحیح بھی کہا ہے لیکن آخری الفاظ یہ ہیں کہ میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔

ع ۸ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی باخبر ہے۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا الخ سے اللہ کے علم کی (بعض صورتوں میں) نفی کا شبہ ہوتا تھا اور گمان جاتا تھا کہ ہمارے بعض اعمال اللہ کو معلوم نہیں اس بدگمانی کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ جب جنگ بدر میں حضرت عباسؓ گرفتار ہو کر آئے تو مسلمانوں نے ان کو کفر اختیار کرنے اور قرابت منقطع کرنے کی شرم دلائی اور حضرت علیؓ نے کلام میں درشتی کی حضرت عباسؓ نے فرمایا کیا وجہ کہ تم ہماری برائیاں تو ذکر کر رہے ہو اور ہماری خوبیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے حضرت علیؓ نے فرمایا کیا تم لوگوں میں کچھ خوبیاں بھی ہیں حضرت عباسؓ نے فرمایا جی ہاں ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں، ہم کعبہ کی دربانی کرتے ہیں ہم حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، اس پر حضرت عباسؓ کے کلام کے رد میں اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل نازل کی۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَن يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنفُسِهِم بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ مشرکوں کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کافر ہونے کا کھلم کھلا اقرار کر رہے ہیں ان لوگوں کے سب اعمال اکارت ہیں اور دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

مَسَاجِدَ اللَّهِ یعنی کسی مسجد کو آباد کرنے کا مشرکوں کو حق نہیں کعبہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اس کی تعمیر کے حقدار تو صرف

مسلمان ہی ہیں۔ تعمیر کرنے یا آباد کرنے سے کیا مراد ہے اکثر اہل تفسیر کے نزدیک تو اللہ کی عبادت کرنی مراد ہے مسجد کی آبادی اللہ کی عبادت سے ہوتی ہے اور کافر چونکہ اللہ واحد کی (بغیر شرک کے) عبادت نہیں کرتے لہٰذا ان کو مسجد میں عبادت (مشرکانہ) کرنے کا حق نہیں ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ تعمیر مساجد سے مراد ہی عرفی تعمیر ہے یعنی مسجد کی عمارت بنانا یا اس کی مرمت کرنا۔ کافر کو اس سے روک دیا جائے گا اور اگر وہ اس کی وصیت کر کے مرے گا تو اس کی وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا

بعض لوگوں کے نزدیک اس جگہ تعمیر مسجد سے مراد ہے مسجد میں داخل ہونا اور مسجد میں بیٹھنا۔ امام احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کو مسجد آباد کرتے دیکھو تو اس کے مومن ہونے کی شہادت دو کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ۔

حسن نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ ان کو مسجد حرام کا اہل (مالک یا قابض یا متصرف) بننے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ مساجد اللہ سے مراد مسجد حرام ہے ایک مسجد کو مساجد کہنے کی یہ وجہ ہے کہ مسجد حرام تمام مساجد کا قبلہ ہے اس کی تعمیر مجموعہ مساجد کی تعمیر ہے۔ یہ توجیہ حسن نے کی ہے۔ فراء کا قول ہے کہ عرب کبھی واحد کا صیغہ بول کر جمع مراد لے لیتے ہیں اور کبھی جمع سے واحد دیکھو اگر کوئی شخص کسی ایک خچر پر سوار ہو تو وہ کہہ سکتا ہے میں نے خچروں پر چڑھنا شروع کر دیا ہے اور اگر کوئی (مالدار) کہے میں کثیر الدرہم یا کثیر الدینار ہوں تو اس کی مراد ہوتی ہے کثیر الدراہم اور کثیر الدنانیر ہوں اور اس کا یہ کلام صحیح ہوتا ہے۔

شٰھِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ بِالْکُفْرِ، یَعْمُرُوْا کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ شرک اور تکذیب رسول علی الاعلان کرتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین دو متضاد چیزوں کے حامل نہیں ہو سکتے بیت اللہ کی آبادکاری بھی کریں اور دوسروں کی پوجا بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ حسن نے کہا انہوں نے صراحتہً یہ نہیں کہا تھا کہ ہم کافر ہیں بلکہ ان کا کفر آگیں کلام ان کے کفر کا شاہد تھا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کی اپنے کافر ہونے پر شہادت یہ تھی کہ وہ بت پرستی کرتے تھے بیت حرام کے باہر دیواروں کے پاس انہوں نے کچھ بت نصب کر رکھے تھے جب بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے تو ہر چکر میں بتوں کے سامنے سجدے کرتے تھے۔ سدیؒ نے کہا ان کی اپنے کفر پر شہادت یہ تھی کہ جب کسی عیسائی سے پوچھا جاتا تو کون ہے وہ جواب دیتا میں نصرانی ہوں اسی طرح یہودی بھی دریافت کرنے کے بعد اپنے کو یہودی کہتا تھا۔ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ یعنی یہ لوگ جو حاجیوں کو پانی پلانے اور کعبہ کو آباد کرنے اور قیدیوں کو رہا کرانے کے مدعی ہیں اور اپنی ان اچھائیوں پر نازاں ہیں چونکہ یہ لوجہ اللہ نہیں ہیں اس لئے اللہ کے نزدیک ناکارہ ہیں انہی وجوہ سے یہ دوامی جہنمی ہیں۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا تو صرف ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور سوائے اللہ کے اور کسی سے نہ ڈریں۔ خوفناک چیزوں سے ڈرنا فطری ہے ہر ہوش مند کا فطرتاً ہولناک چیزوں سے (کم و بیش بغیر ارادہ و اختیار کے) ڈرنا ضروری ہے اس لئے آیت کی یہ مراد ہے کہ دین کے معاملہ میں وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور کسی کے خوف سے اللہ کے حکم کی پابندی نہیں چھوڑتے۔ آیت میں رسول پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اللہ پر صحیح ایمان رسول پر ایمان لانے کے بغیر ممکن نہیں۔ رسول کے ذریعہ سے اللہ پر صحیح ایمان کی تعلیم ملتی ہے۔ چونکہ اہل ایمان ہی علمی اور عملی کمالات کا مجموعہ ہوتے ہیں اس لئے مساجد کی آبادکاری کو انہی کے لئے مخصوص کر دیا۔ وفد عبدالقیس کے قصہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے صحیحین میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو، اللہ واحد پر ایمان لانے کی کیا حقیقت ہے حاضرین نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی عالم ہے فرمایا لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینا۔

عمارت مساجد سے اس جگہ مراد ہے ہمیشہ عبادت ذکر الٰہی اور علم و قرآن کی تعلیم سے مسجدوں کو آباد رکھنا۔ حضرت ابو

سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کا عادی بن گیا ہے (جب کام سے چھوٹتا ہے مسجد کا رخ کرتا ہے) تو اس کے مومن ہونے کی شہادت دو کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ رواہ الترمذی والدارمی والبغوی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح یا شام مسجد کو جاتا ہے جتنی مرتبہ بھی جائے اللہ (ہر مرتبہ جانے کے بدلے میں) اس کے لئے جنت میں ایک مکان تیار کر دیتا ہے، متفق علیہ

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس روز اللہ کی سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس روز سات آدمیوں کو اللہ اپنے سایہ میں لے لے گا۔ ان سات میں رسول اللہ ﷺ نے ایک اس آدمی کا شمار کیا کہ جب وہ مسجد سے نکلتا ہے تو واپس مسجد میں آنے تک دل اس کا مسجد میں ہی پڑا رہتا ہے، متفق علیہ۔ حضرت سلمان راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص گھر میں اچھی طرح وضو کرنے کے بعد مسجد کو جاتا ہے وہ اللہ کی ملاقات کو آنے والا (یعنی اللہ کا مہمان) ہو جاتا ہے اور میزبان پر حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے، رواہ الطبرانی و عبدالرزاق وابن جریر فی تفسیر ہما والبیہقی فی شعب الایمان۔ عمرو بن میمون کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی فرماتے تھے زمین پر مسجدیں اللہ کے گھر ہیں جو ان مسجدوں میں اللہ کی ملاقات کو آئے اللہ پر حق ہے کہ وہ ان کی عزت کرے رواہ البیہقی فی شعب الایمان و عبدالرزاق وابن جریر فی تفسیر ہما۔

مسجد کی آبادکاری کے ذیل میں آتا ہے مسجد کو بنانا سجانا روشن کرنا اور نامناسب امور سے اس کی حفاظت کرنا مثلاً خرید و فروخت اور دنیا کی باتوں سے اس کو پاک رکھنا۔ محمود بن لبید کا بیان ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا، لوگوں نے اس کو ناپسند کیا (کیونکہ مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کی مبارک مسجد موجود تھی) اور اس ارادہ کو ترک کرنے کی خواہش کی حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں نے خود سنا تھا، رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جو اللہ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ دوسری روایت میں آیا ہے اسی شکل کا گھر اللہ اس کے لئے جنت میں بنائے گا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی مسجد بنائے گا۔ اللہ اس کے لئے ویسا ہی مکان جنت میں بنائے گا، رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین والترمذی و صححہ وابن ماجہ والبغوی، ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت علی کی روایت سے بھی بیان کی ہے۔

امام احمد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے کوئی مسجد بنائے گا گو ایسا ہی گھونسلہ ہو جیسے قطاۃ اپنے انڈوں کے لئے بناتی ہے اللہ اس کے لئے جنت میں مکان بنائے گا۔ طبرانی نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے گا، اللہ جنت کے اندر اس سے بڑا مکان اس کے لئے میں بنائے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی شخص مسجد کے اندر کسی کو اپنی گم شدہ اونٹنی تلاش کرتے سنے تو کہے اللہ کرے تیری اونٹنی واپس نہ ملے کیونکہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں، رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ گھروں کے اندر مسجد (نماز کی جگہ) بنائی جائے اور اس کو پاک صاف اور خوشبودار رکھا جائے، رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ۔

حضرت عمرو بن شعیب کے دادا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے اندر اشعار گا کر پڑھنے اور خرید و فروخت اور نماز سے پہلے وہاں گھیرا بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، رواہ ابوداؤد والترمذی۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی کو مسجد کے اندر خرید فروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تجھے اس تجارت میں نفع نہ دے اور اگر مسجد کے اندر کسی کو گم شدہ اونٹنی ڈھونڈتے (یعنی لوگوں سے پوچھتے اور کہتے سنتے) پاؤ تو کہو اللہ کرے تیری اونٹنی واپس نہ ملے، رواہ الترمذی والدارمی۔

فَعَسٰۤى اُولٰٓىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ پس ایسے لوگوں کی نسبت توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ المہتدین یعنی اطاعت الٰہی کے پابند جو ان کو جنت میں لے جانے والی ہے (اگرچہ اللہ کے فرماں برداروں کا جنت میں داخلہ یقینی ہے مگر) صیغہ امید (عسیٰ) کا استعمال بہ چند وجوہ کیا گیا۔ (۱) کافر جو اپنے اعمال سے فائدہ

اندوز ہونے اور ہدایت یافتہ ہونے کا یقین کئے بیٹھے تھے۔ ان کو تنبیہ اور زجر کرنا مقصود ہے کہ تم کس گنتی میں ہو۔ تم کو تو اپنے اعمال کے نتیجہ انگیز ہونے کی امید ہی نہ رکھنی چاہئے۔ مسلمانوں کے ہدایت یافتہ ہونے کا معاملہ کو مگو اور غیر یقینی حالت میں ہے۔ مسلمان بھی اپنے کو قطعی نجات یافتہ نہیں کہہ سکتے۔ (۳) مسلمانوں کو یاد داشت کہ کہیں اپنے اعمال پر مغرور نہ ہو جانا اور اپنی ان نیکیوں پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا۔ (بلکہ خوف کے ساتھ امید رکھنا)۔

ابو نعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کسی پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو میرے اطاعت گزار بندے ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر مطمئن نہ ہو جاؤ کیونکہ قیامت کے دن جب میں کسی بندے کی حساب فہمی کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو عذاب دوں گا (اس کے اعمال موجب نجات نہ ہو سکیں گے) اور تمہاری امت میں جو میرے نافرمان ہیں ان سے کہہ دو کہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو (اور ناامید نہ ہو) میں بڑے بڑے گناہ بخش دوں گا اور پرواہ نہ کروں گا، واللہ اعلم۔

مسلم اور ابن حبان اور ابو داؤد نے کہا کہ حضرت نعمان بن بشیر نے فرمایا میں چند صحابیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ممبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ہم میں سے ایک آدمی کہنے لگا، مسلمان ہونے کے بعد مجھے پرواہ نہیں کہ میں اللہ کے لئے کوئی عمل کروں بس میں تو حاجیوں کو پانی پلاؤں گا (اسی کو سب سے زیادہ اچھا عمل جانتا ہوں) دوسرے نے کہا کہ نہیں مسجد حرام کی آباد کاری (سب سے اچھا عمل ہے میں تو یہی کروں گا) تیسرا بولا (سب غلط ہے) جو کچھ تم نے کہا اس سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے ممبر کے پاس مت چیخو۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن کا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جمعہ کی نماز کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہارے ان جھگڑوں کے متعلق دریافت کروں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے لیا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو، یہ سب برابر نہیں اللہ کے نزدیک اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ ان کو سمجھ نہیں دیتا۔

فریابی نے ابن سیرین کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب مکہ پہنچے اور حضرت عباسؓ سے فرمایا، چچا آپ ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ سے جا کر کیوں نہیں مل جاتے (کہ دینی اور دنیوی سعادت حاصل ہو) حضرت عباسؓ نے کہا، میں مسجد حرام کی آباد کاری اور کعبہ کی دربانی کرتا ہوں اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

بغویؒ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ جب بدر کے دن حضرت عباسؓ گرفتار کر لئے گئے تو انہوں نے فرمایا اگر تم لوگ اسلام ہجرت اور جہاد میں ہم سے آگے بڑھ گئے تو (ہمارے فضائل بھی کم نہیں ہیں) ہم بھی مسجد حرام کی آبادی کرتے اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ مطلب یہ کہ مشرک رہتے ہوئے مسجد حرام کی آباد کاری اور حاجیوں کو پانی پلانا غیر مفید ہے۔ اللہ پر ایمان اور رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہ کر جہاد کرنا مشرکوں کی ان خدمات سے کہیں بہتر ہے۔ بغویؒ نے کہا کہ حسن شعبی اور محمد بن کعب قرظی نے کہا۔ اسی طرح ابن جریر نے محمد بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور طلحہ بن شیبہؓ کے حق میں ہوا تھا۔ تینوں نے اپنے اپنے کارناموں کا فخریہ اظہار کیا تھا۔ طلحہ نے کہا میں کعبہ کا متولی ہوں، میرے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں ہیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں یہ میری ڈیوٹی اور میرا حق ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نہیں جانتا آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں میں نے قبلہ کی طرف رخ کر کے چھ سال نمازیں پڑھی ہیں یعنی سب لوگوں سے پہلے اور میں مجاہد ہوں، (راہ خدا میں میں نے جہاد کئے ہیں) اس پر آیت مذکورہ کا

نزول ہوا۔

سقایۃ سقی کا اور عمارہ عمر کا مصدر ہے مضاف محذوف ہے یعنی اہل سقایۃ اور اہل عمارہ کو کیا تم اہل ایمان کے برابر قرار دیتے ہو یا من امن سے پہلے مصدر محذوف ہے یعنی کیا سقایۃ و عمارہ کو مومنوں کے ایمان کے برابر جانتے ہو یا یوں کہا جائے کہ سقایۃ و عمارہ مصدر ہیں مگر اسم فاعل کے معنی میں یعنی سقایۃ بمعنی ساقی اور عمارہ بمعنی عامر کے ہے جیسے والعاقبۃ للتقوی بمعنی متقی کے ہے یا لفظ اہل محذوف ہے۔ اس کی تائید حضرت زبیرؓ کی قرأت سے بھی ہوتی ہے جس میں سقایۃ و عمارہ کی جگہ سقاۃ (اسم فاعل جمع، ساقی مفرد) اور عمرۃ (اسم فاعل جمع، عامر مفرد) آیا ہے۔ اجعلتم میں استفہام انکاری ہے۔

مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناظرہ کے متعلق اگر آیت کا نزول قرار دیا جائے تو دونوں میں مشابہت کے نفی ظاہر ہے، کہاں مشرک اور ان کے برباد شدہ اعمال اور کہاں مومن اور ان کے مقبول اعمال۔ حضرت ابن عباسؓ اور محمد بن کعب قرظی کی روایت پر یہی مطلب ہوگا اور اگر مسلمانوں کے اندرونی اختلاف کے متعلق آیت کا نزول مانا جائے جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت میں آیا ہے اور مسلم نے اس روایت کو نقل کیا ہے تو اس وقت عمارہ مسجد یعنی مسجد کی آبادکاری سے مراد ہوگا مسجد بنانا، نمازوں اور دعاؤں سے آبادکاری مراد نہ ہوگی کیونکہ اللہ کا ذکر تو جہاد سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، اللہ کے ذکر سے زیادہ عذاب الٰہی سے بچانے والی کوئی چیز نہیں یہ حدیث امام مالک اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے نقل کی ہے اور بیہقیؒ نے دعوات کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے بیہقی کی روایت میں آخر میں اتنا زائد آیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جہاد بھی ذکر سے افضل نہیں فرمایا اور نہ اللہ کی راہ میں جہاد ذکر سے افضل ہے) مگر یہ کہ اتنی شمشیر زنی کی جائے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔ حضرت ابو درداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ تمہارے مالک کے نزدیک تمہارا کونسا عمل سب سے اچھا اور پاکیزہ اور بلند ترین درجہ والا اور راہ خدا میں سونے چاندی کو صرف کرنے سے بھی اعلیٰ ہے اور اس بات سے بھی افضل ہے کہ تم دشمنوں کے مقابلہ پر جاکر ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور فرمائیے فرمایا اللہ کا ذکر (ان تمام اعمال سے افضل ہے) رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ، امام مالک نے اس حدیث کو (رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں قرار دیا بلکہ) حضرت ابو درداءؓ پر روایت کے سلسلہ کو موقوف کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے پاس سب سے اونچے درجہ والے اور سب سے برتر کون لوگ ہوں گے فرمایا اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اور کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی (اللہ کا ذکر بکثرت کرنے والے افضل ہیں) فرمایا اگر کوئی تلوار سے کافروں کو اتنا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے یا خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہوگا رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے آخر آیت وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ سے ان لوگوں کے قول کی تائید ہو رہی ہے جن کے نزدیک عدم استواء سے مراد ہے مسلمانوں کے ایمان و جہاد اور مشرکوں کے سقایت حجاج و عمارت مسجد حرام کے درمیان نابرابری کو ظاہر کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ ان ظالموں یعنی مشرکوں کو ہدایت ہی نصیب نہیں کرتا پھر یہ ان لوگوں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت یافتہ بنا دیا اور حق کی توفیق عنایت کر دی ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک الظّٰلِمِيْنَ سے مراد (مشرکین نہیں بلکہ) وہ لوگ ہیں جو مشرکوں اور مسلمانوں کو برابر قرار دیتے ہیں۔

زمزم سے پانی پینے پلانے کا قصہ

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سقایہ (پانی پینے پلانے کا مقام) کے پاس

تشریف لائے اور پانی طلب فرمایا، حضرت عباسؓ نے (اپنے بیٹے سے) کہا فضل اپنی ماں کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کے لئے اس سے پانی لے آؤ۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اسی (سقایہ) کا پانی پلاؤ، حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں، فرمایا اسی سے پلاؤ چنانچہ آپ نے اسی کا پانی پیا پھر زمزم (کے چشمہ) پر تشریف لے گئے لوگ پانی پلا رہے تھے اور چشمہ کے اندر کام کر رہے تھے فرمایا کام کئے جاؤ تم اچھے کام پر لگے ہو پھر فرمایا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے (یعنی لوگوں کا ہجوم اتنا ٹوٹ پڑے گا اور مجھے دیکھ کر اتنے لوگ اندر اترنے کی کوشش کریں گے کہ تم بے بس ہو جاؤ گے) تو میں بھی اندر اتر کر (مشک یا ڈول کی) رسی اپنے اس مقام پر رکھ لیتا (حضور نے اپنے کاندھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ لفظ فرمایا تھا)۔

مسلم کا بیان ہے کہ بکر بن عبداللہ مازنی نے کہا میں حضرت ابن عباس کے پاس کعبہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کیا وجہ کہ تمہارے چچا کے بیٹے تو شہد اور دودھ پلاتے ہیں اور تم لوگ نبیذ پلاتے ہو کیا یہ بات تمہارے افلاس کی وجہ سے ہے یا بخل کی وجہ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا الحمد للہ ہم محتاج نہیں نہ ہمارے اندر کنجوسی ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ اونٹنی پر سوار ہو کر (زمزم پر) تشریف لائے تھے پیچھے اسامہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا تم لوگوں نے خوب کیا تم نے ٹھیک کیا یوں ہی کئے جاؤ اب ہم نہیں چاہتے کہ رسول خدا ﷺ کے حکم کو بدل ڈالیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۲۰ جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بڑے مرتبہ والے ہیں۔ یعنی مسجد حرام کی آبادکاری اور حاجیوں کو پانی پلانے پر فخر کرنے والوں سے ان لوگوں کا مرتبہ اونچا ہے اور اللہ کے نزدیک ان کا اعزاز زیادہ ہے یا ان لوگوں سے مرتبہ بلند ہے جن میں یہ خصوصی صفات نہ ہوں۔ اور یہی (جامع الصفات) لوگ دوزخ سے محفوظ رہنے والے جنت میں پہنچنے والے اور اونچے اونچے رتبوں پر پہنچنے والے ہیں۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲ ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور (جنت کے) ایسے باغوں کی جن کے اندر ان کے لئے دائمی نعمت ہوگی اور ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ نعیم مقیم دوامی راحت، رحمۃ، رضوان، جنات اور نعیم کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی یہ غیر معروف اور غیر معمولی نعمتیں ہوں گی جن سے کوئی واقف ہی نہیں ہے۔ خلود کے معنی کبھی طویل مدت تک باقی رہنے کے بھی آتے ہیں لیکن ابداً کا لفظ ذکر کرنے سے خلود ابدی ہو گیا، یعنی مدت قیام لازوال ہو گئی، اجر عظیم سے یہ مراد ہے کہ جن اعمال کی وجہ سے ان کو استحقاق ثواب ہوا، ان اعمال کے مقابلہ میں یہ نعمتیں بہت بڑی ہوں گی یا یہ مطلب کہ دنیوی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ ثواب بڑا ہو گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ

اے ایمان والو اپنے باپ (دادا) اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کرتے ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے اس آیت کو گزشتہ آیت سے مربوط قرار دیا ہے، جو حضرت عباس و طلحہؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی (یعنی اجعلتم سقایۃ الحاج الخ سے اس کا تعلق ہے جس کا نزول اس وقت ہوا جب عباس و طلحہ نے اپنے کارناموں کو بطور فخر پیش کیا اور ہجرت سے انکار کیا) کلبی نے ابو صالح کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہجرت کا حکم دیا تو بعض لوگوں کے اہل و عیال ان سے چمٹ گئے اور اللہ کی قسمیں دے کر کہنے لگے کہ (ہم کو چھوڑ کر) جانے کا ارادہ ترک کر دو ان لوگوں کے دلوں میں رقت پیدا ہو گئی اور انہوں نے ہجرت چھوڑ دی اور بیوی بچوں کے ساتھ رہنے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی مقاتل نے کہا اس آیت کا نزول ان نو آدمیوں کے حق میں ہوا جو

مرتد ہو کر مکہ کو چل گئے تھے۔ اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کر دی کہ ان کو اندرونی دوست نہ بناؤ کہ ان کے ساتھ مکہ میں قیام کو ہجرت پر ترجیح دینے لگو، کذا روی الثعلبی۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ اور تم میں سے جو بھی ان سے (دلی) دوستی کریں گے، پس ایسے لوگ ہی نافرمان ہوں گے، یعنی جو شخص ان سے دلی دوستی کرے گا اور ان کو مسلمانوں کے چھپے راز بتائے گا اور ہجرت و جہاد چھوڑ کر ان کے ساتھ رہنے کو پسند کرے گا وہ ظالم (ناحق کوش) ہوگا (لغت میں ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو بیجا رکھنا) کیونکہ دوستی کو اس کے مقام پر نہیں رکھے گا۔ مسلمان کی رفاقت کا مرکز تو مسلمان ہونا چاہئے (اور یہ کافر سے رفاقت کر رہا ہے مسلمان کو چھوڑ رہا ہے لہٰذا ظالم ہوگا۔

قُلْ (اے محمد ہجرت ترک کرنے والوں سے) آپ کہہ دیجئے۔

اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم کماتے ہو اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو رکے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی ہجرت ترک کرنے والوں کی سزا کا فیصلہ بھیج دے۔

عشیرتکم عشیرہ عشرہ سے مشتق ہے یعنی قرابتدار۔ حتی یاتی جواب شرط بھی ہے اور دھمکی بھی۔ عطا نے امر کا ترجمہ کیا ہے فیصلہ یعنی دنیوی اور اخروی عذاب۔ مجاہد اور مقاتل نے اس سے مکہ کی فتح مراد لی ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ اور اللہ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ الفاسقین اللہ کی طاعت سے باہر ہونے والے لا یھدی راستہ نہیں دکھاتا بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں محبت سے مراد اختیاری محبت ہے یعنی ان چیزوں کے حصول کو پسند کرنا اور ان کے مقابلے میں اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کو ترک کرنا۔ طبعی فطری محبت مراد نہیں ہے، اس سے بچنے کا تو آدمی مکلف ہی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کمال ایمان یہ ہے کہ آدمی کی طبیعت شریعت کی تابع ہو جائے تقاضائے طبیعت بھی وہی ہو جائے جو شریعت کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے محبت کی اللہ کی خوشنودی کے لئے دشمنی کی اللہ کی خوشنودی کے لئے دیا اللہ کی خوشنودی کے لئے روکا (نہیں دیا) اس نے ایمان کامل کر لیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے اس کا ایمان کامل ہو گیا رواہ ابوداؤد عن ابی امامۃؓ والترمذی عن معاذ بن جبلؓ مع تقدیم و تاخیر۔ صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ مومن نہ ہونے سے مراد مومن کامل نہ ہونا ہے۔ [1]

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین باتیں ہیں جس کے اندر یہ تین باتیں ہوں گی اس کو ایمان کی مٹھاس ملے گی (۱) اللہ اور رسول اس کو ہر دوسری چیز سے زیادہ محبوب ہوں (۲) اگر کسی سے اس کو محبت ہو تو محض اللہ کے لئے ہو اور نفرت ہو تو اللہ ہی کے لئے ہو (۳) جب اللہ نے کفر سے اس کو رہا کرا دیا تو پھر کفر میں لوٹنے کو ایسا برا سمجھتا ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کو میں کہتا ہوں۔ ایمان کی مٹھاس پانے سے مراد ہے ایمان کی لذت پانا جیسے طبعی مرغوبات

---

[1] حضرت عبداللہ بن ہشام کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ حضرت عمر بن خطابؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم آپ مجھے سوائے اپنی جان کے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کی نظر میں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

میں لذت آتی ہے اور یہ مزا اسی وقت میسر آتا ہے جب پاکیزہ دل اور روشن روح والوں کی صحبت نصیب ہو۔ یہ آیت اور مذکورہ بالا احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ باطنی صفائی کی تحصیل مشائخ کی خدمت کے ذریعہ سے فرض ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی معرفت کا راستہ فاسقوں کو نہیں بتاتا۔

بیضاوی نے لکھا ہے آیت (کے حکم) میں بڑی شدت ہے اور کم ہیں ایسے لوگ جو اس سے بچے رہتے ہوں۔ یعنی جن کو اللہ، رسول اور جہاد کی محبت ہر چیز سے زائد ہو ایسے لوگ کم ہیں) میں کہتا ہوں بس صوفیہ کا گروہ اس سے محفوظ ہے، صاحب مدارک نے لکھا ہے جو لوگ عقیدہ کی کمزوری اور یقین کے ضعف میں مبتلا ہیں آیت میں ان کی شناعت حال کا بیان ہے، بڑے بڑے پرہیزگار بھی باپ، اولاد اور مال و متاع سے زیادہ دین کی محبت نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں ہاں جن لوگوں کو اللہ نے اپنی معرفت عطا کر دی ہے وہ وہی بات کہتے ہیں جو مندرجہ ذیل اشعار میں شاعر نے کہی ہے۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

جس نے تجھے پہچان لیا وہ جان، اہل و عیال اور خاندان کا کیا کرے گا تو اس کو اپنا دیوانہ کر کے دونوں جہان بخش رہا ہے، تیرا دیوانہ دونوں جہان کا کیا کرے گا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

بلاشبہ اللہ نے بہت موقعوں پر مدد کی اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو تمہاری کثرت نے مغرور کر دیا تھا۔ مواطن کثیرہ سے مراد ہے بدر قینقاع اور احزاب اور نضیر کی لڑائیاں یا قریظہ حدیبیہ خیبر اور مکہ کی فتوحات، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک مہینہ کی مسافت سے (کافروں پر) میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔ یوم حنین کا عطف مواطن پر ہے اور معطوف میں مضاف محذوف ہے یعنی مواطن حنین یا معطوف علیہ میں محذوف ہے یعنی ایام مواطن کثیرہ۔ یا مواطن سے مراد (موقع نہیں بلکہ) ایام و اوقات ہیں جیسے مقتل حسین کا معنی ہے وقت شہادت حسین۔ کثرتکم حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ یا چودہ ہزار تھی اور مشرک چار ہزار تھے اکثر اہل تاریخ کا یہی قول ہے لیکن حافظ وغیرہ کے نزدیک کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دوگنی تھی۔ یعنی چوبیس ہزار یا اٹھائیس ہزار تھے۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ذی المجاز کے متصل طائف کے قریب ایک وادی تھی مکہ سے اس کا فاصلہ کچھ اوپر دس میل تھا اس جگہ قبائل ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن غیلان بن الیاس بن مضر سے رسول اللہ ﷺ کی جنگ ہوئی تھی ہوازن کی مختلف شاخیں تھیں۔ ایک شاخ بنی ثقیف بھی تھی۔

غزوہ حنین

اصحاب مغازی نے لکھا ہے کہ رمضان ۸ ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو سرداران ہوازن کو خوف پیدا ہوا کہ اب مسلمان کہیں ان پر حملہ نہ کر دیں۔ آپس میں کہنے لگے، رسول اللہ ﷺ اب بالکل فارغ ہو گئے ہیں ہم پر حملہ کرنے سے ان کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی اس لئے مناسب یہ ہے کہ ہم ہی ان پر حملہ کر دیں (تاکہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں) رائے یہ ہوئی کہ سب لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ ﷺ کے ادھر آنے سے پہلے تم ہی ان کی طرف چل دو مشورہ طے ہو گیا اور مالک بن عوف بن سعد بن ربیعہ نضری نے سب کو جمع کر لیا یہ شخص آئندہ زندگی میں مسلمان ہو گیا تھا۔ ہوازن کے ساتھ تمام بنی ثقیف۔ نضر اور جشم بھی جمع ہو گئے اور بنی ہلال کے کچھ لوگ یعنی سعد بن بکر کا قبیلہ جس کی تعداد سو سے بھی کم تھی وہ بھی آخر شریک ہو گیا۔ قیس بن غیلان کا کوئی آدمی شریک نہیں ہوا اور ہوازن میں سے بنی کعب اور بنی کلاب بھی نہیں آئے ابن ابی براء نے ان کو شریک ہونے سے منع کر دیا اور بولا مشرق سے مغرب تک جو کوئی بھی محمد کی مخالفت کرے گا محمد اس پر غالب آجائیں گے (لہٰذا ان سے مقابلہ کرنا بے کار ہے) بنی جشم میں ایک مشہور مدبر شاعر سردار تھا جس کا نام تھا درید بن الصمہ اس کی

عمر ایک سو ساٹھ یا ایک سو بیس برس تھی قبیلہ والوں نے اس کی سوجھ بوجھ کی وجہ سے اس کو اپنا کمانڈر بنانا چاہا درید بولا مجھے آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا، نہ سواری پر جم کر ٹھیک طرح سے بیٹھ سکتا ہوں پھر بھی تم کو مشورہ دینے کے لئے میں تمہارے ساتھ چلوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تم میری مخالفت نہ کرنا اگر میرے مشورہ کے خلاف کروگے تو میں نہیں جاؤں گا اس وقت مالک بن عوف تیس سالہ جوان ہوازن کا سردار تھا، اس نے جواب دیا ہم آپ کے مشورہ کے خلاف نہیں کریں گے۔ غرض جب مسلمانوں پر چڑھائی کا پختہ ارادہ ہو گیا تو مالک کے حکم کے موافق سب لوگ عورتوں سمیت نکل کھڑے ہوئے اور اپنا مال بھی ساتھ لے لیا۔ مالک نے اوطاس میں لشکر گاہ بنائی اور چاروں طرف سے امداد آنی شروع ہو گئی اب درید بن الصمہ آیا اور کہنے لگا یہ مجھے بچوں کے رونے کی آواز کیسی سنائی دے رہی ہے اونٹوں کا بلبلانا، گدھوں کا ڈونکنا، بکریوں کا ممنانا اور گایوں کا چیخنا میں کیوں سن رہا ہوں لوگوں نے کہا مالک کے حکم سے لوگ اپنے اہل و عیال اور جانوروں کو ساتھ لے کر آئے ہیں درید نے مالک سے کہا تم سب کو کیوں کھینچ کر لائے ہو، مالک نے جواب دیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب ہر شخص کے اس کے بیوی بچے اور جانور ہوں گے تو وہ ان کی حفاظت و مدافعت کے لئے جم کر لڑے گا (بھاگنے کا ارادہ بھی نہیں کرے گا) درید نے لوگوں سے کہا، یہ بھیڑوں کا چرواہا ہے اس کا جنگ سے کیا تعلق پھر تعجب کے طور پر ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا بھاگنے والے کو کوئی چیز لوٹا کر نہیں لا سکتی اگر جنگ کا پلڑہ تمہارے حق میں ہوتا ہے تو تم کو مردوں کی تلواریں اور نیزے ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں (بال بچے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے) اور اگر جنگ تمہارے خلاف پڑی تو بیوی بچوں کی گرفتاری اور مویشیوں کی لوٹ تم کو رسوا کر دے گی لہٰذا ان تمام عورتوں بچوں اور جانوروں کو قوم کے بالائی مقامات اور محفوظ علاقوں میں پہنچا دو پھر گھوڑوں پر سوار اور پیدل سب مل کر لڑو اگر تم کو فتح حاصل ہوئی تو بیوی بچے اور جانور سب تم سے آکر مل جائیں گے اگر تم کو شکست ہوئی تو اہل و عیال اور مال کی تو حفاظت رہے گی، مالک نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو گئی ہے درید کو یہ سن کر غصہ آگیا اور بولا اے گروہ ہوازن کعب اور کلاب کہاں ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا ان میں سے تو کوئی نہیں آیا۔ درید نے کہا طاقت اور بہادری تو غائب ہو گئی۔ اگر یہ دن غلبہ پانے اور برتری حاصل کرنے کا دن ہوتا تو وہ لوگ غیر حاضر نہ ہوتے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح کا امکان نہیں اسی لئے بنی کعب و بنی کلاب نہیں آئے) اے گروہ ہوازن لوٹ چلو اور کعب و کلاب نے جیسا کیا ہے تم بھی ویسا ہی کرو۔ لوگوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ درید نے کہا اچھا تم میں سے کون کون آیا ہے قوم نے جواب دیا عامر کے دونوں بیٹے عمرو اور عوف۔ درید نے کہا یہ دونوں بنی عامر کے کمزور اشخاص ہیں فرار تو اختیار نہیں کریں گے لیکن ان کی موجودگی بھی فائدہ رساں نہیں ہے۔ مالک نے درید سے پوچھا اس رائے کے علاوہ بھی کوئی رائے ہے جس پر چلنے کا میں قوم کو حکم دوں، درید نے کہا ہاں اپنی فوج کے کچھ آدمی کمین گاہ میں چھپا دو جو تمہاری مدد کے لئے تیار رہیں اگر دشمن تم پر حملہ آور ہوں گے تو یہ تمہاری چھپی ہوئی کمک دشمنوں کے پیچھے سے ان پر حملہ کرے گی اور تم اپنے ساتھیوں کو لے کر سامنے سے مقابلہ کروگے اور اگر تم حملہ کرو گے تو ان میں سے کوئی بچ کر نہ جائے گا۔ مالک نے ایسا ہی کیا۔ کچھ لوگوں کو پہاڑی گھاٹیوں اور وادی کے غاروں میں چھپا دیا اور مسلمانوں پر حملہ کیا جس سے رسول اللہ ﷺ کے اکثر ساتھی بھاگ پڑے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ہوازن کے ارادے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ان سے لڑنے کا ارادہ کر لیا اور عتاب بن اسید ؓ کو جن کی عمر بیس سال تھی اپنی جگہ مکہ میں حاکم بنایا اور معاذ بن جبل ؓ کو مسائل اسلام سکھانے کے لئے معلم مقرر کیا بخاری نے حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حنین کو جانے کا ارادہ کر لیا تو فرمایا کل انشاء اللہ ہمارا پڑاؤ خیف بنی کنانہ پر ہوگا جہاں کافروں نے کفر پر قائم رہنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے کچھ زرہیں اور ہتھیار مستعار مانگے۔ صفوان نے کہا محمد کیا زرہیں اور ہتھیار مجھ سے چھیننا چاہتے ہو یا بطور عاریت مانگتے ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا محض عاریت کے طور پر اور وہ بھی ضمان ادا کرنے کے وعدہ پر (یعنی جو ہتھیار تلف ہوگا اس کا معاوضہ دیا جائے گا) صفوان نے سو زرہیں اور ان کے لائق ضروری اسلحہ دے دیئے۔ ابن اسحاق نے حضرت جابر ؓ کی روایت سے اور ابوداؤد و احمد نے امیہ بن صفوان کے حوالہ سے یونہی نقل کیا ہے۔ سہیلی کا بیان ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے تین ہزار برچھے بطور عاریت لئے تھے اور فرمایا تھا میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے یہ برچھے دشمنوں کی پیٹھ توڑ رہے ہیں۔

غرض رسول اللہ ﷺ ہفتہ کے دن ۶ شوال ۸ھ کو بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوئے، دس ہزار مدینہ والے تھے اور دو ہزار مکہ والے، ابوالشیخ نے محمد بن عبیداللہ لیثی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے دس ہزار آدمی تھے چار ہزار انصاری اور ایک ایک ہزار جہینہ مزینہ اسلم غفار اور اشجع کے اور ایک ہزار مہاجر اور دوسرے اشخاص۔

عروہ اور زہری کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ مکہ میں تشریف لائے تھے تو آپ کے ساتھ بارہ ہزار اشخاص تھے پھر دو ہزار (مکہ کے) آزاد کردہ (یعنی مکہ کے باشندے جن کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے فرمایا تھا جاؤ تم آزاد ہو) بڑھا لئے گئے اس طرح چودہ ہزار ہو گئے۔

ابن عقبہ اور محمد بن عمر کا بیان کہ رسول اللہ ﷺ جب حنین کی طرف روانہ ہوئے تو مکہ کے تمام لوگ آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے کوئی پیدل تھا کوئی سوار یہاں تک کہ عورتیں بھی ساتھ ہو گئیں باوجودیکہ اختلاف مذہب تھا مگر ان کا مقصد جنگ کا نظارہ کرنا اور مال غنیمت حاصل کرنا تھا اگر رسول اللہ کو شکست ہو جاتی تو ان لوگوں کے لئے باعث ناگواری نہ ہوتا۔ حضور کے ساتھ ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ بھی تھے۔ صفوان مسلمان نہ تھے مگر ان کی بیوی مسلمان ہو گئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی تھی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی دونوں بیبیاں حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ بھی تھیں جن کے لئے خیمہ لگا دیا گیا تھا۔

ابن اسحاق نسائی اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت حارث بن مالک نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب حنین کو روانہ ہوئے۔ دور جاہلیت سے نکلے ہوئے ہم کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ قریش اور دوسرے کافروں کو ایک درخت سے عقیدت تھی۔ حاکم نے اکلیل میں لکھا ہے کہ وہ درخت بیری کا تھا اور سر سبز تھا اس درخت کو ذات انواط کہا جاتا تھا ہر سال لوگ وہاں آکر جمع ہوتے اور درخت پر ہتھیار لٹکاتے قربانیاں کرتے اور ایک دن ٹھیرتے تھے جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس درخت کی طرف سے گزرے تو ہم نے پکار کر کہا یا رسول اللہ ﷺ جیسے ان کے لئے ذات انواط ہے ایسا ہی ہمارے لئے بھی کوئی ذات انواط مقرر کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم نے تو وہی بات کہی جو موسیٰ کی قوم نے موسیٰ سے کہی تھی کہ ہمارا بھی کوئی ایسا ہی معبود مقرر کر دو جیسے ان (بت پرستوں) کے معبود ہیں تم لوگ جاہل ہو یہ انہی کا طریقہ ہے اور تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے پر ضرور چلو گے قدم بقدم۔

حضرت سہیل بن حنظلہ کی روایت ہے کہ ایک سوار نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے فلاں فلاں پہاڑیوں پر چڑھ کر دیکھا تو نظر آیا کہ تمام ہوازن مع عورتوں اور اونٹوں اور بکریوں کے ایک جا اکٹھے ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ یہ مسلمانوں کا مال غنیمت ہو گا پھر فرمایا آج رات ہمارا چوکیدارا کون کرے گا۔ حضرت انسؓ بن مالک ابی مرثد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نگرانی کروں گا۔ فرمایا تو سوار ہو کر اس گھاٹی کے سامنے سے جاؤ اور اوپر پہنچ جاؤ (وہاں سے نگرانی کرو) اور جو لوگ تمہارے سامنے ہیں ان سے غافل نہ رہنا۔ جب رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ چکے تو حضرت انسؓ آگئے اور عرض کیا میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق گیا تھا اور گھاٹی کے اوپر رات کو رہا تھا جب صبح ہوئی تو میں نے دونوں گھاٹیوں کی طرف نظر دوڑائی مگر کوئی شخص وہاں دکھائی نہیں دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت تمہارے لئے واجب کر دی گئی اس کے بعد اگر تم کوئی عمل بھی نہیں کرو گے تب بھی تمہارے لئے کوئی حرج نہ ہو گا (یعنی اس نیکی نے تم کو جنت کا مستحق بنا دیا اور آئندہ نیکیوں سے بے نیاز کر دیا) رواہ ابوداؤد والنسائی۔

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عدرد کو ہوازن کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ عبداللہ بن عدرد جا کر ان کے اندر گھس گئے اور ایک دو روز (حالات کی جستجو میں) وہیں رہے وہاں انھوں نے مالک کو اپنے ساتھیوں سے یہ الفاظ کہتے سنا کہ اس بار سے پہلے محمد کو کسی (لڑنے والی) قوم سے لڑنے کا واسطہ نہیں پڑا تجربہ کار لوگوں سے ان کا مقابلہ ہو تا رہا جو لڑائی سے واقف ہی نہیں تھے اس لئے ان پر غالب آتے رہے صبح کو تم لوگ اپنے جانوروں عورتوں اور بچوں کو اپنے پیچھے قطار در قطار جمع کر دینا پھر اپنی طرف سے حملہ کا آغاز کرنا اور تلواروں کی نیامیں توڑ ڈالنا بیں ہزار برہنہ تلواریں لے کر ایک دم ایک ساتھ ایک شخص کی طرح حملہ کر دینا خوب سمجھ لو کہ جو پہل کرے گا غلبہ اسی کو حاصل ہو گا ابن اسحاق نے حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عمرو بن شعیب اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم کی روایت سے لکھا ہے اور یہی محمد بن عمر نے حضرت ابو بردہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اوطاس میں ایک بڑے درخت کے نیچے اترے رسول اللہ ﷺ بھی اسی درخت کے نیچے فروکش ہوئے وہاں ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرا آدمی بھی آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں سو رہا تھا کہ یہ شخص آگیا اور میری ہی تلوار سونت کر میرے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ میں بیدار ہو گیا اس نے مجھ سے کہا محمد اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا میں نے کہا اللہ یہ سن کر میں نے اپنی تلوار نیام سے سونت لی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اللہ کے دشمن کی گردن مار دوں واللہ یہ دشمن کے جاسوسوں میں سے ہے فرمایا ابو بردہ خاموش رہو۔ حضور ﷺ نے اس دشمن سے کچھ نہیں فرمایا نہ اس کو کوئی سزا دی اور مجھ سے فرمایا ابو بردہ اللہ میری حفاظت کرنے والا اور بچانے والا ہے (اس وقت تک وہ میری حفاظت رکھے گا) کہ اس کا دین تمام مذاہب پر غالب ہو جائے۔

ابو نعیم اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۰ شوال منگل کی شام کو حنین پہنچے۔ مالک بن عوف نے ہوازن کی طرف سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے احوال کی جستجو کے لئے تین آدمی بھیجے اور ان کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے لشکر کے اندر پھیل جائیں (اور ہر ایک دشمن کے احوال کی جستجو کرے) جب یہ جاسوس مسلمانوں کے لشکر سے واپس آئے تو ہر ایک کا جوڑ جوڑ (بند بند) الگ الگ ہو رہا تھا (یعنی سب بے سکت خوف زدہ ہو رہے تھے) مالک نے پوچھا ارے تمہاری یہ کیا حالت ہے جاسوس بولے ہم کو کچھ گورے گورے آدمی ابلق گھوڑوں پر سوار دکھائی دیئے ان کو دیکھتے ہی ہم بے سکت ہو گئے اور وہ حالت ہو گئی جو تم دیکھ رہے ہو، خدا کی قسم ہماری جنگ زمین کے باشندوں سے نہیں ہو گی آسمان والوں سے ہم کو لڑنا ہو گا مالک نے کہا تف ہے، تم تمام اہل لشکر سے زیادہ بزدل ہو مالک نے ان لوگوں کو بند کر دیا اس کو اندیشہ ہوا کہ ان کا یہ خوف کہیں لشکر میں نہ پھیل جائے۔ پھر لوگوں سے کہا مجھے ایک جیالا آدمی بتاؤ (جو بیباکی کے ساتھ صحیح اطلاعات فراہم کرے) سب نے ایک شخص کا انتخاب کر دیا وہ شخص (جاسوسی کرنے کے لئے گیا، جب واپس آیا تو اس کی بھی وہی حالت تھی جو اس سے پہلے والے تینوں آدمیوں کی تھی اور اس نے بھی وہی بات کی جو پہلے آدمیوں نے کہی تھی۔

محمد بن عمر کا بیان ہے دو تہائی رات گزرنے کے بعد مالک نے وادی حنین میں اپنے ساتھیوں کی ترتیب اور صف بندی کی یہ وادی بڑی خوفناک تھی۔ اس میں بکثرت گھاٹیاں اور تنگ راستے تھے، مالک نے اپنے آدمیوں کو ان گھاٹیوں اور تنگ راہوں میں پھیلا دیا اور ان کو حکم دے دیا کہ سب یکدم حملہ کریں رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور صبح کو ان کی صف بندی کی جھنڈے اور پھریرے قائم کئے اور بنفس نفیس دو زرہیں خود اور بکتر سے آراستہ ہوئے اور لشکر کی صفوں کے سامنے جا کر معاینہ کیا اور گھوم پھر کر بعض کو بعض کے آگے پیچھے کیا پھر سب کو جنگ پر آمادہ کیا اور فتح کی خوش خبری دی بشرطیکہ لوگ سچے دل سے ثابت قدمی کی ساتھ جمے رہیں۔ خالد بن ولید کو بنی سلیم کی قیادت سپرد کی، خالد کو اور اہل مکہ کو آگے بڑھایا۔ لشکر کے تین حصے کئے میمنہ، میسرہ اور قلب (دایاں بازو بایاں بازو اور وسط) قلب میں خود رہے۔

ابو الشیخ، حاکم بزار اور ابن مردویہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے کہ جب حنین کے دن مکہ اور مدینہ والے جمع ہو گئے تو ان کو اپنی کثرت پر ایک طرح کا پندار ہو گیا اور لوگ کہنے لگے بخدا آج ہم لڑیں

گے۔ بزار کی روایت میں آیا ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے کہا تھا آج تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم مغلوب نہ ہوں گے اور جوں ہی مقابلہ ہوگا دشمن شکست کھا کر پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے یونس بن بکر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کا یہ قول اور کثرت تعداد پر غرور ناپسند ہوا ابن المنذر نے حسن کا بھی یہی قول نقل کیا ہے اعجبتکم کثرتکم سے یہی مراد ہے (یعنی مکہ اور مدینہ والوں کا مل کر اپنی کثرت پر اترانا اور خوش ہونا۔

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

شیئا یعنی تمہاری کثرت نے تم کو کچھ فائدہ نہیں پہنچایا، تمہاری کثرت دشمن کے معاملہ میں کام نہیں آئی۔

بما رحبت۔ اس میں ما مصدریہ اور باء بمعنی مع ہے یعنی باوجود فراخ ہونے کے یا باء مصاحبت کا مفہوم ظاہر کر رہی ہے یعنی فراخ ہونے کے ساتھ بھی زمین میں تمہارے لئے اطمینان سے ٹھہرنے کی جگہ نہ تھی تم پر اتنا خوف چھایا کہ امن و قرار کی کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ ثم ولیتم پھر تم نے دشمن کو پیٹھ دی یہ خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو تتر بتر ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ مدبرین یعنی شکست کھا کر، ادبار اقبال کی ضد ہے یعنی پیچھے کو جانا۔

ابن اسحاق امام احمد اور ابن حبان نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور ابو یعلی و محمد بن عمر نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا جب وادی حنین ہمارے سامنے آئی تو ہم خوفناک وادی سے نشیب کی طرف گئے وادی میں مختلف راستے تنگ مقامات اور گھاٹیاں تھیں دشمن کے آدمی ہم سے پہلے وادی میں گھاٹیوں، مخفی مقامات اور تنگ جگہوں میں چھپ گئے تھے اور حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ہم نیچے کو اتر ہی رہے تھے اور کوئی شبہ بھی نہ تھا کہ یکدم فوجی دستوں نے ایک آدمی کی طرح یکدم ہم پر حملہ کر دیا یہ تیر انداز تھے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا ہوازن کی طرف سے جو چیز ہمارے سامنے آئی ایسی تو خدا کی قسم میں نے اس زمانہ میں کبھی دیکھی ہی نہ تھی، دشمن کی کثرت تھی وہ لوگ عورتوں بچوں اور جانوروں کو بھی لے کر آئے تھے انہوں نے صف بندی اس طرح کی تھی کہ عورتوں کو اونٹوں پر سوار کر کے مردوں کی قطاروں کے پیچھے کر دیا تھا، پھر اونٹوں، گایوں اور بکریوں کو ان کے پیچھے جمع کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ نہیں بھاگیں گے دور سے کچھ کالی کالی شباہت نظر آئی ہم سمجھے وہ آدمی ہیں جب ہم وادی سے نشیب میں اترے صبح تڑکے کا وقت تھا ہماری غفلت کی حالت میں کچھ دستے وادی کے تنگ راستوں اور گھاٹیوں سے نکل کر ایک شخص کی طرح یکدم ہم پر حملہ آور ہو گئے جس کی وجہ سے بنی سلیم کے اگلے سوار تتر بتر ہو کر بھاگ پڑے اور ان کے پیچھے اہل مکہ بھی چلے اور ان کے پیچھے دوسرے لوگ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کسی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا اور غبار اتنا اٹھا کہ ہم میں سے کسی کو اپنا ہاتھ بھی نہیں سوجھتا تھا۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ (قلب سے) دائیں جانب سمٹ گئے پھر فرمایا لوگو! میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔

بخاری ابن ابی شیبہ۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے بروایت ابن اسحاق بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت براء بن عازب سے کہا ابو عمارہ کیا آپ حنین کی لڑائی میں بھاگ گئے تھے حضرت براءؓ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے تو پشت نہیں پھیری لیکن جو صحابہ نہتے نکلے تھے ان کے پاس زیادہ ہتھیار نہیں تھے اور مقابلہ ہوا تیر انداز قوم سے جن کا کوئی تیر (زمین پر) نہیں گرتا تھا۔ جب ہمارا ان سے مقابلہ ہوا اور ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلے، لوگ مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے اتنے میں وہ لوگ تیروں کے ساتھ سامنے آ گئے۔ تیر کیا تھے ٹڈی دل تھے کوئی تیر خطا نہیں کرتا تھا اسی حالت میں وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے۔ حضور سفید خچر پر سوار تھے۔ ابو سفیان خچر کی لگام آگے سے پکڑے ہوئے تھے۔ آپ فوراً اتر پڑے اور اللہ سے دعا کی اور نصرت الٰہی کے طلب گار ہوئے اور فرمایا کوئی جھوٹ نہیں میں اللہ کا سچا نبی ہوں، میں ابن عبد المطلب ہوں (یعنی عبد اللہ بن عبد المطلب کا بیٹا ہوں) ابن اسحاق کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت براءؓ نے فرمایا، جب گھمسان کا رن پڑتا تھا تو ہم حضور کے ذریعہ سے اپنا بچاؤ کرتے تھے (یعنی رسول اللہ کے پیچھے آ جاتے تھے) ہم میں بڑا بہادر آدمی وہ ہوتا تھا جو رسول اللہ

کے برابر کھڑا ہوتا یعنی رسول اللہ ﷺ جس طرح آگے ہوتے اسی طرح وہ بھی حضور کے برابر کھڑا ہوتا اور آگے کی صف میں بغیر آڑ لئے کھڑا رہتا)۔

ابن اسحاق کا بیان ہے جب مسلمان تتر بتر ہو گئے تو مسلمانوں میں سے جن لوگوں کے دلوں میں اسلام سے بغض تھا (اور بظاہر وہ مسلمان ہو گئے تھے یا یوں ہی ساتھ آگئے تھے) چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ابو سفیان کا اسلام بھی اس وقت تک یقینی نہ تھا مشکوک تھا اس لئے اس نے کہا اب یہ شکست خوردہ لوگ سمندر سے ورے نہیں رکیں گے جبلہ بن حنبل اور بقول ابن ہشام کلاہ بن حنبل جو صفوان بن امیہ کا اخیافی بھائی تھا کہا آج جادو بے حقیقت ہو گیا۔ یہ صفوان اس وقت تک اگرچہ مشرک تھا اور اس میعاد کے اندر تھا جو رسول اللہ ﷺ نے (غور کرنے کے لئے) اس کو دے دی تھی لیکن جبلہ کے جواب میں کہنے لگا خاموش رہو خدا کی قسم قریش کے کسی آدمی کے ہاتھ سے اگر میرے تیر لگ جائے تو اس سے بہتر ہے کہ ہوازن کے کسی آدمی کے ہاتھ سے لگے۔

ابن سعد و ابن عساکر نے عبدالملک بن عبید اللہ کی روایت سے اور طبرانی بیہقی ابن عساکر اور ابو نعیم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ شیبہ بن عثمان نے کہا کہ فتح کے سال جب رسول اللہ ﷺ زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے اور مکہ کو فتح کر کے حنین کے جہاد کو گئے تو میں نے سوچا کہ مجھے بھی قریش کے ساتھ ہوازن کی طرف چل دینا چاہئے، تاکہ ہوازن سے جب مسلمانوں کی (گھمسان کی جنگ ہو اور) گتھم گتھا ہو تو محمد کی طرف سے غفلت کا موقع پا کر میں ان پر حملہ کر دوں۔ مجھے اپنے باپ کی جس کو حمزہ نے قتل کیا تھا یاد آئی اور میں نے کہا آج میں محمد سے اپنا اور تمام قریش کا انتقال لے لوں گا اور اگر سارا عرب و عجم بھی محمد کے پیچھے ہو جائے تب بھی میں ان کا اتباع نہیں کروں گا۔ چنانچہ روانگی کے وقت سے میں تاک میں لگا رہا اور برابر میرا حوصلہ بڑھتا ہی جاتا تھا جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے تو میں (حملہ کا موقع تلاش کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی دائیں طرف گیا میں نے دیکھا ادھر عباسؓ چمکیلی زرہ پہنے کھڑے ہیں میں نے خیال کیا کہ یہ تو محمد کے چچا ہیں یہ ضرور ان کی مدد کریں گے۔ پھر میں بائیں طرف سے گیا ادھر ابو سفیان بن حارث موجود تھے میں نے کہا یہ چچا کے بیٹے ہیں یہ بھی ان کو ہر گز بے مدد نہیں چھوڑیں گے پھر میں پیچھے سے گیا اور تلوار سے حملہ کرنے ہی والا تھا۔ کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی کہ میں نے دیکھا میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان بجلی کی طرح آگ کے شعلے چمک رہے ہیں مجھے ڈر لگا کہ کہیں مجھ پر نہ آپڑیں اور اپنی نظر جاتے رہنے کے خوف سے میں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور پچھلے قدموں لوٹ پڑا اور سمجھ گیا کہ (اللہ کی طرف سے) ان کی حفاظت کی جا رہی ہے آپ ﷺ نے میری طرف رخ پھیرا اور فرمایا شیبہ میرے قریب آ جاؤ میں قریب پہنچ گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر کہا اے اللہ اس سے شیطان کو دور کر دے میں نے فوراً اپنا سر اوپر اٹھایا تو آپ کی صورت مجھے اپنے کانوں آنکھوں اور دل سے بھی زیادہ پیاری دکھائی دینے لگی پھر فرمایا شیبہ کافروں سے لڑو میں فوراً آپ کے آگے بڑھ گیا اور خدا کی قسم میری یہ خواہش ہو گئی کہ آپ کو ہر دکھ سے بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دوں جب ہوازن کو شکست ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ اپنے پڑاؤ پر واپس تشریف لے آئے تو فرمایا شکر ہے اس اللہ کا جس نے تم کو خیر پہنچانی چاہی (یعنی تم کو پختہ ایمان عطا کر دیا) پھر آپ نے وہ بات بیان فرما دی جس کا میں نے ارادہ کیا تھا۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حضرت نضر بن حارث نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو عزت اسلام دے کر سرفراز فرمایا اور محمد ﷺ کو بھیج کر ہم پر احسان کیا اور ہم اسی (شرک) پر نہیں مرے جس پر ہمارے باپ دادا مر گئے۔ راوی نے یہ طویل حدیث ذکر کی جس کے آخر میں ہے کہ حضرت نضر نے فرمایا میں قریش کے کچھ اشخاص کے ساتھ جو اس وقت تک اپنے مذہب پر قائم تھے نکلا۔ ان اشخاص میں ابو سفیان بن حرب سفیان بن امیہ اور سہیل بن عمرو بھی تھے، ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر محمد کو شکست ہوئی تو ان کو لوٹنے والوں میں ہم بھی شامل ہو جائیں گے ہم مشرکوں کے (دائرہ کے اندر تھے ان کے) بھی خواہ تھے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو ہوازن نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ ہمارا خیال ہو گیا کہ مسلمان اس حملہ کو نہ سہ سکیں گے ہم

مسلمانوں کی فوج میں تھے اور میرا ارادہ محمد کے متعلق وہی تھا جس کا میں قصد کر چکا تھا، میں ارادہ کو عملی جامہ پہنانے ہی والا تھا کہ میں نے دیکھا محمد سفید خچر پر سوار مشرکوں کے سامنے کھڑے ہیں اور گورے گورے چہروں والے لوگوں نے ان کو اپنے جھرمٹ میں لے لیا ہے۔ میں نے اپنے ارادہ کے ساتھ محمد کی طرف بڑھا تو ان لوگوں نے چیخ کر کہا ادھر ہی رہنا ادھر نہ بڑھنا چیخ سن کر میرا دل لرز گیا اور اعضاء میں کپکپی پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا یہ بات تو بدر کے دن کی طرح ہوئی، بے شک یہ شخص حق پر ہے اور اس کی (غیب سے) حفاظت کی جاتی ہے۔ اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا اور میرے سابق ارادہ کو بدل دیا، الحدیث بطولہ۔

محمد بن عمر نے حضرت ابو قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ تیزی کے ساتھ بھاگنے والے لوگوں نے ۲۴ گھنٹے مسلسل چل کر مکہ پہنچ کر اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے شکست کھا جانے کی اطلاع دے دی۔ حضرت عتاب بن اسید اس وقت امیر مکہ تھے اور ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل بھی تھے یہ خبر سن کر ان لوگوں کو سخت غم ہو گیا لیکن اہل مکہ میں سے کچھ لوگوں کو اس خبر سے خوشی ہوئی اور انہوں نے مسرت کا اظہار کیا ایک شخص بولا اب عرب باپ دادا کے مذہب کی طرف لوٹ آئیں گے جب کہ محمد قتل ہو چکے اور ان کے ساتھی پراگندہ ہو گئے حضرت عتاب نے کہا اگر محمد شہید ہو گئے تو ہو گئے اللہ کا دین تو قائم ہے محمد جس کی عبادت کرتے تھے وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا دن یونہی گزرا جب شام ہوئی تو اطلاع آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کو شکست دے دی اس خبر کو سن کر حضرت عتاب اور حضرت معاذ خوش ہو گئے اور جو لوگ پہلی خبر سے خوش ہوئے تھے ان کو خدا نے ذلیل کر دیا۔ بھاگنے والے (مسلمان) پھر (سمٹ کر) رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ پڑے اور اوطاس میں پہنچ کر خدمت گرامی میں حاضر ہو گئے اور یہاں سے حضور نے طائف کی طرف کوچ کیا۔

فائدہ

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ (میدان میں) رسول اللہ ﷺ تنہا رہ گئے تھے، لیکن مسلم۔ ابن اسحٰق اور عبدالرزاق کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے فرمایا میں حنین کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث آپ سے چمٹے رہے ہم دونوں نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ رسول اللہ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے۔ مسلمانوں اور کافروں کا جب مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ دے کر بھاگ گئے۔ کھڑے رہے تھے میں رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ آپ کافروں کی طرف بڑھانے کے لئے خچر کو ایڑھ مار رہے تھے اور میں (خطرہ کو محسوس کر کے) خچر کو روک رہا تھا کہ آپ تیزی کے ساتھ کفار پر نہ جا پڑیں مگر آپ کو اس کی پروا نہیں تھی۔ اس وقت ابوسفیان بن حارث رسول اللہ ﷺ کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (میدان میں) ایک جماعت رہ گئی تھی (سب ہی نہیں بھاگ پڑے تھے) محمد بن یوسف صالحی نے مختلف روایات کا تعارض دور کرتے ہوئے بیان کیا کہ آگے بڑھ کر دشمن سے لڑنے والے تو تنہا رسول اللہ ﷺ ہی باقی رہے لیکن کچھ لوگ آپ کے پیچھے بھی موجود رہے تھے اور ابوسفیان بن حارث اور عباس خچر کو روکنے کی خدمت انجام دے رہے تھے گویا موجود تو دوسرے لوگ بھی تھے مگر دشمن سے لڑنے والے اور لڑائی میں مشغول صرف رسول اللہ ﷺ تھے کتنے لوگ اپنی جگہ ثابت قدم رہے تھے۔ اس میں روایات کا اختلاف ہے۔ بقول بعض رسول اللہ ﷺ کے گرد اگر تین سو مسلمان رہ گئے تھے، باقی بھاگ گئے تھے بیہقی نے حضرت حارث بن نعمان کا بیان نقل کیا ہے جب لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ جانے والوں کا اندازہ کیا .... میرے خیال میں وہ سو تھے۔ احمد طبرانی اور حاکم و ابو نعیم نے معتبر سند سے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ حنین کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا لوگ پیٹھ دے کر بھاگ گئے۔ مہاجرین اور انصار میں سے صرف اسّی آدمی باقی رہ گئے ہم لوگ بھی تقریباً اسّی قدم ایڑیاں موڑ کر پیچھے ہٹ گئے تھے مگر ہم نے کافروں کو پیٹھ نہیں دی تھی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ان میں سے ایک نے دس سے زیادہ تلوار کے زخم کھائے تھے یا پہنچائے تھے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابو عمرو کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سو آدمی بھی باقی نہیں رہے تھے۔ سو کی نفی اور اسی کے اثبات میں کوئی تعارض نہیں (سو نہ ہوں گے سو سے کم ہوں گے)

محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حنین کے دن جب لوگ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے تو آپ نے حضرت حارثہ بن نعمان سے فرمایا، حارثہ! کتنے لوگ اپنی جگہ قائم رہے۔ حضرت حارثہ کا بیان ہے میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھ کر عرض کیا سو ہوں گے مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ گنتی میں سو ہی تھے یہ تو اس وقت معلوم ہوا جب ایک روز مسجد کے دروازہ کے پاس رسول اللہ کو جبرئیل سے چپکے چپکے باتیں کرتے میں نے سنا اور جبرئیل نے پوچھا، محمد یہ کون ہے حضور ﷺ نے فرمایا یہ حارثہ بن نعمان ہے جبرئیل نے کہا یہ وہی ہے جو حنین کے دن سو ثابت قدم رہنے والوں میں شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارثہ کو اس گفتگو کی اطلاع دی حارثہ نے عرض کیا میں تو یہ سمجھا تھا کہ وحیہ کلبی آپ کے ساتھ کھڑے ہیں۔

نووی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے صرف بارہ آدمی تھے۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے ذیل کے اشعار میں ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے دس اشخاص تھے۔

نَصَرْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِي الْحَرْبِ تِسْعَةً ۔۔۔ وَقَدْ فَرَّ مَنْ قَدْ فَرَّ عَنْهُ فَاَقْشَعُوْا
وَعَاشِرُنَا لَاقَى الْحِمَامَ بِنَفْسِهٖ ۔۔۔ لِمَا مَسَّهٗ فِي اللّٰهِ لَا يَتَوَجَّعُ

ہم نو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی اور آپ کو چھوڑ کر جو بھاگ گئے اور ہٹ گئے اور ہمارے دسویں آدمی نے موت کا مقابلہ اپنی جان سے کیا اور اللہ کی راہ میں اس کو جو دکھ پہنچا اس پر اس نے درد کا اظہار نہیں کیا۔

صالحی نے کہا یہ زیادہ صحیح ہے اس سے زیادہ تعداد کا جس نے ذکر کیا ہے۔ شاید نہ بھاگنے والوں کی فہرست میں اس نے ان لوگوں کو بھی شمار کر لیا جو بھاگ کر فوراً ہی پلٹ آئے تھے۔ اس روز چار عورتیں بھی اپنی جگہ جمی رہی تھیں ام سلیم بنت ملحان، ام عمارہ، ام سلیط، ام حارث۔

ــــــــــــ

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اس کے بعد اللہ نے رسول (کے قلب) پر اور مومنوں (کے دلوں) پر تسلی نازل فرمائی۔ سکینہ سے مراد ہے اللہ کی رحمت جس کی وجہ سے لوگ جم گئے اور محفوظ رہے۔ المومنین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو شکست کھا کر تتر بتر ہو گئے تھے۔ رسول اللہ کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ رسول اللہ کی ذات گرامی کی برکت اور آپ کے وسیلے سے ہی شکست پانے والوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوئی تھی اور چونکہ رسول اور مومنین کے احوال الگ الگ تھے اس لئے علیٰ کو بھی الگ الگ دوبارہ ذکر کیا۔

بعض کے نزدیک المومنین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے بھاگے نہ تھے، بیہقی نے دلائل میں اور طبرانی وحاکم وابو نعیم نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے، حضرت عبداللہ نے فرمایا حنین کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا جب لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ پڑے تو میں اسی ۸۰ مہاجرین وانصار کے ساتھ ثابت قدم رہا، تقریباً اسی ۸۰ قدم ہم بھی اپنے قدموں کے بل ہٹے تھے مگر ہم نے دشمن کو پیٹھ نہیں دی تھی، انہی (اسی ۸۰ آدمیوں) پر سکینہ کا نزول ہوا تھا۔

حضرت ابن عقبہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں رکابوں میں پاؤں ڈالے خچر پر کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے اے اللہ میں تجھے واسطہ دیتا ہوں اس وعدہ کا جو تو نے مجھ سے کیا تھا۔ اے اللہ ان کو ہم پر غالب نہ ہونا چاہئے پھر حضرت عباسؓ سے فرمایا عباسؓ! پکارو اے گروہ انصار! اے کیکر کے درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والو! اے سورۃ بقرہ والو! حضرت عباسؓ بلند آواز آدمی تھے۔ آپ کا بیان ہے میں نے اونچی آواز سے ندا کی انصار کہاں ہیں۔ کیکر کے درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والے کہاں ہیں۔ سورۃ بقرہ والے کہاں ہیں جوں ہی انصار نے میری آواز سنی خدا کی قسم وہ ایسے رسول اللہ ﷺ کی طرف مڑ کر آگئے جیسے مائیں اپنے بچوں کی طرف مڑ جاتی ہیں۔

عثمان بن ابی شیبہ کی روایت میں حسب صراحت بیہقی وبغوی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عباسؓ مہاجرین کو چیخ کر

آواز دو جنہوں نے (حدیبیہ کے موقع پر) درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور انصار کو پکارو جنہوں نے (مہاجرین اور رسول اللہ ﷺ کو) ٹھکانے دیئے اور مدد کی (میں نے آواز دی انصار فوراً لوٹ پڑے) اور کہنے لگے ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں انصار کا رسول اللہ ﷺ کی طرف مڑ کر آنا بالکل ایسا تھا جس طرح اونٹ اپنی اولاد پر (پیار سے) جھک جاتا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سواری سے اتر آئے۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے انصار کے نیزے مجھے کافروں کے برچھوں سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہونے لگے۔ ابو یعلی اور طبرانی نے قابل اعتماد سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے دن ایک مٹھی سفید کنکریاں لے کر کافروں پر پھینک ماریں اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ شکست پا گئے اس روز رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت علیؓ نے بڑی سخت جنگ کی۔

ابن سعد ابن ابی شیبہ احمد ابوداؤد اور بغویؒ وغیرہ نے بروایت ابو عبدالرحمن یزید فہری (جن کا نام کرز تھا) ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا کہ مسلمان پشت دے کر بھاگ پڑے جیسا اللہ نے فرمایا ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے لوگو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں پھر گھوڑے سے اتر کر نرغہ میں گھس گئے اور جو شخص حضور سے زیادہ قریب تھا اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے ایک لپ مٹی لے کر دشمنوں کے چہروں کی طرف پھینکی اور فرمایا چہرے بگڑ گئے۔ یعلی بن عطاء کا بیان ہے جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے مقابل تھے ان کی اولاد نے مجھ سے بیان کیا ہمارے باپ کہتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک کی آنکھیں اور منہ خاک سے بھر گئے اور آسمان کی طرف سے ہم نے ایک ایسی جھنجھناہٹ سنی جیسے کسی طشت میں لوہے کے گرنے سے ہوتی ہے۔ غرض اس طرح اللہ نے ان کو شکست دے دی۔

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور اللہ نے ایسے لشکر اتارے جو تمہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے سدی کبیر کا قول نقل کیا ہے کہ وہ لشکر ملائکہ کا تھا۔ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ حنین کے دن اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کی امداد پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کو بھیج کر کی تھی۔ ابن اسحاق، ابن المنذر، ابن مردویہ ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت جبیر بن مطعم کا بیان نقل کیا ہے کہ دشمنوں کی شکست سے پہلے جب لوگ لڑ رہے تھے۔ میں نے ایک سیاہ چادر آسمان کی طرف سے آتی دیکھی جو آکر لوگوں کے سامنے گر گئی، میں نے دیکھا کہ (اس چادر کے اندر سے) سیاہ چیونٹیاں اتنی بر آمد ہوئیں کہ وادی بھر گئی۔ پھر مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ ملائکہ ہیں پس میرے دیکھتے دیکھتے دشمنوں کو فوراً شکست ہو گئی۔ محمد بن عمر نے بروایت یحییٰ بن عبداللہ بیان کیا ہے کہ مشائخ انصار کہتے تھے ہم نے اس روز سیاہ چادروں کی طرح بہت آسمان سے گرتی ہوئی کوئی چیز دیکھی دیکھتے کیا ہیں کہ بکثرت چیونٹیاں یکدم (وادی میں) پھیل گئیں، ہم ان کو اپنے کپڑوں سے جھاڑنے لگے اس کے بعد فوراً اللہ کی مدد سے ہم فتحیاب ہو گئے۔ مسدد نے مسند میں اور بیہقی و ابن عساکر نے ام برثن کے آزاد کردہ غلام عبدالرحمن کا بیان نقل کیا ہے۔ عبدالرحمن کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک شخص جو جنگ حنین میں بحالت شرک موجود تھا کہتا تھا کہ جب ہمارا مقابلہ صحابہ سے ہوا تو وہ اتنی دیر بھی مقابلہ پر نہ ٹھہرے جتنی دیر میں بکری دوہی جاتی ہے۔ منہ پھیر کر بھاگے ہم پیچھے سے ان کو کھدیڑتے چلے اچانک خچر پر سوار ایک شخص مقابلہ پر آیا۔ دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوسری روایت میں ایسا ہے کہ ہماری اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کچھ گورے گورے خوب صورت لوگ حائل نظر آئے جنہوں نے ہم سے کہا چہرے بگڑ گئے لوٹ جاؤ ہم فوراً لوٹ پڑے انہوں نے ہماری مشکیں کس لیں (گرفتار کر لیا) اور یہ وہی تھے۔

ابن مردویہ بیہقی اور ابن عساکر نے بیان کیا کہ حضرت شیبہ بن عثمان حجبی نے کہا میں حنین کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا تھا۔ اس لئے نہیں نکلا تھا کہ میں مسلمان ہو گیا تھا بلکہ اس لئے نکلا تھا کہ ہوازن کا قریش پر غالب آنا مجھے پسند نہیں تھا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان میں کھڑا ہی تھا (کہ ابلق گھوڑوں پر کچھ سوار مجھے دکھائی دیئے اور) میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے ابلق گھوڑے نظر آ رہے ہیں، فرمایا شیبہ یہ تو صرف کافر کو نظر آتے ہیں پھر آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر مارا اور فرمایا اے اللہ شیبہ کو ہدایت کر خدا کی قسم ایسا تین بار کیا خدا کی قسم دوسری بار ہی آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ سے نہیں اٹھایا تھا

کہ مجھے آپ کی ذات سب مخلوق سے زیادہ پیاری محسوس ہونے لگی۔ غرض مسلمانوں کا مقابلہ ہوا جو لوگ شہید ہونا تھے شہید ہوگئے پھر رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے۔ حضرت عمر (خچر کی) لگام پکڑے ہوئے تھے اور حضرت عباسؓ رکاب پکڑے ہوئے تھے، حضرت عباسؓ نے اونچی آواز سے ندا کی، مہاجر کہاں ہیں، سورۂ بقرہ والے کہاں ہیں رسول اللہ ﷺ یہ ہیں۔ فوراً مسلمان آگئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے تلواروں سے کافروں کا مقابلہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب تنور گرم ہوا (لڑائی گھمسان کی اب ہوئی)۔

محمد بن عمر نے مالک بن اوس بن حدثان کا قول نقل کیا ہے مالک نے کہا مجھ سے میرے قبیلہ کے چند آدمی جو اس روز شریک جنگ تھے کہہ رہے تھے کہ اس روز کنکریاں جو رسول اللہ نے (کافروں کی طرف) پھینکی تھیں ان کی وجہ سے کوئی آدمی ایسا نہ بچا جس کی آنکھوں میں مٹی نہ پڑی ہو اور ہم کو اپنے سینوں کے اندر ایک ایسی اضطرابی لہر محسوس ہونے لگی جیسے طشت میں پتھر گرنے سے پیدا ہو جاتی ہے اس دھڑکن میں سکون ہی نہیں پیدا ہوتا تھا ہم نے اس روز کچھ گورے رنگ کے آدمی دیکھے جو آسمان و زمین کے درمیان ابلق گھوڑوں پر سوار تھے ان کے سروں پر سرخ عمامے تھے جن کے پلے انہوں نے شانوں کے درمیان لٹکا رکھے تھے، ان کے دستے دستے (الگ الگ) تھے ہم کو ان کے رعب کی وجہ سے غور کر کے دیکھنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ اور کافروں کو اللہ نے عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

ابن ابی حاتم نے (عذاب کی تشریح میں) سدی کبیر کا قول نقل کیا ہے۔ یعنی ان کو تلوار سے قتل کرایا۔ بزار نے قابل اعتماد سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے دن فرمایا ان کو خوب کاٹ ڈالو، حضور ﷺ نے یہ فرماتے وقت اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔

بیہقی نے عبداللہ بن حارث کی روایت سے حضرت حارث کا بیان نقل کیا ہے کہ حنین کے دن اہل طائف میں سے اتنے ہی آدمی مارے گئے جتنے بدر کے دن مارے گئے تھے یعنی ستر۔ حنین میں بمقام اوطاس ام ایمن کے بیٹے ایمن اور سراقہ بن حارث اور رقیم بن ثعلبہ اور یزید بن زمعہ اور ابو عامر اشعری شہید ہوگئے۔

محمد بن عمر نے حضرت محمد بن عبداللہ بن صعصعہ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے چیخ کر تین بار خزرج کو پکارا اور حضرت اسیدؓ بن حضیر نے تین مرتبہ اوس کو آواز دی، دونوں قبیلے ندا سنتے ہی ہر طرف سے لوٹ پڑے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار (یعسوب) کی طرف لوٹتی ہیں۔

اہل مغازی نے لکھا ہے پھر مسلمانوں نے مشرکوں پر حملہ کر دیا اور اتنا قتل کیا کہ قتل کرتے کرتے تیزی سے ان کے بچوں اور عورتوں (کی حد) تک پہنچ گئے، یہ اطلاع رسول اللہ ﷺ کو پہنچ گئی تو فرمایا لوگ کیوں قتل کرتے کرتے بچوں تک پہنچ گئے۔ خوب سن لو بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ حضرت اسید بن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو مشرکوں کے بچے ہیں۔ فرمایا تم میں کے اچھے آدمی کیا مشرکوں کی اولاد نہیں ہیں ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (اور فطرت پر رہتا ہے) جب تک کہ اس کی زبان کھلے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی بنا دیتے تھے۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ مشائخ ثقیف کہتے تھے ہم خیال کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے تعاقب میں ہیں یہاں تک کہ ہم میں کے جو لوگ طائف کے قلعہ میں گھس بھی جاتے تھے یہی گمان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں، شکست کا رعب ان پر ایسا پڑا تھا۔ اللہ نے اپنے دشمنوں کو ہر طرف سے شکست دے دی اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا قتل بھی کیا اور ان کے بچوں عورتوں کو گرفتار بھی کیا مالک بن عوف اور اس کی قوم کے کچھ سردار بھاگ کر طائف کے قلعہ میں پناہ گیر ہوگئے۔

ابن اسحاق اور محمد بن عمرو غیرہ کا بیان ہے کہ شکست کھانے کے بعد مالک بن عوف اور کچھ ہوازن کے آدمی طائف میں

آگئے اور کچھ لوگوں نے اوطاس میں ہی لشکر گاہ بنائی اور کچھ نخلہ کی طرف چلے گئے اور جو لوگ گھاٹیوں میں پیچھے گئے ان کا پیچھا
کیا اور ربیعہ بن رفیع سلمی نے درید بن الصمہ کو قتل کر دیا۔

بغوی کا بیان ہے جب مشرک شکست کھا کر پیٹھ دے کر بھاگے تو اوطاس پہنچے وہاں ان کے بیوی بچے اور مویشی تھے۔
رسول اللہ ﷺ نے ایک اشعری آدمی کو جس کا نام ابو عامر تھا لشکر کا کمانڈر بنا کر اوطاس کو بھیجا۔ وہاں اس فوج کی مشرکوں سے
لڑائی ہوئی اور درید بن الصمہ مارا گیا مشرکوں کو شکست ہوگئی مسلمانوں نے ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا۔ مالک بن عوف نصری
بھاگ کر طائف چلا گیا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا اور اس کے چوپائے اور اہل و عیال گرفتار ہو گئے۔ مسلمانوں کا امیر ابو عامر بھی شہید
ہو گیا۔ اہل مکہ نے جب دیکھا کہ اللہ نے اپنے رسول کو فتوحات اور اپنے دین کو غلبہ عطا کر دیا تو ان میں سے بکثرت آدمی مسلمان
ہو گئے مال غنیمت جو جمع کیا گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کو جعرانہ لے جانے کا حکم دیا حکم کی تعمیل کی گئی یہاں تک کہ طائف
کے محاصرہ سے فارغ ہو کر خود حضور ﷺ بھی جعرانہ آ گئے۔ ابن سعد اور مولف العیون نے لکھا ہے کہ قیدی چھ ہزار اونٹ
۲۴ ہزار اور بھیڑ بکریاں چالیس ہزار سے زائد تھیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ عبدالرزاق نے سعید بن مسیب کی روایت
سے لکھا ہے کہ اس روز چھ ہزار عورتیں اور لڑکے قید کئے گئے اور ابوسفیان بن حرب کو مال غنیمت کا نگران مقرر کیا گیا۔ بلاذری
نے کہا بدیل بن ورقاء خزاعی کو اور ابن اسحاق نے کہا مسعود بن عمر غفاری کو نگران غنیمت مقرر کیا گیا تھا اور خود رسول
اللہ ﷺ نے فوجی چھاؤنی ڈال دی ثقیف کے لوگ اپنے قلعہ پر چڑھ کر قلعہ بند ہو گئے۔ یہ قلعہ عرب کے سارے قلعوں میں
بے نظیر تھا۔ قلعہ کے اوپر انہوں نے سو تیر انداز مقرر کر دیئے جنہوں نے دور والوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے اور جو
لوگ قلعہ کے قریب پہنچ گئے تھے ان پر وہ آگ میں تپائی ہوئی چنگاریاں برساتی ہوئی لوہے کی بھٹیاں پھینکتے تھے اتنی کثرت
سے انہوں نے تیر برسائے کہ معلوم ہوتا تھا ایک ٹڈی دل ہے۔ بہت مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہو گئے اور رسول
اللہ ﷺ اس جگہ پر چڑھ گئے جہاں بنی ثقیف نے مسلمان ہونے کے بعد مسجد بنا دی ہے۔ عمرو بن امیہ ثقفی نے جو آخر میں
مسلمان ہو گیا تھا اپنی جماعت سے کہا اگر محمد میدان میں نکل کر دو بدو جنگ کی دعوت دیں تو کوئی (بھی مسلمان سے
دو بدو) لڑنے کے لئے باہر نہ نکلے جب تک وہ یہاں پڑے رہیں پڑا رہنے دو چنانچہ حضرت خالد بن ولید نے میدان میں نکل کر
اپنے حریف کو طلب کیا تو کسی نے اوپر سے جھانکا بھی نہیں آپ نے پھر دعوت دی تب بھی کوئی نہیں اترا بلکہ عبد یالیل نے کہا
کوئی تمہارے مقابلہ پر نہیں اترے گا۔ ہم قلعہ کے اندر ہی رہیں گے۔ ہم نے برسوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں رکھ
چھوڑی ہیں جب یہ راشن ختم ہو جائے گا اور تم اس وقت تک یہاں پڑے رہو گے تو ہم سب کے سب نکل کر تلواروں سے
تمہارا مقابلہ آخر دم تک کریں گے الغرض رسول اللہ ﷺ تیروں سے ان کا مقابلہ کرتے رہے اور وہ بھی قلعہ کے اوپر سے تیر
پھینکتے رہے۔ کوئی باہر نکل کر نہیں آیا۔ بنی ثقیف کے تیروں سے بہت لوگ زخمی ہوئے اور ایک جماعت شہید بھی ہو گئی۔ ابن
اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ [illegible] مجھے رسول اللہ نے اعلان کیا جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد
ہے چنانچہ وہاں سے کچھ زائد دس لوگ قلعہ سے نکل کر آ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا میری رائے میں تو منجنیق نصب کر کے قلعہ پر پتھر
برسائے جائیں دور اسلام میں (مسلمانوں کی طرف سے) یہ پہلی منجنیق لگائی گئی جس سے پتھر پھینکے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے
حکم دیا کہ ان کے انگور کی بیلیاں اور کھجور کے درخت کاٹ دیئے جائیں۔ آپ ﷺ نے ہر مسلمان کو مامور کر دیا کہ پانچ درخت
(کھجور کے) اور پانچ بیلیں (انگور کی) قطع کر دے۔ مسلمانوں نے بے دریغ بکثرت درخت کاٹنے شروع کر دیئے۔ بنی ثقیف نے
پکار کر کہا [illegible]
چھوڑ رہا ہوں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا میں نے
خواب دیکھا کہ مکھن سے بھرا ہوا ایک پیالہ مجھے ہدیہ میں پیش کیا گیا ایک مرغ نے اس کو چونچ مار دی اور پیالہ میں جو کچھ تھا اس کو

فرمایا، حضرت ابوبکر نے عرض کیا میرے خیال میں آج آپ وہ چیز نہیں پاسکتے جو آپ کو مطلوب ہے (یعنی طائف کا قلعہ فتح نہ ہو گا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور میں (بھی) یہ نہیں سمجھتا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جب طائف کے محاصرہ کو ۱۵ دن گزر گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت نوفل بن معاویہ دیلی سے مشورہ کیا اور فرمایا نوفل اس جگہ ٹھیرنے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ نوفل نے عرض کیا یا رسول اللہ لومڑی بھٹ کے اندر ہے اگر آپ یہاں پڑے رہیں گے تو (کبھی نہ کبھی) اس کو پکڑ لیں گے اگر چھوڑ دیں گے تو یہ لومڑی آپ کو ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ بقول شیخان حضرت عمرو حضرت ابن عمر نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کر لیا اور کچھ حاصل نہ ہوا تو فرمایا انشاء اللہ ہم کل لوٹ جائیں گے۔ صحابہ کو یہ بات شاق ہوئی اور وہ کہنے لگے آپ یوں ہی جا رہے ہیں ہم اس کو حاصل کر بھی نہ سکے۔ حضور ﷺ نے فرمایا (اچھا) کل صبح کو لڑنا چنانچہ دوسرے دن صبح کو صحابہ نکلے اور سخت جنگ کی اور خوب زخمی ہوئے (مگر قلعہ فتح نہ ہوا) حضور نے فرمایا انشاء اللہ کل صبح ہم لوٹ جائیں گے اب یہ بات لوگوں کو پسند آئی حضور یہ دیکھ کر ہنس دیئے۔

صالحی نے ذکر کیا ہے کہ طائف میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

حضرت عروہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا (کل) اونٹ چرنے کے لئے نہ چھوڑے جائیں صبح ہوئی تو آپ نے اور صحابہ نے کوچ کر دیا اور لوٹنے کے لئے سوار ہو گئے تو دعا کی اے اللہ ان کو ہدایت کر دے اور ہم کو ان کی مشقت سے بچالے (یعنی ان کے دلوں میں ایمان ڈال دے تاکہ ہم پر یہ حملہ نہ کریں اور ہم ان پر لشکر کشی نہ کریں)۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو حسن کہا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے ہم کو جلا ڈالا، آپ ان کے لئے بد دعا کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ ثقیف کو ہدایت کر اور ان کو ایمان بنا کر لے آ۔

ابن اسحاق کی ایک روایت میں آیا ہے کہ طائف کا محاصرہ تیس رات یا اس کے قریب قریب رہا۔ دوسری روایت سے بیس رات سے کچھ اوپر مدت محاصرہ جاتی ہے۔ بعض نے بیس دن کہا ہے بعض کے نزدیک دس دن سے کچھ زیادہ محاصرہ رہا۔ ابن حزم نے کہا کہ بلاشک صحیح ہے۔ امام احمد و مسلم نے حضرت انس کی روایت سے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے چالیس دن طائف کا محاصرہ رکھا ہدایہ میں اس روایت کو غریب کہا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے مہینہ کے جتنے دن باقی تھے اتنی روز محاصرہ رکھا یعنی شوال کے مہینہ کے جو دن باقی تھے ان میں محاصرہ جاری رہا۔ جب ماہ ذیقعدہ آگیا تو چونکہ یہ مہینہ حرمت کا تھا (اس میں جنگ و جدال حرام تھا) اس لئے محاصرہ اٹھا کر لوٹ آئے۔ میں کہتا ہوں یہی بات ابن حزم کے قول کے موافق ہے۔ بعض لوگ قائل ہیں کہ ماہ ہائے حرام میں قتال کرنا جو پہلے حرام تھا وہ (اس آیت سے) منسوخ کر دیا گیا مگر اس آیت میں حرمت ذیقعدہ کو منسوخ کرنے پر کوئی دلالت نہیں وہاں اگر ایک ماہ یا اس سے زائد محاصرہ قرار دی جائے تو ضرور ماہ ذیقعدہ میں قتال کا ثبوت ہو جائے گا۔

پھر یہاں سے رسول اللہ ﷺ جعرانہ کو تشریف لے گئے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا۔

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

پھر اس کے بعد اللہ جس کو اسلام کی ہدایت دینی چاہے گا اس کو توبہ کی توفیق دے دے گا۔ اور اللہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ ابن اسحاق نے یونس بن بکیر کی وساطت سے حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے۔ ابن عمر نے فرمایا میں حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا جب ہوازن پر مال اور اہل و عیال کی گرفتاری کی مصیبت جو پڑنی تھی وہ پڑ گئی تو پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بمقام جعرانہ ہوازن کا ایک وفد آیا جس میں چودہ آدمی تھے جن میں رسول اللہ ﷺ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی شامل تھا۔ اس وفد کا سرگروہ زہیر بن صرد تھا۔ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ ابو برقان نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سب کی جڑ ایک ہے اور کنبہ ایک ہے اور جو مصیبت ہم پر پڑی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اب

آپ ہم پر کرم کریں اللہ آپ پر کرم کرے گا۔ زہیر نے کھڑے ہو کر اپنے خطاب میں کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ ان باڑوں کے اندر جو قیدی عورتیں ہیں وہ آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ یعنی رضاعی۔ اور وہ عورتیں ہیں جنہوں نے آپ کو گود میں کھلایا ہے اور جو آپ کی خدمت ذمہ داری کے ساتھ کرتی رہی ہیں اگر ہمارا انکر او حارث بن ابی شمر (غسانی) شاہ شام یا نعمان بن منذر شاہ عراق سے ہوتا اور ان کی طرف سے ہم پر ایسی مصیبت پڑتی جیسی آپ کے حملے سے پڑی ہے تو ہمیں امید تھی کہ (آخر میں) وہ ہم پر مہربانی اور رحم کرتے اور یا رسول اللہ آپ تو سب سے بڑھ کر کفیل ہیں پھر اس نے حضور ﷺ کو کچھ شعر پڑھ کر سنائے۔

صالحی کا بیان ہے کہ زہیر بن صرد جشمی کہتے تھے، جب حنین اور ہوازن کے دن رسول اللہ ﷺ نے ہم کو قید کر لیا اور پھر لشکر میں قیدیوں کی اور بھیڑ بکریوں کی تقسیم کرنے لگے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ ہم پر کرم و احسان کیجئے۔ آپ ہی ایسے شخص ہیں جس سے ہم (کرم کے) امیدوار اور منتظر احسان ہیں میں نے کچھ اشعار پڑھے۔ حضور ﷺ نے اشعار سن کر فرمایا میرا اور اولاد عبدالمطلب کا اس مال غنیمت اور قیدیوں میں جو حصہ ہے وہ تمہارے لئے ہے یعنی تم واپس لے لو میں دست بردار ہوتا ہوں قریش نے جو یہ بات سنی تو وہ بولے ہمارا جو حصہ ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور رسول نے اپنا حصہ واپس کر دیا لہٰذا ہم بھی اپنے حصے واپس کرتے ہیں اور انصار نے بھی یہی کہہ دیا۔ صالحی نے کہا اس حدیث کی سند بہت بڑھیا اور کھری ہے۔ مقدسی نے بھی اس کو اپنی صحیح میں لکھا ہے اور ابن حجر نے اس کی حسن ہونے کو ترجیح دی ہے۔ بخاری نے صحیح میں مروان اور مسور بن مخرمہ کی روایت سے یہ قصہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جب ہوازن والے مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے مال اور اہل و عیال کی واپسی کے لئے درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ جو لوگ ہیں ان کو تم دیکھ رہے ہو اور مجھے سب سے اچھی بات وہی لگتی ہے جو سچی ہو (پس سچی اور صاف بات یہ ہے کہ) تم دونوں میں سے ایک چیز واپس لے لو یا قیدی یا مال بنی ہوازن نے کہا ہم قیدیوں کی واپسی پسند کرتے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد رسول اللہ ﷺ (خطاب کرنے) کھڑے ہوئے اور مناسب حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔ امابعد۔ اب تمہارے بھائی توبہ کر کے تمہارے پاس آئے ہیں۔ میں ان کے قیدیوں کو واپس کرنا چاہتا ہوں تم میں سے جو شخص بخوشی خاطر ایسا کرنا چاہے کرے اور جو شخص اپنے حصہ پر قائم رہنا پسند کرے اس کو ہم (اس کے حصہ کا معاوضہ) اس مال میں سے جو اللہ سب سے پہلے بطور غنیمت عطا فرمائے گا دے دیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم نے بخوشی خاطر ایسا کیا (یعنی بلا شرط معاوضہ قیدیوں کو واپس کرنے پر رضامند ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ تم میں سے کس نے اجازت دے دی اور کس نے نہیں دی۔ لہٰذا لوٹ کر جاؤ اور جو تمہارے نمائندے ہیں وہ آ کر مجھے تمہاری رائے بتائیں لوگ واپس چلے گئے اور ان کے سرداروں نے ان سے گفتگو کی پھر حضور کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا کہ سب نے بخوشی خاطر اجازت دے دی۔

ابوداؤد، بیہقی اور ابو یعلی نے بیان کیا کہ حضرت ابو الطفیل نے کہا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں گوشت تقسیم کر رہے ہیں (شاید گوشت سے مراد بھیڑ بکریاں ہوں) اتنے میں ایک بدوی عورت آ کر رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گئی، حضور ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی وہ چادر پر بیٹھ گئی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون عورت ہے۔ لوگوں نے بتایا یہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں ہے (دودھ پلانے والی) ابوداؤد نے مراسیل میں حضرت عمرو بن سائب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں آپ کا رضاعی باپ آیا۔ آپ نے اس کے لئے اپنے کپڑے کا کچھ حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا پھر آپ کی رضاعی ماں آئیں آپ نے ان کے لئے اسی کپڑے کا دوسرا حصہ بچھا دیا وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر آپ کا رضاعی بھائی آیا آپ کھڑے ہو گئے اور اس کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

محمد بن عمر کا بیان ہے جب حنین کے دن مشرکوں کو شکست ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا تعاقب کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اگر قبیلہ بنی سعد کا بجاد تمہارے ہاتھ لگ جائے تو اس کو نہ چھوڑنا اس شخص نے ایک بڑا جرم کیا تھا۔ ایک مسلمان کو پکڑ کر اس کا ایک ایک عضو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا پھر اس کو آگ میں جلایا تھا۔ وہ بھی اپنے جرم سے واقف تھا اس لئے بھاگ گیا تھا مگر

سواروں نے اس کو پکڑ لیا اور حارث بن عبدالعزی کی بیٹی شیما کے ساتھ جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھی لا کر قید کر دیا تھا۔ شیما کہنے لگی واللہ میں تو تمہارے سردار کی بہن ہوں مگر لوگوں نے اس کی بات سچ نہیں سمجھی اور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے شیما نے حضور ﷺ سے کہا محمد ﷺ میں تو تمہاری بہن ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نشانی کیا ہے شیما نے اپنا انگوٹھا دکھایا جس پر کاٹے کا نشان تھا اور کہنے لگی یہ نشان تمہارے کاٹنے کا ہے ہم تمہارے اور اپنے ماں باپ کے جانور وادی سرب میں چراتے تھے میں تم کو کولھے پر بٹھائے ہوئے تھی کہ تم نے میرے انگوٹھے میں کاٹا تھا، ماں کا دودھ پینے پر میرا تمہارا نزاع ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نشانی پہچان لی اور کود کر فوراً کھڑے ہو گئے۔ شیما کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا اس پر بیٹھ جاؤ، حضور نے اس کو مرحبا کہا، حضور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور رضاعی ماں باپ کی خیر دریافت کی۔ شیما نے کہا ان کا انتقال ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم یہاں رہنا چاہو تو عزت و تکریم کے ساتھ تم کو رکھا جائے گا اور واپس اپنی قوم میں جانا ہو تو حفاظت کے ساتھ تم کو واپس پہنچا دیا جائے گا۔ شیما نے کہا میں اپنی قوم کے پاس واپس جانا چاہتی ہوں پھر شیما مسلمان ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو تین باندی غلام دیئے اور ایک یا دو اونٹ دینے کا حکم دیا۔ اور فرمایا تم جعرانہ کو جا کر اپنی قوم کے ساتھ رہو، میں اب طائف کو جا رہا ہوں، شیما جعرانہ کو لوٹ گئی پھر (طائف سے واپس آ کر) جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ نے اس سے ملاقات کی اور اس کو اس کے بقیہ گھر والوں کو اونٹ اور بکریاں عطا فرمائیں۔ شیما نے بجاد کو معاف کر دینے کی درخواست کی رسول اللہ ﷺ نے درخواست قبول کر لی اور جیسا شیما نے کہا ویسا ہی کر دیا)۔

ابن اسحاق نے یونس بن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہوازن کے قیدیوں کو واپس کر چکے تو اونٹ پر سوار ہو کر چل دیئے لوگ آپ کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مال غنیمت ہم کو بھی تقسیم کیجئے۔ لوگوں نے آپ کا پیچھا اتنا کیا کہ لوگوں کے ریلے سے مجبور ہو کر آپ ایک درخت سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے حضور ﷺ کی چادر بھی کھینچ لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا لوگو میری چادر واپس دے دو۔ قسم ہے اس کی جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر تہامہ کے درختوں کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوتے تو وہ بھی میں تم کو بانٹ دیتا پھر تم مجھے نہ بخیل پاتے نہ دروغ گو۔ (اگر اس جگہ عبارت میں شرطیہ جملہ ہونے کی وجہ سے ماضی کے صیغوں کا مضارع سے ترجمہ کیا جائے تو اس طرح ہوگا کہ اگر تہامہ کے درختوں کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوں گے تو میں تم کو بانٹ دوں گا)۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤلفۃ القلوب کو بھی حصہ دیا۔ مؤلفۃ القلوب عرب کے کچھ سردار تھے جن کی تالیف قلب (بقول محمد بن عمر مال دے کر) رسول اللہ ﷺ کو مقصود تھی۔ آپ نے ان کو تقسیم مال کے وقت سب لوگوں سے پہلے حصہ دیا۔ صالحی کا قول ہے ان میں سے بعض آدمیوں کو سو اور بعض کو پچاس اونٹ دیئے ان کی مجموعی تعداد پچاس سے زائد تھی۔ صالحی نے ان کے نام بھی ذکر کئے ہیں اور ۴۵ نام بیان کئے ہیں۔

شیخین نے صحیحین میں لکھا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے بیان کیا، میں نے حنین میں رسول اللہ ﷺ سے سو اونٹ مانگے۔ آپ نے عنایت فرما دیئے میں نے پھر سو اونٹ مانگے آپ نے وہ بھی دے دیئے اور دینے کے بعد فرمایا، حکیم یہ مال شیریں ہے جو شخص سخاوت نفس کے ساتھ اس کو لے گا اس کو مال میں برکت حاصل ہوگی، اور جو دل کی حرص سے لے گا اس کو برکت حاصل نہ ہوگی۔ جیسے کوئی کھائے اور (کتنا ہی کھائے) پیٹ نہ بھرے اوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے اور دینا ان لوگوں سے شروع کرو جن کے تم سرپرست ہو حکیم نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے آپ کے بعد میں کسی سے کچھ مانگ کر اپنی ذلت نہیں کروں گا چنانچہ حضرت عمر اپنے عہد خلافت میں) حضرت حکیم کو ان کا حصہ دینے کے لئے طلب فرماتے تھے اور حکیم لینے سے انکار کر دیتے تھے حضرت عمر فرماتے تھے لوگو میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں حکیم کو ان کا حصہ دے رہا ہوں اور وہ لینے سے انکار کر رہے ہیں۔

ابن ابی الزناد کی روایت ہے کہ حضرت حکیم نے پہلی مرتبہ کے سو اونٹ تو لے لئے تھے اور باقی (دوسری مرتبہ کے اونٹ) چھوڑ دیئے۔

رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو سو اونٹ دیے تھے اور ابوسفیان بن حرب کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی اور معاویہ بن ابوسفیان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی اور یزید بن ابوسفیان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی۔

بخاری کی روایت ہے کہ صفوان (بن امیہ) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے مجھے ہر مخلوق سے زیادہ نفرت تھی لیکن حنین کا مال غنیمت آپ نے پیہم مجھے اتنا دیا کہ میری نظر میں اللہ کی کوئی مخلوق آپ سے زیادہ پیاری نہیں رہی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان کو سو اونٹ عطا فرمائے۔ پھر سو دیئے، پھر سو دیئے، محمد بن عمر کا بیان ہے کہ صفوان رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب مال غنیمت کی تلاش (جنگل میں ہر طرف) کرتے پھر رہے تھے ایک گھاٹی کی طرف سے گزر ہوا۔ گھاٹی میں بکریاں اونٹ اور ان کے چرواہے بھرے پڑے تھے۔ یہ مال غنیمت تھا جو اللہ نے اپنے رسول کو بغیر مقابلہ اور جنگ کے عطا کیا تھا۔ صفوان کو وہ مال مویشی بہت پسند آئے اور گھاٹی کی طرف دیکھنے لگے ——— رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو وہب کیا تم کو یہ گھاٹی پسند ہے۔ صفوان نے جواب دیا جی ہاں فرمایا وہ مع ان چیزوں کے جو اس کے اندر ہیں تمہاری ہو گئی۔ صفوان نے عرض کیا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں نبی کے سوا کسی اور کا دل بخوشی خاطر کبھی اس کو دینا پسند نہیں کر سکتا۔ امام احمد مسلم اور بیہقی نے حضرت رافع بن خدیج کا بیان ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مولفۃ القلوب میں سے ہر ایک مرد کو حنین کے مال غنیمت سے سو سو اونٹ عطا کئے۔ اسی بیان میں آیا ہے کہ عباس بن مرداس کو سو سے کم دیئے۔ اس پر عباس نے یہ شعر کہے کیا آپ میرا مال غنیمت میں حصہ عیینہ (بن حصن فزاری) اور اقرع (بن حابس) کے حصے کے برابر قرار دے رہے ہیں حالانکہ حصن اور حابس کے کارنامے تو (میرے باپ) مرداس کے ہم پلہ نہ تھے۔ الخ۔ یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے عباس کو بھی پورے سو اونٹ دے دیئے۔ عثمان بن وہب، عدی بن قیس، تمیر بن وہب، علاء بن جاریہ اور مخرمہ بن نوفل میں سے ہر ایک کو پچاس پچاس اونٹ دیئے۔ پھر حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ مردم شماری کریں اور مال غنیمت کی مقدار بھی معلوم کریں۔ اس کے بعد لوگوں کو حصہ وار مال تقسیم کیا گیا، ہر پیدل کو چار اونٹ یا چالیس بکریاں ملیں۔ گھوڑے کے سوار کو بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بکریاں دی گئیں (یعنی سوار کا حصہ پیدل سے تین گنا لگایا گیا) اگر کسی سوار کے پاس ایک گھوڑے سے زیادہ گھوڑے تھے تو مزید گھوڑے کا حصہ نہیں لگایا گیا پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مال غنیمت کے کل اونٹ چوبیس ہزار تھے اور کل بکریاں چالیس ہزار یا اس سے زائد تھیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا ہے اس طرح چار ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریوں کے برابر ہوئے اور اونٹوں کی کل تعداد ۲۸ ہزار ہو گئی اور مولفۃ القلوب کو چار ہزار اونٹوں کے لگ بھگ دیئے گئے اس صورت میں کل اونٹوں کا خمس الخمس یعنی پچیسواں حصہ یا اس سے کچھ زائد تو مولفۃ القلوب کو دیا نہیں گیا بلکہ کل مال کا لگ بھگ ساتواں حصہ دیا گیا۔ ایسی حالت میں دو باتوں میں سے ایک بات کا اقرار کرنا ہو گا یا تو بغیر سابقہ اعلان اور پیشگی شرط کے رسول اللہ ﷺ نے کل مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے جتنا چاہا بطور انعام مولفۃ القلوب کو دے دیا ۱/۵ یعنی کل مال کا تقریبا پانچواں حصہ مستحقین کے صرف ایک گروہ کو رسول اللہ ﷺ نے عطا فرما دیا اور مولفۃ القلوب کو حاجت مندوں کے گروہ میں شمار کر کے تقریبا خمس ان کو دے دیا۔ کل لشکر بارہ ہزار یا سولہ ہزار تھا اس میں کچھ سوار بھی تھے پیادہ کے حصہ میں فی کس چار اونٹ آئے اور سوار کو فی کس ۱۲ اونٹ ملے اس طرح کل غنیمت کے اونٹ لگ بھگ ساٹھ ہزار ہوتے ہیں اور تھے چوبیس یا اٹھائیس ہزار پھر یہ کہاں سے آئے اس کی توجیح کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ سامان کی قیمت اور نقد روپیہ کو جانوروں کے ساتھ ملا کر ساٹھ ہزار اونٹوں کی تعداد شاید قائم کر لی گئی (اس کے بغیر کوئی تاویل ممکن نہیں)۔

محمد بن اسحاق نے بروایت محمد بن حارث تیمی بیان کیا کہ کسی صحابی نے جن کا نام محمد بن عمر نے سعد بن ابی وقاص بتایا ہے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو تو سو سو اونٹ عطا فرما دیئے اور جعیل بن سراقہ ضمری کو نظر انداز کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ جعیل بن سراقہ تو عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس جیسے تمام اہل ارض سے کہیں بہتر ہے لیکن میری غرض ان دونوں

کو جوڑے رکھتا ہے تاکہ یہ مسلمان رہیں اور جعیل بن سراقہ کو تو میں نے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا ہے (اس کا اسلام اتنا مضبوط ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا)۔

بخاری نے حضرت عمرو بن تغلب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو مال دیا اور کچھ کو نہیں دیا (معلوم ایسا ہوتا تھا کہ) جن کو کچھ نہیں دیا وہ ناراض ہو گئے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے جن لوگوں کی حرص اور بھوک سے (ان کے ضعیف الاسلام ہو جانے یا اسلام سے پھر جانے کا) اندیشہ ہوتا ہے تو میں ان کو مال دیتا ہوں اور کچھ لوگوں کو ان کے قلبی مضبوط اسلام اور بے نیازی کے سپرد کر دیتا ہوں (ان کو کچھ نہیں دیتا) انہی میں سے عمرو بن تغلب بھی ہے۔ حضرت عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ لفظ مجھے اپنے لئے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ پیارا ہو گیا اسی جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا باوجودیکہ بعض لوگ مجھے زیادہ عزیز ہوتے ہیں لیکن ان کو چھوڑ کر میں بعض ایسے لوگوں کو دیتا ہوں کہ (مال نہ پہنچنے کی صورت میں) ان کے اوندھے منہ دوزخ میں گر جانے کا مجھے اندیشہ ہوتا ہے (یعنی مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ان کو نہ دوں گا تو یہ مرتد ہو کر جہنم میں گر پڑیں گے) رواہ البخاری عن سعد بن ابی وقاص۔

محمد بن اسحاق اور امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اور امام احمد و شیخین نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے نیز شیخین نے حضرت عبداللہ بن یزید بن عاصم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کا مال غنیمت حاصل کرنے کے بعد قریش کے مولفۃ القلوب اور دوسرے عربوں کو حسب مرضی تقسیم کر دیا دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک ایک کو سو سو اونٹ دیئے مگر انصار کے لئے کچھ نہ ہوا۔ تھوڑا دیا۔ بس اس پر انصاریوں کے دلوں میں کچھ احساس ہوا اور چہ میگوئیاں خوب ہونے لگیں، بعض لوگ یہاں تک کہنے لگے کہ اللہ اپنے رسول کو معاف کرے یہ عجیب بات ہے وہ قریش کو دے رہے ہیں اور ہم کو چھوڑ رہے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے دشمنوں کا خون ٹپک رہا ہے اگر کوئی سخت مصیبت آتی ہے تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت ہم کو چھوڑ کر دوسروں کو دیا جاتا ہے یہ تقسیم کس کے حکم سے ہو رہی ہے۔ اگر اللہ کے حکم سے ہو رہی ہے تو ہم صبر کریں گے۔ اور اگر خود رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہو رہی ہے تو ہم آپ کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کریں گے ایک انصاری نے کہا میں تو تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ جب سب کام ٹھیک ہو جائیں گے تو یہ رسول اللہ ﷺ دوسروں کو تم پر ترجیح دیں گے دوسرے لوگوں نے اس انصاری کو سختی کے ساتھ ڈانٹ دیا۔ حضرت انس کا بیان ہے ان باتوں کی اطلاع رسول اللہ تک پہنچ گئی۔ حضرت ابو سعید کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ انصاریوں کا یہ قبیلہ اپنے دلوں میں آپ سے ناراض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا وجہ ہے حضرت سعد نے کہا مال غنیمت کی تقسیم کی وجہ سے آپ نے اپنی قوم کو اور دوسرے عربوں کو تو دیا اور انصاریوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوا حضور ﷺ نے فرمایا سعد تمہارا کیا خیال ہے۔ حضرت سعد نے کہا میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو پھر اپنی قوم والوں کو اس احاطہ کے اندر یکجا جمع کر لو۔ حضرت سعد نے باہر آکر لوگوں کو چیخ کر پکارنا شروع کیا اور سب کو جمع کر لیا۔ ایک مہاجر بھی آ گیا۔ حضرت سعد نے اس کو بھی انصار کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دے دی لیکن دوسرے مہاجرین نے درخواست کی تو حضرت سعد نے ان کی استدعا رد کر دی، اجازت نہیں دی۔ جب سب انصار آ گئے تو رسول اللہ ﷺ برآمد ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا اے گروہ انصار کیا تم گمراہ نہ تھے پھر (میرے ذریعہ سے) اللہ نے تم کو ہدایت فرمائی، کیا تم نادار نہ تھے پھر اللہ نے تم کو مالدار کر دیا کیا تم آپس میں دشمن نہ تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو ملا دیا۔ انصار نے عرض کیا بے شک ایسا ہی ہوا اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا ہم پر بڑا احسان اور کرم ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا، انصار نے اس کے جواب میں بھی کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان اور کرم ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے گروہ انصار تم (دوسرے طور پر) جواب کیوں نہیں دیتے۔ انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اور کیا کہیں اور آپ کو کیا جواب دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہتے تو یوں کہہ سکتے تھے اور یہ بات سچی بھی ہوتی اور تمہاری تصدیق بھی کی جاتی کہ

آپ ہمارے پاس (وطن اور قوم سے) بھاگ کر آئے تھے ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا آپ نادار تھے ہم نے آپ کی ہمدردی کی آپ خوف زدہ تھے ہم نے آپ کو بے خوف بنایا، آپ کی کسی نے مدد نہیں کی تھی ہم نے آپ کی مدد کی۔ سب نے آپ کو جھوٹا قرار دیا تھا ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ انصار نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر یہ کیا بات ہے، جو مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے، انصار خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے پھر یہی فرمایا، اس پر کچھ سمجھدار انصاریوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہمارے دانشمند طبقہ نے تو کچھ کہا نہیں، البتہ کچھ نوجوانوں نے کہا تھا کہ اللہ اپنے رسول کو معاف کرے وہ قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو نہیں دیتے حالانکہ ان کا خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جن کے کفر کا زمانہ ابھی حال ہی میں گزرا ہے اور ایمان ابھی پختہ نہیں ہوا ہے مجھے ان کو ملائے رکھنا ہے دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں میں قریش کو دیتا ہوں اس لئے کہ ان کا دور جاہلیت حال ہی میں گزرا ہے اور وہ دکھی ہیں، میں ان کے زخموں پر پٹی باندھ رہا ہوں اس روایت میں لفظ اجبر ہم۔ جبر سے مشتق ہے۔ جبر کا مفہوم کسر کی ضد ہے۔ یعنی جوڑنا جو توڑنے کی ضد ہے بعض روایات میں اجیز ہم بھی آیا ہے۔ اجیز اجازت سے مشتق ہے۔ یعنی جائزہ انعام دیتا ہوں۔ اے گروہ انصار کیا تم کو اپنے دلوں میں دنیا کے حقیر مال کا احساس ہوا۔ جو ان (ایسے) مسلمانوں کو جوڑے رکھنے کے لئے میں نے دے دیا اور تم کو تمہارے اسلام کے اعتماد پر چھوڑ رکھا جو اللہ نے تم کو نصیب کیا۔ اے گروہ انصار کیا تم اس سے خوش نہیں کہ لوگ تو بکریاں اور اونٹ لے کر گھروں کو جاتے ہیں دوسری روایت میں دنیا کا لفظ آیا ہے دنیا لے کر گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر گھروں کو لوٹو اور اللہ کے رسول کو گھروں میں رکھو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ سب لوگ ایک گھاٹی پر چلیں اور انصار دوسری گھاٹی پر تو میں انصار کی راہ پر چلوں گا اور لوگ میرا ظاہر ہیں اور تم میرا باطن ہو انصار میرا جگر ہیں۔

میرے محل اسرار ہیں۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اے اللہ انصار پر انصار کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔ انصار یہ تقریر سن کر رونے لگے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہم اللہ اور اللہ کے رسول کو اپنے نصیب اور حصہ میں پاکر خوش ہیں (ہم کو ان کے مقابلہ میں دنیا کا مال درکار نہیں) محمد بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بحرین کو بطور جاگیر انصار کے لئے لکھ دینے کا ارادہ کیا تا کہ آپ کے بعد بحرین انہی کے پاس رہے۔ بحرین اس زمانہ کے مفتوحہ علاقوں میں سب سے بڑھیا علاقہ تھا لیکن انصار نے انکار کر دیا اور عرض کیا آپ کے بعد ہم کو دنیا کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا تم میرے بعد دوسروں کو اپنے اوپر بہت زیادہ ترجیح پاؤ گے (یعنی حکومت اور دولت پر لوگ خود قابض ہو جائیں گے تم کو نہیں دیں گے) تو صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تمہاری مجھ سے ملاقات ہو جائے۔ اہل مغازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ہوازن کے وفد سے فرمایا مالک بن عوف کا کیا ہوا انھوں نے عرض کیا وہ قبیلہ ثقیف کے ساتھ طائف کے قلعہ میں جاکر حصار بند ہو گیا۔ فرمایا اس سے کہہ دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آگیا تو میں اس کا مال متاع اور بیوی بچے واپس کر دوں گا اور سو اونٹ بھی دوں گا۔ رسول اللہ نے مالک کے بیوی بچوں کو مکہ میں ان کی پھوپھی ام عبد اللہ بنت ابو امیہ کے گھر قید کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ مالک کو جب رسول اللہ کے اس سلوک کی اطلاع پہنچی اور معلوم ہوا کہ اس کے بیوی بچے محفوظ ہیں تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اس کو اندیشہ ہوا کہ اگر قوم والوں کو یہ اطلاع مل گئی کہ رسول اللہ ﷺ مالک کے متعلق یہ الفاظ فرمائے ہیں تو وہ گرفتار کر لیں گے اسلئے اس نے خفیہ طور پر ایک اونٹنی کسی بندھی مقام وحنا میں بھیج دی اور خود رات کو قلعہ سے نکل کر گھوڑے پر بیٹھ کر وحنا میں پہنچ گیا اور وہاں سے اونٹ پر سوار ہو کر مقام جعرانہ میں یا مکہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کے بیوی بچے اور مال و متاع واپس کر دیے اور سو اونٹ بھی عنایت فرما دیے۔ مالک مسلمان ہو گیا اور سچا مسلمان ثابت ہوا۔ قبائل دوس ہوازن ثقیف اور ثمالہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مالک کو ان کا سردار بنا دیا اور کچھ دوسرے مسلمان بھی اس کے پاس سمٹ آئے حضور نے سب کی کمانڈ مالک کے سپرد کر دی۔ مالک اپنی جماعت کو لے کر مشرکوں سے لڑنے لگا بلکہ ثقیف کے خلاف اس نے جنگ شروع

کر دی۔ ثقیف کے جو مویشی جنگل میں چرنے کے لئے نکلتے تھے مالک ان کو لوٹ لیتا تھا اور اکا دکا جو آدمی ہاتھ لگتا تھا اس کو قتل کر دیتا تھا اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیتا تھا۔ ایک بار سو اونٹ بھیجے اور ایک بار ہزار بکریاں بھیڑیں۔ اہل طائف کے مویشی بھی مالک نے پکڑ لئے اور ایک دن میں ہزار بھیڑ بکریاں ہنکا لایا۔

ابن اسحاق نے بروایت یونس بیان کیا ہے کہ رمضان ۹ ھ میں قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ غزوہ تبوک کے بعد کا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ　　اے ایمان والو! مشرک تو ناپاک ہی ہیں۔

نَجَسٌ باب نَجِعَ اور کَرُمَ سے مصدر ہے اسی لئے اس کا تثنیہ آتا ہے نہ جمع۔ مذکر اور مونث دونوں کے لئے ایک ہی لفظ مستعمل ہے۔ مصدر غیر مصدر پر محمول نہیں ہوتا اور خبر کا ثبوت مبتداء کے لئے ہوتا ہے اور خبر ہونے کی وجہ سے اس جگہ باوجود مصدر ہونے کے نجس کا ثبوت المشرکون کے لئے ہو رہا ہے تو یہ محمل (یعنی مشرک اتنے ناپاک ہیں کہ بعینہ نجاست بن گئے ہیں کہ جو ان کو چھوئے اس کا ہاتھ بھی ناپاک ہو جائے یا مصدر سے مراد ہے صفت (یعنی نجاست سے مراد ہے نجاست والے)۔

نَجُسَ وَنَجِسَ نَجَسٌ نَجْسٌ سب کے معنی ہیں ناپاک (قاموس) میں کہتا ہوں نجس وہ چیز ہے جس کو سلیم الطبع آدمی گندگی سمجھتے ہیں جیسے پیشاب، خون، پاخانہ یہی حقیقی نجاست ہے شریعت نے اسی کے حکم میں حکمی نجاست کو بھی داخل کر دیا ہے۔ بے وضو ہو جانا جنابت، حیض اور نفاس کا خاتمہ گویا سب نجاست۔ حکمی وہ ہے جو شریعت کے نزدیک نجاست ہے (اور نجاست حقیقی وہ ہے جس کو سلیم الطبع غیر مسلم بھی گندگی سمجھتے ہیں) چونکہ کافر کا باطن ناپاک ہے اس لئے شرعاً وہ ناپاک ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ جس طرح حقیقی نجاست سے اجتناب نمازی کے لئے ضروری ہے اسی طرح کافر سے اجتناب لازم ہے۔ اس لئے کفار سے گہرا دلی تعاون درست نہیں۔ ضحاک اور ابو عبیدہ نے نجس کا ترجمہ کیا ہے قذر یعنی نجاست غلیظہ۔ بغوی نے لکھا ہے یہاں بدن کی نجاست مراد نہیں بلکہ نجاست حکمی مراد ہے بطور مذمت کافروں کو نجس فرمایا ہے۔ قتادہ نے کہا مشرک اس لئے نجس ہیں کہ جنابت کا غسل نہیں کرتے وضو نہیں کرتے نجاستوں سے اجتناب نہیں کرتے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ کتوں کی طرح کافروں کی نجاست جسمانی ہے، ان کے بدن نجس ہیں۔ ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر مشرک سے کوئی مصافحہ کرلے تو وضو کرلے۔ یا فرمایا اپنے دونوں ہاتھ دھولے، یہ قول باجماع علماء متروک ہے۔ (گویا باجماع علماء یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے)۔

فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ　　لہٰذا یہ مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں۔ احناف کا قول ہے کہ مسجد حرام کے قریب آنے سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ حج و عمرہ نہ کریں ویسے مسجد حرام میں داخلہ کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو موسم حج میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اس اعلان سے مراد ہے حج و عمرہ کی ممانعت کرنا مسجد حرام میں کافر کے داخلہ کی ممانعت مقصود نہیں۔ لہٰذا دوسری مساجد میں کافروں کا داخلہ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

قریب جانے کی ممانعت صرف کلام میں زور پیدا کرنے (اور حج و عمرہ کی سختی کیساتھ ممانعت کرنے) کیلئے کی گئی ہے۔

امام شافعی کے نزدیک حرم میں داخل ہونے کی ممانعت مقصود ہے کیونکہ حرم میں داخل ہونے کے بعد مسجد حرام کے قریب پہنچنا ضروری ہے مسجد حرام سے حرم اس جگہ اسی طرح مراد ہے جس طرح آیت سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام میں مسجد حرام سے حرم مراد ہے۔ کیونکہ (شب معراج میں) رسول اللہ ﷺ کو حضرت ام ہانی کے مکان سے (جو حرم میں تھا) لے جایا گیا تھا (کعبہ سے نہیں لے جایا گیا تھا)۔

بغوی نے لکھا ہے (۱) حرم کے اندر کسی کافر کا داخلہ جائز نہیں، ذمی ہو حربی ہو یا مستامن۔ اس آیت کا ظاہر یہی مطلب

ہے۔ اگر امام (امیر المسلمین) حرم کے اندر ہو اور کافروں کی طرف سے دار الکفر سے کوئی (غیر مسلم) قاصد آئے تو حرم کے اندر داخل ہونے کی اجازت اس کو نہیں دی جاسکتی۔ امیر المسلمین اپنے کسی آدمی کو حرم کے باہر بھیج کر اس کا پیام معلوم کرالے۔

(۲) حجاز کے اندر تجارت وغیرہ کی غرض سے کافروں کا داخلہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر تین روز یعنی مدت سفر سے زائد قیام نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ جزیرہ عرب سے یہودیوں اور عیسائیوں کو نکال دوں گا۔ کسی کو سوائے مسلمان کے یہاں نہیں چھوڑوں گا مگر اس کام کی تکمیل سے پہلے حضور ﷺ کی وفات ہو گئی لیکن آپ نے اس کی وصیت فرمادی آپ کے بعد حضرت ابو بکر کو بھی اس کا موقع نہیں ملا، آخر حضرت عمرؓ نے سب غیر مسلموں کو جزیرہ عرب سے باہر نکال دیا۔ البتہ تاجروں کو تجارت کے لئے حجاز میں آنے اور تین دن ٹھیرنے کی اجازت دے دی۔ جزیرہ عرب کی حدود اربعہ اس طرح ہیں، طول میں عدن کے آخری کنارہ سے عراق کے سبزہ زار تک اور عرض میں جدہ اور ساحل سمندر سے شام تک۔

(۳) باقی تمام بلاد اسلام میں غیر مسلم ذمی بن کر باد پڑائے کر رہ سکتے ہیں مگر مسجدوں کے اندر مسلمانوں کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے امام شافعی کا جو قول روایت میں آیا ہے اس میں کعبہ اور دوسری مساجد کے حکم میں فرق منقول ہے، مسجد حرام کے اندر تو داخلہ ممنوع ہے اور دوسری مساجد میں جائز ہے۔ فقہاء مالکیہ اور مزنی کے نزدیک مسجد حرام اور دوسری مساجد کا ایک ہی حکم ہے۔ جس طرح مسجد حرام میں کافروں کا داخلہ ممنوع ہے اسی طرح دوسری مسجدوں میں بھی ناجائز ہے۔ امام بخاری نے مسجد میں مشرکوں کے داخلہ کے جواز کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اس میں حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے وہاں سے وہ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا پکڑ کر لائے اور مسجد کے ستون سے لا کر باندھ دیا۔ ہم نے ثمامہ کا پورا واقعہ سورۂ انفال میں ذکر کر دیا ہے۔ لیکن اس قصہ سے مسجد میں داخل ہونے کے جواز پر دلیل قائم کرنا ضعیف ہے، کیونکہ ثمامہ کا واقعہ تو فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا اور کافروں کو حج کرنے اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے بازداشت ۹ھ میں ہوئی۔

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ ان کے اس سال کے بعد یعنی اس سال کے بعد جس میں سورۂ توبہ اتری تھی اور حضرت ابو بکرؓ نے سب کو حج کرایا تھا اور حضرت علیؓ نے کافروں سے برات کا اعلان کیا تھا، یہ واقعہ ۹ھ کا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اہل کتاب کو خصوصیت کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت دی جاسکتی ہے حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں باب دخول المشرک المسجد میں لکھا ہے کہ اس باب میں جو حدیث مذکور ہے وہ خیال مذکور کی تردید کر رہی ہے کیونکہ ثمامہ اہل کتاب میں سے نہ تھا۔

بیضاوی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اسلام کے فروعی احکام کے مخاطب کفار بھی ہیں۔ کیونکہ مسجد حرام کے قریب جانے کی ممانعت کافروں کے لئے ہوئی ہے مگر بیضاوی کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ آیت میں اگرچہ ممانعت کا تعلق کافروں سے ہے مگر مخاطب مومن ہی ہیں انہی کو خطاب کر کے فرمایا یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

اگر کفار کو فروع کا مخاطب قرار دیا جائے گا تو چونکہ حج بھی فروع میں داخل ہے (کیونکہ اصل بنیاد توحید و رسالت کا اقرار ہے) اس لئے کفار حج پر مامور ہوں گے اور اس آیت میں ان کو حج کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس طرح دونوں حکموں میں تضاد پیدا ہو جائے گا۔ پھر اگر کفار کعبہ کو نہ جائیں اور حج نہ کریں تو فلا یقربوا کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی اور حکم خداوندی کی تعمیل موجب ثواب واجر ہے لہٰذا کافروں کو ترک حج کا ثواب ملنا چاہئے جو سراسر باطل ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول اور ابن جریر و ابو الشیخ نے سعید بن جبیر، عکرمہ، عطیہ، عوفی، ضحاک اور قتادہ وغیرہ ہم کا بیان نقل کیا ہے کہ مشرک کعبہ کو آتے تو (اطراف ملک سے) اپنے ساتھ غلہ پھل وغیرہ بھی لاتے تھے (اور مکہ میں لا کر فروخت کرتے تھے) جب ان کو حج کی ممانعت کر

دی گئی اور آیت اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بڑی دشواری آپڑی کہنے لگے اب غلہ اور سامان (خوراک) ہم کو کون لا کر دے گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی اور اللہ نے فرمایا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً (اے مکہ کے مسلمانو) اگر تم کو فقر و فاقہ کا اندیشہ ہے۔ عیلۃ (نوع یعیع کے باب سے) مصدر ہے عال یعیل کہا جاتا ہے۔

فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ تو (اندیشہ نہ کرو) اگر اللہ نے چاہا تو وہ اپنے فضل سے تم کو ضرور غنی بنا دے گا۔

مشیت سے غنا کو وابستہ کرنے کی غرض یہ ہے کہ اللہ کی مشیت کو امید گاہ سمجھا جائے۔ اور یہ یقین رکھا جائے کہ اللہ کی طرف سے غنی بنانا محض اس کا فضل ہے (جو عمومی حیثیت رکھتا ہے) اور موجودہ غنا (عمومی نہیں) کسی کو حاصل ہے کسی کو حاصل نہیں، کسی سال ہوتی ہے کسی سال نہیں ہوتی۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ (اپنے بندوں کے احوال کو) جاننے والا اور حکمت والا ہے (جس کسی کو دیتا ہے مصلحت و حکمت کے زیر اثر دیتا ہے)۔

عکرمہ نے کہا (بموجب وعدہ) اللہ نے ان کو غنی کر دیا، جس کی صورت یہ ہوئی کہ بارش خوب ہوئی اور پیداوار کی کثرت ہو گئی مقاتل نے کہا جدہ اور صنعاء اور جرش والے مسلمان ہو گئے اور بکثرت بقدر ضرورت غلہ اپنے ملک سے مکہ میں لے آئے جس سے اہل مکہ کو فقر و فاقہ کا خوف نہیں رہا۔

ضحاک اور قتادہ نے کہا اللہ نے کافروں سے ان کو جزیہ دلوایا اور اس طرح مکہ کے مسلمانوں کو غنی کر دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

جو اہل کتاب نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر اور نہ اس چیز کو حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے اور نہ دین حق اختیار کرتے ہیں ان سے اس وقت تک لڑو کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ پیش کریں۔ مجاہد نے کہا جب رسول اللہ ﷺ کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دے دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے۔

ایک شبہ

اہل کتاب تو اللہ کو بھی مانتے ہیں اور روز آخرت کو بھی ان کو غیر مومن کیوں فرمایا۔

ازالہ شبہ

اہل کتاب کا اللہ پر ایمان ایسا نہیں ہوتا جیسا ہونا چاہئے۔ مسیح اور عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے کے بعد اللہ کی توحید بے نیازی اور والدیت سے پاکی کہاں رہی جب کسی دوسرے کو اللہ جیسا (نسلاً یا وصفاً) مان لیا تو اللہ کی یگانگت و بے ہمتائی کہاں باقی رہی، پھر یہودیوں کا اپنے لئے اور عیسائیوں کا اپنے لئے جنت کو مخصوص کر لینا اور یہودیوں کا یہ کہنا کہ صرف چند روز کے لئے ہم کو دوزخ چھو جائے گی اور اہل کتاب کا یہ اختلاف کہ جنت کی نعمتیں ایسی ہی ہوں گی جیسے دنیا کی یا اس سے الگ ہوں گی اور پھر یہ نزاع کہ جنت دوامی ہے یا فناپذیر اور وہاں کھانا پینا ہو گا یا نہ ہو گا یہ تمام خیالات و اختلاف عقیدہ آخرت کو متزلزل اور غیر صحیح بنا دیتے ہیں۔ اور آخرت پر ایمان کو عدم ایمان میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس کو وہ حرام نہیں قرار دیتے یعنی قرآن اور حدیث سے جس چیز کی حرمت ثابت ہے اس کو وہ حرام نہیں مانتے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ رسولہ سے (مراد محمد رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ) وہ رسول مراد ہے۔ جس کے اتباع کا اہل کتاب کو دعویٰ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اصل دین کا بھی اعتقادی اور عملی اتباع نہیں کرتے کیوں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے تو حضور گرامی محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے کا حکم دیا تھا (اور اہل کتاب اس حکم کو نہیں مانتے اور محمد ﷺ کا اتباع ضروری نہیں سمجھتے)۔

وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ اور سچے دین کو نہیں اختیار کرتے دِیْن موصوف مضاف اور الحق صفت مضاف الیہ ہے۔ قتادہ کے نزدیک الحق سے مراد اللہ ہے یعنی اللہ کے دین اسلام کو اختیار نہیں کرتے بعض کے نزدیک الحق سے مراد اسلام ہے۔ ابو عبیدہ نے (الحق سے پہلے مضاف محذوف قرار دیا ہے اور دین کا معنی اطاعت کہا ہے اور) مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ اہل حق کی طاعت کی طرح اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔

مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یعنی وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّ ھُمْ صٰغِرُوْنَ یہاں تک لڑو کہ وہ رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کر لیں۔

جزیہ کا لغوی معنی ہے بدلہ، آخر میں تا ہیئت جزا کو ظاہر کر رہی ہے یعنی وہ ہیئت ذلت جو مقررہ رقم ادا کرنے کے وقت ادا کرنے والے کی ہوتی ہے۔ اس سے مراد وہ شخصی ٹیکس ہے جو فی کس مقرر کیا گیا ہو۔ بعض کے نزدیک لفظ جزیہ جزی دَینَہٗ (اس نے اپنا قرض چکا دیا) سے مشتق ہے۔ ید سے مراد ہے دست اطاعت یعنی اطاعت کے ساتھ ادا کریں۔ یا یہ مراد ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے ادا کریں کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بھجوائیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے اسی لئے ادا جزیہ کے لئے کسی کو اپنا نمائندہ بنانا جائز نہیں۔ یا عن ید سے مراد ہے مجبور ہو کر ذلت کے ساتھ ادا کرنا۔ ابو عبیدہ نے کہا جو شخص ناگواری و خاطر کے ساتھ کوئی چیز دے تو عرب کہتے ہیں فلان اعطی عن ید۔ بعض نے کہا عن ید سے مراد ہے نقد ادا کرنا۔ قرض نہ رکھنا۔ بعض نے کہا عن ید سے یہ مراد ہے کہ شکر گزار ہو کر جزیہ ادا کریں کہ مسلمانوں نے ان کو قتل نہیں کیا کچھ مال لے کر چھوڑ دیا۔ صاغرون یعنی ذلیل اور مغلوب ہونے کی حالت میں جزیہ ادا کریں۔ عکرمہ نے کہا مراد یہ ہے کہ لینے والا بیٹھا ہو اور دینے والا کھڑا ہو کر پیش کرے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ اس کی گردن روند کر اس سے جزیہ وصول کیا جائے۔ کلبی نے کہا لیتے دیتے وقت اس کی گردن پر گھونسا رسید کیا جائے، بعض نے کہا اس کی داڑھی پکڑ کر طمانچہ مارا جائے، بعض نے کہا اس کا گریبان پکڑ کر کھینچتے ہوئے سختی کے ساتھ مقام تحصیل تک لایا جائے۔ بعض نے کہا جزیہ پیش کرنا ہی ذلت ہے امام شافعی نے فرمایا ذمیوں پر اسلام کے احکام لاگو کرنا ہی ان کی تذلیل ہے۔

ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ لے کر جنگ بند کر دینا صرف اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے شروع میں حضرت عمر مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے۔ لیکن جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجوسیوں سے جزیہ قبول فرمایا تھا تو حضرت عمر نے اپنا سابق عمل ترک کر دیا۔ رواہ البخاری من حدیث بجالۃ بن عبدہ۔ امام شافعی کے بجالہ کے (قابل اعتماد یا ناقابل اعتماد ہونے کے) متعلق دو قول ہیں حدود میں تو امام شافعی نے اس شخص کو مجہول کہا ہے اور جزیہ کے باب میں کہا ہے کہ اس سلسلے کی حدیث صحیح ہے اسی لئے مجوسیوں سے جزیہ لینے پر اجماع علماء ہے۔

اختلافی مسائل

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اہل کتاب سے جزیہ لیا جائے گا خواہ وہ عرب ہوں یا عجمی۔ اور عجم کے مشرکوں سے بھی لیا جائے گا خواہ وہ مجوسی ہوں یا بت پرست البتہ مرتدوں سے نہیں لیا جائے گا امام ابو یوسف کا قول ہے کہ عرب سے بالکل جزیہ نہیں لیا

جائے گا، اہل کتاب ہوں یا مشرک جزیہ صرف مجوسیوں سے لیا جائے گا۔ اہل کتاب سے بھی اور مشرکوں سے بھی۔

امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک ہر کافر سے جزیہ لیا جائے گا خواہ وہ عرب ہو یا عجمی کتابی ہوں یا کوئی اور ہاں مرتدوں اور قریش کے مشرکوں سے نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعی نے کہا جزیہ مذہب کی بنیاد پر ہے شخصیت کی بنیاد پر نہیں ہے۔ لہٰذا صرف اہل کتاب سے لیا جائے گا خواہ وہ عربی ہو یا عجمی بت پرستوں سے بالکل نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعی کے نزدیک مجوسی اہل کتاب ہیں۔ امام مالک نے موطا میں اور امام شافعی نے الام میں بیان کیا ہے کہ جعفر بن محمد نے کہا مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ ان کے یعنی مجوس کے معاملہ میں کیا کروں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے خود سنا ان کے ساتھ اہل کتاب کا جیسا طریقہ اختیار کرو۔

امام شافعی نے کہا ہم سے سفیان نے بوساطت سعید بن مرزبان بروایت نصر بن عاصم بیان کیا کہ فروہ بن نوفل نے کہا مجوسیوں سے جزیہ کس بنیاد پر لیا جاتا ہے یہ تو اہل کتاب نہیں ہیں۔ یہ سن کر مستورد (غصہ میں) کھڑے ہو گئے اور فروہ کا گریبان پکڑ لیا اور کہا دشمن خدا کیا تو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور امیر المومنین یعنی علی بن ابی طالب پر طعن کر رہا ہے ان حضرات نے تو مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا اس کے بعد مستورد قصر خلافت میں گھس گئے اور اندر سے حضرت علی برآمد ہوئے اور فرمایا بیٹھ جاؤ میں سب سے زیادہ مجوسیوں کی حالت جانتا ہوں ان کے پاس دینی علم اور کتاب تھی جس کو پڑھتے پڑھاتے تھے ایک بار ان کا بادشاہ نشہ کی حالت میں اپنی بیٹی یا ماں پر جا پڑا۔ اس کی اس حرکت کو کسی نے دیکھ لیا اور جب...... بادشاہ کا نشہ اترا تو لوگوں نے اس کو کتابی سزا دینی چاہی بادشاہ نے رعایا کو جمع کیا اور کہا آدم کے دین سے بہتر کیا کوئی دین ہو سکتا ہے آدم تو اپنے بیٹوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے میں نے آدم کا دین اختیار کر لیا۔ تمہارے لئے بھی آدم کے مذہب سے گریز کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے یہ سن کر لوگوں نے بادشاہ کے مسلک کو اختیار کر لیا اور جس نے مخالفت کی اس کو قتل کر دیا۔ ایک رات میں ہی علماء کے سینوں سے علم زائل ہو چکا تھا۔ پس مجوسی اہل کتاب ہیں رسول اللہ ﷺ نے اور ابوبکر و عمر نے ان سے جزیہ لیا تھا۔ یہ حدیث ابن جوزی نے التحقیق میں ذکر کی ہے لیکن سعید بن مرزبان پر جرح بھی کی ہے یحییٰ بن سعید نے کہا سعید بن مرزبان کی روایت لینی میں جائز نہیں سمجھتا۔ یحییٰ (بن قطان) نے کہا یہ شخص کچھ نہ تھا اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ فلاس کے نزدیک سعید متروک الحدیث تھا مگر ابو اسامہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اور ابوزرعہ کا قول ہے کہ سعید صدوق تھا مگر مدلس۔

میں کہتا ہوں امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بروایت سفیان بن عیینہ بوساطت نصر بن عاصم لیثی لکھا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمرؓ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ اور میں تم سب لوگوں سے مجوسیوں کی حالت سے زیادہ واقف ہوں، یہ لوگ اہل کتاب تھے کتاب الٰہی پڑھتے تھے۔ علم شریعت کی تعلیم دیتے تھے لیکن ان کے سینوں سے علم الٰہی نکال لیا گیا۔

امام ابو یوسف نے نصر بن خلیفہ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ فروہ بن نوفل اشجعی نے کہا یہ بات بہت سخت ہے کہ مجوسیوں سے خراج لیا جاتا ہے باوجودیکہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں یہ بات سن کر مستورد بن احنف نے کھڑے ہو کر کہا تو نے رسول اللہ ﷺ پر نکتہ چینی کی فوراً توبہ کر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ہجر کے رہنے والے مجوسیوں سے خراج لیا تھا۔ میں نے مجوسیوں سے خراج لیا تھا۔ مجوسیوں کے متعلق ایک بات بیان کرتا ہوں جس کو تم دونوں پسند کرو گے مجوسی ایک کتابی امت تھی ان کے پاس اللہ کی ایک کتاب تھی جس کو وہ پڑھتے تھے۔ ایک بار ان کے بادشاہ نے شراب پی اور نشہ میں اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر بستی سے باہر لے گیا۔ پیچھے پیچھے چار آدمی ہو لئے، وہاں جا کر اس نے بہن سے قربت کی پیچھے جانے والے لوگ دیکھ رہے تھے۔ جب نشہ اترا تو بہن نے اس سے کہا، فلاں فلاں لوگوں کی نظروں کے سامنے تو نے ایسی حرکت کی ہے۔ ایسی حرکت کی ہے۔ بادشاہ نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ بہن نے کہا اب تجھے قتل کر دیا جائے گا ورنہ میری بات مان۔ بادشاہ نے کہا میں ضرور مانوں گا۔ عورت نے کہا اس فعل کو تو مذہبی مسئلہ بنا دے اور لوگوں سے کہہ دے کہ آدم کا مذہب یہی ہے حواء کی پیدائش آدم ہی سے ہوئی تھی (گویا حواء آدم کی بیٹی تھیں) لوگوں کو اسی مذہب کی دعوت دے جو تیرا مذہب مان لے اس کو

چھوڑ دے جو نہ مانے اس کو تلوار سے قتل کر دے بادشاہ نے اس مشورہ پر عمل کیا مگر بادشاہ کا حکم کسی نے نہیں مانا اور ستام تک لوگ قتل ہوتے رہتے عورت نے کہا میں محسوس کرتی ہوں کہ لوگ قتل ہونے سے نہیں ڈرتے۔ آئندہ تو ان کو جلانے کی دھمکی دے اور ایک جگہ آگ روشن کر دے۔ بادشاہ نے اس مشورہ پر عمل کیا اور لوگوں کو دہکتی آگ میں ڈال دینے کی دھمکی دی تو لوگ ڈر گئے اور بادشاہ کی بات مان لی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا چونکہ مجوسی اہل کتاب تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان سے خراج لے لیا اور چونکہ مشرک ہو گئے تھے اس لئے ان سے نکاح اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام قرار دے دیا۔

ابن جوزی نے التحقیق میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اہل فارس کا پیغمبر جب وفات پا گیا تو ابلیس نے ان کے لئے دستور مجوسیت لکھ دیا۔

جواب

رسول اللہ ﷺ کے فرمان۔ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مجوسی اہل کتاب ہیں اور جو سلوک اہل کتاب سے کیا جاتا ہے وہی مجوسیوں سے بھی کیا جائے۔ کیونکہ ان سے نکاح اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ تو بالاجماع امت حرام ہے۔ حدیث کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اہل کتاب کی طرح مجوسیوں سے بھی جزیہ لیا جائے۔ بلکہ حدیث سے تو ہمارے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ مجوسیوں کے اسلاف اگرچہ اہل کتاب تھے اور اللہ کی کتاب پڑھتے پڑھاتے تھے مگر جب سے انہوں نے اللہ کا دین چھوڑا یا کتاب اللہ پر عمل کرنا ترک کر دیا اور علم ان کے سینوں سے اٹھا لیا گیا اور ابلیس نے دستور مجوسیت ان کیلئے بنا دیا اس وقت سے یہ اہل کتاب نہیں رہے اسی لیے علماء کا اتفاق ہے کہ مجوسی اہل کتاب نہیں ہیں ہاں امام شافعی کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ اہل کتاب ہیں لیکن دوسری روایت میں امام شافعی کا قول بھی جمہور کے قول کے موافق آیا ہے کہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر مجوسیوں کے اسلاف کا اہل کتاب ہونا ان مجوسیوں کے اہل کتاب قرار دینے کے لیے کافی ہے تو ہمارے زمانہ کے یہ ہندو بت پرست بھی اہل کتاب ہو جائیں گے۔ ان کے پاس بھی وید نام کی ایک کتاب ہے جس کے چار حصے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ خدائی کتاب ہے۔ پھر ان کے اکثر اصول بھی شرعی اصول کے موافق ہیں اور جن اصول میں اختلاف ہے وہ شیطانی آمیزش کا نتیجہ ہے جس طرح شیطانی تفرقہ اندازی سے مسلمانوں کی ایک جماعت پھٹ کر تہتر فرقے بن گئی۔ ہندوؤں کے اہل کتاب ہونے کی تائید قرآن سے بھی ہو رہی ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ وان من امة الاخلا فیھا نذیر ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر ضرور گذرا ہے۔ مجوسیوں سے تو ہندو اہل کتاب کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ مجوسیوں کے بادشاہ نے تو نشہ سے بدمست ہو کر اپنی بہن سے زنا کیا اور اپنے دین و کتاب کو چھوڑ دیا اور دین آدم کا مدعی بن بیٹھا مگر ہندوؤں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی البتہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ چوتھے وید میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت مذکور ہے جس کو پڑھ کر بعض ہندو مسلمان ہو گئے ہیں۔ واللہ اعلم

امام شافعی قائل ہیں کہ بت پرستوں سے جزیہ نہ لیا جائے۔ اس کے ثبوت میں بعض شوافع آیت قاتلوھم حتی لا تکون فتنة (کافروں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے) کو پیش کرتے ہیں مگر اہل کتاب اور مجوسی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اہل کتاب کا استثناء تو خود قرآن میں موجود ہے اور مجوسیوں کا استثناء حدیث سے ثابت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے رہنے والے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ کے عموم سے مجوسی بالاجماع خارج ہیں۔ ان کی تخصیص کی وجہ حدیث مذکور بھی ہے اور ایک عقلی علت منصوصہ بھی ہے۔ عقلی وجہ تخصیص یہ ہے کہ وہ مشرک ہیں اور ظاہر ہے کہ بت پرست بھی انہی کی طرح مشرک ہیں لہٰذا بت پرستوں کو بھی مجوسیوں کے حکم میں ہونا چاہیے رہی یہ بات کہ مجوسیوں کے اسلاف اہل کتاب تھے تو اس بات سے

کوئی فرق نہیں پڑتا (کیونکہ مشرکوں اور بت پرستوں کے اسلاف بھی صحیح طور پر اہل کتاب تھے اس کے علاوہ) یہ مجوسی تو بہر حال اپنے اسلاف کی کتاب کے حامل اور عامل نہیں۔

پھر (مجوسیوں کی طرح) بت پرستوں کو باندی غلام بنانا باتفاق علماء درست ہے لہٰذا مجوسیوں کی طرح ان پر جزیہ مقرر کرنا بھی درست ہونا چاہیے غلامی ہو یا تقرر جزیہ دونوں صورتوں میں ذاتی (تصرفات کی) آزادی میں تو خلل پڑتا ہی ہے غلام آقا کے لیے کماتا ہے اور اپنی کمائی سے خود اپنا خرچ بھی چلاتا ہے جزیہ ادا کرنے والا بھی اپنی کمائی سے خود بھی کھاتا ہے اور جزیہ بھی ادا کرتا ہے۔

سلیمان بن بریدہؓ نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی لشکر یہ فوجی دستہ کا امیر بنا کر بھیجتے تھے تو خصوصیت کے ساتھ اللہ سے ڈرنے اور ساتھ والے مسلمانوں سے بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے تھے پھر فرماتے تھے اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جو اللہ کے منکر ہوں ان سے قتال کرنا شکست نہ کھانا عہد شکنی نہ کرنا کسی کے ناک کان نہ کاٹنا کسی بچے کو قتل نہ کرنا دشمن سے آمنا سامنا ہو تو سب سے پہلے اس کو تین باتوں کی دعوت دینا اگر وہ ان تین باتوں میں سے ایک بات کو بھی مان لیں تو قبول کر لینا اور جنگ سے باز رہنا اول ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر مان لیں تو تم بھی مان لینا اور ان سے جنگ ترک کر دینا پھر ان سے کہنا کہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر مدینہ کو چلے چلو وہاں رہنا اگر تم ایسا کرو گے تو دوسرے مہاجرین کی طرح ہو جاؤ گے۔ ان کا نفع تمہارا نفع اور ان کا ضرر تمہارا ضرر مانا جائے گا۔ اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو ان سے کہ دینا کہ دوسرے بیرونی مومنوں کی فہرست میں ان کا شمار ہوگا۔ عرب اہل اسلام پر جو حکم لاگو ہے وہی ان پر ہوگا۔ غنیمت اور فے کے مال میں بغیر جہاد میں شرکت کرنے کے ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ طلب کرنا جزیہ دے دیں تو لے لینا اور ان سے جنگ ترک کر دینا آخر میں اگر وہ جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کر دیں تو اللہ سے مدد کی درخواست کرنا اور ان سے قتال کرنا۔ الحدیث۔ رواہ مسلم۔

حضرت انس کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب کتابی سے بھی جزیہ لینا جائز ہے۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو اکیدر حاکم دومۃ الجندل کی طرف بھیجا حضرت خالد اس کو گرفتار کر لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے جانی پناہ دے دی اور ادا جزیہ کی شرط پر اس سے صلح کر لی۔ رواہ ابوداؤد

حضرت یزید بن رومان اور حضرت عبداللہ بن صدیق اکبر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اکیدر بن عبدالملک کندی شاہ دومۃ الجندل کی طرف حضرت خالد بن ولید کو بھیجا تھا اس روایت میں ہے کہ اکیدر سے جزیہ کی شرط پر آپ ﷺ نے صلح کر لی۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی۔

حافظ نے لکھا ہے اگر اکیدر کا کندی ہونا ثابت ہو جائے تو حکم جزیہ صرف عجم کے ساتھ مخصوص نہ رہے گا کیونکہ اکیدر کا عربی ہونا یقینی ہوگا (بنی کندہ عرب کا ایک قبیلہ تھا) اور جب یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ جزیہ کے ساتھ نہ اہل کتاب کی خصوصیت ہے نہ عجم کی، تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مسلک صحیح قرار پائے گا۔ دونوں میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عرب کے بت پرستوں سے نہ جزیہ لینا درست ہے نہ ان کو غلام بنانا (کیونکہ اکیدر عیسائی یا مجوسی تھا) عبدالرزاق نے بوساطت معمر زہری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے (جزیہ پر) بت پرستوں سے صلح کر لی مگر عرب کے بت پرستوں سے (جزیہ نہیں لیا اور جزیہ لے کر صلح نہیں کی)۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ عربوں میں ان کے سامنے پلے بڑھے تھے اور قرآن بھی عرب کی زبان میں ہی اترا تھا اس لیے عرب کے لیے معجزہ کا ظہور ناقابل انکار تھا اسی وجہ سے عرب (کے بت پرستوں) سے سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہیں کیا جا سکتا ورنہ قتال کیا جائے گا۔ یہی حالت مرتدوں کی ہے۔ مرتد ہدایت پانے اور اسلام کی خوبیوں سے واقف ہونے کے بعد انکار کرتا اور اسلام کو ترک کرتا ہے (اس کے پاس اسلام سے ناواقفیت کا کوئی عذر نہیں ہوتا اسی لیے) اسلام یا قتال کے سوا اس

کی طرف سے جزیہ قبول نہیں کیا جاسکتا۔

امام محمد بن حسن نے بوساطت مقسم حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عرب کے مشرکوں سے سوائے اسلام یا جنگ کے اور کچھ قبول نہ کیا جائے۔ اگر عرب کے بت پرستوں یا مرتدوں پر دسترس ہو جائے تو ان کے بیوی بچوں کو باندی غلام بنالیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی اوطاس اور ہوازن سے اہل عیال کو باندی غلام بنایا تھا یہ لوگ عرب اور مشرک تھے اسی طرح بنی مصطلق کے اہل وعیال کو باندی غلام بنایا تھا بنی حنیفہ جب مرتد ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کرا کے باندی غلام بنا کر مجاہدین کو تقسیم کر دیا۔

حضرت محمد بن حضرت علی بن ابی طالب کی ماں اور زید بن حضرت عبداللہ بن حضرت عمر کی والدہ بھی انہی میں سے تھیں۔

گرفتار کرنے اور مملوک بنانے کے بعد مرتدوں کے بیوی بچوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔ بت پرستوں کے بیوی بچوں کو اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا، امام شافعی کے نزدیک عرب کے مشرکوں کے بیوی بچوں کو بھی گرفتار کر کے مملوک بنایا جاسکتا ہے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اکیدروالی حدیث سے اگرچہ ثابت ہو رہا ہے کہ عرب سے بھی جزیہ لیا جائے خواہ وہ اہل کتاب ہو یا مشرک لیکن دوسری احادیث میں آیا ہے کہ جزیرہ عرب سے یہودیوں اور عیسائیوں کو نکال دیا جائے اور وہاں مسلمان کے سوا کسی کو نہ چھوڑا جائے ان احادیث سے اکیدروالی حدیث کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ قبول جزیہ تو عرب کے اندر سکونت رکھنے پر مبنی ہے جب کہ غیر مسلم کی سکونت کی ہی اجازت نہ رہی تو پھر عرب مشرک یا کتابی سے جزیہ لینے کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں کی نصیحت فرمائی تھی۔ فرمایا تھا، مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور (غیر ملکی کافروں کے) وفد کو ویسی ہی اجازت (داخلہ) دو جیسی میں دیتا ہوں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا تیسری بات بیان کرنے سے حضور ﷺ خاموش رہے یا میں بھول گیا۔

متفق علیہ

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا حضور ﷺ فرما رہے تھے میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا یہاں تک کہ مسلمان کے سوا کسی کو یہاں نہیں چھوڑوں گا رواہ مسلم۔

امام مالک نے موطاء میں زہری کی روایت سے مرسلاً" اور صالح بن اخضر نے زہری کی وساطت سے حضرت ابوہریرہ کا بیان موصولاً نقل کیا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو مذہب اکٹھے نہ ہوں گے متوخر الذکر روایت اسحٰق نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری کلام کیا وہ یہ تھا کہ حضور نے فرمایا کہ یہودیوں کو حجاز سے اور اہل نجران (اہل یمن) کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ یہ حدیث امام احمد اور بیہقی نے نقل کی ہے۔

مسئلہ: مقدار جزیہ کا بیان

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقدار جزیہ کی تعیین باہم صلح اور رضامندی سے ہونی چاہیے۔ جتنی مقدار بھی باہم طے ہو جائے کوئی حد بندی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے (یمن کے) نجرانیوں سے دو ہزار کپڑے کے جوڑوں کی وصولیابی کی شرط پر صلح کی تھی ابوداؤد نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے (کپڑے کے) دو ہزار جوڑوں کی شرط پر صلح کی تھی نصف کی وصولیابی ماہ صفر میں اور نصف کی وصولیابی ماہ رجب میں (قرار پائی تھی) امام ابو یوسف نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو ایک تحریر دے دی تھی جس میں لکھا تھا کہ وہ دو ہزار جوڑے دیں گے ہر جوڑے کی قیمت ایک اوقیہ ہوگی۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ کتاب الاموال کی روایت کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دلوجی نے جوہر

جوڑے کی قیمت پچاس درہم ضروری قرار دی ہے وہ غلط ہے کیونکہ ایک اوقیہ کی چالیس درہم ہوتے ہیں۔
ایک جوڑا دو کپڑوں کا ہوتا تھا تہبند اور چادر۔ ذات اور زمین دونوں کا ٹیکس کپڑوں کی شکل میں وصول کیا جاتا تھا۔ امام ابو یوسف نے نجران کے غیر مسلموں کے ذات اور زمینوں پر دو ہزار جوڑوں کی تقسیم مانی ہے۔ زمین کا جزیہ زمین پر قائم رہے گا خواہ وہ زمین کسی ذمی یا تغلبی (عیسائی) یا مسلمان کے ہاتھ فروخت ہی کر دی گئی ہے (مگر ٹیکس زمین پر قائم رہے گا) یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کی زمینوں پر بھی زمین کا جزیہ عائد ہوگا البتہ پر سَل ٹیکس (شخصی جزیہ) عورتوں اور بچوں پر عائد نہ ہوگا۔

ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے بنی تغلب کے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ جتنا مال ایک مسلمان سے بطور وجوب لیا جائے گا۔ اس سے دوگنا عیسائیوں سے لیا جائے گا۔

اگر مسلمانوں کا امیر قوت اور زور کے ساتھ غالب آیا ہو (بطور مصالحت غیر مسلم مسلمانوں کے زیر سایہ نہ آئے ہوں) تو ہر مال دار امیر آدمی سے چار درہم ماہانہ کے حساب سے سالانہ اڑتالیس درہم اور متوسط سے دو درہم ماہانہ کے حساب سے سالانہ چوبیس درہم اور غریب برسر روزگار سے اگر وہ سال کے زیادہ حصہ میں تندرست رہتا ہو ایک درہم ماہانہ کے حساب سے سالانہ بارہ درہم لئے جائیں۔ امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔

امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ امیر غریب کا کوئی فرق نہیں ہر شخص سے چار دینار یا چالیس درہم سالانہ لیے جائیں، امام شافعی کے نزدیک ہر غریب امیر سے سالانہ ایک دینار لیا جائے۔ امام احمد کے چار اقوال چار مختلف روایات میں آئے ہیں، پہلی روایت میں امام احمد کا قول امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق آیا ہے، دوسری روایت میں آیا ہے کہ مقدار کی تعیین امیر اسلام کی رائے پر ہے معین مقدار کوئی نہیں، ثوری کا یہی قول ہے۔ تیسری روایت میں آیا ہے کہ کم سے کم ایک دینار سالانہ لیا جائے زیادہ کی حد بندی نہیں ہے، چوتھی روایت میں۔ آیا ہے کہ صرف اہل یمن کے لئے ایک دینار فی کس سالانہ مخصوص تھا (یہ حکم عمومی ہر ذمی کے لیے نہیں ہے) حدیث جو اہل یمن کے متعلق آئی ہے۔ اسی کی تائید کرتی ہے حضرت معاذ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے (عامل بنا کر) یمن کو بھیجا تو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا ایک دینار قیمت کے معافری یمنی کپڑے لئے جائیں رواہ ابوداؤد، والترمذی، والنسائی، والدار قطنی، وابن حبان، والحاکم، شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ ابوداؤد نے اس کو حدیث منکر قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ امام احمد بھی اس حدیث کو منکر قرار دیتے تھے۔ بیہقی نے اس حدیث کے راویوں میں کچھ اختلاف نقل کیا ہے کسی سند میں اعمش از ابو وائل از مسروق از معاذ ہے، کسی میں اعمش از ابو وائل از مسروق ہے (گویا یہ بیان مسروق کا ہے حضرت معاذ کا نہیں ہے)۔

ابن حزم نے اس کو منقطع کہا ہے کہ مسروق نے معاذ کو نہیں پایا، حافظ ابن حجر نے کہا ابن حزم کے اس قول میں کلام ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، ترمذی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس حدیث کی روایت مرسل ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مسلک کی تائید حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی کے قول و عمل سے بھی ہوتی ہے۔ اصحاب سنن نے اپنی کتابوں میں عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت سے حکم کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عثمان بن حنیف کو سواد (عراق) کو بھیجا۔ دونوں حضرات نے جا کر وہاں کی زمین کا سروے کیا اور خراج مقرر کیا اور لوگوں کے تین درجات مقرر کیے (اعلیٰ مال دار۔ متوسط مال دار۔ نادار برسر روزگار) پھر واپس آکر اپنی کارگذاری کی اطلاع دے دی، حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان نے بھی اسی پر عمل کیا۔

ابن ابی شیبہ نے بوساطت علی بن مسہر شیبانی بروایت ابن عون محمد بن عبد اللہ ثقفی بیان کیا کہ حضرت عمر نے پرسنل ٹیکس بڑے مالداروں پر فی کس ۴۸ درہم سالانہ اور درمیانی طبقہ کے لوگوں پر فی کس ۲۴ درہم سالانہ اور ناداروں پر فی کس ۱۲ درہم سالانہ مقرر کیا ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں از مندل از شیبانی از ابن عون از مغیرہ بن شعبہ مذکورہ بالا حدیث لکھی ہے۔
ابن سعد نے طبقات میں ایک اور سند سے بروایت نضرہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مفتوحہ ممالک میں ذمیوں پر جزیہ لگایا مالداروں پر اتنا اتنا۔ ایک دوسری سلسلہ میں حارثہ بن مضرب کا بیان آیا ہے کہ حضرت عمر نے عثمان بن حنیف کو بھیجا انھوں نے فی کس ۴۸ اور ۲۴ اور ۱۲ درہم جزیہ قائم کیا یہ واقعہ صحابہ کی موجودگی کا ہے کسی نے اسکے خلاف آواز نہیں اٹھائی اس لیے یہ تجویز اجماع کے قائم مقام ہوگئی۔
امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بروایت سری بن اسماعیل عامر شعبی کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے عراق کی پیمائش کرائی ۳۶۰ کروڑ جریب زمین پیمائش سے نکلی اناج کاری کے جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز غلہ اور انگوروں کے ایک جریب پر دس درہم اور کھجوروں کے ایک جریب پر پانچ درہم ٹیکس کے مقرر کیے اور شخصی جزیہ فی کس ۱۲ اور ۲۴ اور ۴۸ درہم سالانہ طے کیے۔ شعبی نے کہا مجھ سے سعد بن ابی عروبہ نے بروایت قتادہ ابن مجلز کا بیان نقل کیا کہ حضرت عمر نے نماز کی امامت اور فوج کی قیادت حضرت عمار بن یاسر کے اور محکمہ قضاء و خزانہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اور زمین کا سروے حضرت عثمان بن حنیف سے متعلق کر کے بھیجا اور ان حضرات کے راشن کے لیے ایک بکری روزانہ مقرر کر دی، آدھی بکری اور شکمی آلات حضرت عمار کے لیے، چوتھائی بکری حضرت ابن مسعود کے لئے اور چوتھائی بکری حضرت عثمان بن حنیف کے لیے۔ اور فرمایا میں اپنی ذات کو اور آپ لوگوں کو اس مال کے معاملہ میں یتیم کے سرپرست کی طرح خیال کرتا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے کہ جو مالدار ہو وہ (یتیم کے مال سے) بچا رہے اور جو نادار ہو وہ (اپنے زیر نگرانی یتیم کے مال میں سے) دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔ جس زمین سے روزانہ ایک بکری لے لی جائے خدا کی قسم میرے خیال میں وہاں بہت جلد نقصان (یعنی بکریوں کی کمی) ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمان نے جا کر زمینوں کی پیمائش کی انگور والی ایک جریب زمین پر دس (درہم) کھجور والی جریب پر آٹھ گنے کی ایک جریب پر چھ گیہوں کی ایک جریب پر چار اور جو کی ایک جریب پر دو درہم (سالانہ) مقرر کیے اور شخصی ٹیکس بارہ درہم چوبیس درہم اور اڑتالیس درہم لاگو کیا اور عورتوں بچوں پر کوئی (شخصی) ٹیکس عائد نہیں کیا۔ سعید کا بیان ہے کہ میرے ایک ساتھی نے روایت میں اتنا اختلاف کیا ہے کہ کھجور کی جریب پر دس درہم اور انگور کی جریب پر آٹھ درہم ہونے کا ذکر کیا ہے۔
محمد بن اسحاق نے بروایت حارثہ بن مطرف بیان کیا کہ حضرت عمر نے سواد کو مسلمانوں کے لیے تقسیم کرنے کا ارادہ کیا اور سواد (عراق) کی مردم شماری کرائی تو کافروں کی تعداد اتنی نکلی کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو دو تین تین کافر آئے (گویا عراق کے دیہاتیوں کی تعداد مسلمانوں سے دو گنی تین گنی نکلی، یہ دیکھ کر صحابہ نے باہم مشورہ کیا حضرت علی نے فرمایا یہ کفار تو مسلمانوں سے دو گنی تگنی نکلے، یہ دیکھ کر صحابہ نے باہم مشورہ کیا حضرت علی نے فرمایا یہ کفار تو مسلمانوں کے اقتصادی مددگار ہو سکتے ہیں) اس لیے ان کی زمینیں نہ نکالی جائیں بلکہ سالانہ ٹیکس مقرر کر دیا جائے) چنانچہ حضرت عثمان بن حنیف کو بھیجا گیا اور عثمان نے جا کر (تین طبقات قائم کیے اور) ۴۸ اور ۲۴ اور ۱۲ درہم سالانہ مقرر کیے۔ حنیفہ نے حضرت معاذ والی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یمن کو فوجی غلبہ سے نہیں فتح کیا گیا بلکہ صلح سے وہاں تسلط قائم کیا گیا اہل یمن سے مقدار جزیہ بھی مصالحت سے طے ہوئی پھر اہل یمن عموماً محتاج تھے اس لیے مقدار جزیہ ان پر وہ عائد کی گئی جو مفلسوں پر لاگو ہوتی ہے اس کی تائید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابو نجیح نے بیان کیا میں نے مجاہد سے پوچھا شام والوں پر تو فی کس چار دینار مقرر کیے گئے اور یمن والوں پر فی کس ایک دینار اس کی کیا وجہ ہے مجاہد نے جواب دیا یہ سہولت کے پیش نظر کیا گیا (اہل شام مالدار تھے اور اہل یمن نادار) سفیان ثوری اور امام احمد کے قول کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو تو ایک دینار (فی کس) وصول کرنے کا حکم دیا اور نجران کے عیسائیوں سے کپڑوں کے دو ہزار جوڑوں پر مصالحت کر لی اور حضرت عمر نے ذمیوں کے تین درجات قائم کیے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے، اور بنی تغلب سے اتنا جزیہ وصول کرنے پر صلح کی جو مسلمانوں سے وصول کیے جانے والے مال سے دوگنا تھا۔ یہ اختلاف تجویز دلالت کر رہا ہے کہ جزیہ کی کوئی خاص حد شرعاً مقرر نہیں امام مسلمین کی صوابدید پر اس کی کمی بیشی موقوف ہے۔
مسئلہ:- امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بے روزگار مفلس سے جزیہ نہ لیا جائے۔ امام شافعی کا مسلک

ایک روایت میں تو یہی ہے دوسری روایت میں اس کے خلاف آیا ہے۔ مفلس بے روزگار پر بھی جزیہ واجب ہے لیکن ادا کا مطالبہ اس وقت کیا جائے گا جب وہ فراخ دست ہو جائے تیسری روایت میں آیا ہے کہ جب ایک سال پورا ہونے پر بھی نادار بے روزگار فراخ دست نہ ہو سکے تو اس کا الحاق دار الحرب سے کر دیا جائے (گویا وہ ذمی نہیں رہا) امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت معاذ سے رسول اللہ ﷺ نے بلاشرط فرمادیا تھا کہ ہر بالغ سے وصول کرنا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف نے بیر روزگار نادار پر جزیہ مقرر نہیں کیا۔

ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ ہشیم بن عدی نے بروایت عمر بن نافع بحوالہ ابو بکر صلہ بن زفر عبسی بیان کیا کہ حضرت عمر نے ایک ذمی بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا، فرمایا کیا بات ہے بوڑھے نے کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ تیری جوانی (کی کمائی) کھائی پھر (بڑھاپے میں بھی) تجھ سے جزیہ لے رہے ہیں پھر آپ نے اپنے کارندوں کو لکھ بھیجا کہ بڑے بوڑھے سے جزیہ نہ لیا کرو۔ بعض سلسلۂ روایات میں اتنا زائد ہے کہ کمائی کرنے والے نادار پر بارہ درہم ہیں۔ رواہ البیہقی۔

ابو یوسف نے بروایت عمرو بن نافع بوساطت ابو بکر بیان کیا کہ حضرت عمر کسی شخص کے دروازے کی طرف سے گذرے وہاں ایک بوڑھا نابینا سائل (بھیک مانگ رہا تھا) باقی حدیث حسب سابق ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضرت عمر نے اس بوڑھے اور اس جیسے دوسرے لوگوں سے جزیہ لینے کا حکم ساقط کر دیا۔ ابو بکر کا بیان ہے، میں اس وقت موجود تھا اور میں نے اس بوڑھے کو دیکھا بھی تھا۔

ابو یوسف نے بروایت ہشام بن عروہ از عروہ (بن زبیر بن عوام) بیان کیا کہ حضرت عمر شام سے واپسی میں کچھ لوگوں کی طرف سے گزرے ان لوگوں کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر تیل بہایا جا رہا تھا۔ فرمایا یہ کیا بات ہے، لوگوں نے کہا ان پر جزیہ واجب ہے اور انھوں نے ادا نہیں کیا ہے۔ جزیہ وصول کرنے کے لیے ان کو تکلیف دی جا رہی ہے۔ فرمایا جزیہ ادا کرنے کے متعلق ان کا کیا عذر ہے۔ لوگوں نے کہا یہ اپنی ناداری ظاہر کر رہے ہیں۔ فرمایا ان کو چھوڑ دو اور برداشت سے زیادہ ان کو مجبور نہ کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، حضور ﷺ فرما رہے تھے، لوگوں کو عذاب نہ دو جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیں گے، اللہ قیامت کے دن ان کو عذاب دے گا، اس کے بعد آپ نے ان کو رہا کر دینے کا حکم دے دیا۔

ابو یوسف نے فرمایا مجھ سے ایک بوڑھے شیخ نے مرفوع حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن ارقم کو ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے کی خدمت پر مامور فرمایا جب عبد اللہ نے جانے کے لیے پشت پھیری تو حضور ﷺ نے ان کو پکار کر فرمایا سن لو جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کو ناقابل برداشت کام پر مجبور کرے گا یا اس کو گھٹائے گا یا اس کی خوشی خاطر کے بغیر کچھ اس سے لے گا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔ اس حدیث سے امام احمد کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ مقدار جزیہ کی تعیین امام کی رائے پر موقوف ہے امام کو چاہیے کہ ذمی کی طاقت کا لحاظ رکھے، برداشت سے زائد کا اس کو مکلف نہ کرے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی ذمی کافر کے معاہدے کو ایک سال پورا گزر گیا اور اس نے جزیہ ادا نہیں کیا اور پھر مسلمان ہو گیا تو امام شافعی کے نزدیک اس سے پورے گزشتہ سال کا جزیہ لیا جائے گا (اسلام لے آنے سے واجب الادا جزیہ ساقط نہ ہوگا) کیونکہ جزیہ کافر کے دار الاسلام میں رہنے کی اجرت ہے، ایک روایت میں امام شافعی نے یہی فرمایا ہے اور سال بھر دار الاسلام میں اس کو سکونت رہی لہٰذا اجرت بھی واجب ہو گئی (دوسری روایت میں امام شافعی کا یہ قول آیا ہے کہ) جزیہ حفاظت (جان و مال کی) اجرت ہے جس کا معاہدہ ذمی نے کیا ہے اور اس کی جان کی حفاظت اسلامی حکومت نے سال بھر کی اور وہ سال بھر دار الاسلام میں رہ چکا لہٰذا اس کا معاوضہ اس پر واجب اور قرض ہو گیا اور جس طرح دوسرے قرض مسلمان ہو جانے کے بعد معاف نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سابق جزیہ بھی ساقط نہیں ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جزیہ کفر کی سزا ہے اور توبہ کے بعد سزا نہیں دی جاتی لہٰذا حالت کفر کا جزیہ بھی اسلام کے بعد نہیں لیا جا سکتا۔ معاہدہ جزیہ سے قتال کا حکم ختم ہو جاتا ہے، اسلام سے بھی قتال کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔ رہا جزیہ کا اجرت سکونت ہونا تو یہ ناقابل تسلیم ہے ذمی تو اپنی ملک میں رہتا ہے۔

ہمارے قول کا ثبوت حضرت ابن عباس کی اس روایت سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔ ابوداؤد نے لکھا ہے کہ سفیان ثوری سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا جب ذمی مسلمان ہو گیا تو اس پر (سابق) جزیہ کی ادائیگی نہیں۔ سفیان ثوری نے جو تشریح کی ہے وہ ابن عمر کی روایت سے بھی منقول ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو مسلمان ہو گیا اس پر جزیہ نہیں، رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط ابن قطان جو حضرت ابن عباس کی حدیث کے ایک راوی کہتے ہیں کہ اس سند (یعنی حضرت ابن عمر کی روایت کی سند) میں قابوس بن ابوالظبیان ضعیف راوی ہے۔ طبرانی کی سند میں قابوس کا نام نہیں آیا، ابن ہمام نے لکھا ہے حدیث میں خصوصیت کے ساتھ اس جزیہ کا سقوط مقصود ہے جو اسلام سے پہلے ذمی پر واجب الادا تھا (اور اس نے ادا نہیں کیا) یہ مراد نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد اس پر جزیہ لاگو نہ ہوگا کیوں کہ اسلام کا ابتدائی تقاضا بلاشبہ جزیہ کا لاگو نہ رہنا ہے اس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے کوفہ کے ایک بوڑھے عالم نے بیان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمن کو لکھ کر بھیجا (تحریر کے الفاظ یہ تھے) تم نے مجھ سے تحریر اور دریافت کیا ہے کہ حیرہ کے رہنے والے وہ یہودی اور عیسائی اور مجوسی جو مسلمان ہو جائیں اور حالت کفر کا ایک بڑا جزیہ ان کے ذمہ باقی ہو، اس جزیہ کا کیا کیا جائے تمہارا مقصد یہ ہے کہ سابق جزیہ ان سے وصول کیا جائے تم کو جان لینا چاہیے کہ اللہ نے محمد مسلعم کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا ٹیکس جمع کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا اس لئے ان مذاہب والوں میں سے جو مسلمان ہو جائے اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اس پر جزیہ نہیں (یعنی سابق جزیہ جو اس پر واجب الادا رہ گیا ہو وہ معاف ہو جائے گا۔

ایک شبہ

مسلمان ہونے کے بعد زمین کا خراج ساقط نہیں ہوتا نہ کوئی کافر غلام مسلمان ہونے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے پھر جزیہ (سابقہ والا حصہ) کے معاف ہونے کا کیا معنی، تینوں چیزیں کفر کی سزا ہیں اور (مسلمان ہونے کے بعد تینوں کو ساقط ہو جانا چاہیے)۔

ازالہ

جزیہ کھلی ہوئی ذلت ہے جزیہ کی بنا ہی جزیہ ادا کرنے والے کی توہین پر ہے (لہٰذا اسلام کے بعد مسلمان کی ذلت نہ ہونی چاہیے) اور خراج میں حکومت اور حکومت کی فوج کی خدمت و محنت کو بھی دخل ہے اگر حکومت کی طرف سے حفاظت (اور دشمنوں ظالموں کی مدافعت) نہ ہو تو کوئی کھیتی والا کھیتی نہیں کر سکتا گویا خراج حفاظت کی اجرت ہے (اور حکومت کی طرف سے کاشتکار کی حفاظت وحمایت حالت اسلام میں بھی جاری رہتی ہے لہٰذا زمین کا خراج حالت اسلام بھی لاگو رہے گا) رہا بقاء غلامی کا مسئلہ تو غلامی کا تعلق افراد کے انفرادی فرق سے ہے غلام فرد کی ملکیت ہوتا ہے (۔ حکومت کسی فرد کی ملکیت سلب نہیں کر سکتی ۔اور جزیہ کا تعلق کسی فرد کے خصوصی حق سے نہیں یہ عامۃ المسلمین کا حق ہے (جن کی نمائندہ حکومت ہے) افراد کے خصوصی ملک کی طرح اس کا حکم نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ :- امام ابوحنیفہ کے نزدیک سال شروع ہوتے ہی پورے سال کا جزیہ ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ امام مالک کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے لہٰذا ذمیت کا معاہدہ ہوتے ہی سال بھر کا جزیہ ادا کرنا لازم ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ادائے جزیہ کا وجوب سال ختم ہونے پر ہوتا ہے اس لیے سال گزرنے سے پہلے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا امام مالک کا بھی مشہور قول

گئی ہے۔

اگر دوران سال میں یا سال تمام ہونے کے بعد ذمی مر جائے اور جزیہ ادا نہ کیا ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک واجب الادار قم جزیہ ساقط ہو جائے گی۔ اس کے ترکہ سے وصول نہیں کی جائیگی) کیونکہ جزیہ کفر کی دنیوی سزا ہے اور موت سے تمام دنیوی سزائیں ساقط ہو جاتی جس طرح حدود (قصاص) کا سقوط ہو جاتا ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک جزیہ چونکہ دارالاسلام میں رہنے کا اور حفاظت جان کا معاوضہ ہے اور سکونت و حفاظت سے مرنے والا سال بھر فائدہ اٹھا چکا ہے اس لیے معاوضہ کی ادائیگی واجب ہے اور جزیہ اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح دوسرے قرض ترکہ سے وصول کیے جاتے ہیں۔

مسئلہ :- اگر دو سال یا دو سال سے زیادہ مدت کا جزیہ ذمی نے ادا نہیں کیا تو امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک تداخل ہو جائیگا۔ اس سے صرف ایک سال کا جزیہ لیا جائیگا۔ امام شافعی کے نزدیک ہر سال کا جدا جدا لیا جائے گا۔ کیوں کہ قرض کی طرح ہر سال کا جزیہ ذمی پر واجب الادا ہوتا ہے لہٰذا ایک سال کے دوسرے سال میں ادغام نہ ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ محض دنیوی سزا ہے اس کا مقصد کافروں کی توہین ہے اسی لیے ذمی پر لازم ہے کہ خود ادا کرے کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بھیجے اس کا مقصد مال جمع کرنا نہیں ہے اس لیے ایک سال کا جزیہ لینے سے بھی جزیہ کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

مسئلہ :- بچوں، پاگلوں اور عورتوں پر جزیہ واجب نہیں یہ قول متفق علیہ ہے بچے اور پاگل کسی سزا کے اہل ہی نہیں ہیں، امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے عبید اللہ نے نافع کی روایت سے اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے (اپنے تحصیلداروں کو) لکھا تھا بالغوں سے جزیہ لینا عورت اور بچہ سے نہ لینا اور جزیہ میں صرف چار دینار یا چالیس درہم (فی کس سالانہ) لینا یعنی زیادہ نہ لینا۔

بیہقی نے بروایت زید بن اسلم زید کے باپ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فوجی کمانڈروں کو لکھ کر بھیج دیا تھا کہ جزیہ صرف بالغوں پر مقرر کرنا۔ حضرت عمر عورتوں اور بچوں پر جزیہ مقرر نہیں کرتے تھے۔ دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ (حضرت عمر نے لکھا تھا) عورتوں اور بچوں پر جزیہ لاگو نہ کرنا۔

مسئلہ :- غلام پر جزیہ نہیں، خواہ خالص غلام ہو یا مکاتب، یا مدبر، یا ام ولد کا بیٹا[1]۔ کیونکہ غلام کا، کسی طرح کا غلام ہو۔ کوئی مال اپنا نہیں ہوتا آقا کا ہوتا ہے اور ان کے مالکوں پر غلاموں کے حصہ کا یوں جزیہ نہیں کہ غلاموں کے وجہ سے ان پر جزیہ کا وجوب پہلے ہی زیادہ ہوتا ہے۔

ابو عبید نے کتاب الاموال میں عروہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو لکھ بھیجا تھا کہ جو شخص یہودی یا عیسائی مذہب پر ہو اس کے مذہب سے زبردستی اس کو نہ نکالا جائے۔ بلکہ ہر بالغ پر جزیہ لگا دیا جائے۔ مرد ہو، عورت ہو، غلام ہو، باندی ہو (ہر شخص سے) ایک دینار یا اس کے مساوی قیمت (یعنی دس درہم) لی جائے۔ یہ حدیث ابن زنجویہ نے بھی حسن کی روایت سے لکھی ہے یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں لیکن چونکہ ایک دوسری کی مؤید ہے اس لیے قابل قبول ہے مگر امت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ ان روایتوں پر عمل نہیں کیا جائے گا (اور اجماع امت قطعی دلیل ہے اور احادیث مذکورہ ظن کے دائرہ میں ہیں اور قطعی کے مقابلہ میں ظنی نا قابل عمل ہے)۔

اسی طرح ابو عبیدہ کی یہ روایت بھی متروک العمل ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا ذمیوں کے غلاموں کو نہ خرید نا وہ اہل خراج (یعنی اہل جزیہ) ہوتے ہیں ایک دوسرے کی طرف سے ادا کرتا ہے۔

---

[1] مکاتب وہ غلام ہے، جس کو آقا نے یہ اختیار دے دیا ہو کہ اتنی رقم اگر تم مجھ کو دے دو گے تو آزاد ہو جاؤ گے۔ مدبر وہ غلام ہے جس سے آقا نے کہہ دیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ ام ولد وہ باندی ہے، جس کے بطن سے آقا کی کوئی اولاد پیدا ہو جائے ایسی باندی کو بیچنا نا جائز ہے۔ اس کا بیٹا اگرچہ اس کے آقا کا بیٹا ہوتا ہے مگر باندی کا بچہ ہوتا ہے۔

مسئلہ :- اگر ذمی جزیہ ادا کرنے یا اسلام کے کسی حکم کو ماننے سے انکار کردے یا کسی مسلمان کو قتل کردے یا مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کرے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے یعنی نکاح (غیر شرعی) کر کے مسلمان عورت سے قربت کرلے یا کسی مسلمان کو اسلام کی طرف سے ورغلائے یا مسلمانوں کو راستہ میں لوٹ لے اور رہزنی کرے یا مشرکوں کے لیے جاسوسی کرے یا مسلمانوں کے خلاف کافروں کی رہنمائی کرے یا کافروں کو مسلمانوں کی خبریں پہنچائے اور مسلمانوں کے رازوں سے ان کو واقف کرے تو ظاہر روایت میں آیا کہ امام احمد کے نزدیک ایسے ذمی کا معاہدہ توڑ دیا جائے گا اور وہ ذمی نہیں رہے گا۔ عبدالرزاق نے بروایت ابن جریج بیان کیا ہے کہ دو کتابیوں نے ایک مسلمان عورت پر دست درازی کی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت ابوہریرہ نے ان کو قتل کردیا۔

بیہقی نے شعبی کی روایت سے سوید بن غفلہ کا مقولہ نقل کیا ہے، سوید کا بیان ہے ہم حضرت عمر کے پاس موجود تھے (امیر المومنین اس زمانہ میں شام میں تھے) اچانک ایک نبطی شخص فریاد کرتا آیا کسی نے اس کو مارا تھا اور وہ چیخ رہا تھا حضرت عمر نے صہیب سے فرمایا جا کر دیکھو یہ حرکت کس نے کی صہیب نے جا کر دیکھا تو مارنے والے عوف بن مالک نظر آئے عوف کو لے کر صہیب امیر المومنین کے پاس آگئے عوف نے کہا ایک مسلمان عورت (گدھے پر سوار جا رہی تھی اس) کو گدھے سے گرانے کے لیے اس شخص نے گدھے کو مارا لیکن جب عورت گدھے سے نہیں گری تو اس نے دھکا دے کر عورت کو گدھے سے گرا دیا اور اس پر چڑھ گیا اس لیے میں نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جو آپ کے سامنے ہے حضرت عمر نے (اس نبطی کی طرف خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ان شرطوں پر تو ہم نے تم سے معاہدہ نہیں کیا ہے اس کے بعد آپ کے حکم سے اس شخص کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت نے فرمایا لوگو! محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے ذمے کو پورا کرو لیکن جو شخص ان میں سے ایسی حرکت کرے اس کی ذمہ داری نہیں رہتی۔

ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے کہ معاہدہ ذمیت کی شکست صرف اسی وقت کی جاسکتی ہے کہ ذمی اداء جزیہ سے یا ہمارے احکام کو ماننے سے انکار کردے۔

امام شافعی نے فرمایا صرف تین وجوہ سے ذمیت کے معاہدہ کو توڑا جاسکتا ہے۔ ذمی جزیہ دینے سے انکار کردے یا اسلام کے احکام کے لاگو ہونے سے انکار کردے یا مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کرلے (یعنی مسلمانوں سے لڑنے کے لیے لوگوں کو جمع کرنے لگے) ہاں اگر مندرجہ بالا امور کی شرط معاہدے کے وقت کرلی گئی ہو تو پھر امور مندرجہ بالا میں سے اگر کوئی حرکت کرلے گا تو اس کی ذمیت کے معاہدہ توڑ دیا جائے گا۔

امام مالک نے فرمایا مسلمان عورت سے اگر ذمی زناء کرے یا برائے نام نکاح کے بعد مسلمان عورت سے قربت کرلے یا رہزنی کرے تو ان تینوں صورتوں میں معاہدہ نہیں توڑا جاسکتا باقی مذکورہ بالا صورتوں میں معاہدہ توڑ دیا جائے گا۔ امام مالک کے شاگرد قاسم کے نزدیک رہزنی کی صورت میں بھی شکست معاہدہ کی جاسکتی ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا صرف اس صورت میں معاہدہ توڑا جاسکتا ہے کہ ذمی دارالحرب سے مل جائے یا اس کے پاس کوئی فوجی طاقت ہو جس کی وجہ سے وہ دارالاسلام کے کسی حصہ پر قابض ہو گیا ہو ان دونوں صورتوں میں وہ حربی ہو جائے گا ذمی نہ رہے گا باقی کسی صورت میں معاہدہ نہیں توڑا جاسکتا کیونکہ مسلمانوں کو قتال سے باز داشت یعنی کافروں کو قتل کرنے کی ممانعت اس بنیاد پر ہوتی ہے کہ کافر اداء جزیہ کا وعدہ کرلیتے ہیں اور جزیہ کو اپنے اوپر لاگو مان لیتے ہیں (اس کے بعد ادا بھی کرتے ہیں یا نہیں یہ دوسری بات ہے) جزیہ ادا کرنا معاہدے کی بنیاد نہیں ہے۔ اب اگر کوئی ذمی جزیہ نہیں دیتا اور اس کے پاس جنگی یا فوجی قوت بھی نہیں ہے تو اس نہ دینے کا اعتبار نہیں (ہم اس کو باغی یا حربی نہیں کہہ سکتے) امام المسلمین اس کو گرفتار کرسکتا ہے اور مار سکتا ہے۔

مسئلہ :- اللہ کی شان میں نازیبا الفاظ کہنے یا قرآن مجید یا دین اسلام کے متعلق نامناسب کلمات ادا کرنے یا رسول

اللہ ﷺ کی ذات کی بابت ناشائستہ کلام کرنے سے امام احمدؒ کے نزدیک معاہدہ ذمیت ٹوٹ جاتا ہے خواہ معاہدہ کے وقت اس شرط کا مذکرہ آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ امام مالکؒ نے فرمایا: اگر اللہ اور رسول ﷺ کی شان میں ایسے الفاظ کہے جو سابق کفر یہ عقیدہ و کلام کے علاوہ ہیں تو معاہدہ ذمیت ٹوٹ جائے گا۔ امام شافعیؒ کے اکثر شاگردوں کا خیال ہے کہ معاہدہ میں اگر اس کی شرط لگائی گئی ہو تو معاہدہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہو گی) ورنہ نہیں ٹوٹے گا۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے مذکورہ امور میں معاہدہ ذمیت ٹوٹ جائے گا کیونکہ ان حرکات سے مومن کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ لہٰذا ذمی کے لیے معاہدہ امان بھی جاتا رہاگا۔ معاہدہ امان (کافر کے لئے) ایمان کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو برا کہنے اور آپ کی شان میں نازیبا کلمات زبان سے نکالنے سے ذمیت کا معاہدہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ امور موجب کفر ہیں اور ذمی کافر تو پہلے سے ہی کافر ہوتا ہے اس کا کفر ذمیت کو ساقط نہیں کرتا لہٰذا حالیہ کلمات کفر بھی اس کی ذمیت کو نہیں توڑ سکتے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اس قول کی تائید حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے۔ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا اَلسَّامُ عَلَیْکَ (آپ پر ہلاکت ہو) حضور ﷺ نے جواب دیا و علیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہ یہودیوں کے الفاظ (اور مطلب) سمجھ گئیں آپ نے فوراً یہودیوں کو جواب دیا علیکم السام واللعنۃ (تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) رسول اللہ ﷺ نے یہ جواب سن کر فرمایا عائشہؓ نرمی کرو اللہ مہربان ہے ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے ان کا قول نہیں سنا فرمایا میں نے بھی تو و علیکم کہہ دیا۔ بعض روایات میں علیکم بغیر واو کے آیا ہے۔ بخاری و مسلم، ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان اتنا زائد آیا ہے میں نے ان پر (ان کا قول) لوٹا دیا ان کے متعلق میرا قول مقبول ہو گا اور ان کا قول میرے متعلق مقبول نہ ہو گا۔ ابن ہمام نے اس کے بعد لکھا ہے کوئی شبہ نہیں کہ یہودیوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ گستاخی تھی مگر اس کے باوجود ان سے کیا ہوا معاہدہ نہیں توڑا گیا اگر شکست عہد ہوتی تو ان کو قتل کر دیا جاتا۔

فتاویٰ میں امام اعظم کا مسلک یہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینے والا کوئی مومن ہو یا کافر بہر حال اس کو قتل کر دیا جائے اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے۔ اس قول کا مطلب صاف ہے کہ رسول اللہ کی شان میں نازیبا کلمات کہنے سے معاہدہ ذمیت ٹوٹ جاتا ہے اس کی تائید امام ابو یوسف کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو حفص بن عبداللہ بن عمر نے بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ سے کہا میں نے خود سنا ہے کہ ایک راہب نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے نہیں سنا اگر میں سن لیتا تو اس کو قتل کر دیتا ہم نے اس بات پر ان سے معاہدہ نہیں کیا ہے۔

ابن اہمام نے لکھا ہے کہ ذمی رسول اللہ کی یا اللہ کی شان میں وہ الفاظ کہیں جو ان کے عقیدہ میں داخل نہیں ہیں مثلاً "یہودی اور عیسائی اللہ کی اولاد ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ بات ان کے عقیدہ کا جزو ہے اور اس کے علاوہ کوئی نازیبا بات اللہ یا رسول کی شان میں علی الاعلان کہیں اور اس کا اظہار کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے اور معاہدہ ذمیت توڑ دیا جائے اور اگر ظاہر نہ کریں چھپائے رکھیں اور حاکم کو اطلاع مل جائے تو معاہدہ نہ توڑا جائے کیونکہ جزیہ قبول کر کے جنگ سے باز داشت کا حکم نص میں اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ ذلت کے ساتھ کافر جزیہ ادا کریں۔ تنہا ادائے جزیہ خواہ بغیر ذلت وحقارت کے ہو مطلوب نہیں اور یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جزیہ کو قبول کرنا ذمی کے لیے توہین آمیز ہمیشہ ہونا چاہیے۔ یہ حکم استمراری ہے پس ذمیوں کی علی الاعلان مذکورہ حرکات ان کے انتہائی تمرد وسرکشی اور اسلام و مسلمان کی توہین پر دلالت کرتی ہیں جس سے اس طریقے سے جزیہ قبول کرنے اور ادا کرنے کا حکم ختم ہو جاتا ہے جو طریقہ معاہدہ کے وقت تھا (یعنی کافر کی ذلت اور مسلمانوں کی عزت) لہٰذا معاہدہ ذمیت باقی نہیں رہے گا۔ رہی حضرت عائشہ والی روایت تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہودی ذمی نہیں تھے۔ ان سے کوئی مال بطور جزیہ نہیں لیا جاتا تھا بلکہ ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے امن کا معاہدہ کر لیا گیا تھا جب اللہ نے قدرت عطا فرما دی تو اس وقت ایک خاندان کے افراد کو قتل اور دوسرے کو جلا وطن کیا گیا۔

ابن ہمام نے لکھا ہے، اس تنقیح سے یہ امر ثابت ہو رہا ہے کہ اگر کوئی ذمی مسلمانوں پر کسی طرح غلبہ پائے اور غلبہ استمراری ہو تو امام مسلمین کو حق ہے کہ اس کو یا تو سابقہ ذلت و حقارت کی طرف لوٹا دے (اور اس کی عزت و سطوت ختم کر دے) یا قتل کر دے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر اور عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام بن مشکم نعمان بن اوفی ابو انس، محمد بن وحیہ شاس بن قیس اور مالک بن الصیف حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ نے ہمارا قبلہ چھوڑ دیا اور عزیر کو آپ اللہ کا بیٹا نہیں کہتے پھر ہم آپ کے پیرو کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ عزیر تنوین کے ساتھ عربی لفظ ہے۔ اسم تصغیر ہے۔ بعض کے خیال میں عجمی لفظ ہے اور (اس پر تنوین آنے کی وجہ یہ ہے کہ) یہ عربی کے اسم تصغیر کے مشابہ ہے (باوجود چہار حرفی ہونے کے) اتنا ہی خفیف لفظ ہے جیسے نوح ہو لوط (پس سہ حرفی عجمی ناموں کی طرح یہ منصرف ہے)

عاصم کسائی اور یعقوب کے علاوہ باقی قاریوں نے اس لفظ کو بغیر تنوین کے پڑھا ہے کیونکہ غیر منصرف ہے۔

عبید بن عمیر نے کہا، اس قول کا قائل صرف فنحاص بن عاذورا یہودی تھا (کوئی اور قائل نہ تھا) اسی نے ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء بھی کہا تھا۔ بغوی نے عطیہ عوفی کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ یہودیوں میں عزیر کو ابن اللہ کہنے کی روایت اس طرح پڑی کہ جب عزیر یہود میں تھے اور توریت بھی موجود تھی اور تابوت بھی یہودیوں کے پاس موجود تھا تو یہودیوں نے توریت پر عمل چھوڑ دیا اور توریت کو یوں ہی کھو دیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے توریت ان کے سینوں سے فراموش کرادی اور تابوت کو اٹھا لیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عزیرؑ سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے اللہ سے دعا و زاری کی اللہ نے دعا قبول فرمائی اور ان کو توریت لوٹا کر عطا فرما دی (یعنی حضرت عزیر کو بھولی ہوئی توریت پھر یاد ہو گئی) حضرت عزیر نے بنی اسرائیل کو اطلاع عام دیدی اور فرمایا قوم والو اللہ نے توریت مجھی دوبارہ عنایت فرمادی لوگ یہ سن کر (ہر طرف سے) ان سے چمٹ گئے (اور یاد کرنے لگے) اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا پھر پتہ کے بعد اللہ نے تابوت بھی نازل فرما دیا (تابوت کے اندر توریت بند تھی) لوگوں نے حضرت عزیر کی تعلیم دی ہوئی توریت کی تابوت والی توریت سے تطبیق کر کے دیکھی تو ایک ہی طرح پایا یہ بات دیکھ کر کہنے لگے عزیر کو توریت عطا ہونے کی وجہ یہی ہے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے) کلبی نے ذکر کیا ہے کہ بخت نصر جب بنی اسرائیل پر غالب آگیا تو اس نے ان تمام لوگوں کو قتل کر دیا جو توریت پڑھتے تھے۔ حضرت عزیرؑ اس زمانہ میں بچہ تھے اس لیے ان کو قتل نہیں کیا۔ جب (ستر یا سو سال کے بعد قید سے چھوٹ کر) بنی اسرائیل بیت المقدس میں آئے تو کسی کو توریت یاد نہ تھی۔ اللہ نے عزیر کو مبعوث فرمایا تاکہ از سر نو وہ توریت کی تعلیم دیں اور اس بات کو اپنے عزیز ہونے کے ثبوت میں پیش کریں کیونکہ آپ کو سو برس تک مردہ رکھا گیا تھا اور سو برس کے بعد زندہ کر کے بھیجا گیا تھا۔ یہ پورا قصہ ہم نے سورہ بقرہ کی آیت اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا کی تشریح کے ذیل میں بیان کر دیا ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ فرشتہ نے ایک برتن میں پانی لا کر عزیر کو پلا دیا پیتے ہی ساری توریت حضرت عزیر کی سینے میں نقش ہو گئی پھر جب حضرت عزیر قوم کے پاس آئے اور ان سے کہا میں عزیر ہوں تو قوم نے تکذیب کی اور بولے اگر تم عزیر ہو تو توریت ہم کو لکھوا دو۔ حضرت عزیرؑ نے توریت لکھوا دی پھر کچھ زمانے کے بعد ایک شخص نے کہا مجھ سے میرے باپ نے اپنے باپ کا مقولہ نقل کیا تھا کہ توریت کو ایک مٹکے میں رکھ کر انگور کی بیلوں (کی جڑ) میں دفن کر دیا گیا تھا تاکہ بخت نصر کے حملہ کے وقت توریت کا ایک نسخہ محفوظ رہے) اس شخص کی اطلاع پر لوگ اس کے ساتھ مقررہ جگہ پر گئے اور وہاں سے توریت نکال لائے جب اس قدیمی توریت کو حضرت عزیر کی لکھوائی ہوئی توریت سے مقابلہ کر کے دیکھا تو دونوں کو مطابق پایا ایک حرف بھی نہیں چھٹا تھا اس پر کہنے لگے اللہ نے ایک شخص کے سینہ میں پوری توریت القاء کر دی اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ یہ شخص اللہ کا بیٹا ہے اسی وقت سے یہودی عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائی اکیاسی برس تک اسلام پر قائم رہے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز

پڑھتے تھے اور رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ جب، نصاریٰ اور یہود میں جنگ ہوئی تو ایک بہادر یہودی نے جس کا نام بولس تھا حضرت عیسیٰ کے چند صحابیوں کو شہید کر دیا پھر خود ہی یہودیوں سے کہنے لگا اگر عیسیٰ برحق تھا اور ہم اس کا انکار کر رہے ہیں تو لامحالہ ہم دوزخی ہوں گے اور عیسائی جنت میں جائیں گے اس طرح ہم گھاٹے میں رہیں گے اور عیسائی فائدہ میں (۔ عیسائیوں کو کافر بنانے کی) میں ایک تدبیر کرتا ہوں تاکہ وہ بھی گمراہ ہو کر دوزخی ہو جائیں۔

ایک گھوڑا تھا جس کا نام عقاب تھا عقاب پر سوار ہو کر ہی وہ جنگ کرتا تھا بولس نے اس گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور (دکھاوے کے طور پر) ندامت کا اظہار کیا اور اپنے سر پر خاک ڈالتا عیسائیوں کے پاس پہنچا نصاریٰ نے پوچھا تو کون ہے بولا میں تمہارا دشمن بولس ہوں مجھے آسمان سے ایک ندا سنائی دی ہے کہ عیسائی ہوئے بغیر تیری توبہ قبول نہ ہوگی اس لئے میں نے یہودیت سے توبہ کرلی اور عیسائی ہو گیا عیسائی (اس کی باتوں میں آگئے) اور گرجا میں لے گئے وہاں ایک برس تک وہ ایک کوٹھری سے باہر نہیں نکلا نہ دن کو نہ رات کو سال بھر میں انجیل سیکھ گیا۔ پھر باہر آیا اور بولا مجھے ندا آئی ہے کہ اب تیری توبہ قبول ہوگئی۔ عیسائیوں نے اس کی بات سچ مان لی اور اس سے محبت کرنے لگے۔ پھر بولس نسطور اکو ایک کمرے میں لے گیا اور عیسائیوں پر اس کو اپنا نائب بنا کر کہا کہ عیسیٰ اور مریم اور اللہ تینوں (الوہیت کے عناصر) تھے اس کے بعد روم چلا گیا اور روم کے عیسائیوں کو لاہوت وناسوت کی تعلیم دی (یعنی یہ کہا) کہ عیسیٰؑ (حقیقت میں) آدمی نہ تھے نہ جسم تھے ان کی یہ ظاہری انسانیت وجسمانیت تو عالم ناسوت میں تھی عالم لاہوت میں وہ اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ عقیدہ اس نے ایک شخص کو سکھا کر رومیوں پر اپنا خلیفہ بنا دیا پھر ایک اور آدمی کو طلب کیا جس کا نام ملکاء تھا اس کو تعلیم دی کہ اللہ ازلی ابدی ہے اور عیسیٰ بعینہٖ اللہ ہے، جب تینوں کا عقیدہ الگ الگ مضبوط کر دیا تو ہر ایک کو الگ الگ تنہائی میں طلب کر کے کہا تو میرا مخصوص مقرب ہے میں نے عیسیٰ کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ مجھ سے راضی ہیں میں تو کل اپنے کو قربان کر دوں گا (اور عیسیٰ کے پاس چلا جاؤں گا) تم لوگوں کو اپنے عقیدہ اور مسلک کی تعلیم دینا میں عیسیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ذبح کر دوں گا اس کے بعد وہ ذبح خانہ (خودکشی کے مقام) میں چلا گیا۔ تیسرا دن ہوا تو تینوں میں سے ہر خلیفہ نے لوگوں کو اپنے مسلک کی دعوت دی، ہر ایک کا ایک گروہ بن گیا اور تینوں گروہوں میں باہم اختلاف ہو گیا اور آپس میں خوب قتل وقتال ہونے لگا۔

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا (قول تو منہ سے ہی ہوتا ہے پھر) بافواھھم کہنے سے تاکید مقصود ہے تاکہ مجاز کا احتمال بھی نہ رہے۔ یعنی یہ خود انہی کے منہ سے نکلا ہوا کلام ہے۔ یا یہ مقصد ہے کہ ان کی یہ بات افواہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، صرف زبانی ڈھکوسلا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ بے معنی لفظ ہے۔

يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں۔ یضاھئون ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے دونوں لغت ہیں۔ ضاھیتہ اور ضاھأتہ دونوں صحیح ہیں۔ مضاف محذوف ہے یعنی ان کا قول گزشتہ کافروں کے قول کے مشابہ ہے۔ قتادہ اور سدی نے کہا، عیسائیوں کا قول یہودیوں کے قول کے مشابہ ہے۔ یہودیوں نے عزیر کو خدا کا بیٹا کہا اور عیسائیوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا کہا۔

مجاہد نے کہا عیسائیوں کا یہ قول مشرکوں کے قول کے مشابہ تھا۔ مشرکین عرب لات، عزیٰ اور منات کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

حسن نے کہا عیسائیوں کا یہ قول گزشتہ کافروں کے قول کی طرح کفریہ تھا یعنی عیسائیوں کا کفر گزشتہ کافروں کے کفر کی طرح ہے۔ جیسے مشرکین عرب کے متعلق فرمایا كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ انہی کے قول کی طرح گزشتہ لوگوں نے بھی کہا تھا۔ ان کے اور ان کے سب کے دل کفر میں ایک جیسے ہیں۔

قتیبی نے کہا مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول اپنے اسلاف کے قول کی طرح ہے یعنی ان کا یہ کفر قدیمی ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ خدا ان کو اللہ کی مار یہ بظاہر بددعا ہے اور حقیقت میں مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو غارت کر دیا۔ ابن جریج نے یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یعنی ان پر اللہ نے لعنت کر دی ہے۔ بعض نے کہا (بددعا نہیں) اظہار تعجب ہے۔ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ یعنی جب دلائل اور براہین قائم

ہیں تو پھر حق سے باطل کی طرف مڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ　انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے۔ احبار حبر کی جمع ہے حبر عالم اور دینی کتابیں پڑھنے والے کو کہتے ہیں۔ رہبان راہب کی جمع ہے گرجوں میں رہنے والے (تارک الدنیا) عیسائی (جیسے مسلمانوں میں خانقاہ نشین پیر اور درویش) رب قرار دینے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے اور علماء و فقراء کے احکام کو مانتے ہیں، ترمذی نے صحیح میں اور بغوی نے حضرت عدی بن حاتم کا بیان نقل کیا ہے۔ عدی نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی حضور ﷺ نے فرمایا، عدی اس بت کو اپنی گردن سے نکال کر پھینک دے میں نے اتار دی

پھر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ پڑھ رہے تھے۔ پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا ہم تو علماء و احبار کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کیا ایسی بات نہ تھی کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو جب علماء و احبار حرام قرار دیتے تھے　تو تم اس کو حرام سمجھتے تھے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو جب وہ حلال قرار دیتے تھے تو تم اس کو حلال سمجھ لیتے تھے میں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا تھا فرمایا یہی ان کی عبادت تھی۔

عبداللہ بن مبارک کا مقولہ ہے کہ دین کو بدل دینے والے بادشاہ ہوتے ہیں یا علماء و مشائخ۔

وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ　اور مسیح بن مریم کو بھی انہوں نے رب بنالیا ہے۔

وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ　اور ان کو حکم نہیں دیا مگر اس بات کا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور وہ اللہ ہے۔

عبادت کرنے سے مراد ہے اطاعت احکام کرنا یعنی کسی کی اطاعت میں اگر اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو اس کی اطاعت نہ کریں۔ باقی جس کی اطاعت کا اللہ ہی نے حکم دیا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء تو ان کی اطاعت حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ لا الہ الا ھو۔ الھا کی دوسری صفت ہے (پہلی صفت واحد ہے)

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱　وہ ان کے شرک سے پاک ہے یعنی وہ جو عبادت و طاعت میں دوسروں کو اللہ کا ساجھی بناتے ہیں۔ اللہ ان کی اس حرکت سے پاک ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲

وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ نہیں پسند کرتا مگر اپنے نور کو پورا کرنا اگرچہ کافروں کو یہ بات ناگوار ہو۔ نور سے مراد ہیں وہ دلائل و براہین جو اللہ کی وحدانیت اور قدوسیت پر دلالت کر رہی ہیں یا قرآن مراد ہے یا رسول اللہ ﷺ کی نبوت۔ افواہہم سے مراد ہیں ان کے منہ سے نکلی ہوئی جھوٹی بے حقیقت باتیں۔ لفظ افواہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت باطل کرنے کے لئے جو تکذیبی قول یہ لوگ منہ سے نکالتے ہیں وہ ایسے ہی بے کار ہیں جیسے کوئی سورج یا چاند کی روشنی اپنی پھونک سے بجھانے کی کوشش کرے (یعنی ان کی اس کوشش سے قرآن و نبوت کا نور بجھ نہ سکے گا) یابی اللہ۔ اللہ انکار کرتا ہے یعنی نہیں چاہتا نہیں پسند کرتا اتمام نور سے مراد ہے دین کو سر بلند کرنا اور دین کا بول بالا کرنا اور دین حق کو آخری نقطہ تکمیل تک پہنچانا۔ ولو کرہ میں لو شرطیہ ہے چونکہ اوپر والی آیت مضمون جزاء پر دلالت کر رہی ہے اس لئے جزاء کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ　اسی نے بھیجا اپنے رسول محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر۔ الہدی سے مراد قرآن مجید ہے جو حلال حرام فرائض اور احکام کو کھول کر بیان کرتا ہے اور جنت کا راستہ بتاتا ہے۔ دین الحق سے مراد اسلام ہے۔

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ تاکہ اس دین کو تمام مذاہب پر غالب کر دے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس جگہ اظہار سے مراد ہے واقف بنا دینا اور ہ ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور الدین کلہ سے مراد ہیں تمام شریعتیں یعنی اللہ نے اپنے رسول کو دین حق کا حامل بنا کر بھیجا تاکہ تمام شریعتوں سے ان کو واقف کر دے۔ دوسرے مفسرین نے لکھا ہے کہ اظہار سے مراد ہے غالب کر دینا اور ہ ضمیر دین حق کی طرف راجع ہے۔ یعنی اسلام کو دوسرے مذاہب پر غالب کرنے اور ان کو منسوخ کرنے کے لئے۔ یا دوسرے مذاہب والوں پر غالب بنانے کے لئے تاکہ تمام اہل ادیان اسلام کے مطیع ہو جائیں اور اس کو اختیار کر لیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ اور ضحاک نے کہا یہ بات حضرت عیسٰیؑ کے نزول کے وقت ہو جائے گی۔ تمام مذاہب والے مسلمان ہو جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ عیسٰیؑ کے زمانے میں تمام مذاہب برباد ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ ظہور سے مراد ہے تمام مذاہب پر دین حق کا غلبہ کسی ایک زمانہ میں۔ حضرت مقداد کا بیان اس کی تائید کرتا ہے۔ حضرت مقداد نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا کہ روئے زمین پر کوئی مٹی کا بنا ہوا مکان یا ڈیرہ یا خیمہ ایسا نہ بچے گا کہ اس میں دین اسلام داخل نہ ہو عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلت والے کی ذلت کے ساتھ یعنی کلمہ اسلام کی وجہ سے یا تو اللہ لوگوں کو عزت عطا فرما دے گا اور وہ کلمہ گو ہو جائیں گے یا اس کلمہ کی وجہ سے لوگوں کو ذلیل کر دے گا کہ کلمہ کا انکار کریں گے مگر مجبوراً اطاعت کریں گے حضرت مقداد نے فرمایا میں نے کہا تو اس وقت دین سارا اللہ ہی کا ہو جائے گا (یعنی سب پر اللہ کے دین کو غلبہ حاصل ہو جائے گا)

میں کہتا ہوں اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا اکثر اطراف عالم میں مختلف مذاہب والے مسلمانوں کے مطیع ہو گئے اور ایک زمانہ میں مسلمانوں کو سب پر غلبہ حاصل ہو چکا لیکن آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ غلبہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ کیونکہ مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات و دن ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ (ایک زمانہ میں تمام دنیا میں) لات و عزیٰ کی پوجا ہونے لگے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ کے نزول کے بعد تو میرا خیال یہ تھا کہ یہ فیصلہ قطعی ہو چکا (آئندہ کبھی کفر کو غلبہ حاصل نہ ہوگا) فرمایا یہ اسلام کا غلبہ تو ہوگا اور جب تک اللہ چاہے گا رہے گا پھر ایک پاکیزہ ہوا چلے گی اور جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا اس کی روح قبض ہو جائے گی اور سوائے اہل شر کے اور کوئی باقی نہ رہے گا سب لوگ اپنے اسلاف کے مذہب شرک کی طرف لوٹ جائیں گے۔

حسن بن فضل نے کہا آیت میں غلبہ سے مراد ہے واضح دلائل و براہین کی وجہ سے دین کا غلبہ یعنی اس دین کا ثبوت ایسی دلائل سے ہو گیا جن کو توڑنا ناممکن ہے بعض کے نزدیک غلبہ دین سے مراد ان مذاہب والوں پر غلبہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے گردو پیش میں رہتے تھے (یعنی) مشرک، یہودی، عیسائی، مجوسی وغیرہ) امام شافعی نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام مذاہب پر اس طرح غالب کیا کہ ہر سننے والے کو جتا دیا ہے کہ رسول حق پر ہیں اور ان کی مخالفت کرنے والے باطل پر۔ اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ رسول کا انکار کرنے والے دو گروہ ہیں ایک تو اہل کتاب اور دوسرے وہ لوگ جو بلا کتاب ہیں (یعنی آسمانی کتاب ان کے پاس نہیں، وہ کتاب الٰہی کے حامل ہونے کے مدعی ہیں) اللہ نے اپنے رسول کو غیر کتابی گروہ پر تو اس طرح غالب کر دیا کہ وہ بخوشی خاطر اسلام کے فرمان بردار ہو گئے اور اہل کتاب پر غلبہ کی یہ صورت ہوئی کہ بعض کو قید کیا بعض بخوشی مسلمان ہو گئے اور بعض نے ذلت کی ساتھ جزیہ ادا کرنا قبول کیا اور جزیہ کا حکم ان پر لاگو ہو گیا تمام مذاہب پر غلبہ پانے کی یہی صورت ہوئی گویا یہ آیت (یعنی لیظهره على الدين كله) آیت و یابی الله الا ان یتم نوره کا بیان ہے۔ اسی لیے اس جگہ دوسری بار فرمایا:

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ اگرچہ مشرک اس کو پسند نہ کریں، اس جگہ کافروں کی جگہ المشرکون فرمایا دوسری آیت میں الکافرون آیا ہے کیونکہ اس جگہ رسول کے انکار کے ساتھ انہوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک قرار دے رکھا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ اے اہل ایمان بکثرت علماء اہل کتاب اور عیسائیوں کے درویش احبار سے مراد ہیں، اہل کتاب کے علماء (خواہ یہودی ہوں یا عیسائی) اور رہبان سے مراد ہیں عیسائی درویش (کیونکہ یہودیوں میں رہبانیت کا دستور نہ تھا)

لَيَأْكُلُونَ بلاشبہ کھاتے ہیں۔ کھانے سے مراد ہے فائدہ اندوز ہونا، چونکہ فائدہ اندوز ہونے کی سب سے بڑی صورت کھانا ہے اس لیے یَاکُلُوْنَ فرمایا (مال کا مقصد کھانا پینا پہننا اور استعمال کرنا ہے کھانے کا درجہ سب سے مقدم ہے، یہ مدار زندگی ہے)

أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ لوگوں کے مال ناجائز طور پر۔ باطل سے مراد ہے رشوت لے کر لوگوں کے فیصلے کرنا اللہ کے کلام میں تحریف کرنا، خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر یہ کہنا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حکم ہے (یعنی خود تراشیدہ احکام کو حکم خدا کہنا) رسول اللہ ﷺ کے ان اوصاف کو جو ان کی کتابوں میں صحیح صحیح مذکور تھے بدل دینا۔ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کریں گے (اور اظہار کردیں گے کہ جس رسول کے اوصاف ہماری کتابوں میں مذکور ہیں وہ رسول یہی ہیں) تو زیردست عوام اور نچلے درجہ کے ہم مذہب لوگوں سے ان کو جو کچھ کھانے پینے کو ملتا تھا وہ ختم ہو جائے گا (ان کی مذہبی سیادت اور دنیوی کمائی ختم ہو جائے گی)

وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ اور اللہ کی راہ سے (دوسروں کو) کو روکتے ہیں۔ اللہ کی راہ سے مراد ہے اللہ کا دین یعنی اسلام۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے (یعنی گنج بنا کے) رکھتے ہیں بظاہر الذین سے مراد احبار اور رہبان ہی ہیں اور اس جملہ کا عطف محذوف پر ہے جس پر سابق کلام دلالت کر رہا ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ اس صورت میں آئندہ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کا حکم اہل کتاب کے لیے خصوصیت کے ساتھ ہوگا۔

حسن نے بعض صحابہ کا قول نقل کیا ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے دلالت نص سے یہ حکم ثابت ہو جائے گا۔ حضرت ابوذرؓ کا قول ہے کہ یہ کلام علیحدہ ہے۔ اہل کتاب کے لیے مخصوص نہیں ہے اس صورت میں فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کا تعلق خبری صرف اَلَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ سے ہوگا اور اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے بعد فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ محذوف ہوگا۔ حذف کی وجہ صرف یہ ہے کہ آئندہ الذین یکنزون کے بعد اس کا ذکر کردیا گیا ہے، مذکور محذوف پر دلالت کر رہا ہے۔

وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یعنی سونے چاندی میں سے کسی کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔ (گویا مضاف محذوف یعنی لاینفقون کل واحد منہا) یا خزائن و اموال مراد ہیں (اور واحد مؤنث کی ضمیر جمع کی طرف راجع کردی گئی) یا الفضہ کی طرف ضمیر راجع ہے کیونکہ چاندی ہی کثیر الاستعمال ہے (سونے کے سکے تو بہت کم استعمال میں آتے ہیں) سونے اور چاندی کے ساتھ ساتھ ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تعیین نصاب کے لیے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے اور ملانے کے بعد ایک نصاب بنا کر اس کی زکوۃ ادا کی جائے ملانے کی صورت امام ابو حنیفہ کے نزدیک قیمت کا حساب لگا لینا ہے۔ اگر مجموعی قیمت بقدر نصاب ہو جائے تو زکوۃ ادا کی جائے) امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک (قیمت کا لحاظ نہیں وزن کا لحاظ ہے) سونے چاندی کو باہم ملایا جائے گا۔ مثلاً کسی کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم ہیں، بالاتفاق زکوۃ واجب ہو گی (دس مثقال سونا واجب الزکوۃ ہے) لیکن اگر پانچ مثقال سونا ہے جس کی قیمت سو درہم یا اس سے زائد ہے تو سونے کی قیمت کو درہموں کے ساتھ ملا دیں گے یعنی نصاب دراہم بنائیں گے۔ اگر نصاب چاندی (دو سو درہم) ہو جائے گا تو امام صاحب کے نزدیک زکوۃ واجب ہو گی اور صاحبین کے نزدیک وجوب زکوۃ نہ ہو گی۔ (کیونکہ سات مثقال

سے کم سونے پر زکوٰۃ نہیں) اگر پانچ مثقال سونا اور سو درہم ہوں اور سو درہم کی قیمت دس مثقال سونا ہو تو کل پندرہ مثقال سونا ہو جائے گا۔ امام صاحب کے نزدیک سب کو سونا قرار دے کر سونے کی زکوٰۃ دی جائے گی اور صاحبین کے نزدیک کسی کی زکوٰۃ نہ ہوگی۔ نہ پانچ مثقال سونے پر زکوٰۃ ہے نہ سو درہم پر اور سونے کی قیمت کا اعتبار نہیں۔

آیت میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ سونے میں سے الگ اور چاندی میں سے الگ زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ دونوں جنسوں کی زکوٰۃ ایک ہی جنس میں سے دی جاسکتی ہے (یہ اشارہ ولاینفقونھا میں مفرد کی ضمیر ذکر کرنے سے مستفاد ہوتا ہے۔

چونکہ چاندی سونا قیمت کے لئے متعین ہیں اور دوسرے مالوں کا اندازہ چاندی سونے (یعنی ان کی قیمت) کے ذریعے سے لگایا جاتا ہے اسی لئے دوسری کسی قسم کے مال کا اس جگہ ذکر نہیں کیا۔ صرف....... چاندی سونے کا کیا۔ دیکھو تجارتی سامان کی قیمت اگر چاندی یا سونے کی نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے کسی قسم کا دوسرا مال معیار زکوٰۃ نہیں ہے۔ تخصیص ذہب وفضہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ عام طور سے انہی کو جمع کر کے رکھتے ہیں (اور دوسری چیزوں کی ذخیرہ اندوزی تو صرف تجارت کے لیے کرتے ہیں) اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں (۱) بالکل خرچ نہ کیا جائے۔ نہ اللہ کی راہ میں نہ شیطان کی راہ میں (۲) اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے اپنے نفس اور شیطان کی راہ میں صرف کیا جائے۔ جیسے ایک آیت میں کیا ہے کہ ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ۔ آیت میں چونکہ اہل کتاب کے علماء و مشائخ کی باطل خوری اور اللہ کی راہ سے روکنے کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ راہ خدا میں خرچ نہ کرنے سے مطلقاً خرچ نہ کرنا مراد ہے (یعنی انتہائی کنجوسی) یکنزون کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا لفظ عام ہے اس میں فرض زکوٰۃ نفل خیرات اور تمام واجب و مستحب صدقات داخل ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بامید ثواب اپنے بال بچوں پر صرف کرتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ (ایسی خیرات جو موجب ثواب ہے) ہوتا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا: ایک وہ دینار ہے جس کو تو راہ خدا (جہاد) میں خرچ کرے۔ ایک وہ دینار ہے جو تو کسی غلام (کی آزادی) کے لئے صرف کرے، اک وہ دینار ہے۔ جو تو کسی مسکین کو خیرات کرے: ایک وہ دینار ہے جو تو اپنے بال بچوں کے (ضروری) صرف میں لائے:
ان میں سب سے زیادہ ثواب والا وہ دینار ہے جو تو اپنے بال بچوں کی (ضروری) صرف میں لائے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ثوبان راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اجر و ثواب میں) سب سے بڑھ کر وہ دینار ہی جو آدمی اپنے بال بچوں کے (ضروری) مصارف میں لاتا ہے اور وہ دینار ہے جو راہ خدا میں کسی سواری کے صرف میں لاتا ہے اور وہ دینار ہے جو جہاد کے موقع پر کسی ساتھی کے لیے خرچ کرتا ہے۔

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابو سلمہ (سابق شوہر) کے بچے جو میرے بھی بچے ہیں اگر میں ان کے لیے کچھ خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا۔ فرمایا ان کے لیے خرچ کرو جو کچھ ان کے لیے خرچ کرو گی اس کا ثواب پاؤ گی (بخاری و مسلم) حضرت ابن مسعود کی بیوی زینب کا بیان ہے کہ میں نے اور ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا ہم اگر اپنے شوہروں کو کچھ خیرات دیں تو کیا ہم کو اس کا ثواب ملے گا فرمایا دوہرا اجر ملے گا۔ خیرات کا اور رشتہ (نوازی) کا۔ بخاری و مسلم

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ پس ان کو دردناک عذاب کی اطلاع دے دو۔ یعنی دونوں گروہوں کو ان کو بھی جو ناجائز طور پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور ان کو بھی جو چاندی سونا جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

فائدہ

چونکہ وعید عذاب کو دو فعلوں کا نتیجہ قرار دیا ہے ایک جمع کر کے رکھنا، دوسرا راہ خدا میں خرچ نہ کرنا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ضروری واجب حصہ راہ خدا میں صرف کر دیا جائے (یعنی زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ ادا کر دیا جائے) تو پھر چاندی سونا جمع کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اسی پر اجماع ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں اور ابن عدی نے الکامل میں اور ابن مردویہ و بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عمر کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں یعنی وہ کنز نہیں جس پر عذاب کی وعید آئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا، جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں کو یہ حکم بڑا شاق گذرا۔ انہوں نے کہا ایسا کون کر سکتا ہے کہ اپنے بچوں کے لیے کچھ نہ چھوڑے۔ اس کا تذکرہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے زکوٰۃ اسی لیے تو فرض کی ہے کہ تمہارا باقی مال پاک ہو جائے (یعنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی مال جمع کرنا ممنوع نہیں اور ایسا مال ناپاک نہیں) یہ حدیث ابوداؤد، ابویعلی، ابن ابی حاتم، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ اس میں اتنا زائد ہے کہ میراث کے حصوں کے فرضیت تو ہوئی اسی لیے ہے کہ تمہارے بعد والے (ورثہ) کے لیے (ترکہ) ہو جائے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا مجھے پرواہ نہ ہوگی اگر میرے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو (بشرطیکہ) میں اس کی گنتی کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کر دوں اور اللہ کی طاعت پر عمل کر دوں۔ ابن ابی حاتم، حاکم، ابوالشیخ اور ابن حبان نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو مال (یعنی ترکہ) چار ہزار درہم سے زائد ہو وہ کنز ہے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو یا نہ ادا کی گئی ہو اور جو اس سے کم ہو وہ نفقہ ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو حاجت سے زائد ہو وہ کنز ہو، کیونکہ حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اس وقت حضور کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا رب کعبہ کی قسم وہ بہت گھاٹا پانے والے ہیں میں نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان کون لوگ فرمایا بڑے مال دار سوائے ان (مال داروں) کے جو اس طرح اور اس طرح دیتے ہیں (یعنی) آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں بائیں سے (لٹاتے ہیں) اور ایسے لوگ بہت کم ہیں (صحیح مسلم و صحیح بخاری)۔

حضرت ابوذرؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جس نے سونا چاندی ترکہ میں چھوڑا اسی سے (قیامت کے دن) اس کو داغا جائے گا۔ اخرجہ البخاری فی تاریخہ وابن جریر وابن مردویہ۔ میں کہتا ہوں اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ جس نے سونے چاندی کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کی اور بغیر زکوٰۃ ادا کیے مر گیا اس کو داغ لگائے جائیں گے۔ اسی طرح سابق حدیث میں بھی وہی مال دار مستثنیٰ ہیں جو فرض مالی ادا کرتے ہیں زیادہ مالداروں پر زیادہ مال کی ادائگی بھی واجب ہوتی ہے۔ اس لئے ہر طرف سے اور ہر خیر کے راستہ میں ان کو خرچ کرنا ضروری ہے۔

جو علماء فاضل از حاجت مال کو کنز کہتے ہیں، وہ اپنے اس قول کے ثبوت میں حضرت ابوامامہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ اہل صفہ میں سے ایک آدمی مر گیا اور اس کے تہبند میں ایک دینار نکلا رسول اللہ نے فرمایا یہ ایک داغ ہے پھر دوسرا شخص مر گیا اور اس کے تہبند میں دو دینار نکلے حضور ﷺ نے فرمایا یہ دو داغ ہیں۔ رواہ البغوی۔ حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک آدمی مر گیا اس کی چادر میں سے دو دینار ملے، رسول اللہ نے فرمایا یہ دو داغ ہیں۔

حضرت مسعود بن عمر کی روایت ہے کہ ایک شخص (کا جنازہ) نماز پڑھنے کے لیے لایا گیا، رسول اللہ نے پوچھا اس کا ترکہ کتنا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا دو یا تین دینار، فرمایا اس نے دو یا تین داغ چھوڑے۔ میں حضرت عبداللہ ابوالقاسم سے ملا۔ انہوں نے فرمایا وہ شخص لوگوں سے (جمع کرنے کے لیے) مانگتا تھا۔ رواہ البیہقی من روایۃ یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی۔

میں کہتا ہوں جو تشریح ابو القاسم نے بیان کی یہی مراد حضرت ابو امامہ اور حضرت ابن مسعود کی روایتوں کی بھی ہو سکتی ہے (شاید وہ لوگ بھی مانگتے ہوں گے)

صورت مسئلہ اس طور پر بھی بیان کی جا سکتی ہے کہ جو شخص صوفی ہو گیا توکل کو اختیار کر لیا دنیا کو ترک کر دیا اور اس پر لوگوں کی کفالت و ذمہ داری بھی نہ ہو نہ اس کے بیوی بچے ہوں نہ دوسرے مستحقین اس کے لیے اپنی حاجت سے زائد روک کر رکھنا جائز نہیں اللہ نے فرمایا ہے اوفوا بالعقود۔ اوفوا بالعہد (اپنا عہد پورا کرو) اہل صفہ ایسے ہی (تارک الدنیا متوکل مجرد) لوگ تھے (نہ ان کے بال بچے تھے نہ مستحقین)

حضرت علی تمام صوفیہ کے پیشوا اعظم تھے، آپ کے کلام میں عیال دار صوفی کا حکم مذکور ہے۔[1]

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ کہ اس روز واقع ہوگی جب کہ دوزخ کی آگ میں اول ان کو تپایا جائے گا، یعنی ان کو آگ میں داخل کیا جائے گا پھر آگ کو سونے چاندی یا درہم و دنانیر پر دہکایا جائے گا۔

فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو اور پیٹھوں کو داغا جائے گا جِبَاہ سے مراد ہیں جسم کے سامنے کے حصے (چہرہ، ناک، سینہ، پیٹ، ران کا اگلا حصہ زانو وغیرہ) جُنُوب سے مراد ہیں داہنے بائیں کے حصے۔ پہلو اور ظُهُور سے مراد ہیں جسم کے پچھلے حصے کمر سرین پشت گردن گدی وغیرہ مراد یہ ہے کہ ہر طرف سے ان کو دہکتے سونے چاندی سے داغا جائے گا۔ بعض علماء نے کہا کہ مذکورہ اعضاء کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ کفار فقراء اور مساکین کو دیکھ کر تیوری چڑھا لیتے اور ترش روئی کا اظہار کرتے تھے اور جب مساکین کسی مجلس میں شریک ہوتے تھے تو وہ لوگ اپنے پہلوؤں کو لے کر وہاں سے کترا جاتے اور پشت پھیر کر چل دیتے تھے اور فقراء کی طرف سے منہ موڑ لیتے تھے۔

خصوصی ذکر کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ انہی بیرونی اعضاء کے اندر انسان کے اعضاء رئیسہ دماغ دل اور جگر ہوتے ہیں۔

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (بطور تنبیہ ان سے کہا جائے گا) یہ مال وہی ہے جو تم نے اپنے فائدہ کے لیے جمع کیا تھا (اور سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم نے جمع کیا ہے وہ ہمارے کام آئے گا اور ہمارے لئے مددگار ہوگا) اب اپنے جمع کردہ مال کا یا اس کو جمع کرنے کا عذاب چکھو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو سونے چاندی کا مالک اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے گا قیامت کے دن اس سونے چاندی سے اس کے لیے آگ کی چٹائیں بنائی جائیں گی اور دوزخ کی آگ میں ان کو دہکا کر اس شخص کے پہلو پیشانی اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے جب وہ کچھ ٹھنڈی پڑ جائیں گی تو دوبارہ تپا کر داغ لگائے جائیں گے اور ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا، جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس شخص کو اس کا راستہ بتایا جائے گا۔ جنت کو جانے والا یا دوزخ کو جانے والا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اونٹوں کا کیا حکم ہے فرمایا اور جو اونٹوں والا ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے گا اور پانی پلانے کے دن ان کو دوہنا (اور دودھ میں سے مساکین کو دینا بھی) منجملہ حقوق کے ہے۔ قیامت کے دن ایک ہموار میدان میں اونٹوں کے سامنے اس کو لٹایا جائے گا اونٹ سب موجود ہوں گے، ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا یہ اونٹ اپنے موزوں (یعنی کھروں) سے اس کو روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے، اول حصہ جب روندتا چلا جائے گا تو پچھلا حصہ پھر روندنے کے لیے) لوٹ پڑے گا (۔ یعنی روندنے کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا) ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس

[1] حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ جب آیت والذین یکنزون الذہب والفضۃ الخ نازل ہوئی تو صحابہ نے کہا آج کنز کے متعلق جو حکم نازل ہونا تھا ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اب ہم کیا چیز اندوختہ کریں فرمایا ذکر کرنے والی زبان شکر گذار دل اور نیک بی بی جو ایمان پر تمہاری مدد کرے۔

ہو گی۔ آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ بتا دیا جائے گا، جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کیا گیا گائے بھینس اور بھیڑ بکریوں کا کیا حکم ہے فرمایا ان کا مالک اگر حق ادا نہ کرے گا تو ہموار میدان میں ان جانوروں کے سامنے اس کو پچھاڑ کر لٹایا جائے گا سب جانور موجود ہوں گے کوئی غیر حاضر نہ ہو گا۔ ان میں کوئی ایسا نہ ہو گا کہ اس کے سینگ پیچھے کو مڑے ہوئے ہوں نہ کوئی جانور منڈا ہو گا، نہ سینگ ٹوٹا ہوا (سب کے سینگ نوک دار آگے کی طرف ہوں گے) یہ تمام جانور اس شخص کو اپنے سینگوں سے ماریں گے اور کھروں سے روندیں گے اول حصہ گزرتا جائے گا اور پچھلا حصہ لوٹ کر آتا جائے گا۔ یہ عذاب اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہو گی آخر جب لوگوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔ جنت کا یا دوزخ کا (رواہ مسلم)

یہ حدیث گویا آیت کی تفسیر ہے، اس میں اس امر کی صراحت ہے کہ وہ کنز جس کو تپا کر داغ دیئے جائیں گے اس سے مراد وہ کنز ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور اس نے اس مال کی زکوٰۃ نہ دی ہو قیامت کے دن وہ مال اس گنجے سانپ کی شکل پر کر دیا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر سیاہ (دھاریاں یا) نقطے ہوتے ہیں۔ یہ سانپ بصورت طوق اس کے گلے میں پڑ جائے گا، اور دونوں باچھوں کو پکڑ کر (چیرے گا اور) کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں پھر حضور ﷺ نے آیت وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ الخ تلاوت فرمائی۔ رواہ بخاری۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس اونٹ، گائے، بھینس یا بھیڑ بکریاں ہوں اور وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو قیامت کے دن ان کو بڑا عظیم الجثہ خوب موٹا تازہ بنا کر لایا جائے گا اور یہ رعایا فوراً اس مالک کو اپنے کھروں سے روندیں گے اور سینگوں سے ماریں گے جب پچھلی جماعت پامال کرتی ہوئی نکل جائے گی (اگلی جماعت واپس کر دی جائے گی) روندتے آ جائے گی۔ یونہی اس وقت ہوتا رہے گا کہ لوگوں کا فیصلہ ہو جائے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ یقیناً (ایک سال کے) مہینوں کی (انتہائی) گنتی بارہ مہینے ہے

شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ اللہ کی کتاب میں یعنی لوح محفوظ میں یا اللہ کے علم میں۔

يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ (اسی وقت سے) جب کہ اللہ نے آسمان و زمین کو بنایا تھا یعنی حج زکوٰۃ اور روزوں کے لیے اللہ کے نزدیک چاند کے مہینے معتبر ہیں اور ایک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں یعنی ایک سال کا دور اللہ کے نزدیک بارہ مہینے کا ہوتا ہے ان میں سے ایک مہینہ روزوں کے لیے اور چند ماہ حج (کو جانے) کے اور سال کا خاتمہ ادائے زکوٰۃ کے وجوب کے لیے ہے۔

مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں یعنی ان میں لڑائی کا آغاز حرام ہے (دفاع کی حرمت نہیں) رجب کا ایک مہینہ الگ ہے اور ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم تین ماہ مسلسل ہیں۔

ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ یہی (یعنی چاند کے مہینے ہونا اور سال بغیر کمی بیشی کے پورے بارہ ماہ کا ہونا) دین مستقیم ہے۔ یعنی دین ابراہیمی ہے جس کو ترک کرنا جائز نہیں (ایک وقت کو چھوڑ کر دوسرا وقت ادائے فریضہ کے لیے مقرر کر لینا درست نہیں) جیسے نصاریٰ نے رمضان کے روزے چھوڑ کر ان کی جگہ بہار کے معتدل موسم میں پچاس روزے از خود مقرر کر لیے۔

فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ سو ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ یعنی کوئی گناہ نہ کرو۔ ہن ضمیر بارہ مہینوں کی طرف راجع ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اربعۃ حرم کی طرف لوٹائی جائے کیونکہ اربعۃ کا لفظ قریب بھی ہے اور گناہ کی ممانعت کے حکم کو ان کی حرمت پر ہی متفرع بھی کیا ہے ظلم سے مراد ہے ان کی حرمت کی پرواہ نہ کرنا اور ان میں قتل و قتال کرنا۔

قتادہ نے کہا حرمت کی مہینوں میں نیک کام کرنے کا ثواب بہت بڑا ہے۔ لہٰذا ان میں گناہ کرنے کا عذاب بھی بہت بڑا ہے اگرچہ گناہ ہر زمانے میں (برائی کے لحاظ سے) بڑا ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ظلم کرنے سے مراد ہے حرام کو حلال بنا لینا اور ان مہینوں میں لوٹ مار (اور جنگ و جدال) کو جائز سمجھنا۔

محمد بن اسحاق بن یسار نے کہا مطلب یہ ہے کہ حلال مہینوں کو حرام اور حرام مہینوں کو حلال نہ بناؤ جیسے مشرکوں نے کر رکھا تھا جس کو نسی کہا جاتا تھا (محرم کے مہینہ کو حلال بنا کر صفر کی مہینہ کو حرام قرار دے لیتے تھے اس کو نسی کہتے تھے یعنی ایک ماہ کی حرمت ٹال کر دوسرے ماہ کی طرف منتقل کر دینا)

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً اور سب مشرکوں سے جنگ کرو جیسے وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ کَافَّةً مصدر ہے۔ كَفَّ عَنِ الْأَمْرِ اس کام سے اس کو روک دیا گیا۔ مجموعہ پر زیادتی کو روک دیا جاتا ہے۔ اس لیے کافہ کا معنی ہو گیا جمیعاً۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾ اور جان لو کہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے۔ یہ متقیوں کے لیے اللہ سے کامل طور پر قریب ہونے کی بشارت ہے اور ان کو طاقت دے کر فتحیاب کرنے کی ضمانت ہے اللہ کی معیت متقیوں کے ساتھ (جسمانی معیت نہیں بلکہ) ہر کیفیت سے مبرا ہے (۔ ناقابل بیان اور ناقابل فہم ہے) بغوی نے لکھا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں مسئلہ قتال کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض لوگ کہتے ہیں پہلے گناہ کبیرہ تھا پھر آیت قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً سے اس ممانعت کو منسوخ کر دیا گیا اس صورت میں آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ مشرکوں سے ہر زمانہ میں لڑو حرمت والے مہینے ہوں یا دوسرے مہینے سب میں مشرکوں سے جنگ کرو۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے حنین میں بنی ہوازن سے اور طائف میں بنی ثقیف سے جہاد کیا، شوال بھر اور ذی القعدہ کے کچھ دنوں تک ان کا محاصرہ جاری رکھا یہ قول قتادہ عطاء خراسانی زہری اور سفیان ثوری کا ہے۔

میں کہتا ہوں، یہ قول غلط ہے آیت قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً آیت مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ کی ناسخ ہو ہی نہیں سکتی۔ دونوں آیتیں متصل ہیں (دونوں کا ساتھ ساتھ نزول ہوا ہے) اور ناسخ کے نزول کا زمانہ منسوخ کے نزول کے زمانہ سے موخر ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ حرمت کے مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت زمانی ہے اور آیت قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً میں عموم زمانی نہیں ہے کہ یہ ناسخ بن سکے (یعنی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر زمانہ میں مشرکوں سے قتال کرو) آیت کا حکم قتال کرو ہر زمانہ کے لیے عام قرار دینا اور یہ مطلب بیان کرنا کہ حرمت والے مہینے ہوں یا دوسرے مہینے ہر زمانہ میں قتال کرو یہ از خود زیادتی ہے۔ آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ رہا رسول اللہ ﷺ کے عمل سے استدلال تو یہ بھی غلط ہے صحیح یہ ہے کہ ماہ ذیقعدہ کے آتے ہی رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ اٹھا لیا تھا (شوال حرمت والا مہینہ نہیں ہے) اور اگر بالفرض روایت مذکورہ کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث آحاد ہوگی قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ....

یہ بات قابل غور ہے کہ غزوہ طائف ۸ھ میں ہوا اور اس آیت کا نزول ۹ھ میں ہوا تو سابق واقعہ پیچھے نازل ہونے والے حکم کو کیسے منسوخ کر سکتا ہے۔ ایک امر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات سے اسی ۸۰ دن پہلے حجۃ الوداع کے خطبہ میں حرمت والے مہینوں کو بیان کیا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طائف والا عمل (اگر ثابت ہو جائے تو) منسوخ ہے آیت منسوخ نہیں ہے ابن جریج کا بیان ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے اللہ کی قسم کھا کر کہا تھا کہ آیت منسوخ نہیں کی گئی نہ حرم کے اندر قتال کرنا جائز ہے نہ حرمت والے مہینوں میں ہاں اگر حرمت والے مہینوں میں کفار مسلمانوں سے جنگ کریں تو (دفاع) کے لئے قتال جائز ہے۔ آئندہ آیت سے بھی اسی کی تائید ہو رہی ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ نسی بروزن فعیل بمعنی مصدر ہے جیسے سعیر، حریق یا اسم مفعول کے معنی میں ہے جیسے جریح اور قتیل۔ نسی کا معنی ہے ٹالنا موخر کر دینا یا وہ چیز جس کو موخر کر دیا جائے۔ بیع میں نسیہ (ادھار) بھی اسی سے بنا ہے۔ انساہ اللہ اجلہ اور نسا فی اجلہ اللہ نے اس کی (زندگی میں ڈھیل دے دی) موت کو پیچھے کر دیا۔

اس جگہ نسیٔ سے مراد ہے وہ ادل بدل جو حرمت والے مہینوں کی سلسلہ میں اسلام سے پہلے عرب کرتے تھے۔ ایک حرمت والے مہینہ (کو حلال بنا لیتے اور اس) کی حرمت کو دوسرے (حلال) مہینے پر ڈال دیتے تھے۔ ابن جریر نے ابو مالک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اہل جاہلیت سال کے تیرہ مہینے کر دیتے تھے (ایک ماہ میں لوند مان لیتے تھے پس) محرم کو بھی صفر قرار دیتے تھے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ عرب ماہہائے الحرام کی حرمت کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ عقیدہ انہوں نے دین ابراہیمی سے سیکھا تھا جس پر مضبوطی سے قائم تھے۔ لیکن عموماً ان کی روزی شکار یا پھر لوٹ مار پر موقوف تھی اس لیے تین مہینے تک پے در پے لڑائی سے رکا رہنا ان کے لئے بڑا دشوار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کبھی کبھی کسی حرمت والے مہینہ میں ان کی لڑائی واقع ہو جاتی تھی اور لڑائی کو ٹالنا ان کو گوارا نہ ہوتا تھا یہی بنیاد تھی، اس بات کی کہ وہ ایک حرمت والے مہینے کی حرمت کو دوسرے مہینہ پر ٹال دیتے تھے محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنا لیتے تھے اور اس طرح محرم میں قتل و غارت گری کا جواز نکال لیتے تھے اور اگر صفر کے مہینے کی بھی حرمت موخر کرنا ہوتی تو ربیع الاول کو حرمت کا مہینہ کر لیتے تھے اسی طرح حرمت میں مزید تاخیر کرتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ تحریم کا یہ چکر ایک ماہ کے بعد دوسرے ماہ پر اور دوسرے ماہ کا تیسرے ماہ پر اور تیسرے ماہ کے بعد حتی کہ پورے سال کو گھیر لیتا تھا جب اسلام آیا تو اس وقت ایک زمانہ کے بعد محرم کی حرمت محرم ہی میں لوٹ کر آچکی تھی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیا اور (اس میں) اسی بات کا تذکرہ کیا۔ صحیحین میں حضرت ابو بکرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن (۱۰/ ذی الحجہ کو) خطاب کیا اور فرمایا زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیئت پر آگیا ہے جس ہیئت پر آسمان و زمین کی پیدائش کے دن تھا سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں تین پے در پے ذیقعدہ ذی الحجہ محرم اور ایک رجب مضر جو جمادی الثانیہ اور شعبان کی درمیان ہوتا ہے اور حضور نے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے، ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہیں آپ یہ سن کر خاموش رہے ہم نے خیال کیا شاید اس مہینہ کا نام کوئی دوسرا نام (مروج نام کے علاوہ) لیں گے (لیکن) آپ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا جی ہاں ہے کیوں نہیں، فرمایا یہ شہر کونسا ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہیں آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ ہمارا خیال ہوا کہ شہر کا نام مقررہ نام کے علاوہ کچھ اور لیں گے فرمایا کیا یہ مکہ شہر نہیں، ہم نے عرض کیا جی ہے کیوں نہیں فرمایا یہ دن کون سا ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب واقف ہیں آپ خاموش رہے ہمارا گمان ہوا کہ شاید کہ کوئی دوسرا نام لیں گے لیکن آپ نے فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا جی ہے کیوں نہیں، فرمایا تو جس طرح تمہارا یہ دن اس ماہ اور اس شہر میں حرمت والا ہے اسی طرح تمہارے آپس میں باہمی خون اور مال اور آبروئیں بھی حرام ہیں (کسی کو کسی کا قتل یا آبروریزی یا ناجائز مال لینا جائز نہیں) عنقریب تم کو اپنے رب کے سامنے جانا ہو گا اور وہ تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا اس لیے خوب سن لو کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔ تم نے سن لیا کیا میں نے حکم پہنچا دیا۔ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اے اللہ تو بھی گواہ رہے اب جو حاضر ہیں وہ اس کو (یہ حکم) پہنچا دے جو اس وقت موجود نہیں ہے۔ کبھی سننے والے سے وہ شخص زیادہ یاد رکھتا ہے جس کو سننے والا پہنچاتا ہے۔ علماء (یا صحابہ) کا بیان ہے کہ عرب (جاہلیت) میں نسیٔ کا رواج برابر جاری تھا بعض سال وہ کسی مہینہ میں اور اگلے سال کسی اور مہینے میں وہ حج کرتے تھے۔ مجاہد کا قول ہی کہ دو سال ایک ہی مہینہ میں حج کرتے ذی الحجہ میں دو سال محرم میں دو سال صفر میں دو سال اسی طرح ہر ماہ میں دو دو سال حج کرتے تھے اتفاق ایسا ہوا کہ حج وداع سے پہلے جو حضرت ابو بکرؓ کی زیر قیادت حج کیا گیا وہ ماہ ذیقعدہ میں دوسرے سال کا حج تھا اور اگلے سال جب رسول اللہ ﷺ نے حج وداع کیا تو وہ حج شرعی یعنی ذالحجہ میں تھا ۹ تاریخ کو آپ نے عرفات میں قیام کیا الخ۔۔۔۔۔؟

دسویں تاریخ کو منیٰ میں خطبہ دیا اور بتایا کہ نسیٔ کے مہینے منسوخ ہو گئے اور چکر کاٹ کر زمانہ (حج) وہیں آگیا جس پر اللہ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن مہینوں کا حساب قائم کیا تھا حضور ﷺ نے اس کی پابندی کا حکم دیا تاکہ اگلے زمانہ میں ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کر لی جائے۔

سب سے پہلی نسیٔ کا رواج کس نے قائم کیا۔ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباس ضحاک قتادہ اور مجاہد کا قول ہے کہ نسیٔ کے بانی قبیلہ مالک بن کنانہ کے افراد تھے۔ یہ تین شخص تھے ابو ثمامہ جندل بن عوف اور ابن امیہ کنانی۔ کلبی

نے کہا سب سے پہلے اس رسم کو جاری کرنے والا نعیم بن ثعلبہ کنانی تھا یہ حج کے زمانہ میں امیر حج ہوا کرتا تھا۔ جب لوگ حج سے فارغ ہونے لگتے تھے تو وہ کھڑا ہو کر لوگوں سے خطاب کرتا اور کہتا تھا جو فیصلہ میں کر دوں اس کی تردید نہیں کی جا سکتی۔ میرے فیصلہ پر نکتہ چینی کی جا سکتی ہے نہ اس کی تغلیط ہو سکتی ہے۔ مشرک برابر لبیک کہتے جاتے اور اس سے درخواست کرتے کہ ایک ماہ کا لوند کر دے تاکہ وہ لوند کے مہینے میں لوٹ مار کر سکیں۔ اگر وہ کہہ دیتا اس سال صفر (کا مہینہ) حرام ہے (یعنی محرم کی جگہ صفر کو حرمت کا مہینہ قرار دیدیا گیا) تو لوگ فوراً کمانوں سے تانت اتار دیتے اور تیروں سے بوریاں نکال دیتے اور اگر وہ کہہ دیتا یہ ماہ حلال ہے تو لوگ کمانوں پر تانت چڑھا لیتے اور تیروں میں بوریاں پیوست کر لیتے اور لوٹ مار شروع کر دیتے۔ نعیم بن ثعلبہ کے بعد امیر حج ایک اور شخص ہوا جس کو جنادہ بن عوف کہا جاتا تھا اس نے رسول اللہ کا زمانہ پایا تھا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ بیرِ رسول اللہ کے زمانہ میں (نعیم بن ثعلبہ کے بعد اہل جاہلیت کو حج کرانے والا موسم حج کا امیر) بنی کنانہ کا ایک آدمی تھا جس کا نام علمس تھا۔ ایک کنانی شاعر نے اسی کے متعلق کہا تھا کہ لوند کا مہینہ مقرر کرنے والا ہمارے اندر علمس ہے (آئندہ سال کے لئے) لوند کا اعلان ذی الحجہ میں اس وقت کیا جاتا تھا جب عرب حج کے لیے جمع ہوتے تھے۔

جریر نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ نسیئ کا بانی عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف تھا۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس (قبیلہ) بنی کعب کے مورث اعلیٰ عمر بن لحی بن قمعہ بن خندف کو میں نے دوزخ کے اندر دیکھا تھا کہ (اپنی انتڑیاں گھسیٹتا پھر رہا تھا۔ ہمارا مذکورہ بیان اسی نسیئ کے متعلق تھا جس کو اللہ نے۔

زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ　فرمایا ہے کیونکہ اس نسیئ سے اللہ کے حرام کیے ہوئے (مہینہ) کی حلت اور اللہ کے حلال کیے ہوئے (مہینہ) کی حرمت بنا دی جاتی تھی اور اس سے اس کفر میں مزید بیشی ہو جاتی تھی جس میں مشرک مبتلا تھے۔

يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا　اس سے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا　ایک سال تو ایک مہینہ کو حلال بنا لیتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔ یہ دونوں جملے گمراہی کی تشریح ہیں یا جملے حالیہ ہیں۔

لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ　تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے (چار مہینوں) کی گنتی تو پوری کر لیں گنتی میں موافقت کر لیں۔

فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ　اور جو مہینے اللہ نے حرام کر دیئے ہیں ان کو حلال بنا لیں گویا چار مہینوں کی تعداد ان کے پیش نظر رہتی ہے وقت کا لحاظ نہیں ہوتا۔

زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ　ان کی بدکاریاں ان کی نظر میں مرغوب بنا دی گئی ہیں یعنی شیطان نے ان کی نظروں میں بدکاریاں رچا بسا دی ہیں جس کی وجہ سے وہ بدکاری کا اچھا خیال کرتے ہیں یا اللہ کی طرف سے تزئین کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کی مدد چھوڑ دی اور ان کو گمراہ چھوڑ دیا۔ اگلا جملہ اس معنی سے مناسبت رکھتا ہے فرمایا ہے۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾　اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت یاب نہیں بناتا۔

محمد بن یوسف صالحی نے محمد بن عمر اور محمد بن سعید کی روایت نقل کی ہے کہ کچھ نبطی لوگ ملک شام سے مدینہ میں روغن زیتون لاتے تھے، انہوں نے مسلمانوں سے تذکرہ کیا کہ رومیوں نے بڑی فوجیں جمع کی ہیں اور ہرقل نے اپنے آدمیوں کو ایک سال کی تنخواہ بھی تقسیم کر دی ہے اور ان کے ساتھ مختلف قبائل بنی لخم، بنی جذام، بنی عاملہ، بنی غسان وغیرہ بھی اپنے اپنے مقاموں سے چل دیئے ہیں اور ان کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے مگر یہ ساری اطلاع غلط تھی رسول اللہ ﷺ کو اس خبر کی جب اطلاع پہونچی تو آپ ﷺ نے بھی لوگوں کو شام کی طرف چڑھائی کرنے کی دعوت دے دی۔ طبرانی نے عمران بن حصین کا بیان ضعیف سند سے بیان کیا ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ کر بھیجا تھا کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تباہ ہو چکا

ہے لوگ مسلسل قحط میں مبتلا ہیں ان کے مویشی ہلاک ہو چکے ہیں اگر آپ اپنے دین کی حمایت چاہتے ہیں تو یہ موقع ہے اس اطلاع پر ہرقل نے اپنے ایک سردار کو چالیس ہزار فوج دیکر روانہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی جہاد کا حکم دیدیا۔

ابن ابی حاتم اور ابو سعید نیشاپوری نے حسن سند سے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا ابوالقاسم اگر تم (نبوت کے دعوے میں) سچے ہو تو شام کو جاؤ وہ انبیاء کی سرزمین ہے حضور نے عزم کر لیا اور آپ کے پیش نظر صرف شام کا جہاد تھا جب تبوک میں پہنچے تو اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت نازل فرمائیں وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ الخ یعنی وہ تو آپ کو مدینے سے اکھاڑنے کے خواہشمند ہیں۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول اور ابن ابی شیبہ و ابن المنذر نے مجاہد کا قول اور ابن جریر نے سعید بن جبیر کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے جب مشرکوں کو کعبہ کے قریب جانے سے روک دیا اور یہ حکم حج کے زمانہ کیلئے بھی تھا اور بغیر حج کے بھی تو قریش نے کہا اب تجارتی سامان ہم کو نہیں ملے گا بازار ختم ہو جائیں گے اور جو کچھ تجارت سے ملتا تھا اب نہیں ملے گا پس اس تجارتی انقطاع کے عوض اللہ نے مسلمانوں کو اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیدیا اور اس وقت تک قتال پر مامور کر دیا جو مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں۔ اسی کے متعلق فرمایا وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اگر تم کو ناداری کا اندیشہ ہو تو (یہ اندیشہ نہ کرو) اللہ اپنے فضل سے تم کو ضرور غنی بنا دے گا۔ دوسری آیت میں فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے لڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا کیونکہ عرب کی سرزمین سے وہی سب سے قریب تھے اور دعوت حق کو قبول کرنے کے بھی زیادہ اہل تھے۔ اسلام سے ان کو قرب حاصل تھا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ طائف سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دیدیا۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ تبوک کے سال جب رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو وہ زمانہ بڑی تنگدستی کا تھا۔ گرمی بھی سخت تھی ملک بھی خشک تھا اور پھلوں کی فصل بھی تیار تھی۔ لوگ اپنے پھلوں کی نگرانی کے لیے مدینہ میں رکنا اور سایہ میں رہنا پسند کرتے تھے ایسے وقت اور اس حالت میں روانگی ان کو ناگوار تھی۔ رسول اللہ کا دستور تھا کہ جب کسی جہاد پر جانے کا ارادہ ہوتا تو بطور کنایہ در پردہ بیان فرما دیتے اور توریہ کے طور پر کسی دوسری جگہ کا اظہار کر دیتے تھے صرف تبوک کا جہاد ایسا ہوا کہ حضور نے کھل کر لوگوں سے ارادہ کا اظہار کر دیا کیونکہ مسافت لمبی تھی زمانہ بھی سخت تھا اور جن دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا ان کی تعداد بھی بہت تھی حضور ﷺ نے نام لے کر اظہار فرما دیا تاکہ لوگ تیاری کر لیں ابن ابی شیبہ بخاری اور ابن سعد نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ کے گرداگرد رہنے والے قبائل عرب کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی اور مکہ کو بھی پیغام بھیج دیا تھا چنانچہ آپ کے ساتھ بکثرت لوگ ہو گئے لیکن منافق اور مخلص مومنوں میں سے بھی کچھ سست کار لوگ ساتھ نہیں گئے ان لوگوں کے متعلق اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ

اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو زمین کو لگے جاتے ہو یہ خطاب صرف ان مسلمانوں کو ہے جو سستی کی وجہ سے نہیں گئے تھے یا اس خطاب میں منافق بھی شامل ہیں کیونکہ زبانوں سے تو وہ بھی ایمان کے مدعی تھے ما لکم میں استفہام تعجبی ہے اور اذا قیل کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے تم کو حکم دے دیا تھا۔ انفروا یعنی نکلو۔ اثاقلتم تم بوجھل ہو گئے۔ سست پڑ گئے۔ یعنی تم اپنی زمین اور اپنے گھروں سے چمٹ گئے۔

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ کیا تم نے آخرت (کی نعمتوں کے عوض دنیاوی زندگی کو پسند کر لیا یعنی آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ کر ان کے عوض تم نے دنیوی (حقیر ساز و سامان کو پسند کر لیا۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ یعنی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیوی آرام و راحت نہایت حقیر اور ناپائیدار ہے۔ قلیل سے مراد ہے حقیر قلیل المیعاد۔ ابن ابی حاتم نے نجدہ بن نفیع کی وساطت

سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے ایک قبیلہ کو جہاد کو چلنے کی دعوت دی لیکن قبیلہ والے بوجھل پڑ گئے سستی کی وجہ سے نہیں گئے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ اگر تم جہاد کو (جس کی تم کو دعوت دی جارہی ہے) نہ نکلے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ جب لوگ نہیں گئے تو دنیا میں اللہ نے بصورت خشک سالی عذاب دیا۔

وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اور تمہارے عوض دوسری قوم کو لے آئے گا، یعنی ایسی قوم کو لے آئے گا جو فرمان بردار ہوگی۔ بعض علماء کے نزدیک اس قوم سے مراد اہل یمن ہیں سعید بن جبیر کے نزدیک اہل فارس مراد ہیں۔

وَّلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ۭ اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑو گے یعنی اللہ کے دین کی مدد کرنے میں تمہاری سست کاری اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچائے گی اللہ ہر کام میں ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ بعض کے نزدیک ہٗ ضمیر رسول کی طرف راجع ہے یعنی رسول کو تم کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ اللہ نے اپنے رسول سے ان کی حفاظت و کامیابی کا وعدہ کر لیا ہے اور اللہ کے وعدے میں خلاف ورزی ناممکن ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لانے اور اسباب کو بدل دینے اور بغیر کسی کی مدد کے رسول کو نصرت یاب بنا دینے پر بھی قادر ہے۔ جن لوگوں نے جہاد پر جانے میں سستی کی ان پر آیت میں سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اول دردناک عذاب کی وعید سنائی جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ ہو سکتا ہے پھر دوسری فرماں بردار قوم کو ان کی جگہ لا رکھنے کی اطلاع دی پھر یہ بھی فرمایا کہ اللہ اپنے دین کو نصرت یاب کرنے میں ان کا محتاج نہیں ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے (نہ کرو اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا جیسے) اللہ نے اس وقت ان کی مدد کی۔

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جب کہ کافروں نے ان کو نکال دیا تھا۔ یعنی مکہ سے نکال دیا تھا۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ ایسی حالت میں کہ وہ دو میں کے دوسرے تھے یعنی صرف دو آدمی تھے۔ ایک وہ تھے اور ان کے ساتھ ایک اور شخص تھا۔ مراد یہ ہے کہ ابو بکرؓ ان کے ساتھ تھے (کوئی اور ان کا ساتھی بھی نہ تھا) یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم لوگ ان کی مدد نہ کرو گے (نہ کرو) اللہ نے ان کی نصرت لازم کر دی ہے، یہاں تک کہ اس وقت بھی ان کی نصرت کی جب ایک کے سوا ان کا کوئی ساتھی نہ تھا، لہٰذا آئندہ بھی کسی وقت اللہ ان کو بے مدد نہیں چھوڑے گا۔ کافروں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے اگرچہ نکالا نہ تھا لیکن دارالندوہ میں جمع ہو کر چونکہ آپ کو قتل کرنے یا گرفتار کر لینے یا نکال دینے کا مشورہ کیا تھا اور خفیہ تدبیریں کی تھیں اس لیے نکال دینے کی نسبت کافروں کی طرف کر دی۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے مکہ سے نکل جانے کا حکم اسی مشورہ کی وجہ سے ہوا تھا۔ سورت انفال میں یہ قصہ گذر چکا ہے۔

اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ الغار سے مراد وہ پہاڑی غار ہے جو مکہ سے نشیبی جانب تھا۔

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ جب کہ وہ پیغمبر اپنے ساتھی (ابو بکرؓ) سے کہہ رہے تھے۔ اِذْ اَخْرَجَهُ سے اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اول بدل اِذْ يَقُوْلُ دوسرا بدل ہے۔ ترمذی اور بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تم میرے غار کے ساتھی ہو اور حوض پر میرے ساتھی ہو گے۔ مسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں (اللہ کے سوا) کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو ابو بکر کو خلیل بنا لیتا مگر (اب) وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں اور اللہ نے تمہارے ساتھی کو (یعنی مجھے اپنا) خلیل بنا لیا ہے۔ حسن بن فضل کا قول ہے اگر کوئی ابو بکر کو رسول اللہ ﷺ کا صحابی نہ کہے تو وہ کافر ہے قرآنی صراحت کا انکار کرتا ہے، باقی صحابہ میں سے اگر وہ کسی کو صاحب رسول اللہ نہ کہے تو بدعتی (فاسق) ہوگا۔ کافر نہ ہوگا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غم نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ کی معیت بے کیف ہے۔ حضرت شیخ شہید مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ نے فرمایا حضرت ابو بکرؓ کی یہ ہی فضیلت بہت بڑی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو اپنے ساتھ ملا کر اللہ کی معیت کی دونوں کے لئے یکجائی ثابت کی اللہ کی جو معیت اپنے لیے ثابت کی وہی معیت حضرت ابو بکرؓ کے لیے بھی ثابت کی جو حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت کا انکار کرتا ہے وہ اس آیت کا انکار کرتا ہے اور جو آیت کا منکر ہے وہ کافر ہے رہا حضرت ابو بکر کے دل میں فکر پیدا ہونا تو ایسا بزدلی کی وجہ سے نہ تھا جیسے رافضی تہمت لگاتے ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے متعلق آپ کو اندیشہ ہوا اور انہوں نے (اپنے دل میں) کہا اگر میں مارا جاؤں تو (کوئی حرج نہیں) ایک آدمی کا قتل ہوگا اور اگر رسول اللہ شہید کر دیئے گئے تو امت ہلاک ہو جائیگی ہم غار والی حدیث میں ذکر کریں گے کہ حضرت ابو بکر کو غم رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کا تھا۔ اپنی جان کا اندیشہ نہ تھا۔

فصل بیان ہجرت۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق اور امام احمد اور بخاری اور ابن حبان نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق و طبرانی نے حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حسب بیان بخاری حضرت عائشہؓ نے فرمایا مجھے شعور ہوا تو میں نے اپنے ماں باپ کو ایک (نئے) دین پر چلتے دیکھا۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ صبح اور شام رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔ جب مسلمانوں پر زیادہ تکلیفیں پڑیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں تمہارا مقام ہجرت دیکھ لیا جہاں بکثرت کھجوروں کے درخت ہیں اور دو سنگلاخ زمینوں کے وسط میں واقع ہے چنانچہ مہاجرین مدینہ ہجرت کر گئے اور جو لوگ مکہ چھوڑ کر حبشہ کو چلے گئے تھے وہ بھی عموماً (حبشہ سے) مدینہ کو پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکر بھی مدینہ جانے کی تیاری کرنے لگے، لیکن رسول اللہ نے ان سے فرمایا ذرا توقف کرو (۔ ابھی مجھے اجازت نہیں ملی) امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائیگی حضرت ابو بکر نے کہا میرے ماں باپ قربان کیا آپ کو اپنے لیے بھی اجازت کی امید ہے فرمایا ہاں حضرت ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلنے کی غرض سے رک گئے آپ نے دو اونٹنیاں کیکر کے پتے کھلا کھلا کر چار ماہ تک پالیں، ایک روز ہم حضرت ابو بکر کے گھر ٹھیک دوپہر کو بیٹھے ہوئے تھے کہ اسماء نے کہا یا رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں آپ اس روز سر پر کپڑا ڈالے ایسے وقت آرہے تھے جو خلاف معمول تھا۔ حضرت ابو بکر نے کہا میرے ماں باپ قربان اس وقت جو آرہے ہیں تو ضرور حکم مل گیا ہے (اسی لیے دوپہر کو آرہے ہیں) رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے داخلہ کی اجازت لی اور اندر آگئے اور حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا جو لوگ تمہارے پاس ہوں ان کو یہاں سے ہٹا دو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کوئی مخبر نہیں بس یہی میری دونوں لڑکیاں ہیں دوسری روایت میں آیا ہے بس یہی آپ کے گھر والے ہیں رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا مجھے یہاں سے نکلنے کی اجازت مل گئی ہے حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا مجھے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے فرمایا ہاں (تم میرے ساتھ چلو گے) ابو بکرؓ رونے لگے خوشی سے روتے ہوئے میں نے اس سے پہلے کسی کو نہیں دیکھا تھا حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان میری یہ دو اونٹنیاں ہیں ان میں سے ایک آپ لیجئے فرمایا قیمت پر لوں گا جو اونٹ میرا نہ ہو اس پر سوار نہیں ہوں گا حضرت ابو بکر نے عرض کیا یہ آپ کی ہے فرمایا لیکن جس قیمت پر تم نے خریدی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا اتنی قیمت پر میں نے خریدی تھی۔ فرمایا میں اتنی قیمت پر لیتا ہوں، حضرت ابو بکر نے کہا یہ آپ کی ہو گئی۔

بخاری نے غزوۂ رجیع کے بیان میں لکھا ہے کہ یہ اونٹنی جدعاء تھی، واقدی نے اس کی قیمت آٹھ سو (درہم) بتائی ہے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے ہم نے دونوں کے لیے بہترین زاد راہ تیار کیا اور ایک تھیلے میں کھانے کا سامان رکھ دیا۔ واقدی نے لکھا ہے کھانے میں بکری کا پکا ہوا گوشت بھی تھا۔ اسماء نے اپنا کمر بند کاٹ کر اس سے تھیلے کا منہ باندھ دیا۔ اسی لیے ان کا لقب ذات النطاقین (دو کمر بندوں والی) ہو گیا دوسری روایت میں آپ کا لقب ذات النطاق (کمر بند والی) آیا ہے۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ حضرت اسماء نے اپنا کمر بند چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے زاد راہ باندھ دیا اور دوسرے کو خود باندھے رہیں، اسی لیے ان کو ذات النطاق اور ذات النطاقین کہا گیا۔ ایک کمر بند والی اور دو کمر بندوں والی آپ کا لقب اسی مناسبت سے

ہو گیا۔ ابن سعد کے نزدیک دو کمر بند والی کہنے کی یہ وجہ ہوئی کہ انہوں نے اپنا کمر بند چیر کر دو ٹکڑے کر کے ایک سے کھانے کے تھیلے کا منہ باندھ دیا تھا اور دوسرے سے (پانی کے) مشکیزہ کا منہ جکڑ دیا تھا۔ رسول اللہ اور ابو بکر نے قبیلہ بنی وائل کا ایک آدمی جو اس وقت کافر تھا بعد کے زمانہ میں مسلمان ہوا اجرت پر لے لیا تھا یہ شخص راہ شناس اور ماہر راہنما تھا۔ دونوں حضرات نے اس کو امین بنا کر دونوں اونٹنیاں اس کے سپرد کر دیں اور اس سے وعدہ لے لیا کہ تین روز کے بعد غار ثور پر وہ دونوں اونٹنیاں لے کر ملے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اپنے جانے کی اطلاع دے دی اور حکم دے دیا کہ میری جگہ تم یہاں رہ کر لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس موجود ہیں وہ ادا کر دینا (پھر چلے آنا) مکہ کے اندر جس شخص کو اپنی کسی چیز کی حفاظت مقصود ہوتی وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لا کر بطور امانت رکھ دیتا تھا کیونکہ آپ کی سچائی اور امانت پر اس کو بھروسہ ہوتا تھا (گویا سب کی نظر میں آپ صادق و امین تھے) حضرت عائشہ کا بیان ہے پھر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کوہ ثور کے غار پر جا پہنچے بیہقی کا بروایت حضرت عمر بیان ہے کہ رات میں روانہ ہوئے تھے۔ ابن اسحاق اور واقدی کا قول ہے کہ اس دریچے سے نکلے تھے جو حضرت ابو بکر کے گھر کی پشت میں تھا۔ ابو نعیم نے عائشہ بنت قدامہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کھڑکی سے بھیس بدلے ہوئے نکلا سب سے پہلے میرے سامنے ابو جہل آیا مگر اللہ نے اس کو نابینا کر دیا وہ نہ مجھے دیکھ سکا نہ ابو بکر کو ہم دونوں (اس کے سامنے سے) گذر گئے۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر اپنا سارا مال یعنی پانچ ہزار درہم لے گئے تھے بلاذری کا بیان ہے کہ اسلام لانے کے وقت حضرت ابو بکر کے پاس چالیس ہزار درہم تھے مگر مدینہ کو ہجرت کرتے وقت ان کے پاس صرف پانچ یا چار ہزار درہم رہ گئے تھے وہ بھی حضرت ابو بکر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو دے کر بھیج دیا اور انہوں نے لے جا کر غار تک پہنچا دیئے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے میرے دادا ابو قحافہ جن کی نظر جاتی رہی تھی آئے اور بولے خدا کی قسم میرا خیال ہے وہ ساری رقم اپنے ساتھ لے گیا میں نے کہا ابا ایسا نہیں وہ تو ہمارے لیے بہت رقم چھوڑ گئے ہیں، یہ کہنے کے بعد میں نے کچھ پتھریاں لے کر اس طاقچہ میں رکھ دیں جہاں میرے باپ رقم رکھا کرتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادا کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے گئی اور ان سے کہا ابا۔ آپ اپنا ہاتھ رکھ کر دیکھ لیجئے یہ رقم رکھی ہے بڑے میاں نے ہاتھ رکھ کر دیکھ لیا اور کہنے لگے اگر وہ یہ رقم تمہارے لئے چھوڑ گیا ہے تب تو کوئی حرج نہیں یہ اچھا کیا اس سے تمہارا کام چل جائے گا۔ خدا کی قسم حضرت ابو بکر ہمارے لیے کچھ چھوڑ کر نہیں گئے تھے مگر میں نے بڑے میاں کو تسلی دینے کے لیے ایسا کیا تھا۔ بیہقی کا بیان ہے جب حضرت ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غار کی طرف روانہ ہو گئے تو راستہ میں کبھی رسول اللہ ﷺ کے آگے چلتے تھے کبھی داہنی کبھی بائیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں کوئی آگے گھات میں نہ بیٹھا ہو تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں پھر اندیشہ ہوتا ہے کہ پیچھے سے کوئی جستجو میں نہ آ جائے تو پیچھے ہو جاتا ہوں اسی طرح دائیں بائیں چلنے لگتا ہوں جب غار کے دہانہ پر پہنچے تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو اس خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے آپ اس کے اندر نہ جائیں۔ آپ سے پہلے میں اندر جا کر دیکھ لوں۔ اگر اندر کوئی (موذی کیڑا) ہو گا تو آپ سے پہلے مجھ پر اس کا وار ہو گا چنانچہ آپ پہلے داخل ہو گئے اور ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھنے لگے۔ جو سوراخ نظر آتا اپنا کپڑا پھاڑ کر اس میں ٹھونس دیتے تھے اس طرح سب سوراخ بند کر دیئے صرف ایک سوراخ رہ گیا جس کو بند کرنے کی لیے کپڑا نہ رہا تو آپ نے اس کے منہ پر اپنی ایڑی لگا دی پھر رسول اللہ ﷺ غار میں داخل ہو گئے۔ سوراخ کے اندر سے سانپ حضرت ابو بکرؓ کو ڈسنے لگا اور آپ کے آنسو بہنے لگے (مگر آپ نے ایڑی نہیں ہٹائی) ابن ابی شیبہ اور ابن منذر کی خود حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ جب ہم دونوں غار پر پہنچے تو ایک سوراخ نظر آیا۔ میں نے اس سوراخ میں اپنی دونوں ٹانگیں اڑا دیں اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی سانپ بچھو ہو گا تو پہلے مجھے ڈسے گا (آپ محفوظ رہیں گے) ابن مردویہ نے جندب بن سفیان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب غار پر پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ آپ پہلے غار میں نہ جائیں اول میں اس کو صاف کر لوں چنانچہ آپ پہلے غار میں داخل ہو گئے اور صفائی کرنے میں کوئی چیز آپ کے ہاتھ میں لگ گئی آپ ہاتھ سے خون پونچھنے لگے اور کہنے لگے تو صرف ایک

انگلی ہے جو زخمی ہو گئی ہے جو کچھ تجھے دکھ پہنچا ہے وہ اللہ کی راہ میں پہنچا ہے۔

ابو نعیم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کیا تمہارا کپڑا کہاں گیا حضرت ابو بکرؓ نے وہ واقعہ عرض کر دیا جس میں کپڑے کو کام میں لائے تھے حضور نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور فرمایا، اے اللہ ابو بکرؓ کو جنت کے اندر میرے درجہ میں میرے ساتھ کر دینا۔ اللہ نے وحی بھیجی کہ آپ کی دعا قبول ہو گئی۔

رزین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کا تذکرہ آیا تو آپ رونے لگے۔ اور فرمایا مجھے دل سے یہ بات پسند ہے کہ میری زندگی کے سارے اعمال کا مجموعہ ابو بکرؓ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کے برابر (درجہ میں) ہو جائے رات تو وہ جس میں ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غار کی طرف چلے تھے اور غار پر پہنچ کر عرض کیا تھا۔ آپ کو خدا کی قسم آپ پہلے اس کے اندر نہ جائیں میں اول داخل ہو جاؤں اگر کچھ ہو گا تو مجھے دکھ پہنچ جائے گا آپ محفوظ رہیں گے چنانچہ آپ نے اندر جا کر غار کو صاف کیا ایک جانب ایک سوراخ نظر آیا تو اپنا تہبند پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر دیا مگر دو سوراخ اور رہ گئے تو آپ نے دونوں پاؤں ان دونوں کے منہ کے اندر اڑا دیئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اب آپ اندر آجائیے حضور ﷺ اندر پہنچ گئے اور حضرت ابو بکرؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے ایک سوراخ کے اندر سے کسی کیڑے نے حضرت ابو بکرؓ کے پاؤں میں کاٹ لیا مگر اس خیال سے کہ رسول اللہ ﷺ کہیں بیدار نہ ہو جائیں آپ نے حرکت بھی نہیں کی شدت تکلیف کی وجہ سے آپ کے آنسو بہہ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرے تو آنکھ کھل گئی اور پوچھا ابو بکرؓ نے کہا میرے باپ ماں قربان کسی کیڑے نے مجھے ڈس لیا۔ حضور ﷺ نے اس پر فوراً تھتکار دیا اور تکلیف جاتی رہی (مگر آخری عمر میں) پھر اس زہر کا حملہ ہوا اور یہی آپ کی وفات کا سبب بنا۔ اور دن وہ کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو عرب مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا اگر یہ لوگ اونٹ کی ٹانگ میں باندھنے کی ایک رسی دینے سے بھی (جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیا کرتے تھے) انکار کریں گے تو میں رسی کے لیے ان سے جہاد کروں گا میں نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ملائے رکھیے اور ان سے نرمی کا سلوک کیجئے۔ فرمایا کیا تم جاہلیت میں تو بڑے قوی تھے اور اسلام میں آکر بزدل ہو گئے۔ وحی بند ہو گئی دین کامل ہو گیا۔ کیا میرے جیتے جی دین میں کمی ہو سکتی ہے۔

ابن سعد، ابو نعیم، بیہقی اور ابن عساکر نے ابو مصعب مکی کی روایت سے بیان کیا۔ ابو مصعب نے کہا میں نے حضرت انس بن مالکؓ حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو پایا اور ان سب کو یہ بیان کرتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ جب غار کے اندر داخل ہو گئے تو غار کے منہ پر اللہ نے درخت راہ اگا دیا (جس نے غار کا منہ چھپا لیا) اور بحکم خدا مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بھی تن دیا اور دو جنگلی کبوتروں نے غار کے منہ میں بسیرا بھی کر لیا۔ جب قریشی جوان ہر طرف سے ڈنڈے لاٹھیاں اور تلواریں لیے آپہنچے اور رسول اللہ ﷺ سے ان کا فاصلہ چالیس گز رہ گیا تو ایک شخص نے غار میں دیکھا اس کو دو جنگلی کبوتر نظر آئے وہ سمجھا کہ غار کے اندر کوئی نہیں۔ اس کی بات رسول اللہ ﷺ نے سن لی جس سے آپ نے یقین کر لیا کہ اللہ نے آئی ہوئی مصیبت ٹال دی اور دونوں کبوتروں کو دعا دی اور ان کی بھلائی کا بدلہ مقرر فرما دیا۔ چنانچہ وہ جوڑا حرم میں پہنچا وہاں ان کے بچے ہوئے اور حرم کے سارے کبوتر انہی کی نسل سے ہوئے۔

امام احمد نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قدموں کے نشان پر مشرک پہاڑ تک آگئے۔ پہاڑی پر پہنچ کر قدموں کے نشانات گڑبڑ ہو گئے مگر وہ پہاڑی پر چڑھ کر غار کی طرف سے گذر گئے اور غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا دیکھ کر کہنے لگے اگر اس میں کوئی اندر گیا ہوتا تو جالا منہ پر تنا ہوا نہ ہوتا۔ غرض رسول اللہ ﷺ وہاں تین رات ٹھہرے رہے۔

قاضی حافظ ابو بکر بن سعید شیخ نسائی نے مسند الصدیق میں حسن بصری کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قریش رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں آئے اور غار کے منہ پر پہنچے اور مکڑی کا جالا تنا ہوا دیکھا تو کہنے لگے۔ اگر کوئی اس میں داخل ہوا ہوتا تو جالا منہ پر نہ

ہوتا اس وقت رسول اللہ ﷺ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابو بکر نگرانی کر رہے تھے حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کی قوم والے آپ کی تلاش میں آپہنچے خدا کی قسم مجھے اپنی ذات کے خیال سے تو رونا نہیں آرہا ہے۔ رونا اس اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ کہیں حضور ﷺ پر کوئی ناگوار حادثہ نہ آجائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکر کچھ اندیشہ نہ کرو یقیناً "اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم غار میں ہیں (اور قریش اوپر ہیں) اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو نیچے ہم کو دیکھ لے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکر تمہارا ان دو شخصوں کے متعلق کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے (یعنی اللہ ان کے ساتھ ہے) ابو نعیم نے حلیہ میں عطاء بن میسرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ مکڑی نے (اللہ کے پیغمبروں کی حفاظت کے لیے) دو بار جالا بنا ایک بار حضرت داؤد کی حفاظت کے لیے جب کہ طالوت ان کی جستجو کر رہا تھا اور ایک بار رسول اللہ صلعم کی حفاظت کے لیے جب کہ حضور غار میں تھے۔ بلاذری نے تاریخ میں اور ابو سعید نے بیان کیا کہ مشرکوں نے ایک شخص کو جس کا نام علقمہ بن کرز بن ہلال خزاعی تھا مزدوری پر لے لیا تھا علقمہ فتح مکہ کے سال مسلمان ہو گئے تھے (لیکن ہجرت کے وقت کافر تھے) علقمہ قدموں کے نشانات کے پیچھے پیچھے سب کو لے کر گیا مکہ کے نشیب میں جب غار ثور پر پہنچا تو کہنے لگا یہاں قدموں کے نشانات کٹ گئے۔ میں نہیں سمجھتا دائیں کو گئے یا بائیں جانب پھر پہاڑ پر چڑھ گیا اور غار کے دہانے پر پہنچ گیا امیہ بن خلف نے کہا یہاں تو محمد کی پیدائش سے بھی پہلے سے مکڑی کا جالا ہے پھر امیہ نے (غار کے منہ پر) پیشاب کر دیا۔

بیہقی نے حضرت عروہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ مشرکوں کو نہ ملے تو وہ سوار ہو کر آپ کی تلاش میں ہر طرف کو چل دیئے اور چشموں والوں کے پاس بھی انہوں نے آدمی بھیج دیئے ان کے لیے معاوضہ بھی مقرر کر دیا (کہ اگر وہ پتہ نشان بتا دیں گے تو ان کو مقررہ معاوضہ دیا جائے گا) اور اس پہاڑ پر چڑھ گئے جس کے اندر وہ غار تھا، جس میں رسول اللہ ﷺ تھے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے ان کی آوازیں سن لیں، حضرت ابو بکر ڈر کر رونے لگے غم واندوہ اور خوف ان پر مسلط ہو گیا حضور نے اس وقت حضرت ابو بکر سے فرمایا غم نہ کرو یقیناً "اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی کے متعلق اللہ نے نازل فرمایا۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ یعنی اللہ نے اپنی طرف سے اطمینان رسول اللہ پر نازل فرمایا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا۔ غم نہ کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے کذا ذکر البلاذری ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، ابن مردویہ بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ (علیہ کی ضمیر حضرت ابو بکر کی طرف راجع ہے یعنی) اللہ نے اپنا اطمینان حضرت ابو بکر پر نازل فرما دیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا غم نہ کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اس قول سے حضرت ابو بکر کے دل میں اطمینان پیدا ہو گیا) رسول اللہ ﷺ کو تو پہلے سے ہی اطمینان حاصل تھا۔ یہ مطلب زیادہ صحیح ہے۔ فاء (حرف تعقیب) اس پر دلالت کر رہا ہے پھر قریب ترین مرجع کی طرف ضمیر کو لوٹانا بھی زیادہ مناسب ہے

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا اور اللہ نے ان کی مدد اس لشکر سے کی جو تم کو دکھائی نہیں دیا۔ یعنی ملائکہ کی فوج بھیج دی جس نے کفار کے چہرے اور نظریں مار مار کر پھیر دیئے تاکہ وہ دیکھ سکیں۔ ابو نعیم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر نے ایک شخص کو غار کی طرف منہ کئے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہم کو دیکھ لے گا فرمایا ہرگز نہیں فرشتے اپنے پروں سے اس کے سامنے آڑ کر لیں گے، کچھ دیر گذر نے نہ پائی تھی کہ وہ شخص سامنے بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگا رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا ابو بکر اگر یہ ہم کو دیکھ لیتا ایسا نہ کرتا۔

بعض علماء نے کہا کہ فرشتوں نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ لوٹ گئے۔

مجاہد اور کلبی نے کہا بدر کے دن فرشتوں نے آپ کی مدد کی تھی اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ جب رسول اللہ ﷺ غار کے اندر تھے اس وقت اللہ نے دشمنوں کے قریب کو ان کی طرف سے پھیر دیا اور ان کو ناکام کر دیا پھر بدر کے دن بھی ملائکہ کو

بھیج کر اپنی نصرت کا اظہار کیا۔

ابن عدی اور ابن عساکر نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان سے فرمایا کیا ابو بکر کے متعلق بھی تم نے کچھ کہا ہے حضرت حسان نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو کہو میں سنوں گا حضرت حسان نے کہا۔

وہ ہونچے غار کے اندر دو میں کے دوسرے تھے جب کہ دشمن پہاڑ پر چڑھا ہوا چکر کاٹ رہا تھا۔ صحابہ جانتے تھے کہ ابو بکر سارے انسانوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ کے محبوب تھے آپ نے ان کے برابر کسی کو نہیں قرار دیا یہ شعر سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس دیے کہ ڈاڑھیں (یعنی وہ دانت جو آخری داڑھوں اور سامنے کے دانتوں کے درمیان ہوتے ہیں) نمودار ہو گئیں پھر فرمایا حسان جیسا تم نے کہا وہ ایسے ہی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے، پھر تین رات دونوں غار میں چھپے رہے اس عرصہ عبداللہ بن ابی بکر بھی انہی کے پاس رات کو رہتے تھے۔ عبداللہ ہوشیار اور بات کو جلد سمجھنے والے نوجوان تھے۔ سحر کو اندھیرے ہی میں واپس آجاتے تھے اور صبح کو قریش کے ساتھ اس طرح ہو جاتے تھے جیسے رات کو انہی کے پاس رہے ہوں (دن میں) جو بات سنتے اس کو یاد رکھتے اور جب تاریکی ہو جاتی تو جا کر دن بھر کی خبروں کی اطلاع دیتے۔ ابو اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کھانا بنا کر شام کو پہنچا دیتی تھیں عامر بن فہیرہ جو قریش کے چرواہوں کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چرایا کرتا تھا شام کو ایک گھنٹہ رات گئے (جانوروں کو لے کر) غار پر پہنچ جاتا تھا، اس طرح تازہ دودھ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کو رات کو مل جاتا تھا ہر رات وہ ایسا ہی کرتا تھا جب تین راتیں گذر گئیں اور تلاش کرنے والے لوگوں کو سکون ہو گیا۔ تو وہ شخص جس کو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے سواریاں پہنچانے کے لیے مزدوری پر ٹھیرایا تھا، دونوں کے اونٹ لے کر آپہنچا دونوں حضرات سوار ہو گئے۔ عامر بن فہیرہ بھی راستہ میں خدمت کرنے کے لیے ساتھ ہو گیا عامر بن فہیرہ عبداللہ بن طفیل کا غلام تھا اور عبداللہ بن طفیل بن سنجرہ حضرت عائشہ کا اخیافی بھائی تھا راہنما دونوں حضرات کو عسفان سے نشیب کی جانب ساحل کے راستے سے لے چلا پھر لج پر پہنچ کر ایسے راستہ کاٹا۔

امام احمد اور شیخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت براءؓ بن عازب نے حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کیا، جس رات کو آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے تھے اس کی تفصیل بتائیے آپ دونوں حضرات نے کیا کیا تھا، آپ نے فرمایا رات بھر اور آدھے دن چلتے رہے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو گئی اور راستہ خالی ہو گیا کوئی راہ گیر راستہ میں نظر نہ آتا تھا اور ایک لمبی سایہ دار چٹان سامنے نظر آئی۔ اس کے نیچے دھوپ کا اثر نہیں پہنچا تھا اور ہم وہیں اتر پڑے اور چٹان کے پاس پہنچ کر میں نے اپنے ہاتھ سے وہاں ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کے سونے کے لیے ٹھیک کی پھر اپنے ساتھ کی پوستین اس جگہ بچھا دی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا آپ یہاں سو جائیے میں چاروں طرف کا چوکیدار کرتا رہوں گا حضور ﷺ سو گئے اور میں باہر آکر ماحول کی نگرانی کرنے لگا مجھے ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریاں لیے چٹان کی طرف اسی غرض سے آرہا تھا جس غرض سے ہم وہاں ٹھہرے تھے۔ میں (آگے بڑھ کر) اس سے ملا اور پوچھا تو کس کا غلام ہے، اس نے مکہ والوں میں سے ایک آدمی کا نام لیا۔ میں اس کو پہچان گیا اور پوچھا تیری بکریوں کے پاس کچھ دودھ بھی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں، میں نے کہا تو کیا میں دودھ دوہ لوں، اس نے کہا جی ہاں چنانچہ اس نے ایک بکری کو پکڑا میں نے کہا اس کے تھن جھاڑ کر خاک دھول صاف کر دے اس نے مشکل سے ایک بڑا پیالہ دودھ کا دوہ کر مجھے دیا میرے پاس ایک لوٹا تھا جس میں رسول اللہ کے پینے اور وضو کرنے کے لیے میں پانی رکھتا تھا اور اس کے منہ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا لپٹا ہوا تھا میں دودھ لے کر رسول اللہ کے پاس پہنچا مگر بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور بیدار کرنے کی نیت سے کھڑے کھڑے دودھ کے برتن میں پانی ڈالنے لگا۔ برتن کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا اتنے میں حضور بیدار ہو گئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ دودھ پی لیجئے، آپ نے پی لیا اور میں خوش ہو گیا پھر فرمایا کیا ابھی روانگی کا وقت نہیں آیا میں نے عرض کیا آ گیا چنانچہ دھوپ ڈھلنے کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔

طبرانی، حاکم، ابو نعیم اور ابو بکر شافعی نے حضرت سلیط بن عمرو انصاری کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی

کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور عامر بن فہیرہ اور راہنما مدینے کو جانے کے ارادہ سے نکلے تو ان کا گذر ام معبد خزاعی کے خیمہ کی طرف سے ہوا ام معبد رسول اللہ ﷺ کو پہچانتی نہ تھی ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ پردہ نہ کرتی تھی پاکدامن تھی خیمہ کے صحن میں بیٹھا کرتی تھی اور مسافروں کو کھلاتی تھی، ان حضرات نے اس سے گوشت اور چھوارے مول لینے کی غرض سے طلب کئے مگر چونکہ اس زمانے میں وہ لوگ قحط زدہ اور کال میں مبتلا تھے اس لئے ام معبد کے پاس کچھ نہ تھا۔ کہنے لگی خدا کی قسم اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم تم کو دیا کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کو خیمے کے ایک گوشہ میں ایک بکری دکھائی دی فرمایا ام معبد یہ بکری کیسی ہے ام معبد نے کہا کمزوری کی وجہ سے بکریوں کے ساتھ (جنگل کو) نہیں جا سکی، فرمایا کیا اس کے پاس دودھ ہے، ام معبد نے کہا یہ تو بہت ہی کمزور ہے، فرمایا کیا تمہاری اجازت ہے میں اس کو دوہ لوں، ام معبد نے کہا میرے ماں باپ قربان اس کے پاس تو کبھی نر نہیں آیا۔ اگر آپ کو اس کے پاس دودھ معلوم ہوتا ہے تو آپ کو اختیار ہے۔ آپ نے اس بکری کو بلوا کر اس کو پیار کیا اس کے تھنوں کو اور پشت کو سہلایا اور بسم اللہ کہی اور ام معبد کے لیے بکری کے سلسلے میں کچھ دعا کی بکری نے فوراً ٹانگیں چیر دیں اور دودھ جاری ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ایک برتن منگوایا، برتن اتنا بڑا تھا کہ وہ سب لوگ اس میں دودھ پی کر سیر ہو جایا کرتے تھے، آپ ﷺ نے اسی برتن میں دودھ دوہا۔ دودھ کے جھاگ منہ تک آ گئے اور دودھ اوپر تک بھر گیا۔ حضور ﷺ نے ام معبد کو (اول) دودھ پلایا وہ سیر ہو گئی تو اپنے ساتھیوں کو پلایا وہ بھی سیر ہو گئے تو خود پیا اور فرمایا پلانے والے کو سب سے آخر میں پینا چاہیے پھر دوبارہ دوہا پھر بھی برتن بھر گیا اور بھرا برتن اس کے پاس چھوڑ کر سب روانہ ہو گئے۔ ابن سعد اور ابو نعیم نے ام معبد کا بیان نقل کیا ہے کہ جس بکری پر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ میرے پاس ۱۸ھ میں بھی تھی جو حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ تھا یہ سال انتہائی کال کا تھا روئے زمین پر (سبزی نام کی) کوئی چیز باقی نہ رہی تھی مگر ہم صبح شام اس بکری کا دودھ دوہا کرتے تھے (یعنی وہ برابر دودھ دیتی تھی اس کا دودھ خشک نہ ہوا تھا)

بیہقی نے دوسرے طریقہ سند سے کچھ کمی بیشی کے ساتھ ام معبد کا قصہ نقل کیا ہے کہ شام کو ام معبد کا بیٹا اپنی بکریاں لے کر واپس آیا تو ام معبد نے اس سے کہا یہ بکری اور چھری ان دونوں آدمیوں کے پاس لے جا اور ان سے جا کر کہدے کہ میرے باپ نے کہا ہے آپ لوگ اس بکری کو ذبح کر کے (بھون کر) کھا لیں اور کھلا دیں حضور ﷺ نے اس لڑکے سے فرمایا تو چھری لے جا اور ایک بڑا پیالہ لے آ۔ اس نے کہا یہ تو بکرا ہے اس کے پاس دودھ نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور پیالہ بھر کر دودھ دوہا۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے فرمایا ہم دو رات وہاں ٹھہرے رہے پھر روانہ ہو گئے۔ ام معبد رسول اللہ ﷺ کو مبارک کہنے لگی اس کی بکریاں بہت ہو گئیں یہاں تک کہ (کچھ مدت کے بعد) وہ بکریاں لے کر مدینے کو آئی اس کی طرف سے حضرت ابو بکر کا گذر ہوا ام معبد کے بیٹے نے آپ کو دیکھ لیا اور پہچان لیا اور اپنی ماں سے کہا اماں یہ آدمی وہی ہے جو مبارک کے ساتھ تھا ام معبد اٹھ کر حضرت ابو بکر کے پاس آئی اور بولی اے عبد اللہ وہ آدمی جو تمہارے ساتھ تھا کون شخص ہے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا وہ اللہ کے نبی ہیں، کہنے لگی مجھے ان کے پاس لے چلو (حضرت ابو بکر اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے) رسول اللہ نے اس کو کھانا کھلایا اور کپڑے دیئے اور وہ مسلمان ہو گئی۔ ہشام بن حبیش کا بیان ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد معبد کا باپ دبلی حاملہ بکریاں ہنکاتا گھر واپس آیا اور دودھ کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا معبد کی ماں یہ دودھ تمہارے پاس کہاں سے آیا، بکریاں تو دور (جنگل میں) تھیں اور گھر میں کوئی دودھیاری بکری نہ تھی۔ معبد کی ماں نے کہا یہ ایک بابرکت آدمی کی برکت ہے جس کا واقعہ اس اس طرح ہوا۔ معبد کے باپ نے کہا ام معبد اس کے کچھ حالات بیان کرو، ام معبد نے کہا ایک چمکدار چہرے والا روشن حسین خوش اخلاق آدمی تھا۔ نہ توند نکلنے کی وجہ سے وہ بدہیئت تھا نہ سر چھوٹا ہونے کے سبب حقیر معلوم ہوتا تھا (یعنی نہ توندیلا ہونے کا اس میں عیب تھا نہ سر چھوٹا ہونے سے پیدا ہونے والی حقارت) سیاہ کشادہ چشم اور گھنی پلکوں والا تھا اس کی آواز میں گرج یا تیزی تھی داڑھی گھنی تھی بھنویں پتلی لمبی اور ملی ہوئی تھیں، خاموشی کے وقت باوقار اور کلام کرنے کے وقت پررونق، دور سے بہت ہی حسین اور روشن چہرہ نظر آتا تھا اور قریب سے بڑا شیریں اور خوش (گفتار) اس کا کلام بلیغ، مناسب، ممتاز تھا۔ نہ کم، ناقص نہ زیادہ بکواس۔ گفتگو پروئے ہوئے موتیوں کی طرح تھی۔ اس کا قد میانہ تھا نہ زیادہ طویل عیب دار نہ اتنا چھوٹا کہ آنکھوں کو حقیر معلوم ہو۔ اس کا قد دو شخصوں کے درمیان کی ٹہنی

تھی نہایت خوش منظر اور عالی قدر۔ اس کے ساتھی اس کو گھیرے رہتے تھے۔ اگر وہ کہتا کہ سنو تو کان لگا کر خاموشی کے ساتھ اس کی بات سنتے تھے اور اگر وہ کوئی حکم دیتا تو تعمیل حکم کے لیے ایک دوسرے سے پیش قدمی کرتا تھا وہ مخدوم، مطاع تھا، بد خلق نہ تھا۔

ابو معبد نے کہا خدا کی قسم یہ تو وہی قریشی ہے جس کے مکہ میں ظہور کا ہم سے ذکر کیا گیا تھا میرا ارادہ تو اس کے پاس رہنے کا تھا اور اگر مجھے کوئی راہ ملی تو آئندہ ضرور ایسا کروں گا۔

حضرت اسماء کا بیان ہے جب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر نکل کر چلے گئے تو ہمارے پاس کچھ قریشی آئے جن میں ابو جہل بھی تھا آکر دروازہ پر کھڑے ہو گئے میں باہر نکل کر گئی ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم میرے باپ کہاں ہیں ابو جہل بڑا بد کلام خبیث تھا اس نے میرے رخسار پر ایک طمانچہ مارا جس سے میری بالی گر پڑی پھر سب لوٹ گئے ہم تین روز اسی حالت میں رہے ہم کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کدھر گئے۔ تین روز کے بعد مکہ کے نشیبی جانب سے ایک جن عرب کے گانے کی طرح کچھ اشعار گاتا ہوا آیا لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے مگر وہ دکھائی کسی کو نہ دیتا تھا۔ اشعار کا ترجمہ۔ مالک عرش جزائے خیر دے ان ساتھیوں کو جنھوں نے ام معبد کے خیمہ میں دوپہر کو قیام کیا دونوں اس خیمہ میں ہدایت کے ساتھ اترے جس سے مجھے ہدایت مل گئی اور جو محمد کا ساتھی ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اے بنی قصی اللہ نے محمد کی وجہ سے تمہاری طرف سے ناقابل مقابلہ فضائل اور سرداری کو نہیں روکا۔ بنی کعب کو مبارک ہو کہ ایک عورت مسلمانوں کے گھات کے راستہ میں مقیم تھی اور وہیں وہ رہتی تھی۔ اپنی بہن سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق دریافت کرو اگر تم بکری سے پوچھو گے تو وہ شہادت دے گی ایک گابھن بکری اس نے منگوائی اور اس نے اپنے تھنوں کی جڑوں سے خالص جھاگ والا دودھ دیا۔ محمد وہ بکری اسی عورت کے پاس چھوڑ گئے تاکہ دودھ دوہنے والا اس کو پانی پر اتارتے اور پانی سے نکالتے وقت دوہے (یعنی ام معبد کا شوہر اس بکری کو دوہا کرے اور جنگل کو لے جائے اور پانی پلانے کے لیے چشمے پر اتارے اور پھر پانی پلا کر وہاں سے واپس لائے)

بیہقی کی روایت میں حسن سند کے ساتھ ام معبد کے قصہ کے ذیل میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے کرتے قریش ام معبد کے پاس پہونچے اور حضور کے متعلق اس سے دریافت کیا اور حلیہ بیان کیا۔ ام معبد نے جواب دیا تم کیا کہتے ہو ایک مہمان ہمارے پاس ٹھہرا تھا اور گابھن بکری کا اس نے دودھ دوہا تھا۔ قریش نے کہا ہمارا مقصد اسی شخص کو دریافت کرنا تھا۔

بیہقی نے کہا ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیمہ کے گوشہ میں بکری کو دیکھا ہو پھر اس کا بیٹا بکریاں لیکر واپس آیا ہو پھر اس کا شوہر آیا ہو اور رسول اللہ ﷺ کے اوصاف شوہر سے ام معبد نے بیان کیے ہوں۔ میں کہتا ہوں شاید یہی بات قریش کو رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں یہاں تک لائی ہو۔

سراقہ کا قصہ

شیخین نے صحیحین میں نیز امام احمد نے سراقہ کی روایت سے اور امام احمد و یعقوب بن سفیان نے حضرت ابو بکرؓ کے حوالے سے بیان کیا۔ سراقہ کا بیان ہے کفار قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے قتل یا گرفتار کرنے والے کے لیے ایک انعام مقرر کیا اور کہا کہ دونوں میں جس کسی کو کوئی قتل یا گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹنیاں دی جائیں گی میں اپنی قوم بنی مدلج کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آکر کھڑا ہوا اور اس نے کہا سراقہ میں نے ابھی ساحل پر کچھ اشخاص دیکھے ہیں، دوسری روایت میں ہے تین سوار دیکھے ہیں، میرے خیال میں وہ محمد اور ان کے ساتھی تھے۔ یہ سنتے ہی میں پہچان گیا کہ ہوں نہ ہوں وہی ہوں گے۔ میں نے اس شخص کو اشارہ کیا کہ خاموش رہو وہ خاموش ہو گیا۔ میں اٹھ کر گھر میں گیا اور باندی کو حکم دیا کہ میرا گھوڑا لے کر بطن وادی میں پہنچا دے اور خود اپنے خیمہ کے پیچھے سے ہتھیار لے کر نکل چلا

اور نیزہ کو گھسیٹتا گیا بلم کا بالائی حصہ نیچے کر لیا اسی طرح گھوڑے تک پہنچا اور سوار ہو کر تیز دوڑاتا ہوا چلا یہاں تک کہ جب دونوں شخص نظر پڑنے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں نیچے گر پڑا میں پھر اٹھ کھڑا ہوا اور ترکش کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس میں سے فال نکالنے کے لئے تیر نکالے کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا ......

نہیں ، فال لینے پر تیر وہی نکلا جو مجھے پسند نہیں تھا یعنی فال یہ نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا۔ ل مگر مجھے امید تھی کہ میں اس فال کو الٹ دوں گا اور سو اونٹنیاں لے لوں گا چنانچہ میں پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تیروں کی فال نہ مانی اور گھوڑے کو تیز دوڑاتا چلا تا کہ وہ مجھے قریب پہنچا دے۔ میں اتنا قریب پہنچ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی آواز میں نے سن لی۔ آپ کی توجہ میری طرف نہ تھی مگر حضرت ابو بکرؓ میری طرف زیادہ متوجہ تھے۔ اسی حالت میں اچانک میرے گھوڑے کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں نیچے گر پڑا میں نے گھوڑے کو جھڑکا اور خود اٹھا مگر گھوڑا پاؤں باہر نہ نکال سکا۔ گھوڑے نے کوشش کی کہ قدم باہر نکال لے اس کوشش میں دھوئیں کی طرح غبار اٹھ کر اوپر چڑھ گیا۔ میں نے پھر تیروں سے فال لی مگر وہی فال نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا، آخر میں جان گیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور وہ غالب آئیں گے مجبوراً میں نے امان کے لیے پکارا اور کہا دیکھو میری کیا حالت ہے، میں خدا کی قسم ہرگز تم کو کوئی اذیت نہیں پہنچاؤں گا اور میری طرف سے تمہارے لیے کوئی ناخوشگوار حرکت نہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے۔ میں نے کہا آپ کی قوم نے آپ کے سلسلے میں انعام مقرر کیا ہے غرض لوگوں کا جو مقصد تھا اس کی اطلاع آپ کو دے دی۔ کچھ زاد راہ اور سامان کی پیشکش کی مگر آپ نے مجھے کوئی تکلیف نہ دی اور نہ کچھ مانگا صرف اتنا ضرور فرمایا کہ ہماری خبر ظاہر نہ کرنا۔ میں نے آپ سے درخواست کی کہ آئندہ کیلئے مجھے کوئی پروانہ امن لکھ دیجئے آپ نے حکم فرمایا۔

ابو بکر اس کو لکھ دو دوسری روایت میں ہے کہ عامر بن فہیرہ کو لکھ دینے کا حکم دیا۔ عامر نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ دیا پھر حضور آگے چل دیئے اور (علاقہ) مدینہ میں داخل ہونے کے وقت حضرت ابو بکر سے فرمایا نبی کے لیے جھوٹ بولنا سزاوار نہیں اس لیے اگر لوگ مجھ سے پوچھیں گے کہ کیا پیغمبر (یہ تو مجھے صاف کہنا پڑے گا) تم لوگوں کو کسی تدبیر سے ٹال دینا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر سے جب دریافت کیا گیا آپ کون ہیں تو آپ نے جواب دیا ایک عرض مند۔ اور جب پوچھا گیا یہ تمہارے ساتھ والے کون ہیں تو حضرت ابو بکر نے فرمایا راہنما جو مجھے راستہ بتاتے ہیں جب رسول اللہ مدینہ کے قریب پہنچے تو ابو بردہ اسلمی نے اپنی قوم بنی اسہم کے ستر آدمیوں کو لے کر آپ کا استقبال کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کون ہو۔ ابو بردہ نے کہا بریدہ، حضور ﷺ نے فرمایا ابو بکر ہمارا کام درست اور ٹھیک ہو گیا (بریدہ کا معنی ہے ٹھنڈا۔ برودت ٹھنڈک، اردو میں اگرچہ ٹھنڈا ہو جانے یا ٹھنڈک پڑ جانے کا مطلب ہوتا ہے کسی بات کا ختم ہو جانا مگر عربی میں اس کا مفہوم ہے درست ہو جانا کیونکہ جب اختلاف اور جھگڑے کی آگ بجھ جائے گی اور خصومت کی گرمی جاتی رہے گی تو معاملہ میں خنکی یعنی درستگی پیدا ہو جائے گی رسول اللہ نے لفظ بریدہ سن کر اسی مبارک فال کی طرف اشارہ کیا اور استقبال کرنے والے کا نام سنتے ہی اپنے کام کی درستگی پر استدلال کیا) فرمایا کس قبیلہ سے ہو ابو بردہ نے کہا بنی اسلم سے، حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا ہم کو سلامتی حاصل ہو گئی (لفظ اسلم سے سلامتی پر استدلال کیا) پھر فرمایا بنی اسلم کس کی شاخ ہے۔ ابو بردہ نے عرض کیا بنی سہم کی، فرمایا تیرا سہم (حصہ یا تیر) نکل آیا۔ صبح ہوئی تو بریدہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپ کا ایک جھنڈا ہونا ضروری ہے، چنانچہ انہوں نے اپنا عمامہ خود کھول کر اس کا پھریرا بنایا اور ایک نیزے میں باندھ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گذرے۔

حاکم نے لکھا ہے یہ خبر متواتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے دوشنبہ کے دن برآمد ہوئے تھے اور دوشنبہ ہی کو مدینے میں داخل ہوئے صرف محمد بن موسیٰ خوارزمی جمعرات کے دن مکہ سے روانگی کے قائل ہیں حافظ (ابن حجر) نے دونوں قولوں کا

ل عرب کے مشرک تیروں سے فال نکالتے تھے کسی تیردان میں تین تیر رکھتے تھے، ایک تیر پر لکھا ہوتا تھا یہ کام کرو ایک پر لکھا نہ کرو تیسرا خالی ہوتا تھا پھر تیردان کو الٹتے تھے، اول تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے دوسرا نکلتا تو نہ کرتے اور تیسرا (جس کو غفل کہتے تھے) نکلتا تو دوبارہ فال نکالتے تھے۔

تعارض اس طرح دور کیا کہ مکہ سے جمعرات کے دن بر آمدگی ہوئی اور تین رات غار میں رہے شب جمعہ شب شنبہ شب یک شنبہ پھر پیر کی رات کو غار سے بر آمد ہوئے۔ میں کہتا ہوں شاید جمعرات کی رات ہی کو مشورہ کے بعد قریش نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا اور اسی رات کو رسول اللہ ﷺ اپنے مکان سے نکل کر حضرت ابو بکر کے مکان پر گئے تھے اور دونوں ساتھ ہو کر مکان کی پشت کی طرف والے دریچہ سے بر آمد ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۚ اور کافروں کی بات (یعنی کلمہ شرک یا دعوت کفر) کو اللہ نے نیچا کر دیا۔ مدینہ تک کافروں کے ایذاء سے محفوظ رکھا مختلف مقامات میں فرشتوں کے ذریعہ سے امداد پہنچائی جہاں بھی کافروں نے گھیرا وہیں اللہ نے مدد کی اور محفوظ رکھا۔

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ اور اللہ کا بول (یعنی کلمہ توحید یا دعوت اسلام) تو بالا ہی ہے۔ وکلمۃ اللہ کو پیش کے ساتھ پڑھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا بول تو واقع میں اونچا ہی ہے۔ اس واقعی حصر کو بتانے کے لیے (مبتداء اور خبر یعنی کلمۃ اللہ اور العلیا کے درمیان) لفظ ہی کا اضافہ کیا بعض علماء کے نزدیک کافروں کے کلمہ سے مراد ہے وہ خفیہ فیصلہ جو کافروں نے دار الندوہ میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے کیا تھا اور کلمۃ اللہ سے مراد ہے اللہ کا وعدہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مدد کرے گا اور آپ کو نصرت یاب بنائے گا۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اور اللہ (اپنے تمام امور میں اور تدبیروں میں) غالب اور حکمت والا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا نکلو جہاد کو ہلکے اور بھاری۔

خفافاً اور ثقالاً کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے (۱) جوان ہو یا بوڑھے (حسن ضحاک مجاہد قتادہ عکرمہ (۲) چست ہو یا چست نہ ہو (۳) نادار تنگدست ہو یا مالدار فراخدست (۴) ہتھیار کم ہوں یا زیادہ (حضرت ابن عباس (۵) سوار ہو یا پیدل (عطیہ عوفی (۶) جائداد اور جاگیر والے نہ ہو یا جائداد و جاگیر والے ہو جس کا چھوڑنا تم کو پسند نہ ہو (ابن زید) (۷) کاموں میں مشغول ہو یا خالی ہو (حکیم بن عتبہ) (۸) بیمار ہو یا تندرست (ہمدانی) (۹) مجرد ہو یا بیوی بچوں والے (۱۰) تمہارے متعلقین اور نوکر چاکر تھوں یا ہوں (یمانی) (۱۱) مال سے ہلکے ہو یعنی محتاج ہو یا مال کا بوجھ رکھتے ہو یعنی غنی ہو (ابو صالح) بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ دعوت جہاد سنتے ہی فوراً بلا تامل نکل کھڑے ہو یا تامل و غور اور تیاری کے بعد نکلو زہری کی روایت ہے کہ حضرت سعید بن مسیب کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی، اسی حالت میں آپ جہاد کو نکلے کسی نے کہا آپ تو بیمار اور دکھی ہیں فرمایا اللہ نے خفیف (تندرست) اور ثقیل (بیمار) سب کو جہاد کی دعوت دی ہے اگر مجھ سے لڑائی نہ ہو سکے گی تو میں مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ کا ہی سبب بن جاؤں گا اور سامان کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ اس آیت کے حکم کو اللہ نے آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً سے منسوخ فرما دیا۔ سدی نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں کو بڑی دشواری کا سامنا ہو گیا۔ اس پر اللہ نے اس (عمومی) حکم کو لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى سے منسوخ کر دیا۔

میں کہتا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سدی کے اقوال میں منسوخ کر دینے سے مراد ہے خاص کر دینا کیونکہ دونوں آیتوں کا نزول بغیر کسی فاصلہ اور اختلاف زمانہ کے غزوہ تبوک کے سلسلہ میں ہوا تھا (اور ناسخ منسوخ ہونے کے لیے اختلاف زمانہ اور تقدم و تاخر ضروری ہے) پس اس عمومی حکم سے تخصیص کی وجہ سے وہ لوگ نکل گئے جو نکلنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، کمزور اور بیمار ہوں یا خرچ نہ ہو یا سواری فراہم نہ کر سکتے ہوں اور کسی طرح ان میں سکت نہ ہو۔ حکم کے اندر وہی لوگ داخل رہے جو جہاد کو جانے کی طاقت رکھتے ہوں، خواہ دشواری اور مشقت ہی اٹھانی پڑے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ کا نزول آیت مذکورہ کے ایک دو روز بعد ہوا ہو خواہ دونوں کا نزول جہاد تبوک کے سلسلہ میں ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہو تو نسخ ہو گا (نسخ کو تخصیص کہنے کی ضرورت نہ ہو گی۔)

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ اور اللہ کی راہ میں مال وجان سے کوشش کرو۔ یعنی جس طرح ممکن ہو خواہ جان ومال دونوں سے یا صرف مال یا صرف جان سے۔

ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ یہ تم سب کے لیے (دنیوی لذت اندوزیوں سے اور جہاد کو ترک کر دینے سے) بہتر ہے اگر تم خیر کو شر سے ممتاز کر سکتے ہو تو جان لوگے کہ یہ کام تمہارے لیے بہتر (خیر) ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم واقف ہو کہ جہاد کو ہر صورت نکلنا تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ کی خبر سچی ہے تو جہاد کی طرف پیش قدمی کرو۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ خیرات کرنے یعنی تبوک کے لشکر کو تیار کرنے (اور اس کے لیے چندہ دینے کی) رسول اللہ ﷺ نے ترغیب دی۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر اپنا مال یعنی چار ہزار درہم لے کر آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں نے ان کے لیے اللہ اور رسول ﷺ کو چھوڑا ہے حضرت عمر اپنا آدھا مال لے کر آئے حضور نے فرمایا کہ گھر والوں کے لیے بھی تم نے کچھ چھوڑا ہے۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں جتنا لایا ہوں اتنا ہی چھوڑ کر آیا ہوں، حضرت عباسؓ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ حضرت سعد بن عبادہؓ کو سواریاں دیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دو سو اوقیہ (سونا) لاکر خدمت گرامی میں پیش کیا اور حضرت عاصم بن عدی نے نوے ۹۰ وسق چھوارے دیئے (ایک وسق ساٹھ صاع ایک صاع تقریباً چار سیر) حضرت عثمان بن عفان نے ایک تہائی لشکر تیار کیا، یہاں تک کہ لوگ کہتے تھے اس لشکر کی ہر ضرورت حضرت عثمان نے پوری کی۔ محمد بن یوسف صالحی نے کہا تبوک کی فوج تیس ہزار سے زائد تھی، پس حضرت عثمانؓ نے دس ہزار کو پورا سامان دے کر تیار کیا۔

ابوعمر نے الدُّرَر میں لکھا ہے اور اسی کے اتباع میں الاشارہ میں بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان نے نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے کا ساز وسامان سمیت سواری کے لیے دیئے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے حضرت عثمانؓ نے اس لشکر کی تیاری میں اتنا خرچ کیا کہ کسی اور نے اتنا خرچ نہیں کیا۔ ابن ہشام نے معتبر روایت سے بیان کیا ہے کہ جیش عسرت (تبوک کی فوج) کے لیے حضرت عثمانؓ نے دس ہزار درہم خرچ کیے۔ محمد بن یوسف صالحی نے کہا یعنی علاوہ سواریاں اور ان کا ساز وسامان دینے کے دس ہزار خرچ کیے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے دعا کی الٰہی تو عثمانؓ سے راضی ہو میں اس سے راضی ہوں۔

امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار دینار لاکر رسول اللہ ﷺ کی گود میں ڈال دیئے۔ رسول اللہ ﷺ اشرفیوں کو دست مبارک سے الٹ پلٹ کرتے جاتے اور بار بار فرماتے جاتے تھے۔ آج کے بعد عثمانؓ جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں پہنچے گا (یعنی کسی عمل کا گناہ نہ ہوگا یا کوئی عمل گناہ کے قابل ہی نہ ہوگا)

(ابن عقبہ کا بیان ہے کہ منافق تبوک کے جہاد پر نہیں گئے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی لوٹ کر نہ آسکیں گے (لیکن جب حضور ﷺ بخیریت واپس آگئے تو) انہوں نے عذر پیش کیے (یعنی جھوٹی معذرتیں کیں کہ ہم ان وجوہ کی بناء پر شریک نہ ہو سکے۔)

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ کچھ منافق بغیر کسی وجہ کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے کہ تبوک کو نہ جانے کی اجازت حاصل کرلیں۔ حضور ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ یہ لوگ اسی ۸۰ سے کچھ زائد تھے۔ انہی کے متعلق اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ اگر (وہ چیز جس کی آپ نے دعوت دی تھی) دنیوی سامان یا آسانی سے حاصل ہو جانے والا مال غنیمت ہوتا اور سفر معمولی ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو جاتے یعنی آپ

کے ساتھ مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے چلے جاتے قاصد کا معنی ہے متوسط (قصد السبیل راہ مستقیم کو کہتے ہیں جو درمیانی راہ ہوتی ہے) یعنی معمولی (جہاں جانے میں کوئی دکھ نہ ہوتا ہو)

وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ لیکن ان کے لیے مسافت دور (یعنی لمبی) تھی۔ لمبی مسافت کو شقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ طویل مسافت مشقت سے طے ہوتی ہے بعض نے کہا کہ شقہ سے مراد وہ مقصد ہے جو ان کا مقصود تھا (یعنی ان کا مقصد دور تھا آسانی سے ہاتھ آنے والا نہ تھا)

وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں یعنی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور تم لوگوں کے ساتھ جاتے مراد یہ ہے کہ ہم میں بخدا اس وقت تمہارے ساتھ چلنے کی طاقت نہیں ورنہ ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلتے یا یہ مطلب ہے کہ جب آپ تبوک سے واپس آئیں گے تو یہ منافق جو آپ کے ساتھ نہیں گئے قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم میں طاقت نہ تھی ورنہ تمہارے ساتھ ہم بھی چلے جاتے (اول مطلب پر سَيَحْلِفُوْنَ کا سین تحقیق کے لیے ہوگا اور دوسرے مطلب پر استقبال پر دلالت کرنے کے لیے ہوگا اور آئندہ ہونے والے واقعہ کے وقوع سے پہلے اطلاع ہوگی)

استطاعت سے مراد ہے ساز و سامان کی استطاعت یا بدنی طاقت گویا وہ (نادار بن گئے تھے یا بیمار بن گئے تھے۔ حالانکہ نہ نادار تھے نہ بیمار)

يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وہ خود اپنے کو ہلاک کریں گے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تعمیل نہ کرنے اور جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے خود عذاب میں مبتلا ہوں گے اس مطلب پر يُهْلِكُوْنَ يَحْلِفُوْنَ سے بدل ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ يُهْلِكُوْنَ خَرَجْنَا کی ضمیر سے حال ہو (اور منافقوں کے ہی قول کا جزء ہو) مطلب اس طرح ہوگا کہ ہم تمہارے ساتھ ضرور جاتے خواہ ہماری جانیں گرمی میں جانے کی وجہ سے ہلاک ہو جاتیں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا پڑتا۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۟ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں یعنی ان میں ساتھ جانے کی طاقت تھی اور نہ گئے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ سفیان بن عیینہ نے کہا رسول اللہ پر مہربانی فرمانے اور عزت بخشنے کے لیے اظہار قصور سے پہلے اعلان عفو فرما دیا (یعنی قصور کا اظہار لِمَ اَذِنْتَ میں کیا اور لِمَ اَذِنْتَ سے پہلے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ فرما دیا) میں کہتا ہوں اگر اظہار عتاب پہلے کیا جاتا تو رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کا اندیشہ تھا کیونکہ اللہ کا خوف اور اس سے خشیہ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی درجہ کا تھا۔ اس اندیشہ سے بچاؤ کے لیے اظہار عفو پہلے کر دیا۔

بعض نے کہا یہ کلمہ (یعنی عفا اللہ عنک) دعائیہ ہے (خبر نہیں ہے) جیسے کسی کی نظر میں اپنے کسی دوست کی عزت ہو تو وہ اپنے دوست سے کہتا ہے اللہ تجھے معاف کرے تو نے میرے کام کے سلسلہ میں کیا کیا اللہ تجھ سے راضی ہو تو تو ملاقات کو بھی نہیں آیا۔ بعض نے کہا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ کا مطلب ہے اللہ تیرے لیے ہمیشہ معافی قائم رکھے۔ ۱؎

۱؎ قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے اس جگہ عفو کے معنی مغفرت نہیں ہیں (بلکہ درگزر کرنے اور لازم نہ کرنے کے ہیں) جیسے رسول اللہ نے فرمایا عَفَا اللّٰهُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ اللہ نے گھوڑوں اور باندی غلاموں کی زکوٰۃ ادا کرنے سے تم کو معاف رکھا، یعنی ان کی زکوٰۃ واجب نہیں کی قشیری کا قول بھی اسی طرح منقول ہے قاضی عیاض نے لکھا ہے گناہ معاف کر دینے کا قائل اس آیت میں وہی ہو سکتا ہے جو عربی کلام سے ناواقف ہو۔ آیت میں مراد تو یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے اس فعل کو گناہ نہیں قرار دیا اور بات یہی تھی اللہ کی طرف سے عذر کو قبول کرنے کی کوئی ممانعت بھی نہیں آئی تھی کہ اس کے خلاف کرنے کو گناہ قرار دیا جائے۔ نہ اللہ نے اس کو گناہ قرار دیا بلکہ اہل علم نے تو اس کو عتاب بھی نہیں کہا جس شخص نے اس کو گناہ یا عتاب کہا ہے اس نے غلطی کی نفطویہ نے کہا رسول اللہ کو عذر قبول نہ کرنے میں سے ہر بات کا اللہ کی طرف سے اختیار تھا اللہ نے آپ کو مخالفت اور گناہ سے محفوظ رکھا۔

لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ سے یہ مراد ہے کہ آپ نے توقف کیوں نہیں کیا جب انہوں نے جہاد پر نہ جانے کی آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے فوراً اجازت کیوں دیدی۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ کہ آپ پر کھل جاتے وہ لوگ جنہوں نے سچ کہا (اپنی معذرت پیش کی) اور آپ جھوٹوں کو (بھی) جان لیتے (جنہوں نے سچا عذر پیش نہیں کیا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس وقت تک رسول اللہ ﷺ منافقوں کو پہچانتے نہ تھے۔

ابن جریر نے عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ دو کام رسول اللہ ﷺ نے ایسے کیے جن کا (منفی مثبت) کوئی حکم آپ کو نہیں دیا گیا تھا۔ ایک تو منافقوں کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دوسرے بدر کے قیدیوں کا معاوضہ لے لینا اور فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینا (دونوں پر) اللہ نے آپ کو عتاب کیا جیسا کہ آپ لوگ سن رہے ہیں (یعنی ایک عتاب اس آیت میں اور دوسرا عتاب قبول فدیہ والی آیت میں)

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں آپ سے رخصت نہ مانگیں گے اور اللہ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی جہاد سے رہ جانے کی اجازت نہیں مانگیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایماندار لوگ جہاد میں شریک ہونے کی بھی اجازت نہیں مانگیں گے حکم سنتے ہی فوراً دوڑ پڑیں گے اجازت ملنے کا انتظار بھی نہیں کریں گے۔ جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت طلب کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ آخری آیت میں ان لوگوں کے متقی ہونے کی شہادت اور (در پردہ) ثواب کا وعدہ ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

(جہاد میں شریک نہ ہونے کی) اجازت کے طلب گار تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں۔ کبھی جہاد میں ساتھ جانے کا ارادہ کر لیتے ہیں تاکہ اگر مسلمانوں کو کامیابی ہو جائے تو مسلمانوں کی طرف سے ان کو کوئی دکھ نہ پہنچے اور کبھی شریک نہیں ہونا چاہتے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ رسول کبھی واپس نہیں آسکتے۔

دونوں جگہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھنے اور نہ رکھنے کا ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جہاد کی محبت تو ایمان کا تقاضا ہے تاکہ آخرت میں ثواب مل جائے اس کے لیے اجازت طلب کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور عدم ایمان ترک جہاد کا خواستگار ہے کیونکہ ثواب کی امید ہی معدوم ہے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً اور اگر وہ (جہاد کو) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ سامان تو تیار کرتے۔ عُدَّةً سے مراد ہے سفر اور جہاد کا سامان ہتھیار گھوڑے توشہ (وغیرہ)

وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

لیکن (خیر ہوئی) اللہ تعالیٰ نے ان کے اٹھنے (یعنی جہاد کے لیے جانے) کو پسند نہیں کیا۔ اسی لیے ان کو توفیق نہ دی اور (بحکم تکوینی) کہدیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں بیٹھے رہو۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ الخ سے یہ استدراک ہے گویا کلام یوں ہوا کہ انہوں نے جہاد کو نکلنے کا ارادہ نہیں کیا اور رکے رہے کیونکہ اللہ کو ان کا نکلنا پسند نہ تھا، اللہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ (جہاد کے لیے) اٹھیں فَثَبَّطَهُمْ اللہ نے ان کو روک دیا بزدلی اور سستی کے سبب سے۔ اُقْعُدُوْا یعنی اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔ القاعدین سے مراد ہیں بیمار اپاہج بعض کے نزدیک عورتیں اور بچے مراد ہیں۔

اللہ نے ان کے دلوں کے اندر جو جہاد کو جانے سے کراہیت پیدا کر دی یا شیطان نے وسوسہ ڈال دیا اس کو بطور مجاز حکم قعود

قرار دیا۔ یا قِیْلَ سے خود ان کے قول کو نقل کیا گیا ہے (یعنی انہوں نے آپس میں کہا تھا کہ گھروں میں بیٹھے رہو) یا رسول اللہ ﷺ نے جو ان بیٹھ رہنے کی اجازت دیدی تھی اس کو بیان کیا گیا ہے (ان سب صورتوں میں قیل سے مراد امر تکوینی نہ ہوگا)۔

...... رسول اللہ ﷺ کی جہاد تبوک پر روانگی ......

☆...... اکثر منافقوں کا ساتھ دینے سے انکار ...... ☆

ماہ رجب ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ مدینہ سے برآمد ہوئے اور ثنیۃ الوداع میں فوجی کیمپ لگایا (وہاں) آپ کے ساتھ تیس ہزار سے زائد تعداد تھی۔ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر و بن سعد کا یہی قول ہے۔ حاکم نے الاکلیل میں حضرت معاذ کی روایت سے یہی بیان کیا ہے۔ لیکن حاکم نے الاکلیل میں ابوزرعہ رازی کا قول نقل کیا ہے کہ تبوک (کی روانگی) میں ستر ہزار کی تعداد تھی یعنی تابع اور متبوع دونوں کی مجموعی تعداد اتنی تھی مذکورہ بالا دونوں قولوں کا تعارض دور کرنے کے لیے حاکم نے یہی تاویل کی ہے۔ صرف گھوڑ سوار دس ہزار تھے۔

عبدالرزاق اور ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعرات کو روانہ ہوئے تھے جمعرات کو روانہ ہونا ہی آپ کو پسند تھا۔

بقول ابن ہشام مدینہ میں اپنا جانشین حضور نے محمد بن مسلمہ انصاری کو بنایا تھا واقدی کی روایت میں محمد بن مسلمہ کی جگہ سباع بن عرفطہ کا نام آیا ہے اور محمد بن عمر وابن سعد نے لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں ابن ام مکتوم کو حضور نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن ہمارے نزدیک محمد بن مسلمہ انصاری کا جانشین ہونا زیادہ قوی ہے محمد بن مسلمہ سوائے تبوک کے اور کسی غزوہ میں حضور ﷺ سے الگ نہیں رہے۔

ابو عمر نے حضرت علی بن ابی طالب کو رسول اللہ ﷺ کا جانشین قرار دیا ہے۔ ابن وحیہ نے بھی ذکر کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ عبدالرزاق نے مصنف میں صحیح سند سے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ تبوک کو روانہ ہوئے تو مدینہ میں اپنا جانشین حضرت علی بن ابی طالب کو مقرر فرما دیا۔ محمد بن اسحق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اپنی جگہ اپنے اہل بیت کا نگراں مقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اہل بیت کے پاس رہیں منافقوں نے اس واقعہ کو (فتنہ پیدا کرنے کے لیے غلط طور پر) اچھالا اور کہنے لگے رسول اللہ ﷺ علی کا ساتھ رہنا اپنے لئے بار سمجھتے تھے اور ان سے ناراض تھے اس لیے چھوڑ گئے حضرت علی کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ اپنے ہتھیار لے کر فوراً نکل کھڑے ہوئے اور رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضور ﷺ اس وقت مقام جرف میں تھے، آپ نے حضور کو منافقوں کی بات کی اطلاع دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جھوٹے ہیں میں نے تم کو صرف ان لوگوں کی نگرانی کے لیے اپنے بجائے چھوڑا ہے جو میرے بعد رہ گئے ہیں لہٰذا تم میری جگہ میرے گھر والوں کی اور اپنے گھر والوں کی نگرانی رکھو۔ اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے مگر (فرق یہ ہے کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں حسب الحکم حضرت علی لوٹ آئے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔

عبداللہ بن ابی رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب روانہ ہوا تھا مگر اس نے اپنی جماعت کا پڑاؤ رسول اللہ ﷺ کی لشکر گاہ سے الگ ذباب کی طرف کچھ نچلے حصہ میں قائم کیا جب تک رسول اللہ ﷺ فروکش رہے عبداللہ بھی مقیم رہا۔ لیکن جب رسول اللہ تبوک کی جانب روانہ ہوئے تو عبداللہ نے ساتھ چھوڑ دیا اور اپنے ساتھی منافقوں کو لے کر مدینہ کو لوٹ آیا اور کہنے لگا محمد باوجود اتنی بدحالی (تنگی) اور گرمی کے اتنی لمبی مسافت پر بنی الاصفر سے لڑنے چلے ہیں، جس کی ان میں طاقت نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بنی الاصفر سے لڑنا کھیل ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو دکھائی دے رہا ہے کہ محمد کے ساتھی رسیوں میں بندھے ہوئے ہیں (یعنی گرفتار

ہو جائیں گے بلکہ ان کی گرفتاری اتنی یقینی ہے کہ مجھے وہ بندھے دکھائی دے رہے ہیں) عبداللہ بن ابی نے اس قسم کی خبریں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے متعلق فتنہ پیدا کرنے کے لیے مشہور کی تھیں۔ اللہ نے ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کے متعلق آیات ذیل نازل فرمائیں۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوائے اس کے کہ اور دوگنا فساد کرتے اور کیا ہوتا اِلَّا خَبَالًا یعنی تمہارے لیے سوائے شر و فساد کے اور کچھ نہیں بڑھاتے (مطلب یہ ہے کہ استثناء متصل ہے اور خیال سے مراد ہے شر و فساد) جہاد کے وقت مسلمانوں کے دلوں میں خوف ڈال کر بزدلی پیدا کرتے یا کافروں کی مدد کرتے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے۔

چونکہ مستثنیٰ منہ (بہت زیادہ) عام ہے (یعنی کچھ، کوئی چیز) اس لیے لفظ مَا زَادُوْكُمْ سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ منافق مسلمانوں کے اندر فساد تو اب بھی کر رہے ہیں اور جہاد پر جاتے تو اس وقت اور زیادہ فساد برپا کرتے۔ بعض لوگوں کو اسی توہم کی بنیاد پر استثناء کے منقطع ہونے کا دھوکہ ہوا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس صورت میں استثناء مفرغ نہ ہوگا۔

وَلَاَ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ اور تمہارے درمیان دوڑے دوڑے پھرتے۔ "وَضَعَ الْبَعِيْرُ وَضْعًا" (لازم) اونٹ تیز دوڑا اَوْضَعُوْا (متعدی) اسی سے بنایا گیا ہے یعنی وہ اپنی سواریوں کو تیز دوڑاتے۔ مطلب یہ کہ ادھر ادھر تیزی کے ساتھ چغلیاں کھاتے پھرتے شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوتے مسلمانوں کی مدد نہ کرتے بے مدد چھوڑ جاتے۔ خلال کا معنی ہے وسط، درمیان بعض اہل تفسیر نے اس جملہ کی یہ تشریح کی ہے کہ وہ ایسے امور کی کوشش کرتے جو تمہارے اندر خلل (اور نظام کی ابتری) کرنے والے تھے۔

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ فتنہ پیدا کرنے کی فکر میں۔ یعنی تمہارے درمیان اختلاف پیدا کر کے اور تمہارے دلوں میں دشمنوں کا رعب ڈال کر فتنہ پیدا کرنے کے طلب گار ہوتے۔ یہ جملہ اَوْضَعُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ اور (اب بھی) تمہارے اندر ان کے کچھ جاسوس لگے ہوئے ہیں (جو ان کے لیے تمہاری باتیں سنتے اور ان کو پہنچاتے ہیں) یہ مطلب قتادہؒ نے بیان کیا ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزور لوگ ان کی باتیں سنتے اور ان کا کہا مانتے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ اور ان ظالموں کو اللہ خوب جانتا ہے، ان کے اندرونی خیالات اور بیرونی حرکات سے واقف ہے وہ ان کو خوب سمجھے گا۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ انہوں نے تو پہلے بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور آپ کے لیے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے رہے تھے۔ یعنی اس سے پہلے جنگ احد میں بھی ابن ابی اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا تھا، وہ چاہتا تھا کہ آپ کا کام الٹ جائے، آپ کے ساتھی منتشر ہو جائیں اور اہل ایمان کو بے مدد چھوڑ دیا جائے آپ کے کام کو بگاڑنے کی انہوں نے تدبیریں کی تھیں اور دسیسہ کاریوں سے کام لیا تھا۔

حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ یہاں تک کہ سچا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب رہا اور ان کو ناگوار ہی گذرتا رہا۔ الحق سے مراد ہے اللہ کی مدد اور دین اسلام کی تائید ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ یعنی اللہ کا دین غالب ہو گیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اور ان (منافقوں) میں بعض شخص وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (یہیں رہنے اور ساتھ نہ چلنے کی) اجازت دے دیجیے اور مجھے مصیبت میں نہ ڈالیے۔ اس قول کا قائل جد بن قیس منافق تھا ابن المنذر طبرانی ابن مردویہ اور المعرفۃ میں ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ کے حوالہ سے اور محمد بن اسحاق و محمد بن عمرو بن عقبہ نے اپنے مشائخ کی سند سے بیان کیا کہ جد بن

قیس اپنے ساتھیوں کو (جنکی تعداد دس سے کم تھی) لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہیں رہ جانے کی اجازت دے دیجئے میری کچھ کھیتی باڑی کی زمین ہے (جس کی نگرانی ضروری ہے) میں اس کی وجہ سے معذور ہوں حضور نے فرمایا تیاری کرو تم فراخدست ہو شاید (مال غنیمت میں) تم کو بنی الاصفر (اہل روم) کی کوئی عورت مل جائے جد نے عرض کیا مجھے تو اجازت دے ہی دیجئے اور مصیبت میں نہ ڈالیے میری قوم والے واقف ہیں کہ کوئی بھی مجھ سے زیادہ عورتوں کا دلدادہ نہیں ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رومی عورتوں کو دیکھ پاؤں گا تو اپنے کو روک نہ سکوں گا رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا اور فرمایا، ہم نے تم کو اجازت دیدی۔

محمد بن عمر نے اتنا زائد بیان کیا ہے کہ جد کا بیٹا عبداللہ (خالص مومن اور) بدری صحابی تھا اور حضرت معاذ بن جبل کا اخیافی بھائی بھی تھا عبداللہ نے اس واقعہ کے بعد اپنے باپ سے جا کر کہا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے فرماں کو کیوں رد کر دیا واللہ بنی سلمہ میں آپ سے زیادہ مالدار تو کوئی بھی نہیں ہے آپ نہ خود جا رہے ہیں نہ (اپنی طرف سے) کسی کو سواری دے رہے ہیں جد نے کہا بیٹے سخت گرمی (طوفانی) ہوا اور تنگ حالی کے زمانہ میں رومیوں کے مقابلہ پر میں کیسے جا سکتا ہوں۔ اس وقت تو میں اپنے گھر میں ہوں پھر بھی رومیوں کے خوف سے خالی نہیں ہوں ان سے لڑنے کیلئے کیسے جا سکتا ہوں بیٹے خدا کی قسم میں زمانہ کے چکروں سے واقف ہوں (یعنی خوب سوجھ بوجھ اور تجربہ رکھتا ہوں زمانہ کا سرد گرم چکھے ہوئے ہوں) بیٹے نے کلام میں کچھ درشتی کی اور کہا خدا کی قسم اور کوئی بات نہیں ہے یہ تو صرف نفاق ہے خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ پر کوئی آیت نازل ہو جائیگی اور آپ اس کو پڑھیں گے (اور تمہارا نفاق ظاہر ہو جائے گا) جد نے یہ کلام سن کر جھنڈا اٹھا کر بیٹے کے منہ پر مارا اور بیٹا چلا گیا باپ سے پھر بات نہ کی اور اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی۔

طبرانی ابن مردویہ اور ابو نعیم کا بیان ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے جد بن قیس سے فرمایا رومیوں سے جہاد کرنے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں عورتوں کا دلدادہ آدمی ہوں رومیوں کی عورتوں کو دیکھ کر میں فتنہ میں پڑ جاؤں گا، مجھے تو آپ یہیں رک جانے کی اجازت دیجئے اور مصیبت میں نہ ڈالیے اس پر یہ آیت اتری۔ بغوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (جد بن قیس سے) فرمایا ابو وہب رومیوں سے جنگ کرنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے (شاید) تم کو باندی غلام قیدی ہاتھ لگ جائیں جد نے عرض کیا یا رسول اللہ میری قوم والے جانتے ہیں کہ میں عورتوں کا شیفتہ ہوں مجھے اندیشہ ہے کہ رومیوں کی عورتوں کو دیکھ کر میں رک نہ سکوں گا آپ مجھے یہیں رکنے کی اجازت دیدیجئے اور عورتوں کی مصیبت میں نہ ڈالیے میں آپ لوگوں کی مالی مدد کر دوں گا۔

طبرانی نے دوسری سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہاد کرو اور مال غنیمت میں رومی عورتیں حاصل کرو، بعض منافق کہنے لگے یہ تم کو عورتوں کے لالچ میں پھانسنا چاہتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں لَا تَفْتِنِّیْ کا مطلب یہ ہوگا کہ رومی عورتوں کے فتنہ میں مجھے نہ ڈالیے کہ میں ان کی محبت کی وجہ سے گناہ اور مصیبت میں پھنس جاؤں اور صبر نہ کر سکوں گا۔ بعض لوگوں کے نزدیک فتنہ سے مراد ہے مال اور بیوی بچوں کی بربادی یعنی میرے بعد ان کا کوئی نگراں نہ رہیگا اور سب کی تباہی ہو جائے گی۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے آپ مجھے خود ساتھ نہ جانے کی اجازت دیدیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے میں گناہ میں پڑ جاؤں اور آپ کی اجازت نہ ہونے کے باوجود بیٹھ رہوں۔ یعنی میں تو بہر طور نہیں جاؤں گا، خواہ آپ اجازت قیام دیں یا نہ دیں۔

اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ مصیبت میں تو (خود) پڑ ہی چکے۔ یعنی مصیبت اور خرابی تو وہ ہے جس میں یہ خود پڑے ہوئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جہاد کو نہ جانا اور نفاق کا ظاہر ہو جانا ہی ان کی خرابی ہے۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ۝ اور یقیناً جہنم ان کافروں کو محیط ہے یعنی قیامت کے دن ان

سب کو اپنے اندر سمیٹ لے گی یا اب گھیرے ہوئے ہے کیونکہ جہنم میں داخل ہونے کے اسباب ان کو گھیرے ہوئے ہیں (تو گویا جہنم گھیرے ہوئے ہے)

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کو دکھ ہوتا ہے اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو کہتے ہیں ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے اپنے معاملہ میں احتیاط کرلی تھی اور (یہ کہہ کر) وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

تُصِبْكَ میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ حَسَنَةٌ سے فتح اور مال غنیمت مراد ہے، مُصِيْبَةٌ سے مراد ہے شکست یا مشقت و دشواری جیسے احد کے دن ہوئی تھی۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ پر جنگ میں کسی طرح کی شکست یا مشقت پڑتی ہے تو منافق اپنے شریک نہ ہونے اور ساتھ نہ جانے پر خوش ہوتے ہیں اور اپنی دور بینی کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے تو اس مصیبت کے آنے سے پہلے ہی وہ بات اختیار کرلی تھی جو ہمارے لیے زیادہ مناسب اور مفید تھی ہم شریک ہی نہ ہوئے يَتَوَلَّوْا یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یا اپنے مجمع کی طرف سے یا اپنے اس بیان کے بعد خوش خوش چلے جاتے ہیں اور مسلمانوں کی مصیبت سے شاد ہوتے ہیں۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ (اے محمد) آپ کہہ دیجئے ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑسکتا (اچھا ہو یا برا) مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر فرمادیا ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے خواہ فتح ہو یا شہادت (عربی زبان میں لام فائدہ کے لیے اور علیٰ ضرر کے لئے آتا ہے۔ اس ضابطہ کی روشنی میں لَنَا کا معنی ہوا ہمارے فائدے کے لیے اللہ نے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے وہی ہم کو پہنچے گا۔ عَلَيْنَا نہیں فرمایا یعنی لَنَا اَوْ عَلَيْنَا نہیں کہا جس کا معنی اس طرح ہوجاتا کہ ہمارے فائدے کی ہو یا ضرر کی جو بات بھی اللہ نے لکھ دی ہے وہی ہم کو پہونچے گی (بات یہ ہے کہ فتح ہو یا شہادت) دونوں صورتوں میں ہمارا فائدہ ہے اس لیے علینا نہیں ذکر کیا (اللہ کی طرف سے لکھا ہوا ہمارے لیے بہر حال ضرر رساں نہیں ہے) صرف لَنَا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے راوی حضرت صہیب ہیں کہ مومن کی بھی عجیب حالت ہے اس کے لیے ہر بات خیر ہے اور ہر بات کا خیر ہونا صرف مومن کے لیے مخصوص ہے اگر اس کو سکھ پہنچتا ہے اور وہ شکر کرتا ہے تو یہ سکھ اس کے لیے خیر ہوتا ہے اور اگر اس کو دکھ پہنچتا ہے اور وہ صبر کرتا ہے تو یہ دکھ اس کے لیے خیر ہوتا ہے۔ رواہ احمد و مسلم۔ بیہقی نے یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کی ہے۔

هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وہی ہمارا مددگار اور کارساز ہے اس لیے اس نے جو کچھ ہمارے لیے مقدر فرمایا وہ ہمارے لیے برا نہیں ہوسکتا۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اور اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ عَلَى اللّٰهِ کا تعلق محذوف فعل سے ہے اور جو فعل مذکور ہے وہ محذوف فعل کی تاکید ہے۔ فلیتوکل کی فاء سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور پر اہل ایمان کو توکل نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہی ان کا کارساز ہے اور ہر چیز پر وہی قادر ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ آپ کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے ہی منتظر رہتے ہو۔

یہ خطاب کافروں یا منافقوں کو ہے اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ دو اچھے نتیجوں میں سے ایک نتیجہ ایک شہادت جو دخول جنت اور دوائی زندگی کے حصول کا ذریعہ ہے دوسری فتح اور مال غنیمت اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ سے مراد ہے۔ شہادت یعنی تم ہمارے قتل ہوجانے کی تمنا کررہے ہو اور قتل ہوجانا تمہاری نظر میں برا ہے مگر ہمارے لیے وہ بھی سراسر بھلائی ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لیے) نکلا ہو اور اس کے خروج کا سبب سوائے

اللہ پر ایمان رکھنے اور اللہ کے پیغمبروں کو سچا جاننے کے سوا اور کچھ نہ ہو (یعنی کوئی نفسانی لالچ نہ ہو نہ حصول مال نہ ملک گیری اور اقتدار نہ شہرت و عزت دنیوی) تو اللہ نے اس کے لیے وعدہ فرما لیا ہے کہ یا تو حاصل کردہ ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اس کو (صحیح و سالم) واپس کر دوں گا یا (بصورت شہادت) جنت میں داخل کر دوں گا۔ متفق علیہ یعنی دونوں چیزوں میں سے ایک اس کو ضرور عطا کروں گا۔ (فتح یا جنت) لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ فتح کے ساتھ جنت نہیں مل سکتی۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ

اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا (خواہ) اپنی طرف سے (دنیا اور آخرت میں) یا ہمارے ہاتھوں سے۔ یعنی ہم تمہارے حق میں دو برے نتیجوں میں سے ایک کے منتظر ہیں یا تو قیامت کے دن اللہ اپنے عذاب میں تم کو مبتلا کرے گا اگر تم فتحیاب ہو گئے یا ہمارے ہاتھوں سے تم کو عذاب دے گا۔ کفر کی حالت میں تم ہمارے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے اور دوامی جہنمی بنو گے بشرطیکہ تم نے (نزول عذاب سے پہلے زندگی میں) توبہ نہ کی۔ اس مطلب پر خطاب بر عام کافروں کو ہو گا لیکن اگر مخاطب صرف منافقوں کو قرار دیا جائے تو یہ مطلب ہو گا کہ اگر تم نفاق کی حالت میں مر گئے اور تمہارا کفر ظاہر نہ ہوا تو اللہ تم کو دنیا میں اسی طرح تباہ کر دے گا جیسے گزشتہ اقوام کو اس نے تباہ کر دیا اور تباہ کرنے کے بعد تم کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا کرے گا اور اگر تم نے اپنے قلبی کفر کا اظہار کر دیا تو کفر کی وجہ سے مارے جاؤ گے (بہر حال دونوں نتائج برے ہیں اور دونوں میں سے کوئی نتیجہ تم کو بھگتنا ہو گا)۔

فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُم مُّتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

لہٰذا تم (ہمارے نتیجہ کے) منتظر رہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے انجام کے منتظر ہیں۔ حسن نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے جو وعدے تم سے کیے ہیں تم اس کے وعدوں کا انتظار کرو اور ہم سے جو دین کو غالب بنانے کا وعدہ اللہ نے کیا ہے ہم اس کے منتظر ہیں۔

قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٣﴾

آپ کہہ دیجئے کہ تم خواہ خوشی سے صدقہ دو یا ناگواری سے تم سے کسی طرح قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ بلاشبہ تم (مسلمانوں کے گروہ سے) خارج ہو۔

طوعاً اور کرہاً حال ہے طوعاً" سے مراد وہ صرف ہے جو اللہ اور رسول کی طرف سے لازم نہیں کیا گیا اور کرہاً" سے وہ دنیا مراد ہے جس کو ادا کرنا اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کی طرف سے جس صرف کو لازم کیا گیا تھا اس کو ادا کرنا منافقوں پر دشوار اور شاق تھا دل کو ناگوار تھا اس لیے اس کو کرہ (دل کی ناگواری) فرمایا انفِقُوا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن خبر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارا خرچ کرنا بہر طور برابر ہے اپنی طرف سے بغیر وجوب کے دو یا وجوبی رقم دو، دونوں صورتوں میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ کلام حقیقت میں جد بن قیس کے قول کا جواب ہے، اس نے کہا تھا میں آپ کی مالی مدد کر دوں گا۔ عدم قبول کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانشین اس شخص کی اعانت اور صدقہ قبول نہیں کریں گے جس کے منافق ہونے کا ان کو علم ہو۔

(۲) اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ یعنی ثواب نہیں دے گا۔ انکم کنتم قوما "فاسقین سے یہ مراد ہے کہ تم مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہو اس لیے تمہاری طرف سے دی ہوئی مالی مدد قبول نہیں کی جائے۔ یہ جملہ عدم قبول کی علت ہے اور آئندہ آیت اسی کی توضیح اور تائید ہے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٥٤﴾

اور ان کی خیر خیرات قبول ہونے سے کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے

رسول کا انکار کیا اور نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور راہ خیر میں نہیں دیتے مگر ناگواری کے ساتھ کیوں کہ ان کو نہ ثواب کی امید ہے نہ ترک پر عذاب کا اندیشہ ان کی نظر میں زکوٰۃ تاوان ہے اور زکوٰۃ نہ دینا مال غنیمت کا حصول۔

کسالی، یعنی سستی کی حالت میں بے دلی کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ بظاہر دونوں آیات میں تعارض معلوم ہوتا ہے اَنْفِقُوْا طَوْعًا" سے خوشی کے ساتھ خیر خیرات کرنی ثابت ہو رہی ہے اور لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ میں خوشی سے صرف کرنے کی مکمل نفی ہے لیکن ہم بیان کر چکے ہیں کہ طوعا" کا معنی ہے اپنی طرف سے بغیر شرعی وجوب کے اور اس طرح کی خیرات محض دکھاوٹ کے لیے ہوتی ہے، بے دلی کے ساتھ کراہت خاطر کے ساتھ بغیر خوشی اور دلی رغبت کے (لہذا طوعا" خیرات کرنی بھی كٰرِهُوْنَ کے تحت آجاتی ہے) بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس جگہ تو واقعی قطعی طور پر بیان کر دیا گیا کہ وہ کوئی خیر خیرات بغیر کراہت خاطر کے نہیں کرتے اور آیت انفقوا طوعا" میں فیصلہ بتقدیر فرض ہے یعنی بالفرض اگر تم بخوشی بھی خیرات کرو تو قبول نہیں کی جائے گی (اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خوشی سے دیتے بھی ہیں)

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

سو ان کے مال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (دنیوی) چیزوں کی وجہ سے دنیاوی زندگی میں بھی ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جانیں بھی کفر کی ہی حالت میں نکل جائیں۔

اعجاب کا معنی ہے کسی پسندیدہ چیز پر خوش ہونا مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو دولت اور اولاد عطا کی ہے وہ پسندیدگی کے قابل نہیں یہ تو محض ایک ڈھیل ہے جو حقیقت میں وبال ہے مال و اولاد دے کر تو اللہ ان کو دنیوی زندگی میں ہی گرفتار رکھنا چاہتا ہے دولت جمع کرنے اور اولاد کی دیکھ بھال کرنے کیلئے طرح طرح کی دشواریاں اور دکھ اٹھاتے ہیں تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ سختیاں جھیلتے ہیں مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں اور خرچ کرنا ان کے دلوں کو ناگوار ہوتا ہے اندرونی دکھ ہوتا ہے اور جس کے پاس نہیں ہے اس کو حسرت و افسوس ہوتا ہے (غرض مال و اولاد ہونے یا نہ ہونے دونوں صورتوں میں ان پر عذاب ہی عذاب ہے)

مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ آیت میں الفاظ کی کچھ تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل ترتیب اس طرح تھی۔ دنیوی زندگی میں اللہ نے جو مال و اولاد عطا کی ہے آپ کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے اللہ کو یہ منظور ہے کہ مال کمانے، جمع کرنے، جوڑ جوڑ کر رکھنے اور ناجائز راستوں میں خرچ کرنے کی وجہ سے آخرت میں ان کو مبتلائے عذاب کرے۔

زہوق کا اصل لغوی معنی ہے دشواری کے ساتھ نکلنا یعنی ان کی جانیں ٹوٹ ٹوٹ کر افسوس اور حسرت کے ساتھ نکلیں اور دنیا میں مبداء اور معاد کی طرف سے غفلت کی حالت میں رہیں۔ یہی ان کی ڈھیل ہے (کہ یہ نہیں سمجھتے کہ آئندہ جب رسی کھینچی جائے گی تو پھڑ پھڑاتے تڑپتے رہ جائیں گے اور کسی طرح رہائی ممکن نہ ہوگی)

آیت میں (معتزلہ کے مسلک کے خلاف) اس امر کی دلیل ہے کہ بندہ کے لیے جو چیز زیادہ مناسب اور مفید ہو وہی عطا کرنا اللہ پر واجب نہیں ہے (بلکہ وہ ضرر رساں غیر اصلح چیز دے کر بندہ کو مبتلائے عذاب بھی کر سکتا ہے) کیونکہ اس آیت میں اللہ نے بتایا کہ کافروں کو مال و اولاد دے کر (ان کو نوازنا اور ان کو فائدہ پہنچانا مقصود نہیں ہے بلکہ) ان کو گرفتار عذاب کرنا اور کفر کی حالت میں ان کی جانیں نکالنا مقصود ہے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ اور یہ (منافق) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں کے ہیں حالانکہ (واقع میں کافر ہونے کی وجہ سے) وہ تم میں کے نہیں ہیں تم میں کے ہیں یعنی (مخلص) مسلمانوں میں سے ہیں۔

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لیکن وہ (تم سے) ڈرنے والے لوگ ہیں، اس بات سے ڈرتے ہیں کہ (اگر ان کا کفر ظاہر ہو جائے گا تو) تم ان کے ساتھ وہی سلوک کرو گے جو مشرکوں سے کرتے ہو۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۞ اگر ان لوگوں کو کوئی پناہ گاہ یا غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ مل جاتی تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر تیزی سے چلدیتے۔ ملجاء یعنی کوئی حفاظت کا مقام جس میں پناہ لی جاسکتی یا کوئی قوم جس کے پاس جا کر امن مل جاتا۔ مغارات مغارۃ کی جمع ہے یعنی پہاڑی غار، مغارہ غور سے ماخوذ ہے یعنی چھپنے کا مقام، عطاء نے کہا اس سے مراد سرنگ یا تہ خانے ہیں مُدَّخَلًا یعنی ایسا سوراخ اور گھسنے کا مقام جس کے اندر دشواری کے ساتھ داخلہ ہو جیسے گھونس کا سوراخ۔

لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ پشت پھیر کر اس طرف بھاگتے۔ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ سرپٹ تیزی کے ساتھ منہ اٹھائے ہوئے دوڑتے ہوئے جیسے بے لگام سرپٹ بھاگتا ہوا گھوڑا۔ آیت کی مراد یہ ہے کہ ان کو تمہارے ساتھ رہنے سے انتہائی نفرت و کراہت ہے اگر کوئی بھی بچاؤ کا مقام ان کو مل جاتا تو وہ تم سے الگ ہو جاتے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ اور ان (منافقوں) میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو (تقسیم) صداقات کے بارے میں آپ پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ عیب لگاتے ہیں۔ ہمزہ اور ہمزہٗ اس پر طعن کیا۔ نکتہ چینی کی۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ آپ تقسیم صدقات انصاف کے ساتھ نہیں کرتے۔ شیخین اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ فتح حنین کے دن قبیلہ ہوازن سے چھینا ہوا مال جب رسول اللہ ﷺ نے تقسیم کیا تو سرداران عرب (میں سے بعض) کو تقسیم کے وقت ترجیح دی یہ بات دیکھ کر قوم انصار میں سے ایک شخص بولا یہ بے انصافی کی تقسیم ہے یا یہ کہا کہ یہ تقسیم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نہیں کی گئی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں نے کہا میں جا کر رسول اللہ ﷺ کو ان الفاظ کی اطلاع ضرور دوں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر اطلاع دے دی۔ یہ سن کر چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چہرہ رنگنے والے کوند کی طرح (سرخ) ہو گیا اور فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرتا تو پھر اور کون انصاف کر سکتا ہے۔ اللہ کی رحمت ہو موسیٰؑ پر ان کو اس سے بھی زیادہ دکھ پہنچایا گیا تھا مگر انہوں نے صبر کیا محمد بن عمر نے اس نکتہ چین کا نام معتب بن قشیر ذکر کیا ہے جو منافق تھا۔

ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے امام بخاری، مسلم اور امام احمد نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ جس وقت قبیلہ ہوازن سے حاصل کیا ہوا مال غنیمت رسول اللہ ﷺ تقسیم کر رہے تھے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو سعید خدریؓ کے قول کے موافق یہ شخص بنی تمیم میں سے تھا جس کو ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے اس نے عرض کی۔ میرے خیال میں آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ انصاف (سے تقسیم) کیجئے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ انصاف سے کام لیجئے۔ یہ سنتے ہی حضور غضبناک ہو گئے اور فرمایا ارے اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اگر میں انصاف نہ کروں تو یہ میری نامرادی اور خسران ہو گی۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میرے پاس انصاف نہ ہو گا تو اور کس کے پاس ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجئے میں اس منافق کو قتل کر دوں۔ فرمایا اللہ کی پناہ لوگ کہیں گے۔ کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں اس کو رہنے دو۔ اس کے کچھ ساتھی ہوں گے جن کی نماز کے مقابلہ میں تم کو اپنی نماز اور جن کی روزوں کے مقابلے میں تم کو اپنے روزے حقیر معلوم ہوں گے وہ قرآن کی قرات کریں گے مگر قرآن ان کے حلق سے آگے نہ بڑھے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے نکل جاتا ہے گوبر اور خون کے پار ہو جاتا ہے (اس کے باوجود) اس پر کوئی نشان نہیں ہوتا پھل کو دیکھا جاتا ہے تو اس پر بھی کچھ (خون یا گوبر کا نشان) نہیں ہوتا۔ دونوں پر نظر دیکھا جاتا ہے تو نشان پر کچھ نہیں ہوتا اور شکار پر بھی کچھ نہیں پایا جاتا۔ ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک کالا آدمی ہو گا جس کا ایک بازو عورت کی پستان یا گوشت کے لوتھڑے کے طرح ہو گا یہ لوگ پھر جائیں گے اور سب سے افضل گروہ کے خلاف خروج کریں گے، حضرت ابو سعید خدری

نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی اور شہادت دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب نے ان لوگوں سے (نہروان پر) جنگ کی میں آپ کے ساتھ موجود تھا۔ آپ نے اس (نشان والے) آدمی کو تلاش کرلیا تو (اس کی مردہ لاش کو) آپکی خدمت میں پیش کیا گیا۔ میں نے اس کو غور سے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کی بیان کے مطابق اس کو پایا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جس (ذوالخویصرہ تمیمی) کے متعلق اس آیت کا نزول قرار دیا گیا ہے اس کا نام حرقوص بن زہیر تھا، اور یہی خارجیوں کا مورث اعلیٰ تھا۔ بظاہر آیت اس شان نزول کو ماننے سے انکار کر رہی ہے۔ کیونکہ آیت میں صدقات کی تقسیم پر نکتہ چینی کرنے کا بیان ہے اور صحیحین کی حدیث میں جس ذی الخویصرہ تمیمی یا معتب بن قشیر کا ذکر کیا گیا ہے اس کا واقعہ جنگ حنین کے مال غنیمت تقسیم ہونے کے موقع پر ہوا تھا اور (تقسیم غنیمت تقسیم صداقات سے جدا چیز ہے۔ اس کے علاوہ) اس آیت کا نزول تبوک کے غزوہ میں ہوا جو حنین کے بہت بعد کا ہے۔ میرے نزدیک اس آیت کا نزول اس موقع پر ہوا جب لوگ تبوک کے لشکر کی تیاری کے لیے مال صدقات لارہے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان صدقات کی تقسیم کر رہے تھے۔ واللہ اعلم

کلبی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ایک منافق کے بارے میں ہوا جس کا نام ابوالخواص تھا اس نے کہا تھا کہ تقسیم عدل کے ساتھ نہیں کی جارہی ہے۔

فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾

اگر صدقات میں سے ان کو (زیادہ ولور خوب) دے دیا جاتا ہے تو راضی رہتے (اور خوش ہوتے) ہیں اور اگر ان کو (زیادہ) نہیں دیا جاتا تو یکدم ناراض ہو جاتے ہیں۔ لفظ زیادہ کا بین القوسین اضافہ اس لیے کیا گیا کہ آگے کی آیت کا یہی تقاضا ہے (جس میں کچھ نہ کچھ دینا بہر حال ثابت ہے) فرمایا ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٥٩﴾

ع ۱۴

اور ان کے لیے بہتر ہوتا اگر وہ اس پر راضی رہتے۔ جو کچھ ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول ﷺ نے دیا تھا اور یوں کہتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ آئندہ اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ﷺ ہم کو دیدیں گے ہم (تو دل ہی سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو صدقات اور مال غنیمت میں سے دے دیا اگر وہ اس پر راضی رہتے (اللہ براہ راست کسی کو نہیں دیتا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے دلواتا اور تقسیم کراتا ہے) اللہ کا ذکر (دیئے ہوئے مال کی مقدار خواہ وہ کتنی ہی کم ہو) عظمت ظاہر کرنے اور اس امر پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا گیا کہ رسول اللہ کا عمل حقیقت میں (از خود نہیں بلکہ) اللہ کے حکم سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فعل پر اسی طرح راضی رہنا اور سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے جس طرح اللہ کے حکم اور تقدیر پر۔ حَسْبُنَا اللَّهُ یعنی اپنے فضل سے اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ کسی اور طریقہ سے ہماری حاجت کے مطابق اللہ ہم کو عطا فرمادے گا اور کسی دوسرے مال صدقات و غنیمت سے اللہ کا رسول ہم کو دیدے گا۔

آئندہ آیت میں صدقات کے مصارف بیان کیے ہیں تاکہ غلط طور پر جو لوگ صدقات لینے کی طمع لگائے ہوئے تھے ان کی طمع ختم ہو جائے اور ظاہر کر دیا جائے کہ وہ صدقات کے مستحق نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جس طرح تقسیم کی وہ ہی صحیح ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ　صدقات تو صرف غریبوں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے۔ بیضاوی نے لکھا ہے۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ آیت سابق میں نکتہ چینی کرنے سے مراد ہے تقسیم زکوٰۃ پر نکتہ چینی کرنا، مال غنیمت کی تقسیم پر نکتہ چینی مراد نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں، آیت کی مراد صرف یہ ہے کہ مصرف صدقات فقط غریب لوگ ہیں۔ یعنی غنی لوگ مستحق نہیں ہیں۔ یعنی فقیر اس کو کہتے ہیں جو غنی نہ ہو، خواہ اس کے پاس مال بالکل نہ ہو نادار ہو یا کچھ مال ہو (مگر اتنا نہ ہو کہ غنی ہو جائے) گویا لفظ فقیر مسکین اور دوسرے اصناف مستحقین سے عام ہے۔ اکثر حنفیہ قائل ہیں کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب زکوٰۃ نہ ہو۔ نصاب سے کم مال ہو۔ میرا قول امام ابو حنیفہ کے مذہب کے زیادہ موافق ہے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک فقراء کا اعتبار قرضدار کیلئے بھی ہے اور مجاہد کیلئے بھی (یعنی فقیر کا لفظ ان دونوں کو بھی شامل ہے) میرے قول کی تائید حضرت معاذ کے واقعہ سے ہوتی ہے امام بخاری امام مسلم اور اصحاب السنن نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا، تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں (اول) لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی طرف دعوت دینا اگر وہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر ہر شبانہ روز میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ (یہ بھی) مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے غنی (صاحب نصاب) لوگوں سے لی جائیگی اور انہی کے فقراء (جو مالک نصاب نہ ہوں ان) کو بانٹ دی جائے گی۔ زکوٰۃ میں سب سے بڑھیا جانور نہ لینا مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا۔ مظلوم کی بددعا (براہ راست اللہ تک پہنچتی ہے اس کے) اور خدا کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی رو سے زکوٰۃ لینے والے کا مسلم ہونا ضروری ہے ایمان لازم ہے باجماع علماء غیر مسلم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی خواہ غیر مسلم ذمی ہو یا حربی البتہ زہری اور ابن شبرمہ کے نزدیک ذمی کافر کو زکوٰۃ دینا درست ہے کیونکہ اِنَّمَا الصدقٰت للفقراء کی تشریح میں حضرت عمر کا قول آیا ہے کہ فقراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے اپاہج ناکارہ ہوں لیکن چونکہ بعد کو ان دونوں بزرگوں کے قول کے خلاف اجماع علماء ہو چکا ہے اس لیے زہری اور ابن شبرمہ کا قول ناقابل اعتبار ہے۔

ایک شبہ

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث آحاد سے قرآنی نص پر زیادتی نہیں کی جاسکتی اور قرآن میں صراحۃً "لفظ فقراء آیا ہے (مسلم ہوں یا غیر مسلم) پھر ایمان کی شرط لگا کر قرآن کی صراحت پر زیادتی کیوں کی گئی۔

جواب

آیت يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ کی وجہ سے آیت اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ سے حربی کافروں کی تخصیص تو باجماع علماء پہلے ہی کرلی گئی تھی اور مخصوص البعض آیت کی مزید تخصیص خبر آحاد سے امام صاحب کے نزدیک بھی جائز ہے، اس لیے الفقراء سے مراد وہی فقرا ہیں جو مسلم ہوں غیر مسلم نہ ہوں۔ ہاں جو خیرات فرض نہیں وہ بالاجماع کافروں کو بھی دی جاسکتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ۔

رہی حضرت معاذ والی حدیث اس میں صرف فرض زکوٰۃ مراد ہے نفل خیرات مراد نہیں ہے مگر چونکہ آیت اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ میں حربیوں سے سلوک کرنے کی ممانعت آگئی ہے۔ اس لیے نفل خیر خیرات بھی غیر مسلم حربیوں کو نہیں دی جاسکتی۔ باقی فرض زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے واجب صدقات جیسے روزہ کا فطرہ ہر طرح کے کفارے اور نذر وغیرہ تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ان کا حکم بھی فرض زکوٰۃ کی طرح ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے صرف امام ابو حنیفہ قائل ہیں کہ یہ صدقات واجبہ ذمی کو دیئے جاسکتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک واجب کا درجہ فرض سے کم ہے (فرض وہ حکم ہوتا ہے جس کا ثبوت قطعی دلیل سے ہو اور بالکل اس میں شک نہ ہو اور واجب حکم کا ثبوت دلیل قطعی سے تو ہوتا ہے مگر قابل شک ہوتا ہے) اور حدیث معاذ میں صرف

فرض زکوٰۃ مراد ہے۔ صرف زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ہی آپ کا تقرر ہوا تھا۔
جب لفظ فقراء و مساکین اور دوسرے ان تمام اقسام کو شامل ہے جن کا ذکر اس جگہ کیا گیا ہے اور یہ لفظ سب سے عام ہے تو الفقراء کے بعد والمساکین کو ذکر کرنے کی صورت محض ان اقسام کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے ہوئی جیسے عام پر خاص کا عطف خاص کی اہمیت کے پیش نظر کردیا جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ہم ذیل میں مساکین اور دوسرے اقسام کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔
مسکین سے مراد وہ غریب آدمی ہے جو لپٹ چپٹ کر اصرار کے ساتھ سوال نہ کرے۔ سکون اور سکینہ سے مشتق ہے مسکین سوال کے لیے (اصرار کے ساتھ) چونکہ حرکت نہیں کرتا اس لیے اس کو مسکین کہا جاتا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین وہ نہیں ہے جو مارا مارا پھرے، ایک دو لقموں کی طلب یا ایک دو چھوارے کی خواہش اس کو لیے لیے پھرے بلکہ مسکین وہ ہے جس کو بقدر کفایت نہ ملتا ہو اور کوئی اس کی حالت سے واقف بھی نہ ہو کہ کچھ خیر خیرات دیدے اور خود وہ کھڑا ہو کر کسی سے مانگتا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسکین بھی ایک طرح کا فقیر ہی ہوتا ہے اور چونکہ اس کو دینا دوسرے غریبوں کو دینے سے اہم ہے۔ اس لیے الفقراء کے بعد المساکین کا ذکر کیا گیا۔ اسی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ نے (تفصیل کے ساتھ آیت ذیل میں) فرمایا لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ الحاف کا معنی ہے (لپٹ جانا) اصرار کرنا زاری کرنا۔

ایک شبہ

بھیک مانگنے والے فقیر پر بھی لفظ مسکین کا اطلاق ہوتا ہے بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے تین اسرائیلیوں کا قصہ نقل کیا ہے جن میں ایک مبروص تھا دوسرا گنجا، تیسرا اندھا، یہ حدیث لمبی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ ایک مسکین آدمی نے کہا سفر کی حالت میں میرے (کمائی، آمدنی، اور دولت وغیرہ کے تمام) ذرائع منقطع ہوگئے۔ میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ وطن تک پہنچ جاؤں بس اول اللہ کی مدد سے اور پھر تیری مدد سے وطن پہنچ سکتا ہوں۔ میں اس اللہ کے نام پر جس نے تجھے حسن اور خوبصورت جلد (واپس) دی ہے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے تو ایک اونٹ دیدے جس سے میں سفر طے کرلوں۔

جواب

(۱) سابق الذکر حدیث میں اس لفظ مساکین کی مراد بیان کی گئی ہے جو آیت میں مذکور ہے۔ غنا کا لغوی مفہوم نہیں بیان کیا گیا ہے (اور موخر الذکر اس حدیث میں لفظ مذکور لغوی معنی کے اعتبار سے استعمال کیا گیا ہے)
(۲) موخر الذکر حدیث میں لفظ مسکین کا استعمال مجازی طور پر کیا گیا ہے (یعنی غریب آدمی خواہ الحاح وزاری کے ساتھ ہی مانگتا ہو)
مسکین کے مفہوم میں کسی قدر صاحب مال ہونا داخل نہیں ہے ویسے مسکین کا یہ معنی جس کے پاس مال نہیں ہوں ایسا عام ہوا جیسا کہ بعض شافعیہ کا قول ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس بالکل مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ مال بھی ہو۔ کیونکہ کفارات کے متعلق اللہ پاک ....
نے جو فَاِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ اور اِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا فرمایا ہے۔ ان سے مراد باجماع علماء فقراء ہیں، خواہ ان کے پاس کچھ مال ہو یا بالکل نادار ہوں۔ اس کے علاوہ آیت اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ میں وہ فقیر مراد ہے جو خاک نشین یا خاکسار ہو مٹی پر پڑا رہتا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسکین کے مفہوم میں کسی قدر مالدار ہونا ضروری نہیں۔
نہ لفظ مسکین میں بالکل نادار ہونا داخل ہے جیسا کہ بعض احناف کا قول ہے کیونکہ آیت اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ بتارہی ہے کیونکہ کشتی والے مسکین اس کشتی کے مالک تھے۔ اس کے باوجود اللہ نے ان کو

مساکین فرمایا۔ پھر کہناکہ کشتی ان کی ملک نہ تھی۔ وہ اجیر تھے یا مانگ کر کہیں سے لائے تھے۔ ظاہر نص کے خلاف ہے۔ جس کی کوئی دلیل نہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ مسکین کی حالت فقیر سے کچھ اچھی ہوتی ہے انہوں نے استدلال میں احادیث ذیل پیش کی ہیں بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور ابوداؤد و نسائی ابن حبانؒ اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نیز ابن حبان و حاکم نے حضرت ابو بکرہ حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کو ابن حبان نے صحیح بھی قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی۔ اور یہ بھی حضور ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت پر زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھ پر موت بھیج۔ یہ حدیث ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت ابو سعیدؓ کی وساطت سے بیان کی ہے (دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر فقیر مسکینی سے برا نہ ہوتا تو رسول اللہ ہرگز فقیر سے پناہ کے اور مسکینی کی حالت میں زندگی و موت کے خواستگار نہ ہوتے)

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس فقر سے پناہ مانگی ہے اس سے نفس کا فقیر ہونا مراد ہے (یعنی دل کے فقیر ہونے سے پناہ مانگی، ناداری اور مفلسی مراد نہیں ہے) کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، استغنا دل کا استغنا ہے (یعنی اگر دل فقیر ہو تو کتنا ہی مالدار ہو وہ فقیر ہی رہے گا اور دل غنی ہو تو کتنا ہی نادار ہو وہ سارے جہان سے بے نیاز رہے گا) یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ فقیر سے پناہ مانگنے سے مراد ہے فقیر کی آزمائش اور ناداری کے فتنہ سے پناہ مانگنا مفلسی سے پناہ مانگنا مراد نہیں ہے، اسی طرح جس مسکینی کی دعا فرمائی اس سے مراد نفس مسکینی نہیں بلکہ مسکینی کے بعض خصوصی صفات صبر، توکل، رضا بالقضا وغیرہ مراد ہیں۔

یا یوں کہا جائے کہ حضرت انسؓ و حضرت ابو سعیدؓ کی حدیث کی سند ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن جوزی نے تو اس کو موضوعات میں داخل کیا ہے کیونکہ (رسول اللہ ﷺ کی دعا رد نہیں ہو سکتی اور) وفات کے وقت حضورؐ محتاج نہ تھے، خود مستغنی تھے (معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند نا قابل اعتماد ہے)

اس کے علاوہ اللہ نے (بطور بیت نبہی رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے) فرمایا ہے وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى اللہ نے آپ کو محتاج پایا پھر غنی فرما دیا

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا اور ان کارکنوں کے لیے جو صدقات پر مقرر ہوں اللہ نے (تمام محصلین زکوۃ اور ان کے مددگاروں اور کارندوں کو مجازا" فقراء کے ذیل میں شمار کیا، خواہ محصلین زکوۃ مالدار ہی ہوں تب بھی فقراء کے ذیل میں ان کا مجازا" شمار کیا جائے گا کیونکہ زکوۃ کو وصول کرتے اور اس کو تقسیم کرنے کے معاملہ میں محصلین زکوۃ فقراء کے وکیل (ایجنٹ) ہوتے ہیں انہی کے کام میں مشغول رہتے ہیں لہٰذا ان کا حق محنت ادا کرنا فقراء پر واجب ہے گویا یہ حکما اور ضمنا" ذیلی طور پر) فقراء ہوتے ہیں۔

...... محصل زکوۃ کو کتنا دیا جائے ......

امام شافعی نے فرمایا محصل زکوۃ کا عمل کم ہو یا زیادہ بہر حال کل صدقات کا آٹھواں حصہ محصلین زکوۃ اور ان کے مددگاروں کو دیا جائے گا امام شافعی کے اس قول کی بنا اس نظریہ پر ہے کہ زکوۃ کا مال آٹھوں اقسام کو برابر برابر دیا جائے۔ ہماری طرف سے اس قول کی تردید عنقریب آئے گی۔

امام ابو حنیفہ اور اکثر ائمہ نے فرمایا محصل نے جتنی مدت کام میں صرف کی ہو اتنی مدت کی ضروریات پوری کرنے کی بقدر اس کو دیا جائے مثلاً" کسی نے تحصیل کے کام میں ایک دن صرف کیا تو اس کو ایک دن کا معاوضہ بقدر کفایت دیا جائے گا اور ایک

سال صرف کیا تو ایک سال کی معاش بقدر کفایت پانے کا مستحق قرار پائے گا کیونکہ زکوٰۃ کے مال میں غنی کا کوئی حق نہیں عامل کو اس کے عمل کا صرف اتنا اجر دیا جائے گا جتنا فقیروں کے کام میں وقت صرف کرنے سے اس کا واجبی ہوگا گویا یوں کہو کہ زکوٰۃ تو فقراء کا حق ہے، عامل کو فقیروں کے حق میں سے بقدر اجر و کفایت دیا جائے گا۔

اگر اس کی اجرت بقدر کفایت اتنی ہو کہ حاصل کی ہوئی زکوٰۃ کی کل مال کا اس کو استحقاق ہو جاتا ہے تو باتفاق علماء کل مال زکوٰۃ اس کو نہیں دیا جا سکتا آدھا دیا جائے گا۔ آدھے سے زائد ہرگز نہیں دیا جائے گا نصف سے زائد کل کے حکم میں ہوتا ہے اگر اس سے زیادہ دیا جائیگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے تحصیل زکوٰۃ فقراء کے لیے نہیں کی اپنے لیے کی۔ اس طرح اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ اور ان لوگوں کے لیے جن کی دل جوئی منظور ہو۔

بغوی نے لکھا ہے مؤلفۃ القلوب دو طرح کے تھے۔ مسلمان اور کافر۔ مسلمان مؤلفۃ القلوب بھی دو طرح کے تھے ایک وہ مسلمان جو اسلام میں داخل ہوتے وقت ضعیف الایمان تھے۔ جیسے عینیہ بن بدر فزاری اور اقرع بن حابس اور عباس بن مرد اس دوسرے وہ مسلمان جن کا ایمان مسلمان ہونے کے وقت ہی مضبوط تھا مگر وہ اپنی اپنی قوموں کے سردار تھے (اور قوم والے کچھ ضعیف الایمان تھے) رسول اللہ ﷺ دونوں گروہوں کو دیا کرتے تھے اول کو ان کی دلجمعی اور ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے اور دوسرے گروہ کو ان کی قوم کی تالیف قلب ایمان کی حفاظت اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو ایمان و اسلام کی طرف راغب بنانے کے لیے جیسے حضرت عدی بن حاتم اور حضرت زبرقان بن بدر کو ان کی قوم کی تالیف قلوب اور ان جیسے دوسروں کو اسلام کی طرف راغب بنانے کے لیے دیا کرتے تھے اور زکوٰۃ کے مال میں سے نہیں دیتے تھے بلکہ مال غنیمت کے پچیسویں حصہ میں سے اور مال فئے میں سے جو رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھا عطا فرماتے تھے۔ مسلمان مؤلفۃ القلوب کی دوسری شاخ میں وہ مسلمان بھی داخل تھے جن کے ہاں کافروں کے مقابلہ کے لیے کوئی مسلمان فوج اتری ہو مگر مسلمانوں کی مقامی امداد کے بغیر وہ لشکر اپنے نشانہ پر نہ پہنچ سکتا ہو اور مقامی مسلمان جہاد میں شرکت کے لیے تیار نہ ہوں خواہ اپنی بدحالی کی وجہ سے یا ایمان کی کمزوری کے سبب حالیہ صورت میں حاکم کے لئے جائز ہے کہ مجاہدوں کے حصے کے مال غنیمت میں سے اور بقول بعض مؤلفۃ القلوب زکوٰۃ کے جائز حصہ میں سے ان مسلمانوں کو دیدے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم اپنی قوم کے تین سو زکوٰۃ کے اونٹ لے کر حضرت ابوبکر کی خدمت میں پہنچے صدیق اکبر نے ان میں سے تیس اونٹ عدی کو دیدیئے۔

غیر مسلم مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ منکرین ہیں جن کی طرف سے شر کا اندیشہ یا مسلمان ہونے کی امید ہو، امام مسلمانوں کو ان کے شر سے بچانے یا انکے مسلمان ہونے کی امید میں کچھ دیدے، رسول اللہ ﷺ ایسے لوگوں کو مال غنیمت کے پچیسویں حصہ میں سے کچھ دیا کرتے ہوتے جیسے صفوان بن امیہ کی اسلام کی طرف رغبت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اس کو عطا فرمایا تھا۔

لیکن اب غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب بنانے کے لئے صدقات میں سے کچھ دینا جائز نہیں اللہ نے اسلام کو غلبہ مرحمت فرما دیا ہے زکوٰۃ کا روپیہ دے کر ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی ضرورت نہیں رہی اسی لیے عکرمہ شعبی، امام مالک سفیان ثوری، اسحق بن راہویہ اور اصحاب الرائے اور دوسرے علماء قائل ہیں کہ (غیر مسلم) مؤلفۃ القلوب کا زکوٰۃ میں حصہ اب ساقط ہو چکا۔ کچھ علماء کے نزدیک ایسے مؤلفۃ القلوب کا اب بھی حصہ باقی ہے۔ حکم ساقط نہیں ہوا۔ یہ قول حسن بصری زہری محمد بن علی، زین العابدین بن امام حسین اور ابو ثور کا ہے امام احمد نے فرمایا اگر مسلمانوں کو اب بھی اسکی ضرورت ہو تو (غیر مسلموں کو) دیا جا سکتا ہے اکثر کتابوں میں مؤلفۃ القلوب کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف مذکور ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہو چکا اسلام کو اب تالیف قلوب کے لئے زکوٰۃ کا مال دینے کی ضرورت نہیں رہی۔ ایک روایت میں امام مالک اور امام شافعی کے اقوال بھی یہی آئے ہیں امام مالک کا قول دوسری روایت میں آیا ہے کہ اگر کسی بستی یا سرحد میں

مسلمانوں کو اس کی اب بھی ضرورت ہو تو تالیف قلوب کے لیے زکوٰۃ کا مال دیا جا سکتا ہے جب علت موجود ہو گی تو حکم بھی لوٹ آئے گا۔ ایک روایت میں امام احمد کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ دوسری روایت میں امام احمد کا قول یہ کیا ہے اور امام شافعی نے بھی یہی فرمایا اور اکثر شوافع کا بھی یہی مختار ہے۔ جیسا کہ منہاج میں آیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب مصرف زکوٰۃ اب بھی ہیں امام شافعی نے فرمایا جو شخص مسلمان ہو گیا اور اس کا ایمان (اسلام میں داخل ہونے کے وقت) ضعیف ہو یا وہ با وجاہت شخص ہو کہ اس کو دینے سے دوسروں کو اسلام کی طرف رغبت ہو تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال دینا درست ہے امام شافعی کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ غیر مسلم مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ کا مال دینا آپ کے نزدیک بھی اسی طرح ناجائز ہے جس طرح غیر مسلم فقراء و مساکین وغیرہ کو۔ اور ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے ہم خیال علماء مسلم غریب مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ کا مال دینے کو ناجائز نہیں قرار دیتے۔ مالدار مؤلفۃ القلوب کو دینے میں اختلاف آراء ہے امام شافعی کے نزدیک جائز ہے کیونکہ باقی اصناف مستحقین میں فقر کو ضروری نہیں قرار دیتے اور امام ابو حنیفہ ناجائز کہتے ہیں آپ کے نزدیک ہر مصرف زکوٰۃ میں فقر کا موجود ہونا معتبر ہے اس سے معلوم ہوا کہ مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کا جواز منسوخ نہیں اور کوئی نسخ کا قائل نہیں اور نسخ کا امکان بھی کیسے ہے جب کہ کوئی ناسخ موجود نہیں البتہ اگر امام ابو حنیفہ کے قول کا مطلب یہ قرار دیا جائے کہ کافر مؤلفۃ القلوب کو دینے کی اجازت منسوخ ہو گئی تو اس کی صحت ممکن ہے۔

ایک شبہ

مسلم اور ترمذی نے سعید بن مسیب کی روایت سے صفوان بن امیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات میری نظر میں سب سے زیادہ مبغوض تھی آپ نے مجھے مال دیا اور برابر دیتے رہے یہاں تک کہ آپ میری نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہو گئے حدیث صراحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ حضور ﷺ غیر مسلموں کو حالت کفر میں عطا فرماتے تھے ابن اثیر نے الصحابہ میں یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ رسول اللہ نے صفوان کو ان کے مسلمان ہونے سے پہلے دیا تھا نووی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے صفوان بن امیہ کو حنین کے مال غنیمت میں سے دیا تھا اور صفوان اس وقت کافر تھا۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ رافعی کا یہ دعویٰ کرنا کہ رسول اللہ نے صفوان کو زکوٰۃ کے مال میں سے دیا تھا بے بنیاد ہے صحیح یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے دیا تھا۔ یعنی آپ نے اپنے خمس کے خمس میں سے دیا تھا محقق ابن سید الناس اور ابن کثیر نے بھی اسی پر جزم کیا ہے۔

ابن ہمام نے بیان الفتح میں لکھا ہے کہ طبرانی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ جب عیینہ بن حصین حضرت عمر کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ حق تمہارے رب کی طرف سے آچکا اب جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ اب مؤلفۃ القلوب کو دینے کا حکم نہیں رہا۔

ابن ابی شیبہ نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے، حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں ختم ہو گئے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ عیینہ اور اقرع حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں کوئی زمین طلب کرنے کے لیے آئے آپ نے ان کو تحریر لکھ دی مگر حضرت عمرؓ نے وہ تحریر (لے کر) پھاڑ ڈالی اور فرمایا یہ تو رسول اللہ تم کو اسلام پر قائم رکھنے کے لیے دیا کرتے تھے۔ اب اللہ نے اسلام کو غلبہ عنایت کر دیا اور تمہاری طرف سے (مسلمانوں کو) بے نیاز کر دیا اب اگر تم اسلام پر قائم رہو گے تو بہتر ہے ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی یہ لوگ لوٹ کر حضرت ابو بکر کی پاس گئے اور عرض کیا خلیفہ آپ ہیں یا عمر حضرت ابو بکرؓ نے کہا وہ اگر چاہیں (تو وہی خلیفہ ہیں) چنانچہ آپ نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی تائید کی اور کسی صحابی نے ان دونوں بزرگوں کی فیصلہ کا انکار نہیں کیا۔ میں (اس کے جواب میں) کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کا قول تو آیت کو منسوخ کر نہیں سکتا اور آیت فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ میں مؤلفۃ القلوب کے حصہ کے منسوخ ہو جانے پر کوئی دلالت نہیں اور ایسا ہونا ممکن بھی کیسے ہو سکتا ہے سورۃ کہف تو مکی ہے اور آیت فمن شاء کہف کی ہے سورۃ توبہ تمام سورتوں کے بعد نازل ہوئی اور مؤلفۃ القلوب کا حصہ سورت توبہ میں ہی قائم۔

کیا گیا۔ پھر مقدم النزول موخر النزول کی ناسخ کیسے ہو سکتی ہے اس کے علاوہ عیینہ اور اقرع کا قصہ زمین کی طلب سے تعلق رکھتا ہے، زکوٰۃ سے اس کا تعلق نہیں اور مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ میں حصہ دار قرار دیا گیا ہے۔ ایک حکم دوسرے سے غیر متعلق ہے اس سے ثابت ہوا کہ حکم باقی ہے لیکن آیت میں کافر مؤلفۃ القلوب مراد نہیں ہے صرف مسلمان مؤلفۃ القلوب سے حکم کا تعلق ہے اسی لئے کسی کافر کو زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہم کہتے ہیں کہ جب آیت کے حکم کو مسلمان مؤلفۃ القلوب کے ساتھ خاص قرار دے دیا گیا اور کافر مؤلفۃ القلوب کو حکم عموم سے الگ کر دیا گیا تو پھر غنی کو حکم سے الگ کرنا ضروری ہے کیونکہ مالداروں کے لئے زکوٰۃ کا .... حلال نہ ہونا مختلف احادیث میں مذکور ہے ۔حضرت معاذ والی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان آیا ہے کہ ان کے مالداروں سے لیا جائے اور ان ہی کے فقراء کو لوٹا دیا جائے۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ زکوٰۃ دینے کا حکم صرف غریب مؤلفۃ القلوب کو ہے اور استحقاق زکوٰۃ کے لیے مؤلفۃ القلوب کا غریب ہونا ضروری ہے اس صورت میں المؤلفة قلوبهم بھی فقراء کی ایک شاخ ہوگی اور اس کا الفقراء پر عطف ایسا ہی ہوگا جیسا خاص کا عطف عام پر ہوتا ہے۔

وَفِي الرِّقَابِ اور باندی غلاموں کی گردنیں چھڑانے کے لیے۔

للرقاب نہیں فرمایا فی الرقاب فرمایا، فی ظرفیت کے لیے آتا ہے اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ گذشتہ تینوں اصناف سے یہ چاروں اصناف زیادہ مستحق زکوٰۃ ہیں گویا زکوٰۃ کا یہی ظرف ہیں انہی کے اندر زکوٰۃ ہونی چاہیے۔

الرقاب سے مراد مکاتب باندی غلام ہیں امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام احمد کی یہی رائے ہے ابن وہب کی روایت میں امام مالک کا قول بھی یوں ہی بیان کیا گیا ہے مکاتب قطعاً نادار ہوتے ہیں خواہ ان کے پاس بقدر نصاب مال بھی ہو جائے۔ دوسرے روایت میں آیا ہے: وَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ

امام مالک کا (قوی) قول ہے کہ الرقاب سے مراد خالص باندی غلام ہیں (مکاتب مراد نہیں ہیں) مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے بردے (باندی غلام) خرید کر آزاد کیے جائیں ایک روایت میں امام احمد کا قول بھی یہی آیا ہے مگر اس قول سے آپ نے رجوع کر لیا تھا۔ ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں ابوالاشرس کی سند سے بحوالہ مجاہد بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کوئی حرج نہ تھا اگر کوئی شخص اپنی مال کی زکوٰۃ حج کرنے کے لیے دیدے یا بردے خرید کر آزاد کر دے۔ ابو معاویہ نے اعمش کی وساطت سے مجاہد کی روایت اسی طرح نقل کی ہے ابو بکر ابن عباسؓ نے اعمش کی وساطت سے ابو نجیح کی روایت اس طرح بیان کی ہے کہ مجاہد نے کہا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ سے (باندی غلام خرید کر آزاد کر عبدہ بن سلیمان نے بھی یہی روایت ابو معاویہ کی متابعت میں بیان کی ہے۔ عبدہ از اعمش از ابوالاشرس کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے زکوٰۃ کا مال نکال کر حاجی کے حج کا سامان اس سے تیار کر دو۔

میمون کا بیان ہے میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا اگر کوئی اپنے مال کی زکوٰۃ سے بردے خرید کر آزاد کر دے یا مسافروں کے لیے صرف کر دے تو کیا حکم ہے ابو عبداللہ نے جواب دیا ہاں جائز ہے۔ ابن عباس اس کے قائل تھے اور اس کے خلاف کہنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ جلالی نے کہا مجھ سے احمد بن ہاشم نے کہا کہ امام احمد نے فرمایا پہلے میرا بھی خیال تھا کہ زکوٰۃ کے مال سے بردے خرید کر آزاد کیے جا سکتے ہیں لیکن پھر میں نے اس خیال سے رجوع کر لیا۔ امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ حضرت ابن عباس کا قول تو اس کے جواز پر دلالت کر رہا ہے فرمایا ابن عباس کا قول مضطرب ہے (یعنی قابل وثوق نہیں اس قول کے الفاظ میں یا معنی میں اضطراب ہے۔)

امام مالک کے نزدیک مال زکوٰۃ سے خرید کر آزاد کیے ہوئے باندی غلام کا حق ولاء۔ مسلمانوں کی جماعت کو ہوگا۔ یعنی بیت المال میں داخل کیا جائے گا مطلب یہ کہ اگر ایسے آزاد غلام کے مرنے کے بعد اس کے واجب التقدیم وارث موجود نہ ہوں گے تو اس کا متروکہ مال بیت المال میں داخل کیا جائے گا دوسری روایت میں امام مالک کا قول آیا ہے کہ حق ولاء آزاد کرنے والے کا ہے۔ وہ غلام جس سے اس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ اتنا پیسہ کما کر یا کہیں سے لا کر تو مجھے دے دیگا تو تو آزاد ہو جائے گا۔ اور غلام نے اسے تسلیم کر لیا ہو تو ایسا غلام مکاتب کہلاتا ہے اور اس عقد کو عقد مکاتبت یا عقد کتابت کہتے ہیں۔

والے کو پہنچے گا۔

حافظ نے لکھا ہے کہ الرقاب کی تفسیر میں علماء کا ایک تیسرا قول بھی آیا ہے۔ وہ یہ کہ زکوٰۃ کے مال کے دو حصے کیے جائیں آدھے مال سے تو مسلم مکاتب کے بدل کتابت ادا کرنے میں مدد کی جائے اور آدھے مال سے مسلمان باندی غلام خرید کر آزاد کیے جائیں۔ ابن ابی حاتم نے اور کتاب الاموال میں ابو عبیدہ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ زہری نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو یہی لکھ کر بھیجا تھا۔

میں کہتا ہوں حضرت معاذ کی روایت میں جو رسول اللہ ﷺ کا فرمان آیا ہے کہ ان کے مالداروں سے لیا جائے اور انہی کے غریبوں کو لوٹا کر دے دیا جائے اس سے امام مالک کے قول کی تردید ہوتی ہے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی صورت میں رد علی الفقراء نہ ہو گا رہا حضرت ابن عباسؓ کا قول تو وہ بقول امام احمد بجائے خود مضطرب ہے۔ اس کے باوجود ابن عباسؓ کی ایک رائے ہے۔ روایت نہیں ہے۔ ہم نے جو الرقاب کی تفسیر مکاتبین کے لفظ سے کی ہے (اور الرقاب سے مراد مکاتب غلاموں کو قرار دیا ہے) اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو محمد بن اسحاق نے بیان کی ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے تو ایک مکاتب نے عرض کیا امیر لوگوں کو میرے لیے چندہ کرنے کی ترغیب دے دیجئے حضرت ابو موسیٰ نے اس مکاتب کے لیے لوگوں سے اپیل کی فوراً لوگوں نے اس کے لیے (مال) پھینکنا شروع کر دیا کسی نے عمامہ پھینکا کسی نے ہار، کسی نے انگوٹھی ایک ڈھیر ہو گیا حضرت ابو موسیٰ نے سب مال جمع کرنے کا حکم دیا پھر اس کو فروخت کرا کر مکاتب کو بقدر بدل کتابت دے دیا اور باقی مال غلاموں کی آزادی کے لیے دے دیا۔ دینے والوں کو واپس نہیں کیا اور فرمایا یہ تو لوگوں نے گردنیں آزاد کرانے کے لیے دے ہی دیا ہے۔

لیکن اس پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ امام احمد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔ فرمایا جان آزاد کر اور گردن چھڑا اس شخص نے دریافت کیا حضور کیا یہ دونوں باتیں ایک ہی نہیں ہیں (جان کو آزاد کرنا اور گردن چھڑانا دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے) فرمایا نہیں جان آزاد کرنے کا تو یہ مطلب ہے کہ تنہا تو کسی جان (یعنی باندی غلام) کو آزاد کر دے اور گردن چھڑانے کا یہ مطلب ہے کہ کسی باندی غلام کی قیمت ادا کرنے میں تو حصہ لے

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں اس حدیث سے امام مالک کے قول کی تو تائید نہیں ہوتی (کہ الرقاب سے مراد غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے الرقاب کی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ ایک اعلیٰ نیکی کی تعلیم دی ہے۔)

وَالْغٰرِمِيْنَ اور قرضداروں کے لیے۔ الغارمین سے مراد باتفاق علماء قرض دار ہیں مگر امام شافعی اور اکثر علماء نے قرض داروں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) وہ قرض دار جنہوں نے قرض لے کر گناہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا ہیں، ایسے قرضداروں کے پاس اگر قرض ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو تو بقدر ادائے قرض زکوٰۃ کا مال ان کو دے دیا جائے۔

(۲) وہ قرض دار جنہوں نے قرض لے کر کسی نیکی کے راستہ میں یا مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے میں خرچ کیا ہو یہ لوگ خواہ خود مالدار ہوں مگر ان کا قرض زکوٰۃ کی مال سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

(۳) وہ قرض دار جو گناہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور فضول خرچیاں کرنے کی وجہ سے قرض دار ہوئے ہوں ان کو قرض ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ جس قرض دار کے پاس ادائے قرض کی قابل مال نہ ہو وہ کوئی ہو کسی وجہ سے قرض دار ہوا ہو، اس کا قرض چکانے کے لیے زکوٰۃ کا مال دیا جا سکتا ہے کیونکہ الغارمین کا لفظ عام ہے قرض دار کے پاس اگر بقدر ادائے قرض کے لیے مال نہ ہو تو وہ فقیر ہی ہو گا (خواہ کتنا ہی مال دار ہو) رخصت سفر میں بھی امام اعظم اور دوسرے اماموں کا یہی اختلاف ہے (کہ امام اعظم کی نزدیک سفر طاعت ہو یا سفر اباحت یا سفر معصیت، ہر سفر میں

رخصت سے فائدہ اٹھایا جائے اور دوسرے اماموں کے نزدیک سفر معصیت میں رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ قصر صلوٰت کا نہ ترک صوم کا)

اگر کسی شخص کے پاس ادائے قرض سے زائد مال ہو اور اتنا زائد ہو کہ مقدار نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتا ہو تو امام اعظم اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں امام شافعی نے فرمایا اگر ایسا شخص ثواب کے کام کے لیے قرض لینے کی وجہ سے قرض دار ہوا ہو تو وہ بجائے خود مال دار ہو اور ادائے قرض سے زیادہ اس کے پاس مال بھی ہو تب بھی زکوٰۃ کے مال سے اس کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے۔ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ

اور جہاد کے لیے اس جگہ بھی لفظ فی جو ظرفیت کے لئے موضوع ہے ترجیح صف کے لیے۔ امام ابو یوسف امام شافعی اور جمہور علماء کا قول ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد ہیں مجاہدین جو اپنے گھر بار سے جدا ہو جاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں نکلتے ہیں امام احمد اور امام محمد کے نزدیک حاجی مراد ہیں امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ام معقل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابو معقل رسول اللہ کے ساتھ حج کرنے والے تھے جب لوگ تیار ہو گئے تو میں نے ان سے کہا آپ واقف ہیں کہ مجھ پر حج لازم ہے مجھے بھی لے چلئے وہ مجھے لیکر رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر حج لازم ہے اور ابو معقل کے پاس جوان اونٹ موجود ہے وہ مجھے سواری کیلئے دلوا دیجئے۔ ابو معقل نے کہا یہ اونٹ تو میں اللہ کی راہ میں دے چکا ہوں ثواب صدقہ (خیرات یا زکوٰۃ) سے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کو دے دو یہ اس پر سوار ہو کر حج کو چلی جائے۔ حج بھی فی سبیل اللہ ہے (یعنی راہ خدا کے لفظ میں حج بھی داخل ہے یا سبیل اللہ سے حج ہی مراد ہے) اس حدیث کی اس روایت میں ایک راوی ابراہیم بن مہاجر بھی ہے جس کے ثقہ ہونے میں کلام ہے۔ ابوداؤد اور امام احمد نے دوسری سند سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حج وداع کا ارادہ کیا اس زمانہ میں ہمارا ایک اونٹ تھا ابو معقل نے اس کو راہ خدا میں مقرر کر دیا (یعنی کہہ دیا کہ یہ فی سبیل اللہ ہے)

اس کے بعد ابو معقل بیمار ہو کر مر گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ حج کو چلے گئے حج کر کے واپس تشریف لائے تو میں خدمت گرامی میں حاضر ہوئی فرمایا معقل کی ماں تو حج کو ہمارے ساتھ کیوں نہیں گئی کیا مانع ہو گیا میں نے عرض کیا ہم نے تیاری تو کی تھی لیکن معقل کے باپ مر گئے۔ معقل کے باپ کے پاس ایک اونٹ بھی تھا جس پر ان کو حج کو جانا تھا مگر انہوں نے اس اونٹ کو راہ خدا میں دینے کی وصیت کر دی فرمایا تو اسی پر سوار ہو کر کیوں نہ چلی حج بھی تو اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔

امام شافعی نے حضرت ابوہریرہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) تم خالد پر ظلم کر رہے ہو اس نے تو اپنے اسلحہ اور ہتھیار وقف کر رکھے ہیں، میں کہتا ہوں جب فقر تمام مصارف زکوٰۃ میں ضروری ہے (اور ہر مصرف زکوٰۃ کا غریب ہونا لازم ہے)۔ تو بہتر یہی ہے کہ سبیل اللہ کے لفظ کو نہ صرف جہاد کے لیے مخصوص قرار دیا جائے نہ حج کے لیے مخصوص قرار دیا جائے بلکہ عام چھوڑ دیا جائے خواہ کوئی مصرف خیر ہو سب کو یہ لفظ شامل ہے لہٰذا غریب طالب علموں کو جو زکوٰۃ دیتے ہیں وہ بھی فی سبیل اللہ ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

وَابْنِ السَّبِيلِ　　اور مسافروں کے لیے۔ ابن السبیل سے مراد مسافر ہیں اگر کسی مسافر کے پاس اتنا مال نہ ہو جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جائے خواہ وہ سفر کی حالت میں ہو یا سفر کا ارادہ کر رہا ہو اور ناداری کی وجہ سے سفر نہ کر سکتا ہو۔

اگر کسی کے پاس اور اس کے قبضہ میں اتنا مال ہو جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو اور منزل مقصود پر وہ پہنچ سکتا ہو تو اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے خواہ وہ سفر میں ہو یا بر سر سفر۔

اگر کسی کے پاس وطن میں تو بہت مال ہو مگر سفر میں ساتھ اتنا مال نہ ہو کہ منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہو اور نہ اتنا مال ہو جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو تو اس کو بالاتفاق زکوٰۃ دی جاسکتی ہے امام اعظم کے نزدیک ابن السبیل سے اسی قسم کا مسافر مراد ہے زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے لیے امام اعظم کے نزدیک فقر قبضہ کافی ہے یعنی اس کے قبضہ میں اتنا مال نہ ہو جو زکوٰۃ کے استحقاق سے محروم

کر دے۔ خواہ ملکیت میں کتنا ہی مال ہو (بغیر قبضہ کی) ملکیت استحقاق زکوٰۃ سے مانع نہیں لہٰذا جو مال دار شخص اپنے وطن میں ہو (مگر اپنے مال پر اس کا قبضہ نہ ہو) یا دوسروں پر اس کا مال قرض ہو (اور قبضہ میں نہ ہو) تو امام صاحب کے نزدیک ایسا شخص (باوجود مالک مال ہونے کے) نادار اور مفلس ہے جیسے مال دار مسافر (نادار۔ حالت) سفر میں مفلس کذا فی المحیط اگر کسی کا مال وطن میں بہت ہو مگر سفر میں اس کے پاس صرف اتنا ہو کہ وطن تک پہنچ سکتا ہو اور جو مال بحالت سفر اس کے پاس ہو وہ نصاب زکوٰۃ سے کم ہو اس صورت میں اس کے لیے زکوٰۃ کا مال لینا درست نہیں یہ مسئلہ سب علماء کا مُسَلَّمہ ہے اور اگر اس کے برعکس ہو۔ یعنی وطن میں بہت مال ہو اور سفر میں اس کے پاس نصاب زکوٰۃ کی بقدر ہو مگر اتنے مال سے وہ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکتا ہو۔ ایسے شخص کے لیے بھی امام اعظم کے نزدیک زکوٰۃ لینا جائز نہیں خواہ سفر کی حالت ہو یا بر سر سفر ہو اور پال دور ہو یا قریب امام شافعی جواز کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال مباح کرنے والی چیز فقر ہے اور یہ شخص فقیر نہیں ہے (نصاب زکوٰۃ کے بقدر اس کے پاس مال موجود ہے منزل مقصود پر پہنچ سکنے یا نہ پہونچ سکنے کو زکوٰۃ کا مال لینے نہ لینے میں کوئی دخل نہیں) امام شافعی کے نزدیک زکوٰۃ لینے کے جواز کی علت ارادہ سفر ہے بشرطیکہ اس کے پاس (ارادہ سفر کے وقت) اتنا مال نہ ہو کہ مسافت سفر طے کر سکتے کیونکہ ابن السبیل مصارف زکوٰۃ کا ایک مستقل فرد ہے فقر کا اس میں اعتبار نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں مصرف زکوٰۃ سات ہیں اور یہ سب فقر کے اصناف ہیں (ہر صنف میں فقر کی موجودگی ضروری ہے) حقیقتاً فقراء ہی مصرف زکوٰۃ ہیں (جہاں فقر پایا جائیگا۔ اور کوئی مانع نہ ہو گا وہاں زکوٰۃ کا لین دین جائز ہو گا) مذکورہ اصناف کو زکوٰۃ کا استحقاق محض فقر کی صورت میں ہوتا ہے ہاں محصلین زکوٰۃ کے لیے غنی نہ ہونے کی شرط نہیں ہے کیونکہ محصلین زکوٰۃ کو (ان کے کام کی اجرت اور محنت کے بقدر گذارا حق) دینے والے حقیقت میں فقراء ہیں (اور وصول کنندہ فقراء کے نائب یا وکیل اور ایجنٹ ہیں جو فقراء کی طرف سے وصول کرتے ہیں ان کے خود مالدار یا نادار ہونے کو کوئی دخل نہیں) در اصل یہ فقراء کے مال میں سے اپنا حق محنت لینے والے ہیں (دولت مندوں کی زکوٰۃ میں سے کچھ نہیں لیتے) اور فقراء کا حصر انہی سات اقسام میں نہیں ہے صرف ان اصناف کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے ان کا ذکر کیا گیا ہے تو گویا آیت میں زکوٰۃ کا مستحق صرف فقراء کو قرار دیا گیا ہے (خواہ کوئی صنف ہو اور کسی قسم کا فقیر ہو) البتہ کوئی سبب ترجیحی ہونا چاہیے۔

تاکہ جس صنف کے فقیر کو زکوٰۃ دی جائے اس کو دوسری اصناف پر راجح حق حاصل ہو جائے لہٰذا وہ مسکین جو کسی سے سوال نہیں کرتا سوال کرنے والوں سے ترجیح رکھتا ہے اور مسافر فقیر مقیم فقیر سے زیادہ حاجت مند اور قابل ترجیح ہوتا ہے۔ اسی طرح مجاہد، حاجی، مکاتب اور مولفۃ القلوب دوسروں سے زکوٰۃ کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حاجی کو حج کے لیے ______ دینے میں حج کی اعانت ہوتی ہے اور حج اسلام کا ایک رکن ہے اور مجاہد کو جہاد کے لیے دینے میں جہاد کرنے کی امداد ہو گی اور جہاد اسلام کے کوہان کی چوٹی ہے اور بردوں کی گردن رہا کرانے کے لیے دینے سے بہت سی بھلائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ترجیحی اسباب یہی ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں ان اسباب ترجیح کا ذکر تو ہم نے بطور تمثیل کیا ہے اسباب ترجیح اور بھی ہیں جیسے قرابت اور رشتہ داری رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جس کو دینے کے بعد غنا قائم رہے اور دینا اپنے عیال سے شروع کر۔ رواہ البخاری من حدیث ابی ہریرہؓ و مسلم من حدیث حکیمؓ بن حزام۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دینار وہ ہے جو تو نے راہ خدا میں خرچ کیا ایک دینار وہ ہے جو تو نے کسی بردہ کی گلو خلاصی کے لیے خرچ کیا ایک دینار وہ ہے جو کسی مسکین کو تو نے بطور خیرات دیا ایک دینار وہ ہے جو تو اپنی گھر والوں کے صرف میں لایا سب سے بڑے اجر والا وہ دینار ہے جو تو اپنے گھر والوں کی صرف میں لایا۔ رواہ مسلم۔

حضرت میمونہ بنت حارث کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں میں نے ایک باندی آزاد کی اور حضور ﷺ کی خدمت میں اسکا ذکر کیا۔ فرمایا اگر تو وہ اپنی ماموؤں کو دے دیتی تو تیرے لیے بڑا ثواب ہوتا رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما۔

حضرت سلیمان بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا، مسکین کو خیرات دینی ایک خیرات ہے اور رشتہ دار کو

دوہری خیرات ہے ایک تو (معمولی) خیرات دوسرے کنبہ پروری۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بیر حاء (کا باغ) مجھے اپنے مال میں سب سے زیادہ پسند ہے اور یہ اللہ کے نام پر میں خیرات کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کی نیکی اللہ کے پاس میرے لیے جمع رہے گی اب آپ اس میں جیسے اللہ بتائے تصرف کیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے نزدیک تو مناسب یہ ہے کہ تم اس کو اپنے قرابت داروں کو دیدو۔ حسب ہدایت ابو طلحہ نے وہ (باغ) اپنے قرابت داروں اور چچازادوں کو تقسیم کر دیا۔ متفق علیہ۔

رشتہ ولادت اور تعلق زوجیت رکھنے والوں کو زکوٰۃ دینی امام ابو حنیفہ کے نزدیک درست نہیں (بیٹا، بیٹی ماں باپ کو والدین اولاد کو بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے) شرعاً اور عرفاً ان کے منافع کی املاک مشترک ہوتے ہیں (اولاد و والدین اور زوجین کا باہمی فائدہ اور ضرر ایک ہی مانا جاتا ہے) اس لیے تملیک کامل طور پر نہیں ہو سکتی (ایک کی ملک سے مال خارج ہو کر دوسرے کی ملک میں کامل طور پر داخل نہیں ہوتا)۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰی یعنی خدیجہ کے مال کے ذریعے سے آپ کو اللہ نے غنی بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ رشتہ ولادت کے دوسرے قرابت داروں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے بلکہ اہل قرابت کو دینا افضل ہے اس میں کنبہ پروری بھی ہے اور خیرات بھی۔ بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ سب مستحق زکوٰۃ ہیں۔

اگر بعض قرابت دار زیر کفالت ہوں ان کے خرچ کی صاحب مال کفالت کرتا ہو اور قاضی نے ان کا خرچ اس کے ذمہ مقرر نہ کیا ہو تو بہ نیت زکوٰۃ ان کو کچھ دینے اور زکوٰۃ کے مال سے ان کی پرورش کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے ہاں اگر قاضی نے ان کا خرچ اس پر مقرر کر دیا ہو اور یہ ان کی پرورش کرتا ہو تو ان کو بہ نیت زکوٰۃ کچھ دینے سے بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں ایک واجب کی ادائیگی دوسری واجب کے ضمن میں ہونی لازم آئے گی یعنی ادائیگی ایک فرض کی کرے اور سقوط دو فرضوں کا ہو اور یہ ناجائز ہے۔ ہاں اگر زکوٰۃ کی رقم کو مقررہ پرورش کی رقم میں محسوب نہ کرے گا اور پرورش جدا رقم سے کرے گا تو چونکہ تملیک کامل طور پر ہو جائے گی اس لیے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ایسے قرابتداروں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں جن کے مصارف پرورش زکوٰۃ دینے
کیونکہ زکوٰۃ دینے والے پر تو ان زکوٰۃ
والے کے ذمہ ہوں
پانے والے کے تمام ضروری مصارف ویسے ہی پہلے سے واجب ہیں۔ ہم نے نفقۂ اقارب کے وجوب کا مسئلہ سورۂ بقرہ کی آیت وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ کی تشریح کے ذیل میں بیان کر دیا ہے صاحبین کا قول بھی امام صاحب کے قول کے موافق ہے اتصال املاک ان کے نزدیک بھی ادائے زکوٰۃ سے مانع ہے مگر قیاس کے خلاف صرف حدیث کے اتباع میں یہ دونوں حضرات اس بات کے قائل ہوں کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دیدے تو جائز ہے

حضرت ابن مسعود کی بیوی حضرت زینب کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں دیکھا۔

آپ فرما رہے تھے! عورتوں صدقہ دو خواہ اپنے زیوروں میں سے۔ میں (اپنے شوہر) عبد اللہ کے مصارف اور کچھ یتیموں کے مصارف جو میری گود میں تھے خود برداشت کرتی تھی میں نے عبد اللہ سے کہا رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیجئے کہ زینب عبد اللہ پر اور اپنی گود کے یتیموں پر جو صدقہ (یعنی اپنے مال کی زکوٰۃ) خرچ کرتی ہے۔ کیا اس کی طرف سے (ادائیگی زکوٰۃ کے لیے) یہ عمل کافی ہو جائے گا عبد اللہ نے جواب دیا تم خود رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لو چنانچہ میں خود رسول اللہ کے طرف گئی وہاں مجھے ایک انصاری عورت ملی جس کا کام بھی میرے کام ہی کے طرح تھا اتنے میں ہماری طرف سے بلال گذرے میں نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ سے اتنا مسئلہ پوچھ دیجئے کہ میں جو اپنے شوہر اور اپنے یتیموں پر جو میری زیر پرورش ہیں (اپنے مال کا) تصدق کرتی ہوں کیا وہ میرے لیے کافی ہو جائے گا مگر ہمارے نام نہ بتانا بلال خدمت گرامی میں چلے گئے اور مسئلہ دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا وہ دونوں کون عورتیں ہیں حضرت بلال نے عرض کیا (ایک تو) زینب ہے فرمایا کونسی زینب بلال

نے کہا عبداللہ کی عورت فرمایا ہاں اس کے لیے دوہرا ثواب ہے ایک قرابت کا دوسرا صدقہ (خیرات یا زکوٰۃ) کا بخاری کے بیان میں معمولی تبدیلی ہے ابوداؤد طیالسی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وہ یتیم اس (زینب) کے بھتیجے اور بھانجے ہیں۔ نسائی کے بیان میں علقمہ کی روایت سے یہ الفاظ آئے ہیں کہ دونوں عورتوں میں ایک کے پاس فاضل مال ہے اور اس کے زیر پرورش کچھ یتیم بھتیجے ہیں اور دوسری کے پاس بھی فاضل مال ہے اور اس کا شوہر نادار و بے روزگار ہے۔

اس حدیث میں حضرت زینب کا یہ دریافت کرنا کہ یہ صرف کرنا میری طرف سے کافی ہو جائے گا بتا رہا ہے کہ صدقہ سے مراد اس حدیث میں واجب صدقہ (زکوٰۃ) ہے کیونکہ کافی ہونے نہ ہونے کا سوال زکوٰۃ ہی کے سلسلہ میں کیا جاسکتا ہے۔

حنیفہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں لفظ صدقہ سے نفل صرف خیر مراد ہے جس کے لیے رسول اللہ ﷺ عورتوں کو ترغیب دے رہے اور نصیحت فرما کر ان کی اصلاح کر رہے تھے۔ رہا کافی ہونے کا لفظ تو فقہاء کی جدید اصطلاح میں اگرچہ اس کا اکثر استعمال واجب میں ہی کیا جاتا ہے لیکن (لغوی اعتبار سے) واجب اور غیر واجب دونوں معنی میں اس کا استعمال آتا ہے کیونکہ لغت میں اجزا کا معنی ہے کفایت اور کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی اللہ کا قرب (اور دوزخ سے دوری) کیا اسی غرض کے حصول کے لیے شوہر اور یتیم بچوں پر خرچ کرنا کافی ہوگا اور یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ حدیث مذکور میں صدقہ سے مراد جو نفل خیرات حنیفہ کے نزدیک ہے اور اس کی جس طرح توجیہ کی گئی ہے اس کی تائید میں طحاوی نے مندرجہ ذیل روایات کو بھی پیش کیا ہے۔

رائطہ بنت عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی دست کار تھی اور حضرت ابن مسعود کے پاس مال نہ تھا اس لیے رائطہ ہی ان کا اور ان کے بچوں کا خرچ چلاتی تھی (ایک روز) حضرت ابن مسعود سے کہنے لگی آپ نے اور آپ کے بچوں کے خرچ نے تو مجھے صدقہ (خیرات کرنے) سے روک دیا تمہارے خرچ کی موجودگی میں تو میں خیرات کر ہی نہیں سکتی حضرت عبداللہ نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ تم ہم پر خرچ کر کے (خیرات کے) ثواب سے محروم رہو چنانچہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور رائطہ نے رسول اللہ سے عرض کیا۔ میں دست کار عورت ہوں دست کاری سے جو کچھ تیار کرتی ہوں اس کو فروخت کر دیتی ہوں (اس طرح میری کمائی ہو جاتی ہے) مگر میرے بچے اور شوہر کا کوئی مال نہیں ہے (ان سب کا خرچ میں چلاتی ہوں اور) ان کا خرچ مجھے خیر خیرات کرنے سے روک دیتا ہے کیا ان پر صرف کرنے کا مجھے کوئی ثواب ملے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو کچھ تم ان پر صرف کرو گی اس کا ثواب تم کو ملے گا تم ان پر خرچ کیا کرو۔ طحاوی نے لکھا ہے کہ یہ رائطہ وہی زینب زوجہ ابن مسعود تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں زینب کے علاوہ کسی دوسری عورت کا حضرت عبداللہ کی بیوی ہونا ثابت نہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک روز صبح کی نماز سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ عورتوں (کے گروہ) کی طرف تشریف لائے اور فرمایا اے گروہ زناں تم (عورتوں) سے زیادہ ناقص العقل ناقص الدین اور دانشمندوں کی دانش کو زائل کرنے والا میں نے کسی اور (چیز) کو نہیں پایا۔ میں نے دیکھا کہ قیامت کے دن دوزخ والوں میں تمہاری ہی تعداد زیادہ ہوگی اس لیے جس قدر تم سے ہو سکے (خیر خیرات کر کے) اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو عورتوں کے گروہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی بیوی بھی موجود تھی وہ یہ فرمان سن کر پلٹ کر حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا بیان کیا پھر اپنی چادر لے کر چلدی ابن مسعودؓ نے پوچھا ارے یہ (زیور یا لباس) لے کر کہاں جا رہی ہے کہنے لگی میں اس کو خیرات کر کے اللہ اور اس کے رسول کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کروں گی شاید اللہ مجھے دوزخ سے بچا لے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا ارے ادھر آ۔ اس کو مجھ پر اور میرے بچوں پر بطور خیرات خرچ کر (تجھے اللہ ثواب دے گا) کہنے لگی نہیں خدا کی قسم (ایسا نہیں ہو سکتا پہلے) میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر دریافت کر لوں۔ الحدیث (جب ابن مسعودؓ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے جا کر دریافت کیا تو) حضور ﷺ نے فرمایا اس کو اس پر اور اس کی اولاد پر بطور خیرات خرچ کر وہی لوگ اس کا محل ہیں (یعنی اول ان کا حق ہے وہی محل خیرات ہیں) بخاری نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ

کے دن رسول اللہ ﷺ عیدگاہ کو تشریف لے گئے اور نماز کے بعد لوگوں کو نصیحت کی اور صدقہ (خیر خیرات) دینے کا حکم دیا پھر عورتوں کی طرف سے گذرے اور فرمایا اے گروہ زناں خیر خیرات کرو مجھے دکھایا گیا ہے کہ دوزخیوں میں تمہاری ہی تعداد زیادہ ہے عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیوں ہے فرمایا تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ الحدیث) اسی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی بیوی نے کہا میرے پاس زیور ہے میں اس کو خیرات کرنا چاہتی ہوں۔ ابن مسعود نے کہا میں اور میرے بچے اس (خیرات) کے زیادہ مستحق ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا ابن مسعودؓ نے سچ کہا تیرا شوہر اور تیرے بچے اس خیر خیرات کے دوسروں سے زیادہ حقدار ہیں۔

طحاوی نے یہ احادیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ سے مراد خیرات ہے پہلی حدیث میں آیا ہے کہ ابن مسعودؓ کی بیوی نے کہا میں دست کار عورت ہوں دستکاری کر کے فروخت کرتی ہوں ان الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ نصاب زکوٰۃ کی مالک نہ تھی کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی (صرف دستکار تھی جس گھر کا خرچ چلاتی تھی) دوسری حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ اپنا کل زیور صدقہ (خیرات) کرنا چاہتی تھی اور کل زیور کی خیرات بطور زکوٰۃ نہیں ہو سکتی۔ پھر تینوں احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ اپنی اولاد کو صدقہ دینا جائز ہے حالانکہ باجماع علماء اولاد کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں صدقہ سے مراد خیرات ہے۔

حافظ ابن حجر نے طحاوی کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ کسی عورت کا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینے کا عدم جواز قابل تسلیم نہیں بلکہ جمہور کی نزدیک زکوٰۃ سے مانع تو صرف یہ ہے کہ لینے والے کا نان نفقہ اور پرورش دینے والے پر (پہلے سے) واجب ہو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ورنہ باپ کے ہوتے ہوئے ماں پر اولاد کا خرچ تو واجب نہیں۔ دوسرے استدلال کا ابن حجر نے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ کل زیور اتنا ہی ہو جتنی زکوٰۃ عورت پر واجب تھی میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعودؓ کی بیوی سے تعلق رکھنے والی تمام احادیث کو ایک ہی قصہ

پر محمول کرنا سراسر تکلیف ہے بلکہ یہ دو بلکہ متعدد واقعات مختلف اوقات میں ہوئے تھے کذا قال الحافظ ابن حجر۔ رسول اللہ ﷺ کا عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کو جانا اور نماز کی بعد وعظ کہنا الگ واقعہ ہے اور مسجد کے اندر فجر کی نماز سے فارغ ہو کر نصیحت کرنا جدا واقعہ ہے اور یتیموں کی پرورش کرنا جو زوجہ ابن مسعود کے بھانجے تھے الگ قصہ ہے۔ پھر بعض روایات میں ابن مسعودؓ کی یہ الفاظ آئے ہیں کہ مجھ پر اور میری اولاد پر تصدق کر اور بعض روایات میں یوں آیا ہے میں نہیں پسند کرتا کہ تو ہم پر تصدق کرے اور تجھے ثواب نہ ملے۔ اب اگر ہم دو قصے تسلیم کر لیں تو (مطلب صاف ہو جائے گا) ایک قصہ میں تو صدقہ واجب (زکوٰۃ) کے متعلق زوجہ ابن مسعود کا سوال ہو گا کیونکہ صدقہ نفل (خیرات) کا حکم جب زوجہ ابن مسعودؓ کو معلوم ہو چکا تھا تو دوبارہ صدقہ نافلہ کے متعلق دریافت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اس کے علاوہ یہ کہ جب زینب نے سوال کیا کہ میں اگر اپنے شوہر پر تصدق کروں تو کیا میری طرف سے یہ کافی ہو جائے گا اور اس کی جواب میں حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ ہاں دوہرا ثواب ہو گا۔ اس سوال جواب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ صدقہ سے مراد عام صدقہ تھا (واجب زکوٰۃ ہو یا خیر خیرات) ہر ایک کے کافی ہونے کے متعلق سوال و جواب تھا۔

صدقات کے ترجیحی اسباب میں سے ایک مرجح سبب ہمسائیگی بھی ہے حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پڑوسی سے سلوک کے متعلق جبرئیل مجھے اتنی مسلسل نصیحت کرتے رہے کہ میرا خیال ہوا شاید وہ ہمسایہ کو وارث بنا دیں گے رواہ احمد والبخاری و مسلم وابوداؤد والترمذی۔ حضرت عائشہ کی روایت سے بھی یہ حدیث امام احمد اور شیخین اور اصحاب السنن نے بیان کی ہے مسلم نے حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے جب شوربہ پکاؤ تو پانی بڑھا دیا کرو اور پڑوسیوں کا خیال رکھا کرو۔

منجملہ اسباب مرجحہ کے عیال داری کی وجہ سے بھوک کی شدت بھی۔ (ہے بلکہ سخت بھوکے کو پیٹ بھر کر کھلانا بھی افضل ہے) حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ (خیرات) یہ ہے کہ تم جو کے جگر کو سیر کر کے کھلا دو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

سائل کا سوال بھی ایک مرجح سبب ہے اللہ نے فرمایا ہے وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ سائل کو نہ جھڑکو رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا سائل کا حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے رواہ احمد و ابوداؤد بسند صحیح ابوداؤد نے حضرت علی کی روایت سے اور
طبرانی نے ہرماس بن زیاد کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت ام بجید کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
سائل کو (کچھ دے کر) لوٹاؤ خواہ جلی ہوئی کھری ہی ہو۔ رواہ مالک والنسائی و ترمذی اور ابوداؤد نے اس کو مرسلاً بیان کیا ہے۔

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ سب سے برا کون آدمی ہے سب سے برا وہ
شخص ہے کہ اس سے اللہ کے واسطے سوال کیا جائے اور وہ نہ دے۔

یتیمی اور قید بھی ترجیحی اسباب میں سے ہے اللہ نے فرمایا ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا
وَأَسِيرًا" اور اللہ کی محبت میں یا کھانے کی محبت ہوتے ہوئے وہ مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ان کے علاوہ ترجیحی اسباب کا علم آیات اور احادیث کی تفصیل سے ہوتا ہے۔

(ساتوں) اصناف مذکورہ کو فقراء کے ذیل میں جو ہم نے مندرج کیا ہے یہ امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء کے خیال کی موافق
ہے کیونکہ ان حضرات نے تمام اصناف میں فقر کو ضروری قرار دیا ہے۔

امام شافعی فقراء کو ایک مستقل صنف قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مصارف زکوٰۃ کے آئے مستقل اصناف ہیں اسی لیے
وہ کسی دوسری صنف فقر کو لازم نہیں قرار دیتے بلکہ مولفۃ القلوب مکاتب، قرضدار مجاہد اور مسافر کو باوجود ان کے غنی ہونے
کے زکوٰۃ دینا جائز کہتے ہیں اور استدلال میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جو عطاء بن یسار سے مرسلاً" مروی ہے کہ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا سوائے پانچ کے اور کسی غنی کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں۔ (۱) مجاہد فی سبیل اللہ (۲) محصل زکوٰۃ (۳) قرضدار (۴)
وہ شخص جس نے زکوٰۃ کا مال قیمت دے کر خرید لیا ہو اور وہ شخص جس کا ہمسایہ کوئی غریب آدمی ہو اور اس ہمسایہ کو کسی نے زکوٰۃ
دی ہو اور اس غریب نے کسی غنی (ہمسایہ وغیرہ) کو زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ ہدیہ کے طور دے دیا ہو۔ رواہ مالک و ابوداؤد۔ میں
کہتا ہوں اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے زید بن اسلم کے قول میں اختلاف ہے ایک قول میں آیا ہے کہ
زید بن اسلم نے عطاء کی روایت سے بیان کیا اور عطاء نے مرسلاً" بغیر ذکر صحابی کے) بیان کیا جیسا کہ امام مالک نے موطاء
میں لکھا ہے اور موطاء سے ابوداؤد نے نقل کیا ہے دوسرے قول میں آیا ہے کہ زید نے بروایت لیث بیان کیا ہے۔ تیسری قول
میں ہے کہ زید نے بروایت عطا اور عطا نے حضرت ابو سعید کی روایت سے بیان کیا یہ تمام روایات ابوداؤد میں مذکور ہیں۔

متن حدیث میں اضطراب کا ثبوت یہ ہے کہ عطاء کی مرسلاً" روایت سے جو حدیث بیان کی گئی ہے وہ تو اوپر ذکر کر دی
گئی ہے لیکن ابوداؤد نے عمران بارقی کی وساطت سے عطاء کی روایت از ابو سعید خدری ان الفاظ میں بیان کی رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا زکوٰۃ کسی غنی کے لیے حلال نہیں سوائے مجاہد فی سبیل اللہ کے یا مسافر کے یا اس غریب ہمسایہ کے ہدیہ کے جس کو زکوٰۃ کا مال
ملا ہو اور وہ بطور ہدیہ تم کو دیدے یا تمہاری دعوت کر دے ابن ہمام نے لکھا ہے بعض علماء کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں اور
ثبوت بھی ہے تو حضرت معاذ والی حدیث کے برابر قوی نہیں اور اگر اس کی برابر قوت بھی مان لی جائے تب بھی حدیث معاذ قابل
ترجیح ہے کیونکہ وہ ممانعت کی حدیث ہے اور یہ اباحت کی (یعنی معاذ کی حدیث میں غنی کو زکوٰۃ کا مال دینے کی ممانعت ہے اور اس
حدیث میں غنی کے بعض اقسام کو زکوٰۃ کا مال لینے کی اجازت ہے) اور حکم ممانعت حکم اباحت پر ترجیح رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ
اباحت کا حکم بھی تاویل کا محتاج ہے۔ مجاہد کو زکوٰۃ کا مال لینا اس وقت جائز کیا گیا ہے جب اس کا کچھ حصہ سرکاری رجسٹر یا مال گودام
میں نہ ہو اور نہ اس نے فئے میں سے کچھ لیا ہو حالانکہ حدیث میں عموم ہے (مجاہد کے لیے جواز زکوٰۃ کی یہ شرط نہیں ہے) اور
ظاہر ہے کہ جو حدیث محتاج تاویل ہو (اور شروط قیاسیہ کا ساتھ مشروط ہو) وہ اس حدیث کے مقابلہ میں ضعیف ہوتی ہے جو محتاج
تاویل نہ ہو۔

امام شافعی کے مسلک کی دلیل میں ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے جس کے راوی زیاد بن حارث صدائی ہیں، صدائی کا
بیان ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت کی یہ حدیث لمبی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک

شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صدقہ کے مال میں سے مجھے کچھ عنایت کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ نے صدقات (کے مصرف) کا اختیار نہ کسی نبی کو دیا نہ غیر نبی کو بلکہ خود ہی حکم دے دیا اور اس کے آٹھ مصرف کر دیئے۔ اب اگر تم ان میں سے کسی میں داخل ہو تو میں تم کو دے دوں گا رواہ ابوداؤد۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی عبداللہ بن عمر بن غانم افریقی ہے جس کو ذہبی نے مجہول الحال کہا ہے اور ابن حبان نے مبہم قرار دیا ہے اور اس کے شیخ عبدالرحمٰن بن زیاد کو بھی ابن معین اور نسائی نے ضعیف کہا ہے۔ دار قطنی نے کہا یہ قوی نہیں ہے اور احمد بن حنبل نے اس کی تضعیف کی ہے۔

جب احناف کا مسلک (ثابت ہو گیا اور) معلوم ہو گیا کہ مصرف زکوٰۃ صرف فقراء ہیں اور باقی ساتوں اصناف فقراء ہی کی اقسام ہیں تو اس صورت میں ایک ہی صنف بلکہ ایک شخص کو زکوٰۃ کا کل مال دے دیا جائے تو جواز میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اگر ہم فقراء کی ساتوں اقسام کو فقراء سے الگ مستقل اصناف قرار دیں (اور کل مصرف زکوٰۃ آٹھ کہیں) تب بھی تعیین صنف بلکہ تعیین شخص جائز ہونا چاہیے مگر امام شافعی دوسرے اصناف کی موجودگی میں صرف ایک ہی صنف کو کل مال زکوٰۃ دینے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر محصل زکوٰۃ سرکار کی طرف سے مقرر ہو اور امام موجود ہو تو آٹھوں اقسام کو دینا ضروری ہے اور سرکاری محصل نہ ہو تو سات اقسام کو تقسیم کرنا لازم ہے عامل کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مولفۃ القلوب کا حصہ چونکہ ساقط ہو چکا ہے اس لیے (مولفۃ القلوب اور محصلین زکوٰۃ کے علاوہ باقی) چھ اصناف کو زکوٰۃ کا مال تقسیم کیا جائے گا اگر بعض اقسام نہ ہوں تو جو اصناف موجود ہوں انہی کو تقسیم کر دیا جائے۔ مگر ہر صنف کا حصہ برابر رکھنا واجب ہے۔

اگر حاکم وصول شدہ زکوٰۃ کا مال تقسیم کرے تو ہر صنف کے تمام افراد کو تقسیم کرے اور مالک مال خود تقسیم کرے تو شہر کے اندر موجود تمام مستحقوں کو دے بشرطیکہ ان سب کے لیے مال پورا ہو جائے ورنہ (ہر صنف کے) تین آدمیوں کو دیدے اگر وہاں تین یا زائد افراد موجود ہوں اگر کسی صنف کا ایک ہی آدمی شہر میں ہو تو اس صنف کا پورا حصہ اسی کو دیدے مگر شرط یہ ہے کہ صنف کا پورا مال دینے سے وہ حد استحقاق سے خارج نہ ہو جائے (یعنی بقدر حاجت دیا جائے) اگر کچھ مال دینے سے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور کچھ مال فاضل بچ رہے تو باقی لوگوں کو (جن کا تعلق مختلف اصناف سے ہو) دوبارہ تقسیم کر دے۔

اصناف کے حصے برابر ہونے چاہئیں افراد کے حصوں میں برابری ضروری نہیں ہاں اگر حاکم تقسیم کرے اور ہر شخص کی ضرورت برابر ہو تو کمی بیشی ناجائز ہے۔

امام شافعی نے الام میں لکھا ہے کہ لِلْفُقَرَاءِ میں لام استحقاق کا ہے اللہ نے آٹھوں اقسام کو زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا ہے لہٰذا ہر صنف کو دینا واجب ہے اور چونکہ ہر صنف پر الف لام استغراقی آیا ہے۔ اس لیے ہر صنف کے تمام افراد کو دینا واجب ہے بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو مثلاً ہر صنف کے تمام افراد اس شہر میں موجود ہوں اور مال بھی سب کے لئے کافی ہو اگر سب کو دینا ممکن نہ ہو تو ہر صنف کے تین افراد کو دینا ضروری ہے تاکہ جمع کے صیغہ کا مفہوم قائم رہے۔

ہم کہتے ہیں ہر صنف پر جو الف لام لایا ہے وہ استغراقی نہیں ہو سکتا ہر زکوٰۃ کو سارے جہان کے فقراء کو دینا ناممکن ہے اور اپنے شہر کے فقراء کے لیے زکوٰۃ کی تخصیص خود ساختہ ہے (جو وضع لغت کے خلاف ہی اور مجاز ہے) یہ مفہوم مراد ہو سکتا ہے شہر کی خصوصیت کا کوئی قرینہ بھی نہیں اس لئے نہ استغراق حقیقی ہو سکتا ہی نہ استغراق عرفی عہدی) اس کی علاوہ جب شہر کے ضرورت مندوں کا حصر ممکن نہ ہو تو بالاجماع تین سے زیادہ اشخاص کو دینا واجب نہیں اگر لام استغراقی ہوتا تو سب کو دینا ضروری قرار پاتا یا کم سے کم ان سب کو دینا تو واجب ہوتا جن کو پانا ممکن ہوتا مثلاً اگر ہر صنف کا حصہ سو روپیہ نکلتا اور شہر کے ضرورت مندوں کا حصر ممکن نہ ہوتا تو ضروری قرار پاتا کہ سو فقیروں کو (جن کو پانا ممکن ہوتا) دیا جاتا تین کی تعداد (جو جمع کا ادنیٰ درجہ

ہے) کیوں کافی سمجھی جاتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ الف لام جنس کا ہے اور جنسیت جمعیت کے خلاف ہے لہٰذا جماعت فقراء کو دینا ضروری نہیں ایک فرد بھی کافی ہے خواہ کوئی ہو۔ اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ جمعیت باقی ہے تو جب جمع کا جمع سے مقابلہ ہوتا ہے تو اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ اکائیوں کا اکائیوں سے مقابلہ ہو پس تقسیم آحاد پر ضروری ہے۔ اس کی علاوہ امام شافعی کا یہ فرمانا کہ لام جر استحقاق کو ظاہر کر رہا ہے نا قابل تسلیم ہے لام جر استحقاق کے لیے نہیں اختصاص کے لیے ہوتا ہے اور اختصاص عام ہے خواہ بطور ملکیت ہو یا بطور استحقاق۔ لام اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ یہ ہے مصرف زکوۃ ہیں دوسرے مصرف زکوۃ نہیں۔ ہمارے اس قول کی تائید احادیث و آثار سے بھی ہوتی ہے۔ بیہقی اور طبرانی نے حضرت ابن عباس کا قول اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے کہ جس صنف کو تو دیدے تیرے لیے کافی ہے (یعنی ہر صنف کو دینا ضروری نہیں) طبرانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فرض زکوۃ لے کر ایک ہی صنف کو (بھی) دے دیا کرتے تھے۔

ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس مال لیا اور آپ نے ایک ہی صنف یعنی مولفۃ القلوب کو دے دیا اہل یمن سے زکوۃ وصول کی جاتی تھی حضرت معاذ نے یمن سے جو سونا بھیجا وہ رسول اللہ ﷺ نے اقرع بن حابس عیینہ بن حصن علقمہ بن علاثہ اور زید بن الخلیل کو تقسیم کر دیا (یہ سب مؤلفۃ القلوب تھے) پھر مال آیا تو دوسری صنف یعنی قرضداروں کو سب دے دیا قبیصہ بن مخارق خدمت گرامی میں کچھ مانگنے حاضر ہوئے تھے کیونکہ آپ نے اپنے اوپر دوسروں کا کچھ تاوان (دیت یا بدل صلح) برداشت کر لیا تھا حضور نے فرمایا تم ٹھہرے رہو ہمارے پاس زکوۃ کا مال آجائے ہم تم کو دیدیں گے۔ ابن ہمام نے کہا ہمیں کوئی روایت ایسی نہیں ملتی کہ جس میں اس کی قولی یا عملی مخالفت کی گئی ہو۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر حضرت حذیفہ حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ و تابعین کے اقوال و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک صنف کو کل زکوۃ دے دینا جائز ہے۔ تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے ہمارے بعض علماء شافعیہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے میرے والد بھی یہی فتوی دیتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ آیت میں تو یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان اصناف کے علاوہ کسی اور کو زکوۃ نہ دی جائی یہ تو نہیں بیان کیا کہ ان اصناف کو دینا واجب ہے۔

مسئلہ: جو غنی اصناف مذکورہ میں سے نہ ہو اس کو زکوۃ دینی باتفاق علماء جائز نہیں۔ اور جو غنی انہی اصناف میں سے کسی صنف کا فرد ہو اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں یہ مسئلہ اختلافی ہے جس کی تفصیل سطور بالا میں کر دی گئی۔ غنا سے کیا مراد ہے اور جو غنی زکوۃ لینے سے روکتا ہے اس کی کیا حد ہے اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا غنی سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوۃ واجب ہو کسی قسم کا مال ہو۔ بعض علماء نے کہا جس کے پاس صبح شام کا کھانے کو ہے اس کے لیے زکوۃ لینی جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس اتنا ہو جو اس کو غنی (بے نیاز) کر دے اور وہ سوال کرے تو وہ اپنے لیے جہنم کی آگ بڑھا رہا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ غنی کر دینے سے کیا مراد ہے فرمایا جو غنا سوال کرنے سے روکتی ہے (اس سے مراد) صبح شام کے کھانے کی مقدار ہے۔ رواہ ابوداؤد من حدیث سہیل بن حنظلہ۔ ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے بعض علماء نے کہا اگر چالیس درہم (تقریباً" دس روپیہ) کا مالک ہو تو زکوۃ لینی درست نہیں۔ حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایسی حالت میں سوال کیا کہ اس کے پاس ایک اوقیہ کی مقدار تھی تو اس نے الحاف کیا (یعنی اس کو لپٹ چمٹ کر مانگنے والا قرار دیا جائیگا جس کی ممانعت آگئی ہے) راوی کا بیان ہے میں نے خیال کیا کہ میری اونٹنی یاقوتہ تو ایک اوقیہ سے کہیں بڑھ کر ہے اس لئے لوٹ کر خدمت گرامی میں (مسئلہ پوچھنے) حاضر ہوا مگر دریافت نہیں کیا۔ ہشام کے بیان میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں ایک اوقیہ کے چالیس درہم ہوتے تھے رواہ ابوداؤد والنسائی۔ عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس چالیس درہم ہوں اور وہ سوال کرے تو وہ الحاف کرنے والا ہے (الحاف کا معنی ابھی سطور بالا میں بیان کر دیا گیا ہے) بعض علماء کا قول ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم ہوں اس کے لیے زکوۃ حلال نہیں اسحاق اور ابو ثور کا یہی قول ہے ایک روایت میں امام احمد کی طرف بھی اس قول کی

نسبت کی گئی ہے۔ حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس اتنا ہو کہ اس کو غنی کر دے اور وہ سوال کرے تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر خراشیں ہوں گی (یعنی اس کے چہرہ پر گوشت نہ ہو گا خالی ہڈیاں ہوں گی) عرض کیا گیا یا رسول اللہ غنا سے کیا مراد ہے فرمایا (چاندی کے) پچاس درہم یا ان کی بقدر سونا۔ رواہ ابوداؤد النسائی وغیرہما۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ احادیث مذکورہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جس کے پاس صبح شام کا کھانا ہو یا چالیس پچاس درہم ہوں اس کے لیے سوال کرنا حرام ہے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ بغیر سوال کے زکوۃ لینا حرام ہے۔ اور ہم تو اس کے قائل ہیں کہ ایک وقت کی ضرورت کے لیے بھی اگر کھانا موجود ہو تو سوال ناجائز ہے لیکن اگر بغیر سوال کے کوئی شخص زکوۃ کا مال دیدے تو لے لینا جائز ہے۔ صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب کا قول مذکور ہے کہ رسول اللہ مجھے کچھ عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا مجھ سے زیادہ حاجت مند کو دیجئے (میں سب سے زیادہ حاجتمند نہیں ہوں) حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم کو اس مال میں سے کچھ مل جائے اور تم از خود نہ اس کے حریص ہو نہ سائل تو لے لیا کرو ورنہ اس کا پیچھا نہ کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عمر کے پاس صبح شام کا گذارا تو تھا ورنہ ان کو سب سے زیادہ محتاج کہنا پڑے گا (جو واقع کے بھی خلاف ہے اور حضرت عمر کے اس قول کے بھی اَعْطِهِ اَفْقَرَ مِنِّي اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو زکوۃ کا مال بغیر سوال کے لے لینے کا حکم دیا۔ امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک زکوۃ لینے نہ لینے میں قدر کفایت موجود ہونے نہ ہونے کا اعتبار ہے اگر بقدر ضرورت مال نہ ہو خواہ ڈھیروں موجود ہو تب بھی زکوۃ لینی جائز ہے اور اگر بقدر ضرورت ہو خواہ کتنا ہی کم ہو تو زکوۃ لینی ناجائز ہے اگر کوئی شخص کمائی سے لگا ہوا ہو تو ایک درہم بھی اس کو غنی بنا دیتا ہے اور اگر مزدور کثیر العیال ہو تو ہزار درہم بھی اس کو غنی نہیں بنا سکتے۔ بغوی نے امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ اگر اپنی اور اہل وعیال کی ضروریات پوری ہونے کے لائق اس کے پاس مال موجود ہو تو ایسا شخص غنی مانا جائے گا حضرت قبیصہ بن حارث کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبیصہ۔ سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لیے حلال ہے ایک شخص تو وہ جس نے لوگوں کا ضمان تاوان (دیت بدل صلح) اپنے اوپر لے لیا ہو وہ اپنا بار اتارنے کے بقدر سوال کر سکتا ہے (اس سے زیادہ نہ کرے) پھر رک جائے۔

دوسرا وہ شخص جس (کی کھیتی باڑی باغ وغیرہ) پر آفت آگئی ہو اور اس آفت نے اس کے مال کو بالکل تباہ کر دیا ہو۔ یہ شخص بھی اتنا سوال کر سکتا ہے کہ اس کی زندگی درست ہو جائے۔ اس کے بعد سوال سے باز رہے۔

تیسرا وہ شخص جو محتاج ہو گیا ہو (بالکل دیوالیہ ہو گیا ہو) یہاں تک کہ اس کی قوم کے تین دانشمند فیصلہ کر دیں کہ فلاں شخص محتاج ہو گیا ہے ایسے آدمی کو بھی اتنا سوال کرنا حلال ہے کہ اس کی زندگی بن جائے ان کے سوا قبیصہ سوال کرنا حرام ہے اور سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت امام حسین بن حضرت علی علیہ السلام کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کا حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر (سوار ہو کر) آیا ہو۔ رواہ احمد وابوداؤد وغیرہما۔ حدیث میں قواماً" العیش (زندگی کی درستی) کا لفظ آیا ہے اور قوام عیش سے مراد ہے بقدر ضرورت مال لہٰذا جس کے پاس قدر ضرورت موجود ہو خواہ چالیس درہم نہ ہوں اس کے لیے زکوۃ حلال نہیں دوسری حدیث بتا رہی ہے کہ سائل گھوڑے پر سوار ہو کر بھی اگر آئے تو اس کا حق ہے اور گھوڑے پر سوار ہو کر آنے والا (خواہ کتنا ہی مال دار ہو بقدر ضرورت مال دار تو ہو گا) حاجتمند ہی ہو گا۔ لہٰذا ہر حاجتمند کو زکوۃ دینا جائز ہے خواہ اس کے پاس ہزار درہم ہوں۔ اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ دونوں حدیثوں کا اصل مدعیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ اول حدیث میں تو سوال کی جواز و عدم جواز کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بغیر حاجت کے سوال حرام ہے اور حاجت ہو تو جائز ہے لہٰذا جس شخص پر فاقہ (ہو جس کا معیار حسب روایت سہیل بن حنظلہ صبح شام کا کھانا موجود ہوتا ہے تو اس کے لیے سوال حلال نہیں۔ اتنا بھی نہ ہو تو سوال جائز ہے پس جس شخص کو قوام زندگانی حاصل ہو وہ سوال تو نہیں کر سکتا مگر زکوۃ بغیر سوال کے لینا اس کیلئے جائز ہے کیونکہ

آیت انما الصدقات للفقراء میں عموم ہے (اور شخص مذکور اس عموم میں داخل ہے) رہی دوسری حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں سائل کا حق بیان کیا گیا ہے اور گھوڑے پر سوار ہو کر آنے کا ذکر کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ بات بھی تو ممکن ہے کہ گھوڑا اس کی اصلی ضرورت کا ہو مثلاً" وہ شخص مجاہد ہو یا قرض دار ہو یا گھوڑے کی قیمت نصاب زکوٰۃ کے بقدر نہ ہو ان تمام احتمالات کے ہوتے ہوئے جواز زکوٰۃ پر اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ غنی کو زکوٰۃ نہ دینے نہ لینے کے نصوص قطعی ہیں (ان کے خلاف ایسی محتمل المعانی حدیث کو نہیں پیش کیا جا سکتا)۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا غنی وہ شخص ہے جس کے پاس اصلی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد بقدر نصاب زکوٰۃ مال باقی رہے۔ حضرت معاذؓ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ ان کے مال داروں سے لیا جائے اور انہی کے حاجت مندوں کو لوٹا دیا جائے۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ جس کو دیا جائے وہ شخص وہ نہ ہو جس سے لیا جائے لہٰذا صاحب نصاب کو دینا ناجائز قرار پایا (کیونکہ وہ تو دینے والا ہے لینے والا کیسے ہو سکتا ہے) صاحب نصاب کے پاس مال نامی ہو (بڑھوتری والا) یا غیر نامی دونوں صورتیں زکوٰۃ لینے کی ممانعت میں برابر ہیں۔ کیونکہ حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں آیا ہے کہ اوقیہ ہو یا اوقیہ کی مقدار دونوں کا حکم برابر ہے۔ نامی اور غیر نامی کے فرق کا اثر وجوب زکوٰۃ پر پڑتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کھیتی باڑی کے جانوروں میں، سواری، بار برداری کے جانوروں میں اور گھریلو پالتو جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے سہولت آفرین قدرت کے ساتھ وجوب زکوٰۃ کو مشروط کیا ہے۔

رہا ممانعت زکوٰۃ کے لیے ہماری طرف سے یہ شرط لگانا کہ ضروریات اصلیہ کو پورا کرنے کے بعد بقدر نصاب بچ جائے تو اس کی وجہ یہ ہے۔ اگر نصاب زکوٰۃ کی مقدار موجود بھی ہو لیکن فراہمی ضروریات اس سے وابستہ ہو تو اس نصاب کا وجود بھی عدم کی طرح ہے۔ اس کی نظیر میں اس پانی کو پیش کیا جا سکتا ہے جو موجود تو ہو مگر بقدر پیاس ہو ایسے پانی کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اسی لیے باوجود پانی ہونے کے تیمم جائز ہے۔ لہٰذا جو قرض دار مالک نصاب ہو لیکن اس کا نصاب قرض سے زائد نہ ہو یا مجاہد ہو (اور مالک نصاب ہو) یا مسافر ہو اور اس کے گھوڑے کی قیمت بقدر نصاب زکوٰۃ ہو یا کوئی عالم ہو اور مطالعہ مسائل یا درس کی ضرورت کے لیے اس کے پاس کتابیں ہوں یا کسی کے پاس رہنے کا مکان ہو ان سب کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اور ان کو زکوٰۃ لینی بھی درست ہے۔ حدیث لَا يَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ اَلْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْغَارِمِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (غنی کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں سوائے پانچ شخصوں کے مجاہد قرض دار اور مسافر کا اصل مفہوم یہی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کمائی کر کے ضروریات پوری کر سکتا ہو مگر ہو حاجتمند (کم مایہ یا بے مایہ) تو اس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے کیونکہ آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ میں عموم ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ حلال نہیں غنی کے لیے نہ طاقت ور صحت مند کے لیے رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم ابو داؤد و ترمذی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے نیز دار قطنی نے العلل میں اور ابو یعلیٰ نے حضرت طلحہ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ زکوٰۃ کا مال آیا سنتے ہی لوگ چڑھ دوڑے فرمایا لوگو یہ درست نہیں غنی کے لیے نہ صحیح و سالم تندرست کے لیے نہ طاقت ور برسر کار آدمی کے لیے رواہ احمد والدار قطنی۔

عبید اللہ بن عدی کا بیان ہے کہ مجھے دو آدمیوں نے اطلاع دی کہ ہم دونوں مال زکوٰۃ میں سے کچھ مانگنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے دونوں کو نظر اٹھا کر غور سے دیکھا اور دونوں کو طاقت ور پا کر فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو دے دوں (مگر) اس میں نہ غنی کا حصہ ہے اور نہ طاقت ور کمائی کرنے والے کا۔ رواہ احمد وابو داؤد والنسائی۔ صاحب تنقیح نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ حدیث کیسی کھری اور عمدہ سند والی ہے اس مبحث کی احادیث کامل ابن عدی میں حضرت ابن عمر کی روایت سے اور سنن ترمذی میں حضرت حبشی بن جنادہ کی روایت سے آئی ہیں۔ امام احمد نے ابو زمیل کی سند سے بنی ہلال ایک

شخص کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور طبرانی نے حضرت عبدالرحمن کی روایت سے بھی۔

ہم کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ اگر تم چاہو تو میں تم کو دیدوں اور غنی کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ صراحۃً بتا رہا ہے کہ طاقتور اہل حاجت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ورنہ حضور ﷺ یہ نہ فرماتے کہ اگر تم چاہو تو دیدوں۔

ہماری دلیل حضرت عمرؓ کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند کو عطا فرمائیے۔ (یہ پوری حدیث پہلے بیان کی جاچکی ہے)یہ حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) اس کو لے لو، اس سے تمول حاصل کرو اور اس سے خیرات کرو، سالم نے کہا، اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے اور بغیر سوال کے اگر ان کو کچھ دیا جاتا تھا تو رد نہیں کرتے تھے۔

ایک شبہ......

رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا تھا وہ تو کام کی اجرت تھی۔ فقر کی وجہ سے نہیں عطا فرمایا تھا اسی لیے فرمایا تھا کہ اسی کو لے لو۔ اس سے تمول حاصل کرو اور خیرات کرو۔ عمل کی اجرت کا ثبوت مسلم کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں ابو حمید ساعدی نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے مجھے صدقہ (زکوٰۃ) کے کام پر مامور کیا۔ کام تمام کرنے کی بعد جب میں نے رقم زکوٰۃ ادا کردی تو آپ نے اجرت عمل مجھے دینے کا حکم دیا، میں نے عرض کیا (امیر المومنین) میں نے تو اللہ کے واسطے کام کیا ہے میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے (اس سے لے لوں گا) فرمایا جو کچھ تم کو دیا گیا ہے وہ لے لو کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں میں نے بھی (تحصیل زکوٰۃ کا) کام کیا تھا اور رسول اللہ نے مجھے کام کی اجرت دی تو میں نے بھی تمہاری طرح کہا تھا لیکن حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا جب تم کو بغیر سوال کے دیا جائے تو کھاؤ اور خیرات کرو۔

میں کہتا ہوں، الفاظ عام ہیں اور عموم الفاظ ہی معتبر ہے۔ واقعہ کی خصوصیت ناقابل اعتبار ہے۔ الفاظ کا عموم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم کو اس مال میں سے کچھ مل جائے اور تم از خود نہ حریص ہو نہ سائل تو اس کو لے لو ان الفاظ میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

جو شخص احادیث کی تلاش کرے گا، اس کو احادیث میں صراحت کے ساتھ بادلالۃً یہ بات ملے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے صحیح و تندرست سائل کو زکوٰۃ کا مال عطا فرمایا۔ مسلم نے بیان کیا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ موٹی کناری کی بحرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک دیہاتی نے چادر پکڑ کر اتنی زور سے کھینچی کہ چادر کی کناری کا نشان گردن مبارک کے ایک طرف پڑ گیا، پھر کہنے لگا محمد۔ جو مال تمہارے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی دو۔ حضور ﷺ نے اس کی طرف گردن موڑی اور ہنس دیئے، پھر اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا، اس باب کی اکثر احادیث اس کی شاہد ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے جو احادیث ذکر کردیں بالاجمال ان سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ طاقتور محتاج کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس نے سوال کیا ہو یا نہ کیا ہو، ہاں سائل قوی کو دینا تو جائز ہے مگر اس کا سوال کرنا اور سوال کر کے لینا مکروہ ہے۔

اس صورت میں وہ حدیث جس میں طاقتور تندرست آدمی کے لیے زکوٰۃ حلال نہ ہونے کی صراحت کی گئی ہے دو ہی معنی کی حامل ہے ایک یہ کہ اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں دوسرا یہ کہ سوال کے بعد زکوٰۃ کا جو مال اس کو دیا جائے وہ اس کے لیے حلال نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ نفی حلت والی احادیث کا سوال ہی کے واقعہ سے تعلق ہے (لہٰذا قوی و تندرست محتاج کے لیے سوال کرنا حرام ہوا لیکن جو مال بغیر سوال کے اس کو مل جائے یا سوال کے بعد ملے اس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی)

مسئلہ: اکثر ائمہ کے نزدیک رسول اللہ کے لیے نہ واجب صدقہ (یعنی فرض زکوٰۃ کا مال) لینا حلال تھا نہ نفل صدقہ

(خیرات) لینا امام شافعی اور امام احمد کے دو مختلف قول خیرات لینے کے جواز و عدم جواز کے متعلق آئے ہیں۔ جمہور کے قول کی دلیل حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک راستہ پر گذرے وہاں چھوارہ پڑا تھا فرمایا اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اس کو کھا لیتا۔ متفق علیہ۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ دریافت فرماتے یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر صدقہ کہا جاتا تو آپ ساتھیوں سے فرماتے تم کھالو خود نہ کھاتے اور اگر ہدیہ کہا جاتا تو آپ ہاتھ بڑھا دیتے اور ساتھیوں کے ساتھ خود بھی کھاتے۔ متفق علیہ۔ طحاوی نے بھی بہزاد حکیم کے دادا کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

آل رسول کے لیے بھی صدقہ حلال نہ تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضرت حسن بن حضرت علیؓ نے صدقہ کا ایک چھوارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ حضور نے منہ سے پھینک دینے کے لیے فرمایا اخ اخ پھر فرمایا ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔ متفق علیہ۔

مسئلہ: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضور کے قرابت داروں کے لیے زکوۃ و خیرات کھانے کی حرمت و حلت میں علماء کا اختلاف ہے اور چار مختلف اقوال ہیں۔

(۱) مطلقاً جائز ہے۔ زکوۃ ہو یا خیرات اب آل رسول کے لیے ہر قسم کا صدقہ کھانا درست ہے۔ ایک روایت میں اس قول کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کی گئی ہے اس قول کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ فقط ایک قیاسی استنباط ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اقارب کو زکوۃ کے مال میں سے حصہ دینے کے بجائے مال غنیمت کے خمس (جو رسول اللہ ﷺ کا حصہ تھا) کا خمس (یعنی کل مال غنیمت کا پچیسواں حصہ) دے دیا کرتے تھے جب حضور ﷺ کی وفات کے بعد آل رسول کا پچیسواں حصہ ساقط ہو گیا تو صدقہ کی حرمت بھی ان کے لیے ساقط ہو گئی۔

(۲) مطلقاً ناجائز ہے نہ زکوۃ لینی جائز ہے نہ خیرات۔ یہ قول صاحبین کا ہے طحاوی اور ابن ہمام نے اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہم آل محمد صدقہ نہیں کھاتے عام ہے دوسری روایت میں آیا ہے ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔ رواہ مسلم والطبرانی والطحاوی من حدیث عبدالرحمن بن ابی لیلی و من حدیث رشید بن مالک۔ امام احمد اور طحاوی نے حضرت حسنؓ کے قصہ میں بھی یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔

(۳) زکوۃ لینی جائز ہے خیرات لینی درست نہیں۔ یہ صرف امام مالک کا قول ہے۔ اس کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ فرض تو ایک لازمی حق ہوتا ہے اس کو لینے میں آل رسول ﷺ کی کوئی توہین نہیں ہوتی اور خیرات لینے میں حقارت و ذلت ہوتی ہے۔ اس قول کی تردید کے لیے مذکورہ بالا احادیث کافی ہیں۔

(۴) خیرات جائز ہے زکوۃ جائز نہیں امام ابوحنیفہ کا مشہور مسلک اور امام شافعی و امام حنبل کا صحیح قول یہی ہے۔ امام مالک کی طرف بھی ایک روایت میں اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ بلکہ امام مالک سے تو چاروں اقوال مروی ہیں۔ اور چاروں روایات مشہور ہیں۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ مندرجہ بالا احادیث میں آل محمد کے لیے جس صدقہ کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد فرض صدقہ (زکوۃ) ہے اور فرض زکوۃ کی حرمت ہی حضرت مطلب بن ربیعہ بن حارث کی حدیث میں مراد ہے حضرت ربیعہ بن حارث اور حضرت عباس بن عبدالمطلب ایک بار جمع ہوئے اور بولے اگر ہم ان دونوں لڑکوں یعنی مجھے اور فضل بن عباس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس غرض کے لیے بھیج دیں کہ آپ تحصیل زکوۃ کی خدمت پر ان دونوں کو مقرر کر دیں تاکہ دوسرے لوگوں کو جو اجرت ملتی وہ ان کو بھی مل جایا کرے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا ان کو نہ بھیجو (مگر حضرت علی کا مشورہ کسی نے نہ مانا) چنانچہ ہم خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور اس روز حضرت زینب بنت جحش کے گھر تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اب نکاح کے قابل ہو گئے اور آپ (اقارب کے ساتھ) سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والے اور بڑے کنبہ پرور ہیں ہم اس لیے خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ وصول زکوۃ کی خدمت پر ہم کو بھی مامور فرما

دیں جس طرح اور لوگ وصول کرکے داخل کرتے ہیں اور اجرت پاتے ہیں ہم بھی وصول کرکے داخل کردیں گے اور ہم کو بھی دوسروں کی طرح اجرت مل جائے گی (اس طرح ہم نکاح کر سکیں گے اور ہمارا گذارا ہو جائے گا) یہ سن کر حضور ﷺ دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا آل محمد کے لیے صدقہ مناسب نہیں یہ لوگوں کا میل کچیل ہے تم محمیہ بن جزء اسدی اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو بلا لاؤ۔ محمیہ کو حضور نے مال خمس کی نگرانی پر مامور فرما دیا تھا جب دونوں آ گئے تو محمیہ سے فرمایا اس لڑکے فضل بن عباس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو۔ محمیہ نے نکاح کر دیا اور نوفل بن حارث سے فرمایا۔ تم اس لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو ،انہوں نے بھی اپنی لڑکی کا نکاح حسب الحکم کر دیا پھر محمیہ سے فرمایا خمس میں سے ان دونوں کا مہر اتنا اتنا دیدو۔ رواہ مسلم ، یہ حدیث بتا رہی ہے کہ وصول زکوۃ پر اگر کوئی ہاشمی مامور ہو تب بھی مال زکوۃ میں سے اجرت لینی اس کے لیے جائز نہیں اور مامور نہ ہو تو جواز کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ لیکن اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکوۃ ہے جس کو وصول کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ لوگوں کو مقرر فرماتے تھے۔

خاندان رسول کے صدقہ لینے کا جواز مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ کا قافلہ (کہیں سے تجارتی سامان لے کر) آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ سامان خرید اور چند اوقیہ نقرئی کے نفع سے اس کو بیچ ڈالا پھر وہ روپیہ خاندان عبدالمطلب کی بیواؤں کو بطور صدقہ دیدیا پھر فرمایا ، آئندہ جس چیز کی قیمت میرے پاس نہ ہوگی ، میں اس کو نہیں خریدونگا۔

امام شافعی نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر مکہ اور مدینہ کے درمیان میں پانی کی جو سبیلیں تھیں ان سے پانی پی لیا کرتے تھے ،اس پر حضرت ابراہیم بن محمد نے فرمایا ، آپ صدقہ کا پانی پی لیتے ہیں۔ فرمایا ہمارے لیے صرف صدقہ مفروضہ حرام کیا گیا ہے (اور یہ سبیل کا پانی خیراتی پانی ہوتا ہے) اگر کوئی یہ کہے کہ اوقاف کا حکم دوسرے صدقات سے الگ ہے (اوقاف سے فائدہ اٹھانا تمام مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ خاندان رسول بھی اس سے مستثنیٰ نہیں) تو یہ بے دلیل دعویٰ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو امام جعفر یوں فرماتے کہ اوقاف کا حکم دوسرے صدقات سے جدا ہے ، یہ نہ فرماتے کہ ہمارے لیے صرف فرض صدقہ (زکوۃ) حرام کیا گیا ہے۔

بخاری وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ، ہم کسی کو اپنا وارث نہیں چھوڑتے ، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے ، زندگی میں رسول اللہ ﷺ سال بھر کا خرچ گھر والوں کو دے دیا کرتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا اس کو اللہ کے مال کے طرح اللہ کے راستہ میں (یعنی جہاد کی تیاری ، گھوڑوں کی خریداری اور ہتھیاروں کی فراہمی وغیرہ) صرف کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ ، اور حضرت عباسؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے عمل کی طرح کیا کرتے تھے (یعنی ترکہ رسول میں سے جو حقیقت میں ترکہ نہ تھا بلکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس کا حکم خیرات یا صدقہ کا حکم تھا اقارب رسول اللہ کو حضور کی تقسیم کے مطابق دیا کرتے تھے) اس سے ظاہر ہو گیا کہ بنی ہاشم کے لیے ہر صدقہ (خواہ خیرات ہی ہو) حرام نہ تھا (بلکہ صرف زکوۃ حرام تھی)

مسئلہ : اکثر ائمہ کے نزدیک ہاشمی ہاشمی کی بھی زکوۃ نہیں لے سکتا۔ امام ابو یوسف اس کو جائز کہتے ہیں کیونکہ صدقہ چونکہ لوگوں کا میل کچیل ہوتا ہے اس لیے بنی ہاشم کے لیے حرام کیا گیا تھا مگر اپنا صدقہ خود کھانے میں کوئی حرج نہیں (کسی طرح کی توہین نہیں) ہم کہتے ہیں بنی ہاشم کے شرف کا تقاضا ہے کہ وہ تمام لوگوں کے (خواہ وہ ہاشمی ہی ہوں) میل کچیل سے اپنے کو محفوظ رکھیں اور اس لیے ہاشمی ہاشمی کی بھی زکوۃ نہیں لے سکتے۔

مسئلہ : بنی ہاشم کے لیے زکوۃ حرام ہے۔ ان میں پانچ بطن شامل ہیں۔ آل علی ، آل عباس ، آل جعفر آل عقیل ، آل حارث بن عبدالمطلب ، یہ امام اعظم اور امام مالک کا قول ہے ، امام شافعی کے نزدیک بنی مطلب بھی ان میں شامل ہیں کیونکہ خمس میں سے رسول اللہ ﷺ جو ذوی القربیٰ کو دیتے تھے تو بنی مطلب کو بھی اس کا حصہ دار بناتے تھے۔ ان کو بھی دیتے تھے

مسائل خمس میں جبیر بن مطعم کی روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بنی ہاشم کے غلاموں کے لیے بھی زکوٰۃ حرام ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کا بھی صحیح ترین قول یہی ہے بعض کے نزدیک بنی ہاشم کے موالی کے لیے زکوٰۃ حرام نہیں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا موالی کی طرف بنی ہاشم کے سوا اور کسی کو نہیں پھیرا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی مخزومی شخص کو تحصیل زکوٰۃ پر مقرر فرمایا اس شخص نے ابو رافع سے کہا: تم بھی میرے ساتھ چلو، تم کو بھی کچھ مل جائے گا۔ ابو رافع نے کہا رسول اللہ ﷺ سے پوچھے بغیر میں نہیں جا سکتا چنانچہ ابو رافع نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہمارے آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں اور کسی قوم کا غلام بھی انہی میں سے ہوتا ہے (یعنی اس کا حکم بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسے اس کے آقا کا) یہ حدیث حضرت ابو رافع کی روایت سے امام احمد ابوداؤد، ترمذی نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بیان کی ہے اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے۔ ابو رافع کا نام ارقم بن ابی الارقم تھا۔

مسئلہ: مال زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کو لے جانا مکروہ ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا ان کے مال داروں سے لیا جائے اور ان کے حاجت مندوں کو لوٹا دیا جائے۔ منقول ہے کہ زکوٰۃ کا جو مال خرسان سے شام کو لایا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پھر شام سے خراسان کو لوٹا دیا۔

فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ فریضۃ" یا مصدر (مفعول مطلق) ہے جو تاکید فعل کے لیے ذکر کیا گیا ہے یعنی اللہ کی طرف سے بلاشبہ یہ فرض کیا گیا ہے۔ یا حال ہے۔

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾ اور اللہ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مصلحت سے خوب واقف ہے اور حکمت کے ساتھ تقسیم کرنے والا ہے، کوئی فیصلہ بے محل نہیں کرتا ہر چیز کو اس کے مقام پر قائم کرتا ہے۔

ابن ابی شیبہ ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے مجاہد کا بیان اور ابن ابی حاتم نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ منافق جمع ہوئے ان میں خلاس بن سوید بن صامت مخشی بن حمیر اور ودیعہ بن ثابت بھی تھے ان کا ارادہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی کچھ ہجو اور آپ پر کچھ نکتہ چینی کریں ان میں سے ایک نے اس فعل سے سب کو روکا اور کہنے لگا ہم کو ڈر ہے کہ یہ خبر محمد ﷺ کو پہنچ جائے گی اور پھر (ان کی نظر میں) یہ تمہارا جرم بن جائیگا ایک شخص نے کہا محمد تو صرف کان ہیں (ہر ایک کا عذر سن لیتے ہیں) ہم قسمیں کھالیں گے تو وہ ہم کو سچا مان لیں گے، خلاس بولا ہم تو جو کچھ چاہیں گے کہیں گے۔ پھر محمد کے پاس جا کر اپنے قول کے منکر ہو جائیں گے اور قسم کھالیں گے وہ ہماری بات سچی مان لیں گے محمد تو صرف کان ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ ان (منافقوں) میں کچھ ایسے ہیں کہ ایذائیں پہنچاتے ہیں اور آپ تو سراسر کان ہیں (ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں) ایذائیں دیتے ہیں غیبت کرتے ہیں آپ کی باتیں بچاتے ہیں اور نازیبا الفاظ کہتے ہیں۔ اور اس اندیشہ سے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو ان کی باتوں کی خبر نہ پہنچ جائے ان کو روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں، وہ تو ہر بات کان دے کر سن لیتے اور سچا جان لیتے ہیں۔ جس طرح (دیدبانی کرنے والے) جاسوس کو مبالغۃً "آنکھ" کہا جاتا ہے اس طرح ہر بات کو کان رکھ کر سن لینے کی وجہ سے منافقوں نے آپ کو کان کہا یا مضاف محذوف ہے اصل میں "ذُو اُذُنٍ" (کان والا) تھا یا اُذُنٌ مشتق ہے اَذِنَ اَذَنًا سے اَذِنَ کا معنی ہے کان رکھ کر سن لیا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ منتل بن حارث رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھ کر آپ کی باتیں سنتا اور جا کر منافقوں سے نقل کرتا تھا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ منتل کالا لمبا پراگندہ مو سرخ چشم اپچکے گالوں والا بدرو آدمی تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا جو شیطان کو دیکھنا چاہتا ہو تو اس کو دیکھ لے یہ شخص رسول اللہ کی باتیں جا کر منافقوں سے چپکے چپکے کہتا تھا اس سے کہا گیا ایسا نہ کر کہنے لگا محمد تو سراسر کان ہیں جو ان سے کچھ جا کر کہ دیتا ہے اس کو مان لیتے ہیں ہم جو کچھ چاہیں گے کہیں گے پھر جا کر جھوٹی قسمیں کھالیں گے (اور کہے ہوئے سے منکر ہو جائیں گے) تو وہ ہم کو سچا

جان لیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اللہ نے ان کو جواب میں فرمایا۔

قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ　　آپ کہہ دیجئے کہ وہ کان دے کر وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں سراسر خیر ہے۔ اُذُن کی خیر کی طرف اضافت ہے جیسے رَجُلُ صِدْقٍ "(بھلائی کے کان سچائی کا آدمی)" گویا یوں کہا گیا کہ وہ بیشک کان ہیں مگر ان کا کان ہونا ہم تمہارے لیے بہتر ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ تمہاری بھلائی اور بہتری کی بات کان لگا کر سنتے ہیں۔ شر اور بگاڑ کی بات نہیں سنتے غیبت اور چغلی کی بات نہیں سنتے۔ عذر کرنے والے کی معذرت سن لیتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن بھولا شریف ہوتا ہے اور کافر خبیث کمینہ۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم عن ابی ہریرہ۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ خیر حق اور ہر واجب القبول بات کو سنتے ہیں اور ان کے خلاف باتوں کو نہیں سنتے۔

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ　　وہ اللہ کو مانتے ہیں اور مومنوں کا یقین کرتے ہیں۔ یعنی ہر مومن سے ان کو حسن ظن ہے اس لیے جو شخص بھی ایمان ظاہر کرتا ہے اس کو سچا مان لیتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ مخلص مومنوں کو سچا جانتے ہیں منافقوں کو سچا نہیں جانتے مگر ان کے عذر کو قبول کر لیتے ہیں۔ چونکہ ایمان باللہ سے مراد ہے۔ کفر کی ضد ہے اس لئے اول یؤمن کے بعد باللہ ب کے ساتھ فرمایا اور اول کا معنی ہوا اللہ کو مانتے ہیں اور دوسرے یؤمن کا معنی ہوا مومنوں کی بات کو سچا جانتے ہیں۔

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ　　اور ان لوگوں کے لیے رحمت ہیں جو تم میں سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں یعنی جو لوگ ایمان کا زبان سے اظہار کرتے ہیں ان کی بات کو قبول کر لیتا ہیں ان کا اندرونی راز فاش نہیں کرتے (اور ان کے منافق ہونے کا اعلان نہیں فرماتے) اس جملہ میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ نادانی یا تمہارے حال کو نہ جاننے کی وجہ سے وہ تمہاری قول کو قبول نہیں کرتے بلکہ تم پر چونکہ مہربان ہیں اور تم سے نرمی کرنی چاہتے ہیں اس لئے پردہ فاش نہیں کرتے اور عذر کو مان لیتے ہیں یا یہ مطلب ہے۔ کہ تم میں سے جو مخلص مومن ہیں ان کے لیے رسول سراسر رحمت ہیں کفر سے نکال کر ایمان کی طرف لانے والے ہیں قیامت کے دن ان کی شفاعت کریں گے اور دوزخ سے رہا کرا کے جنت میں لے جائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾　　اور جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو دکھ دیتے ہیں انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس بات سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ اللہ کے رسول نے ان کی بات مان لی اور عذر قبول کر لیا۔

مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول منافقوں کی ایک جماعت کے متعلق ہوا جو غزوہ تبوک کو نہیں گئے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے تو حاضر ہو کر (طرح طرح کے) عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ انہی کے متعلق اللہ نے نازل فرمایا۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ　　(اے مسلمانو) وہ تم کو راضی کرنے کے لیے تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں (اور قسمیں کھا کھا کر عذر پیش کرتے ہیں)۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾　　حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو اس کو (طاعت اور خلوص قلبی کے ذریعہ سے) راضی کریں۔

يُرْضُوْهُ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے کیونکہ جھوٹی قسمیں کھا کر اللہ کو راضی نہیں کیا جا سکتا بلکہ خلوص قلبی اور طاعت سے ہی اس کے رسول کی رضامندی حاصل ہو سکتی ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اللہ اور رسول میں سے ہر ایک کی طرف ضمیر راجع ہے چونکہ اللہ کی اور اس کے رسول کے رضامندی ایک ہی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس لیے ضمیر واحد کی استعمال کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول کی طرف ضمیر راجع ہے کیونکہ رسول کو ایذا دینے اور راضی کرنے ہی کے سلسلے میں کلام کا نزول ہوا۔ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ شرط موخر ہے۔ یعنی اگر وہ مومن ہیں تو طاعت اور اخلاص کی ذریعے سے اللہ اور اس کی

رسول کو راضی کرنا چاہیے۔ مگر انہوں نے نہ اللہ کو راضی کیا نہ اللہ کے رسول کو نہ خلوص کے ساتھ ایمان لائے۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ؕ

کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے مخالفت کرے گا (جیسا کہ یہ لوگ کر رہے ہیں) تو یہ بات ٹھیر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

یُحَادِدْ کا معنی ہے یُخَالِفُ یعنی نافرمانی کرے اور جہاد کو نہ جا کر جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ یحادد کا باب مفاعلت ہے حَدٌّ ہے، حد کا معنی ہے جانب۔ کسی کی مخالفت کرنے والا بھی اپنے مخالف کی جہت سے ہٹکر دوسری جانب چلا جاتا ہے۔[1]

ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۳﴾ (اور) یہ بڑی رسوائی ہے۔

آیت سابقہ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ کی (معنوی) علت کا اظہار اس آیت میں کیا ہے اللہ اگر ناراض ہو اور اس کے حکم کے خلاف عمل کیا جائے تو داخلہ جہنم کے علاوہ کوئی اور نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے۔ دوسروں کی ناراضگی ہیچ ہے۔ کسی اور کا ناراض ہونا موجب نار نہیں۔ کسی شاعر کا قول ہے اور کیسا اچھا قول ہے کاش تو (میرے لیے) شیریں ہوتا خواہ (میری) زندگی (ہر طرف سے) تلخ ہوتی اور کاش تو راضی رہتا خواہ سارا جہاں ناراض ہوتا کاش میرے تیرے تعلقات خراب نہ ہوتے خواہ ساری دنیا سے میرے علائق تباہ ہو جاتے۔

بغوی نے قتادہ اور سدی کی حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ منافقوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی تھی جلاس بن سوید بھی اس گروہ میں شامل تھا ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں کچھ برے الفاظ کہے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر محمد کا قول حق ہے تو (یقینا) "ہم لوگ گدھوں سے بھی بدتر ہیں حضرت عامر بن قیس نے اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو پہنچا دی، پورا قصہ ہم آگے ذکر کرینگے۔

یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

منافق لوگ (طبعا) اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی سورت (مثلاً یہ آیت) نازل نہ ہو جائے جو ان کو ان منافقوں کے مافی الضمیر پر اطلاع دیدے۔

اول دونوں ضمیریں مومنوں کی طرف اور آخری فِیْ قُلُوْبِهِمْ کی ضمیر منافقوں کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منافقوں کو اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عداوت اور حسد جو ہمارے دلوں میں ہے کہیں کسی آیت کے ذریعہ سے اس کا پردہ فاش نہ کر دیا جائے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عَلَیْهِمْ کی ضمیر بھی منافقوں کی طرف راجع ہو کیونکہ منافقوں کے بارے میں کسی آیت کا نزول ان کے خلاف پڑے گا جب اس آیت کی تلاوت کی جائے گی تو مسلمانوں کو منافقوں کے خلاف دلیل مل جائے گی اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ منافقوں کو اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں ہمارے خلاف کوئی آیت نازل ہو کر ہمارے قلبی حسد و عداوت کا پردہ فاش نہ کر دے۔

---

[1] یزید بن ہارون کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر نے ایک دن خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا ایک بندہ کو لا کر اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ نے دنیا میں اس کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہوگا، اس کے رزق میں کشادگی عطا فرمائی ہوگی اور تندرستی بھی مرحمت کی ہوگی۔ اللہ کی پیشی ہوگی۔ تو اس سے پوچھا جائے گا، تو نے اس دن کے لئے کیا عمل کئے تھے اور اپنے لیے پہلے سے کیا بھیجا تھا اس وقت کوئی بھلائی نظر نہ آئے گی کیونکہ اس نے کچھ بھیجا ہی نہ ہوگا، وہ رونے لگے گا کہ آنسو بہنے لگیں گے پھر اس کو عار دلائی جائیگی اور رسوا کیا جائے گا۔ انتا کہ اگر وہ کہہ اٹھے گا۔ اے میرے رب مجھے دوزخ میں بھیج دے اس جگہ سے تو مجھے رہائی دے۔ یہی مفہوم ہے اللہ کے قول مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ کا۔

بغوی نے لکھا ہے منافق آپس میں خفیہ باتیں کرتے تھے اور ڈرتے بھی کہ کوئی آیت نازل ہو کر ان کو رسوا نہ کر دے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں ان کو تردد تھا۔ (اگر کامل یقین نہ تھا تو مستحکم انکار بھی نہ تھا شک میں پڑے ہوئے تھے اسی لیے) ان کو اندیشہ تھا کہ اگر رسول سچے ہیں تو کہیں اللہ کی طرف سے ان کی رسوائی نہ ہو جائے۔ بعض علماء کے نزدیک یَحْذَرُ اگرچہ خبر کی صورت میں ہے مگر امر کے معنی میں ہے یعنی منافقوں کو ڈرتے رہنا چاہیے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ منافق یہ باتیں آپس میں بطور استہزاء کہتے تھے۔ آئندہ جملہ سے اس قول کی تائید ہوتی ہے فرمایا ہے۔

قُلِ اسْتَهْزِءُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾ آپ کہہ دیجیے اچھا تم استہزاء کرتے رہو بیشک اللہ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس (کے اظہار) کا تم اندیشہ کرتے ہو۔ یہ امر بطور تہدید ہے یعنی جس سورت کی نزول یا برائیوں کا پردہ فاش ہونے کا تم کو اندیشہ ہے وہ تو اللہ ضرور کرے گا۔ تمہاری خفیہ عداوت کو ضرور ظاہر کر دے گا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے ستر منافقوں کے نام مع ولدیت کے ذکر کیے تھے۔ مگر مسلمانوں پر مہربانی فرمائی اور ان کو (ذہنوں سے اور تلاوت سے ہر طرح سے) منسوخ کر دیا کہ آئندہ کوئی ان مخلص مسلمانوں کو عار نہ دلائے اور طعن تشنیع نہ کرے کہ تمہارے باپ تو ایسے منافق تھے۔ بغوی نے لکھا ہے آیت کا نزول ان بارہ منافقوں کے حق میں ہوا تھا جو گھاٹی کے اوپر جا کر اس غرض سے کھڑے ہو گئے تھے جب رسول اللہ تبوک سے واپس پر اس گھاٹی پر سے گزریں گے تو اچانک ہم ان کو قتل کر دیں گے حضرت جبرائیل نے رسول اللہ کی خدمت میں یہ بات پیش کر دی۔ قصے کی پوری تفصیل حسب ذیل ہے۔

امام احمد نے حضرت ابو طفیل کی روایت سے بیہقی نے حضرت حذیفہ کی روایت سے اور ابن سعد نے حضرت جبیر بن مطعم کی روایت سے بیان کیا۔ نیز ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے ضحاک (تابعی) کے حوالہ سے بیہقی نے عروہ اور ابن اسحاق کی وساطت سے اور محمد بن عمر نے اپنے مشائخ روایت کے سند سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تھے اور کسی راستے میں گذر رہے تھے کہ منافقوں میں سے کچھ لوگوں نے باہم مشورہ کر کے یہ طے کر لیا کہ گھاٹی کے اوپر رسول اللہ کو گرا کر قتل کر دیں۔ مشورہ طے کرنے کے بعد موقع کی تلاش میں رہے چنانچہ (سفر مذکور میں) جب رسول اللہ ﷺ نے کسی گھاٹی پر چلنے کا ارادہ کیا تو منافق بھی آپ کو اونٹنی سے اٹھا کر وادی میں پھینک دیں۔ اللہ نے ان کی اس مکاری کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دیدی چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی پر چڑھنے لگے تو آپ کی طرف سے ایک منادی نے ندا کر دی کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے راستہ میں جا رہے ہیں خبردار کوئی بھی گھاٹی کے راستے سے نہ جائے وادی کے اندر سے جائیں تم لوگوں کے لئے وادی کے اندر سے جانا آسان بھی ہے (اوپر چڑھنے سے بچ جاؤ گے) حسب الحکم سب لوگوں نے بطن وادی کی راہ اختیار کی مگر جن منافقوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی تدبیر کی تھی۔ انہوں نے جب یہ حکم سنا تو (اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لیے) تیار ہو گئے اور چہروں پر کپڑا باندھ لیا (اور گھاٹی پر جا چھپے) رسول اللہ ﷺ نے جب گھاٹی پر اس شان سے چلنا شروع کیا کہ حسب الحکم آگے آگے حضرت عمار بن یاسر اونٹنی کی مہار پکڑے جا رہے تھے اور پیچھے پیچھے حضرت حذیفہ بن یمانؓ ہنکا رہے تھے اچانک (چھپے ہوئے لوگوں کی) کچھ آہٹ محسوس ہوئی ساتھیوں نے نیزے تان لیے اور اونٹنی کو زور سے بھگایا اونٹنی اتنی تیزی سے بھاگی کہ پیچھے سامان بھی گر پڑا رات اندھیری تھی حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گھاٹی میں پہنچ گئے حضرت حمزہؓ کا بیان ہے کہ (گھاٹی میں میری روشنی کی طرح) پانچوں انگلیاں روشن ہو گئیں جن کی روشنی میں ہم نے کوڑا رسی اور دوسرا گرا ہوا سامان جمع کر لیا رسول اللہ نے حضرت حذیفہ کو حکم دیا کہ (روکنے والے) لوگوں کو واپس لوٹا دو حضرت حذیفہ کے پاس ایک ٹیڑھی موٹھ کی برچھی دار لاٹھی تھی آپ اس لاٹھی سے آنے والے لوگوں کی سواریوں کے منہ پر مارنے لگے اور فرمایا اے اللہ کے دشمنو! ادھر ہی جاؤ ادھر کا راستہ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ کو ان کی اطلاع مل گئی ہے کہ لئے وہ تیزی سے گھاٹی سے اتر کر دوسرے لوگوں میں جا ملے حضرت حذیفہ رسول اللہ کی خدمت میں آگئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا حذیفہ اونٹنی کو مارو اور عمار تم پیدل چلو سب لوگ تیزی سے چلے یہاں تک کہ یہ دونوں بزرگ گھاٹی کے اوپر پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ گھاٹی سے باہر نکل گئے اور لوگوں کا انتظار کرنے لگے۔ پھر حذیفہ سے فرمایا جن لوگوں کو تم نے لوٹایا تھا کیا ان میں سے کسی کو پہچانا بھی۔ حضرت حذیفہ نے عرض کیا

حضورؐ رات کی تاریکی تھی اور اُن لوگوں نے چہروں پر کپڑے باندھے ہوئے تھے میں نے ان کو نہیں پہچانا۔ ہاں ان کی اونٹنیوں کو پہچان لیا فرمایا تم سمجھے بھی ان کا ارادہ کیا تھا حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا خدا کی قسم حضورؐ ایسے تو کچھ علم نہیں، فرمایا انہوں نے داؤ کیا تھا کہ میرے ساتھ ساتھ چلیں اور میں جب گھاٹی پر چڑھوں تو چھیڑ مار کر مجھے گھاٹی سے نیچے پھینک دیں اللہ نے مجھے ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام بتا دیئے ہیں میں ان شاء اللہ تم کو ان کی اطلاع دیدوں گا۔ حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ جب وہ لوگ آجائیں تو آپ حکم دیدیجئے کہ ان کی جماعت کی گردنیں ماردی جائیں، فرمایا نہیں۔ لوگ باتیں بنائیں گے اور کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا (بغوی کی روایت کے الفاظ میں کچھ اختلاف ہے مگر مطلب ایک ہی ہے) ہمارے لیے اللہ کافی ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار کو ان منافقوں کے نام بتا دیئے تھے مگر فرمادیا تھا ان کو پوشیدہ رکھنا۔ غرض صبح ہوئی تو حضرت اسید بن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ رات آپ وادی کے اندر کی راہ سے کیوں نہ چلے یہ راستہ تو گھاٹی کے راستے سے آسان تھا۔ فرمایا ابو یحییٰ۔ کیا تم جانتے ہو کہ منافقوں کا میرے متعلق کیا ارادہ تھا اور انہوں نے کیا طے کیا تھا ان کا خیال تھا کہ میرے پیچھے پیچھے آئیں گے اور رات کی تاریکی میں میری اونٹنی کا سینہ بند اور تسمے کاٹ کر اونٹنی کے آر چبھودیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا) قریب تھا کہ اونٹنی سے مجھے نیچے پھینک دیں۔ حضرت اسیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ اب سب لوگ جمع ہیں اور اترے ہیں (یعنی فرودکش ہوگئے ہیں اور پڑاؤ ڈال لیا ہے) آپ ہر خاندان کو حکم دے دیں کہ اس خاندان کے جس شخص نے یہ ارادہ کیا ہو خاندان والے ہی اس کو قتل کر دیں اور اگر آپ کی رائے میں مناسب ہو تو مجھے (ان کے نام) بتا دیجئے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس جگہ سے ہٹوں گا بھی نہیں کہ ان کے سر آپ کی خدمت میں لاکر حاضر کردوں گا۔ فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ باتیں بنائیں اور کہیں جب محمد کی لڑائی مشرکوں سے ختم ہوگئی تو وہ اپنے ساتھیوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ حضرت اسیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ وہ تو آپ کے ساتھی نہیں ہیں۔ فرمایا کیا وہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔ حضرت اسید نے عرض کیا جی کرتے تو ہیں، فرمایا اسی وجہ سے میں ان کے قتل سے باز رہا۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح اور ابو حاضر اعرابی اور ابو عامر اور جلاس بن سوید بن صامت اور مجمع بن حارثہ اور ملیح تیمی اور حصین بن نمیر اور طعمہ بن ابیرق اور عبداللہ بن عیینہ اور عامر بن ربیع کو بلا لاؤ۔ جلاس ہی وہ شخص تھا جس نے کہا تھا جب تک آج رات گھاٹی سے محمد ﷺ کو ہم پھینک نہ دے گے باز نہ رہیں گے اگر محمد ﷺ اور اس کے ساتھی ہم سے بہتر ہیں تو ہم پھر بکریاں ہوں گے اور وہ چرواہے ہم بے عقل ہوں گے اور وہ عقل والے۔ ملیح تیمی وہ شخص تھا جس نے کعبہ کی خوشبو چرائی تھی اور مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے ملک میں مارا مارا پھر تا رہا تھا۔ حصین بن نمیر وہ ہے جس نے زکوۃ کی چیزیں چرائی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کمبخت یہ حرکت تو نے کیوں کی کہنے لگا مجھے اس حرکت پر اس خیال نے آمادہ کیا کہ اللہ آپ کو اس بات پر مطلع نہیں کرے گا (کیونکہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں) لیکن اب جبکہ اللہ نے آپ کو آگاہ کر دیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اب میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس وقت سے پہلے میں آپ پر ایمان نہیں لایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن کر اس سے درگزر فرمائی اور معاف کر دیا۔ عبداللہ بن عیینہ وہی شخص تھا جس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔ آج رات جاگ لو ہمیشہ کے لیے نجات پالو گے خدا کی قسم اس شخص کو قتل کر دینے کی سوا تمہارا کوئی کام نہیں (اس کے بغیر تمہارا کام نہ ہوگا) رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلوا کر فرمایا کم بخت اگر میں مارا جاتا تو تجھے کیا فائدہ پہنچتا۔ دشمن خدا کہنے لگا اے اللہ کے نبی۔ خدا کی قسم جب سے اللہ نے آپ کو فتح عنایت کی ہے ہم برابر خیریت کے ساتھ ہیں ہم تو بس اللہ اور آپ کی ذات کے سبب سے (خیریت اور آسائش میں) ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا۔ مرہ بن ربیع وہ شخص تھا جس نے عبداللہ بن ابی کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

تھا اس رکاوٹ کو دور کر دو۔ اس ایک اکیلے شخص کے قتل کے بعد تو ہمارے لئے چین ہی چین ہے۔ عام لوگ اس کے قتل سے مطمئن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلوا کر فرمایا ارے تو نے ایسی باتیں کیوں کہیں اس نے جواب دیا یا رسول اللہ میں

نے تو ان سے کوئی بات نہیں کہی اگر کہی ہوتی تو آپ کو معلوم ہی ہوتی۔ غرض ان بارہ منافقوں کو رسول اللہ ﷺ نے جمع کیا جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنی چاہی تھی اور رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ سب کو ان کی کہی ہوئی باتیں ان کی گفتگو اور ان کے ظاہر و باطن کے حالات بتائی اور آپ کو ان چیزوں کا علم وحی سے ہوا تھا۔ آیت وَہَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا سے اسی طرف اشارہ ہے۔ یہ بارہ آدمی نفاق اور اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کے ارادہ ہی کی حالت میں مر گئے۔

بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے بددعا کی تھی اور فرمایا تھا، الٰہی ان کو دبیلہ میں مبتلا کر یعنی آگ کی ایک چنگاری میں جو ان کے دلوں کی رگ پر لگے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔

مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھیوں میں بارہ آدمی منافق ہیں یہ اس وقت تک جنت میں نہیں جائیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے (اور سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخل ہونا محال ہے لہٰذا ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے) آٹھ کا کام تمام تو دبیلہ کر دے گا۔ یعنی آگ کا ایک چراغ جو ان کے شانوں کے درمیان پیدا ہو گا اور سینوں سے پار ہو جائے گا۔

بیہقی نے کہا ہم کو حضرت حذیفہؓ کی روایت پہنچی ہے کہ یہ لوگ چودہ ۱۴ یا ۱۵ پندرہ تھے۔ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض شغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کی ساتھ تم ہنسی کر رہے تھے۔

یعنی ان کے استہزاء پر ڈانٹنے اور حجت پوری کرنے کے لیے ان سے یہ بات کہو اور ان کی معذرتوں کا اعتبار نہ کرو۔ جس چیز کو انہوں نے موضوع استہزاء بنایا تھا (یعنی اللہ۔ اللہ کی آیات اللہ کا رسول) اس پر حرف تقریر (یعنی ہمزہ استفہامی تقریری) کا داخل ہونا بتا رہا ہے کہ گویا ان لوگوں کو اپنے استہزاء کرنے کا اعتراف ہے اسی وجہ سے بجائے اس کے کہ ان کے استہزاء کا ذکر کیا جائے ان کے اس قصور پر ان کو توبیخ کی گئی۔ اہل تفسیر نے اس کلام کی یہی تشریح کی ہے۔

(حاصل تشریح یہ ہے کہ ہمزہ تقریری باللہ وآیاتہ ورسولہ پر داخل کرنا بتا رہا ہے کہ ان کو اپنے استہزاء کا اعتراف تھا کیونکہ ہمزہ تقریری اسی چیز پر داخل کی جاتی ہے جو ثابت شدہ ہو اور مخاطب کو اس کا انکار نہ ہو تو گویا اپنے استہزاء کا انکار نہ تھا وہ معترف تھے کہ ہم نے جو کچھ کہا وہ مذاق سے کہا اس پر اللہ نے ان کو توبیخ کی کہ کیا یہ چیزیں استہزاء کی ہیں کیا تم اللہ، اس کے کلام اور اس کے رسول کو موضوع استہزاء بنا رہے تھے)

میں کہتا ہوں منافقوں کا یہ قول اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ جو بجائے خود استہزاء کا ان کی طرف سے اعتراف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے تھے اس کا مقصد استہزاء کرنا نہ تھا بلکہ تفریحی کلام تھا راستہ طے کرنے کے لیے ہم بطور مذاق ایسی باتیں کر رہے تھے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک مجلس میں ایک شخص نے کہا ہم نے اپنے ان قرآن پڑھنے والوں کی طرح کسی شخص کو نہیں دیکھا جو ان کی طرح کھانے کا حریص زبان کا جھوٹا اور دشمن سے مقابلہ کے وقت بزدل ہو ایک اور شخص یہ بات سن کر بولا تو نے جھوٹ کہا تو منافق ہے میں تیری اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ضرور دوں گا۔ چنانچہ

یہ خبر رسول اللہ تک پہنچ گئی اور قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہو گئی۔ [1]

حضرت ابن عمر نے فرمایا میں نے اس (منافق) شخص کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے کجاوہ سے لٹکا ہوا تھا پتھریاں اس کو زخمی کر رہی تھیں اور وہ کہہ رہا تھا اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ اور حضور فرما رہے تھے اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۔ بیہقی نے دوسری سند سے حضرت ابن عمر کی یہ روایت نقل کی ہے اس روایت میں اس شخص کا نام عبداللہ بن ابی بتایا ہے۔ بغوی نے بھی حضرت عمر کی روایت سے اس طرح ذکر کیا ہے۔

ابن جریر نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ منافقوں نے غزوہ تبوک میں کہا یہ شخص امید لگائے ہوئے ہے کہ شام کے محلات اور قلعے فتح کر لے گا۔ ایسا ہونا بہت بعید ہے اللہ نے اس قول کی اطلاع اپنے نبی کو دیدی حضور ان منافقوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا تھا وہ کہنے لگے اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

بغوی نے اس آیت کا سبب نزول کلبی مقاتل اور قتادہ کے قول کے بموجب اس طرح لکھا ہے کہ رسول اللہ غزوہ تبوک میں (شام کی طرف) جا رہے تھے آپ سے آگے آگے تین منافقین چل رہے تھے جن میں سے دو قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑا رہے تھے اور تیسرا ہنس رہا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ کہہ رہے تھے محمد خیال کر رہے ہیں کہ وہ رومیوں پر غالب آ جائیں گے۔ اور ان کے شہروں کو فتح کر لیں گے ایسا ہونا بہت بعید ہے۔ دوسری روایت میں آیا وہ کہہ رہے تھے کہ مدینہ میں جو ہمارے ساتھی رہتے ہیں ان کے متعلق قرآن (اللہ کی طرف سے) نازل ہوا ہے حالانکہ وہ تو محمد ہی کا قول اور انہی کا کلام ہے اس بات کی اطلاع اللہ نے اپنے نبی کو دے دی آپ نے حکم دیا ان شتر سواروں کو روک کر میرے پاس لاؤ جب وہ آ گئے تو فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا تھا۔ کہنے لگے اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ یعنی جس طرح قافلہ والے راستہ طے کرنے کے لیے باتیں کرتے اور تفریحی کلام کرتے جاتے ہیں ہم بھی اسی طرح باتیں کر رہے تھے۔ یہ واقعہ مدینہ سے تبوک کو جانے میں ہوا تھا محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ کچھ منافقوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تبوک کو جا رہی تھی یہ لوگ صرف مال غنیمت کی طمع میں نکلے تھے۔ ان میں بنی عمرو بن عوف ودیعہ بن ثابت اور جلاس بن صامت اور بنی اشجع کا مخشی بن حمیر بھی تھے۔ محمد بن عمر نے ثعلبہ بن حاطب کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ کل اسی جگہ یہ لوگ رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں گے۔ اس کہنے کا مقصد تھا رسول اللہ ﷺ کے متعلق سنسنی پیدا کر دینا اور مسلمانوں کے دلوں میں خوف وہراس ڈال دینا۔ جلاس بن عمر نے عمیر کی ماں سے نکاح کر لیا تھا۔ عمیر اس کے زیر پرورش تھے۔ اس نے کہا اگر محمد سچے ہیں تو پھر خدا کی قسم ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اگر اس بات کی وجہ سے واپسی کے بعد ہم میں سے ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں تو خدا کی قسم یہ ضرب مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہمارے اندر قرآن نازل ہو (یعنی قرآن کا نزول مجھے اتنا گوارا ہے کہ سو کوڑے کھانا آسان ہے مگر قرآن کا نزول پسند نہیں) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر سے فرمایا یہ لوگ جل گئے جلد ان کے پاس پہنچو اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کو دریافت کرو اگر انکار کریں تو ان سے کہنا تم نے ضرور ایسی ایسی باتیں کہی ہیں (یعنی تفصیل بتا دینا) حضرت عمار ان کے پاس گئے اور ان سے ان کی باتیں بیان کیں (جب ان کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ہماری باتوں کی خبر ہو گئی ہے تو وہ عذر کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوئے ودیعہ بن صامت نے آ کر رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے کجاوہ کا پچھلا حصہ پکڑ لیا، حضور اونٹنی پر سوار تھے (وہ کجاوہ پکڑے لٹکا ہوا تھا اور) اس کی دونوں ٹانگوں پر کنکریاں

---

[1] تشریح بن عبید کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو درداء سے کہا اے قرآن خوانوں کے گروہ کیا وجہ کہ تم لوگ ہم سے زیادہ ڈرپوک ہو تم سے کچھ مانگا جاتا ہے تو بڑی کنجوسی کرتے ہو اور کھاتے وقت بڑے بڑے لقمے نگلتے ہو حضرت ابو درداء نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہیں دیا اور جا کر حضرت عمر کو اطلاع دیدی۔ حضرت عمر اس شخص کے پاس گئے اور اس کا کپڑا پکڑ کر گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے رسول اللہ کی خدمت میں لائے۔ وہ شخص کہنے لگا اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ اس پر اللہ نے اپنے نبی کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ۔

لگ رہی تھیں۔ اسی حالت میں کہہ رہا تھا یارسول اللہ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ انہی لوگوں کے بارے میں اللہ نے نازل فرمایا وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ‌ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۔

لَا تَعۡتَذِرُوۡا تم (اب یہ بے ہودہ) عذر نہ کرو یعنی جھوٹی معذرت کوشیاں نہ کرو تمہاری تمام معذرت کو شیوں کا جھوٹ ظاہر ہو چکا۔

قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ‌ؕ تم اپنے کو مؤمن کہنے کے بعد کفر کرنے لگے۔ یعنی (دلوں میں کفر چھپا رکھنے کے باوجود کم از کم زبانوں سے تو) تم پہلے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ اب رسول اللہ پر طعن تشنیع کرنے کی وجہ سے تم علی الاعلان کافر ہو گئے اور تمہارا کفر ظاہر ہو گیا۔

ع ۸ ۱۴ اِنۡ نَّـعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُـعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ۞

اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو تو ضرور سزا دیں گے۔ اس وجہ سے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے یعنی اگر توبہ کرنے اور خلوص نیت رکھنے کی وجہ سے ہم تم میں سے بعض لوگوں کا قصور معاف کر بھی دیں گے تب بھی دوسرے منافقوں کو (جنہوں نے سچے دل سے) توبہ نہ کی ہوگی عذاب دیں گے کیونکہ نفاق پر جمے رہنے، رسول کو ایذا دینے اور قرآن ور سول سے استہزاء کرنے کے وہ مجرم ہیں (اور یہ جرائم ایسے نہیں کہ بغیر خالص توبہ کے معاف کیے جا سکیں۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ صرف ایک شخص مخشی بن حمیر اشجعی کا جرم معاف کیا گیا (ابن اسحاق کی مراد شاید یہ ہے کہ عن طائفۃ سے مراد صرف ایک شخص ہے یا یہ مراد ہے کہ روایۃً صرف ایک شخص کا قصور معاف ہونا ثابت ہے باقی لوگوں کا علم نہیں) مخشی منافقوں کے ساتھ ہنستا تو تھا مگر زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور سب سے الگ الگ راستہ میں چل رہا تھا بلکہ منافقوں کی بعض باتوں کو پسند بھی نہ کرتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے نفاق سے توبہ کی اور دعا کی اے اللہ میں ایسی آیت سن رہا ہوں جس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک مل رہی ہے اس کے سننے سے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل لرز جاتے ہیں، اے اللہ میری موت اپنی راہ میں قتل کی شکل میں مقدر کر دے (اور یہ بھی) کوئی نہ کہے کہ میں نے غسل دیا میں نے دفن کیا (یعنی مجھے کوئی غسل بھی نہ دے نہ دفن کرے) چنانچہ جنگ یمامہ میں یہ شہید ہو گئے اور سوائے ان کے کسی مسلمان کو معلوم بھی نہ ہوا کہ وہ کہاں شہید ہوئے (اور جنازہ کہاں گیا) مخشی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا یارسول اللہ میرا نام اور ولدیت بدل دیجئے (گویا کفر کے زمانہ کے نام سے بھی ان کو نفرت ہو گئی تھی) حضور ﷺ نے ان کا نام عبد الرحمن یا عبد اللہ رکھ دیا۔

وقف لازم

اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ۘ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں یعنی شرک نفاق اور ایمان سے دور ہونے میں ہم جنس ہیں۔ منافقوں نے قسم کھا کر مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہم تم میں سے ہیں ان کی قسم کی تکذیب اور آیت وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ کی تائید اس آیت سے کر دی گئی اور آئندہ آیت میں تفصیل کے ساتھ ان کی حالت کو بیان کر دیا گیا گویا یہ جتایا کہ ان کے احوال آپس میں ایک جیسے اور مسلمانوں کے احوال کے بالکل برعکس ہیں اس لئے یہ آپس میں ہم جنس ہیں اور مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔

يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ برے کاموں کا حکم دیتے ہیں یعنی شرک اور اللہ کی نافرمانی کا حکم دیتے ہیں۔

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ اور اچھے کاموں سے روکتے ہیں یعنی ایمان اور اللہ کی فرماں برداری سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں گرمی میں جہاد کو نہ نکلو۔

وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ‌ؕ اور (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) اپنے ہاتھوں کو سمیٹ لیتے ہیں ہاتھوں کو سمیٹنے سے مراد ہے کنجوسی کرنا۔

نَسُوا اللّٰهَ وہ اللہ کو بھول گئے گویا وہ جانتے ہی نہیں کہ ان کا کوئی خالق بھی ہے جو ان کے اعمال کی باز پرس کرے

گا اپنے خالق کے ذکر سے بالکل غافل ہو گئے اور اس کی طاعت کو قطعاً ترک کر دیا۔

فَنَسِيَهُمْ اس لئے اللہ نے بھی ان کو فراموش کر دیا۔ یعنی دنیا میں توفیق ایمان اور ہدایت اسلام سے محروم کر دیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے بے بہرہ بنا کر عذاب میں ڈال دے گا اور پھر خبر بھی نہ لے گا (گویا اس فقرہ میں نسیان سے مراد ہے دنیوی اور اخروی رحمت سے محروم کر دینا، دنیا میں توفیق ایمان سے بے بہرہ چھوڑ دینا اور آخرت میں دوزخ میں ڈال کر چھوڑ دینا۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ بلاشبہ منافق ہی فاسق ہیں یعنی ایمان و اسلام کے دائرہ سے بالکل خارج ہیں (مراد یہ ہے کہ فسق کا لغوی معنی ہے خارج ہونا اور اس جگہ ایمان و اسلام کے دائرہ سے خارج ہونا مراد ہے)۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور (علانیہ) کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جہنم کی آگ ان کے لئے کافی ہے۔ یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنا ان کے لئے مقدر کر دیا گیا ہے اور ان کے کفر و نفاق کی سزا کے لئے دوزخ کافی ہے دنیا میں عذاب دینے کی ضرورت (تکمیل سزا کے لئے) نہیں ہے۔ لفظ حَسْبُهُمْ بتا رہا ہے کہ دوزخ کا عذاب بہت بڑا ہے اتنا بڑا کہ اس پر زیادتی نہیں ہو سکتی۔

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ اور اللہ نے ان پر پھٹکار کر دی ہے یعنی اپنی رحمت سے ان کو دور کر دیا ہے اور ذلیل کر دیا ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۝ اور ان کے لئے لازوال عذاب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ آیت میں وعید عذاب سے مراد صرف عذاب آخرت کی وعید ہے یا عذاب آخرت کے ساتھ عذاب دنیوی کی بھی وعید مراد ہے۔ منافق نفاق کی تکلیف میں مبتلا تھے مسلمانوں کے ڈر سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر ہمیشہ اس اندیشہ میں مبتلا تھے کہ اگر ان کا اندرونی راز کھل گیا تو سخت رسوائی ہوگی اور عذاب میں پکڑے جائیں گے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ان لوگوں کی طرح جو ان سے پہلے گذر گئے۔ یعنی اے منافقو! تم گزشتہ اقوام کے کافروں کی طرح ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم نے بھی وہی حرکتیں کیں جو تم سے پہلے کافروں نے کی تھیں انہوں نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی تھی اس لیے ان پر اللہ کی لعنت پڑی اور تم نے بھی انہی کی طرح سرکشی کی اس لئے اللہ نے تم پر لعنت کی۔

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ وہ شدت قوت اور کثرت مال و اولاد میں تم سے بھی زیادہ تھے۔

اقوام گزشتہ کے کافروں کو منافقوں کے ساتھ جن چیزوں میں مشابہت تھی ان کا اظہار اس آیت میں کیا ہے اور دونوں کے حالات کی وجہ مماثلت بیان کی گئی ہے۔

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ

سو انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا اور تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا۔

فَاسْتَمْتَعْتُمْ سے خطاب منافقوں کو ہے۔ سابق کفار آخرت کی پسندیدہ لازوال نعمتوں کے حصول کی خواہش و کوشش سے روگرداں ہو کر دنیا کی حقیر ناپسندیدہ فناپذیر لذتوں پر ریجھ گئے تھے ان کی اس حالت کا بیان موجودہ منافقوں اور کافروں کے حال و عمل کی مذمت کی تمہید کے طور پر کیا گیا ہے کیونکہ یہ بھی انہی کے نقش قدم پر چل رہے تھے اور دونوں کا حال و مآل ایک جیسا تھا۔

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اور تم بھی بری باتوں میں ویسے ہی گھسے جیسے وہ گھسے تھے یعنی تم بھی

باطل اور لہو ولعب میں ویسے ہی گھس گئے جیسے وہ گھسے تھے۔ (الذی اسم موصول مفرد ہے اور خاضوا جمع کا صیغہ ہے اور دونوں میں مطابقت نہیں ہے اس لئے) الذی سے مراد یا توخوض (مصدر ہے یعنی تمہارا باطل میں گھسنا ان کے گھسنے کی طرح ہے یا الذی سے مراد نوع گروہ ہی (جو لفظ کے اعتبار سے اگرچہ مفرد ہے لیکن معنوی حیثیت سے جمع ہے اور اس کا صلہ جمع کا صیغہ ہو سکتا ہے)

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور ان لوگوں کے (اچھے) کام دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔ اعمال برباد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اعمال کے ثواب کی مستحق نہیں قرار پائے۔ حاصل مراد یہ ہے کہ جس طرح ان کے اعمال اکارت گئے اور وہ خسران آل ہوئے اسی طرح تمہاری اعمال بھی اکارت جائیں گے اور تم بھی دونوں جہاں میں خسران نصیب ہوگے۔

حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بھی اپنے سے پہلوں کے پیچھے چلو گے بالشت بہ بالشت اور دست بدست (یعنی قدم بقدم ان کی پیروی کرو گے) یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بھٹ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے گھسو گے (یعنی کامل پیروی کرو گے جو برے سے برے کام انہوں نے کیے تھے ویسے ہی تم کرو گے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کے (پہلے لوگوں سے مراد) یہود و نصاریٰ ہیں، فرمایا اور کون۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں پس لوگ نہیں ہوں گے مگر وہی (یہودی و نصاریٰ) رواہ البخاری۔

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے سے اگلوں کی راہ پر بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ ضرور چلو گے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں گھسا تھا تو تم بھی گھسو گے، اگر ان میں سے کسی نے اپنی بیوی سے سر راہ جماع کیا ہوگا (یعنی لوگوں کے سامنے بے حیائی کے ساتھ) تو تم بھی ایسا ہی کرو گے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تم لوگ عادات و رفتار (زندگی) میں بنی اسرائیل کی ساتھ سب سے زیادہ مشابہت اختیار کرو گے، قسم ہے اللہ کی اعمال کی پیروی کرو گے یعنی قدم بقدم ان کے پیچھے چلو گے مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ تم بچھڑے کی پوجا کرو گے یا نہیں۔

اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کیا ان کو اگلے کافروں کے حال کی اطلاع نہیں پہنچی جنہوں نے ہمارے پیغمبروں کی نافرمانی اور ہماری احکام کی مخالفت کی تو ہم نے ان پر عذاب بھیجا اور تباہ کر ڈالا۔

یاتہم کی ضمیر غائب منافقوں کی طرف راجع ہے۔ یہ خطاب سے غیبت کی طرف انتقال ہے (عبارت میں نیرنگی پیدا کرنے اور منافقوں کو نا قابل خطاب قرار دینے کی طرف یہ ایک لطیف اشارہ ہے)

قَوْمِ نُوْحٍ یعنی نوح کی قوم کی جو پانی کے طوفان سے ہلاک کر دی گئی۔

وَّعَادٍ اور قوم عاد کی جو آندھی کے طوفان سے ہلاک کر دی گئی۔

وَّثَمُوْدَ ۙ۬ اور قوم ثمود کی جن کو زلزلہ سے تباہ کر دیا۔

وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ اور ابراہیم کی قوم کی جن سے اللہ نے اپنی نعمت چھین لی ایک حقیر چیونٹی (یا مچھر) سے نمرود کو ہلاک کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو غارت کر دیا۔

وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ اور مدین والوں یعنی شعیب کی قوم کی جن پر عذاب بصورت گھٹا آیا بادل چھا گیا اور اس سے آگ برسی جس سے سب ہلاک ہو گئے۔

وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اور الٹی ہوئی بستیوں یعنی قوم لوط کی بستیوں کی جن کو الٹ دیا گیا زمین کو زیر و زبر کر دیا گیا اور پھر اوپر سے تو کیلے کنکر برسائے گئے۔

اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ ان کے پیغمبر بالکل کھلے کھلے معجزے ان کے سامنے لائے مگر انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی نتیجہ میں سب کو تباہ کر دیا گیا۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ پس اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا یعنی اللہ کا یہ ضابطہ نہیں کہ بغیر جرم کیئے ان کو ہلاک کر دیتا۔

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے یعنی تمہاری طرح انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھوٹا قرار دیا اور انبیاء کا حکم نہ مانا جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آ گیا تم کو بھی ڈرنا چاہیے کہیں تم پر بھی ان کی طرح عذاب آ جائے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اور ایماندار مرد و عورتیں آپس میں بعض بعض کے دوست ہیں اللہ کی اطاعت اور اللہ کے دین کو سر بلند کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وہ نیکی یعنی ایمان و طاعت کا حکم دیتے ہیں۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بری باتوں سے روکتے ہیں یعنی شرک نفاق رسول اللہ کی نافرمانی اور خواہشات نفس کی اتباع سے منع کرتے ہیں۔

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ

اور نماز پابندی سے پوری شرائط کے ساتھ پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں یعنی اللہ اور رسول کے تمام احکام پر چلتے ہیں،

اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ یہ ہی ہیں جن پر اللہ ضرور رحمت فرمائے گا سَيَرْحَمُهُمْ میں سین تاکید پر دلالت کر رہی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ یقیناً" اللہ غالب ہے ہر چیز پر کوئی بھی اس سے سرتابی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

حَكِيْمٌ ۝ بڑا حکمت والا ہے ہر چیز کو اس نے اس کے مقام پر رکھا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

اللہ نے ایماندار مردوں اور عورتوں سے ایسی جنتیں دینے کا وعدہ کر لیا ہے جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ اور عدن کے باغوں میں ستھرے عمدہ مکان دینے کا (وعدہ کیا ہے) مکانوں کے طیب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان کے اندر زندگی پر لطف اور پاکیزہ ہو گی یا یہ کہ نفس مؤمن اس کو پسند کرے گا اور پاکیزہ سمجھے گا عدن کا معنی ہے قیام اور دوام عَدَنَ بِالْمَكَانِ کا معنی ہے اس جگہ قیام کیا۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے کہ عدن ایک جنت کا نام ہے کیونکہ ایک اور آیت آئی ہے جَنّٰتُ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ (الّتی اسم موصول موصوف ہے اور وَعَدَ الرَّحْمٰنُ پورا جملہ اس کی صفت ہے) اور اَلَّتِيْ وَالَّذِيْ کی صفت جب جملہ معرفہ ہو تو اَلَّتِيْ کا موصوف بھی معرفہ ہونا چاہیے لہٰذا) عدن جنت کے اندر خاص شہر کا (یا مخصوص مقام کا) نام ہے (مصدری معنی مراد نہیں ہے) میں کہتا ہوں اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

ابن مبارک طبرانی اور ابوالشیخ نے حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ آیت وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا حضور ﷺ نے فرمایا وہ موتی کا ایک محل ہو گا جس میں یاقوت سرخ کے ستر مکان ہوں گے ہر مکان میں سبز زمرد کی ستر کوٹھریاں ہوں گی۔ ہر کوٹھری میں ایک تخت ہو گا ہر تخت پر رنگارنگ کے ستر بستر ہوں گے۔ ہر بستر پر ایک فراخ چشم حور ہو گی جو جنتی کی بی بی ہو گی۔ ہر گھر میں ستر خادم اور خادمائیں بھی مامور ہوں گی مومن کے پاس روزانہ ہر صبح کے وقت کھانے پینے کی چیزیں آئیں گی جو ہر کوٹھری میں ملیں گی۔

ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت ابن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ اللہ نے چار چیزوں کو اپنے دست خاص سے بنایا

عرش، قلم، آدم، عدن۔ پھر فرمایا ہو جا (ظاہر) وہ چیز ہو گئی (یعنی عالم ظہور میں آ گئی) بزار ابن جریر ابن مردویہ اور المؤتلف والمختلف میں دار قطنی نے حضرت ابو درداء کی روایت سے رسول اللہ صلعم کا فرمان نقل کیا ہے کہ عدن اللہ کا (قائم کیا ہوا) ایک ایسا مکان ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور گذرا اس میں صرف تین (گروہوں کے) لوگ رہیں گے انبیاء صدیق اور شہید۔ اللہ فرمائے گا خوشی ہو اس کے لیے جو تیرے اندر داخل ہوا۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے برتن اور تمام چیزیں چاندی کے ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہیں اور جنت عدن کے اندر اہل جنت اور ان کے رب کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا۔ صرف (اللہ کی) کبریائی کی چادر ہوگی جو اللہ کے چہرے پر پڑی ہوگی۔

امام احمد ابو داؤد طیالسی اور بیہقی نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ فردوس کے جنتیں چار ہوں گی، دو جنتیں سونے کی ہوں گی الخ بیہقی نے کبریائی کی چادر کی تشریح میں کہا کہ اللہ کی کبریائی اور عظمت کی وجہ سے کوئی بھی ان کے بغیر اس کو نہ دیکھ سکے گا تو گویا اللہ کی کبریائی اور عظمت اس کو (اہل جنت کی نظروں سے) پوشیدہ رکھنے کا ذریعہ ہوگی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا وہ یعنی عدن کے باغات جنت کے وسط میں ہیں۔

حضرت عبداللہ عمرو بن عاص نے فرمایا جنت کے اندر ایک محل ہے جس کو عدن کہا جاتا ہے، اس کے گرداگرد برج اور سبزہ زار ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں جن میں سوائے نبی اور صدیق اور شہید کے کوئی اور داخل نہ ہوگا۔

حسن بصری نے فرمایا وہ سونے کا قصر ہے جس کے اندر سوائے نبی یا صدیق یا شہید یا منصف حاکم کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔

عطاء بن سائب کا قول ہے۔ عدن جنت میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کناروں پر باغ ہیں۔

مقاتل اور کلبی نے کہا عدن جنت کے اندر ایک بہت اونچا درجہ ہے اسی میں تسنیم کا چشمہ ہے اس درجہ کے گرداگرد گھنے درخت ہیں جن سے ابتدائے آفرینش سے وہ گھرا ہوا اور ڈھانپا ہوا ہے اور اس وقت تک چھپا رہے گا کہ اس میں انبیاء و صدیق شہید اور صالح الاعمال اور وہ لوگ داخل ہوں جن کا داخلہ اللہ کی مشیت میں ہے عدن موتی، یاقوت اور سونے کے محل ہیں عرش کے نیچے سے ایک پاکیزہ خوشبودار ہوا چلے گی اور اہل عدن کے پاس ڈھیروں سفید مشک لے کر آئے گی (جیسے طوفانی ہوا کے جھکڑ ڈھیروں ریت ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لا کر ڈال دیتے ہیں)

قرطبی کا بیان ہے لوگ کہتے ہیں جنتیں سات ہیں دار الخلد، دار الجنان، دار السلام، جنت عدن، جنت الماوی جنت النعیم اور فردوس، بعض نے حضرت ابو موسیٰ کی روایت کردہ حدیث کی وجہ سے صرف چار جنتیں قرار دی ہیں جنت الماوی خلد، عدن، دار اسلام۔ اس حدیث میں صرف چار کا ذکر آیا ہے۔ حکیم (ترمذی) نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ حکیم نے کہا کہ دو جنتیں مقربین کے لیے ہیں اور دو جنتیں اصحاب الیمین (دائیں سمت والوں) کے لیے اور ہر جنت میں بکثرت درجات، طبقات اور دروازے ہیں۔ ”وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً“ فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ کا عطف جنّٰتٍ ”تجری“ پر ہے ہر شخص کا مسکن جدا ہوگا اس لئے مساکن متعدد ہوں گے یا یوں کہا جائے کہ مجموعہ کے مساکن مجموعہ ہوں گے اس طرح ہر فرد کا مسکن ایک ہوگا اور مجموعہ کے مساکن مجموعہ یا یوں کہو کہ جنات کے تین اوصاف بیان فرمائے جو الگ الگ ہیں، اول تو یہ فرمایا کہ جن (دنیوی) مساکن سے وہ واقف ہیں جنت کے مساکن ان سے اعلیٰ اور شاندار ہوں گے مساکن کا لفظ سنتے ہی سننے والوں کی طبیعتوں کا جھکاؤ اور میلان اس طرف ہو جاتا ہے۔ پھر ”طیبۃ“ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے مساکن ہر طرح کی کدورت سے پاک صاف ہوں گے۔ ہر جاذب نظر صورت اور لذت بخش مرغوب طبع چیز ان میں موجود ہوگی پھر عدن کا لفظ فرما کر یہ بتایا کہ وہاں قیام دوامی ہوگا کبھی کسی تغیر اور فناء کا گذر نہ ہوگا۔ پھر ذیل کے جملہ میں سب سے بڑی نعمت کا ذکر کیا اور فرمایا۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور اللہ کی خوشنودی بھی (ان کو ملے گی جو) سب نعمتوں سے بڑی ہوگی۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اہل جنت سے فرمائے گا اے

جنت والو۔ جنتی جواب دیں گے اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور خدمت کے لیے موجود ہیں۔ اللہ فرمائے گا کیا تم خوش ہو گئے جنتی عرض کریں گے راضی نہ ہونے کی کیا وجہ تو نے تو ہم کو وہ چیزیں عطا فرمائیں جو کسی کو نہیں دیں۔ اللہ فرمائے گا میں نے اس سب سے بڑھ کر ایک چیز اور تم کو دی ہے جنتی عرض کریں گے وہ کیا چیز ہے اللہ فرمائے گا میں اپنی خوشنودی تم پر نازل کر رہا ہوں آئندہ کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو چلیں گے تو اللہ فرمائے گا کیا تم کو کسی اور چیز کی طلب ہے جو میں عطا کروں جنتی عرض کریں گے اے ہمارے مالک جو کچھ تو نے ہم کو عطا فرمادیا اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہے۔ اللہ فرمائے گا اللہ کی (تھوڑی) رضامندی ان سب سے بڑھ کر ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ یہی (یعنی اللہ کی رضامندی یا وہ نعمتیں جن کا ذکر سابق آیت میں کر دیا گیا ہے) بڑی کامیابی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہر کامیابی حقیر ہے۔ ۹ ع ۱۵

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ اے نبی کافروں سے جہاد کرو یعنی تلوار سے۔

وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور منافقوں سے (بھی) جہاد کرو۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک نے فرمایا یعنی زبان سے منافقوں سے جہاد کرو۔ ان سے کلام میں نرمی نہ کرو درشتی کرو۔ حسن اور قتادہ نے کہا یعنی ان پر شرعی حدود قائم کرو۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر ہاتھ سے ہو سکے تو ہاتھ سے جہاد کرے۔ ہاتھ سے ممکن نہ ہو تو زبان سے جہاد کرے یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے جہاد کرے حضرت ابن مسعود نے یہ بھی فرمایا کہ منافق سے ملاقات ترش روئی کے ساتھ کی جائے (یعنی خوش اخلاقی کا سلوک اس سے نہ کیا جائے)

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۗ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اور ان پر سختی کیجئے (دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں اور آخرت میں) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

عطاء نے کہا اس آیت نے عفو اور درگذر کے ہر حکم کو منسوخ کر دیا (گویا عطاء کے نزدیک منافقوں سے سلوک کے متعلق یہ آیت آخری آیت ہے)

ابن جریر نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے، بیٹھے بیٹھے فرمایا ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے یہ کہتے ہی نیلی آنکھوں والا ایک شخص سامنے سے نمودار ہو گیا حضور ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا کہتے ہیں یہ کلام سن کر وہ شخص چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر حاضر ہوا اور سب نے اللہ کی قسم کھا کر کہا ہم نے (آپ کے متعلق کوئی بری بات) نہیں کہی اس قول و قسم کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے درگذر فرمائی اس پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات نہیں کہی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت ان لوگوں میں سے تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کو نہیں گئے تھے۔ جلاس نے کہا تھا کہ اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں (کہ اس کی سچائی بھی نہیں سمجھتے یا یہ مطلب کہ ہم گدھوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں) حضرت عمیر بن سعد نے یہ اطلاع رسول اللہ کو جا کر دیدی جلاس قسم کھا گیا کہ میں نے تو یہ بات نہیں کہی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آیت کے نزول کے بعد جلاس نے سچے دل سے توبہ کر لی تھی اور اس کی توبہ اچھی ثابت ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بھی یہی بیان کیا ہے ابن اسحاق نے بھی حضرت کعب کا بیان یونہی نقل کیا ہے اور ابن سعد نے طبقات میں عروہ کی روایت سے اسی

کسی سے مراد ملائکہ ہیں دوزخی مراد نہیں ہیں نہ دوسری بے جان اور بے عقل مخلوق مراد ہے۔ یہی ظاہر مطلب ہے۔ (از مصنف)

طرح بیان کیا ہے بغوی نے کلبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول جلاس بن سوید کے بارے میں ہوا رسول اللہ ﷺ نے ایک روز تبوک میں خطبہ دیا تھا جس میں منافقوں کا ذکر کیا تھا ان کو برا کہا تھا اور گندگی قرار دیا تھا (یعنی فرمایا تھا کہ منافق رجس ہیں) جلاس (کو اس قول کی اطلاع پہونچی تو اس) نے کہا اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بدتر ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے مدینے کو واپس تشریف لائے تو حضرت عامر بن قیس نے حاضر ہو کر جلاس کے قول کی اطلاع آپ کو دے دی۔ جلاس نے کہا یارسول اللہ یہ مجھ پر دروغ بندی کر رہا ہے رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو منبر کے پاس جا کر قسم کھانے کا حکم دیا۔ جلاس نے عصر کے بعد منبر کے پاس جا کر قسم کھائی اور کہا قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے یہ بات نہیں کہی اور اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے پھر عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، انہوں نے یہ بات کہی اور میں نے اس پر دروغ بندی نہیں کی۔ پھر حضرت عامر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ اپنے نبی پر سچی بات نازل فرما دے۔ رسول اللہ نے فرمایا آمین......

امین ہو تا ہے اس کے بعد دونوں الگ الگ نہ ہونے پائے تھے کہ جبرئیل یہ آیت یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ سے خَيْرًا لَّهُمْ تک لے کر نازل ہوئے جلاس آیت سن کر فوراً کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یارسول اللہ میں سن رہا ہوں کہ اللہ نے توبہ کی پیش کش فرمائی ہے عامر بن قیس اپنے قول میں سچے ہیں میں نے یہ بات کہی تھی اب میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں رسول اللہ نے جلاس کی توبہ قبول فرمالی جلاس نے توبہ کرلی اور ان کی توبہ صحیح ثابت ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (ایک روز) خطبہ دے رہے تھے، ایک منافق کہنے لگا اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں حضرت زید بن ارقم نے یہ بات سن لی اور رسول اللہ ﷺ تک پہنچادی مگر وہ شخص منکر ہو گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا ہم سے ذکر کیا گیا تھا کہ دو آدمیوں کا جھگڑا ہو گیا ایک جہینہ کا تھا اور دوسرا غفار کا قبیلہ جہینہ انصار کا حلیف تھا غفاری شخص جہینی پر غالب آگیا عبداللہ بن اوس بولا اپنے بھائی کی مدد کرو۔ ہماری اور محمد کی حالت تو ایسی ہے جیسے کہاوت ہے کہ اپنے کتے کو (کھلا کھلا کر) موٹا کرو وہ تجھے ہی کھائے گا جب ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو عزت والے (ان) ذلیلوں کو نکال باہر کر دیں گے ایک مسلمان نے اس قول کی اطلاع رسول اللہ کو پہنچادی حضور نے آدمی بھیج کر عبداللہ بن اوس کو بلوایا اور اس سے جواب طلب کیا وہ اللہ کی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ عبداللہ بن اوس کا) یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کا تھا جس کا ذکر ہم نے سورت منافقون میں کر دیا ہے۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی بعض نے کہا کہ کلمہ کفر سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا۔ بعض کا قول ہے کہ جلاس کی بات مراد ہے اس نے کہا تھا کہ محمد اگر سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ بعض کے نزدیک عبداللہ بن اوس کا یہ قول ہے کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ان ذلیلوں کو نکال باہر کر دیں گے۔

وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ یعنی اسلام (کو ظاہر کرنے) کے بعد انہوں نے کفر (ظاہر) کیا۔

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی روایت میں آیا ہے کہ تبوک کے راستہ میں بارہ منافق آکر گھاٹی میں کھڑے ہو گئے تاکہ اچانک رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیں جبرئیل نے آکر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی اور (اللہ کی طرف سے) حکم دیا کہ کسی آدمی کو بھیج دو تاکہ ان کی اونٹنیوں (کے منہ پر مار کر ان) کے رخ پلٹ دے حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ کو بھیج دیا، یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ آیت میں یہی واقعہ مراد ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے جس کو اسود کہا جاتا تھا رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا منافقوں نے اس مسلمان کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا جس نے ان کا قول لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ سن پایا تھا وہ اس شخص کو قتل کر کے راز کو افشا ہونے سے روکنا چاہتے تھے۔ بعض نے کہا غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دینے کا ارادہ منافقوں نے کر لیا تھا۔ سدی نے کہا منافقوں نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر ہم عبداللہ بن ابی کے سر پر سرداری کا تاج رکھ دیں گے لیکن ان کی یہ مراد پوری نہیں ہوئی۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اور یہ انھوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اللہ کے فضل (رزق) سے مال دار کردیا۔ یعنی ان کو کوئی امر ناگوار نہیں ہوا اور نہ ان کے لیے کوئی بات موجب انتقام ہوئی سوائے اس کے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے ان کے ساتھ بھلائی کی تھی اور کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا دل میں محبت اور کردار میں اطاعت پیدا کرنے کا سبب ہے۔ دشمنی اور جذبہ انتقام کو برانگیختہ کرنے کا باعث نہیں (مگر انھوں نے احسان کا بدلہ عداوت اور انتقام سے دیا) اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ لوگ انتہائی شریر اور خبیث ہیں بھلائی کا بدلہ برائی سے دے رہے ہیں۔ ابن جریر اور ابوالشیخ نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابن عدی بن کعب کے غلام نے کسی انصاری کو قتل کردیا تھا حضور نے اس کے خون بہا میں بارہ ہزار (درہم) ادا کرنے کا فیصلہ کیا بغوی نے لکھا ہے کہ جلاس کا غلام مارا گیا تھا حضور ﷺ نے اس کی دیت میں بارہ ہزار درہم جلاس کو دلوائے جس سے وہ مال دار ہوگیا ، اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں رونق افروز ہونے سے پہلے اہل مدینہ بڑے تنگ حال تھے۔ حضور کی تشریف آوری کے بعد اموال غنیمت کی وجہ سے خوش حال ہوگئے۔

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ اب اگر (کفر و نفاق سے) یہ توبہ کرلیں گے تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔ سطور بالا میں ہم لکھ چکے ہیں کہ اسی آیت نے جلاس کو توبہ کرنے پر مجبور کیا۔

وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ اور اگر (اخلاص و توبہ سے) انھوں نے منہ پھیرا تو اللہ ان کو دنیا میں (رسوائی اور قتل کا) اور آخرت میں (دوزخ کا) دردناک عذاب دے گا۔

وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے نہ مددگار جو انہیں قتل و رسوائی سے بچا سکے۔

بغوی ، ابن جریر ، ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ اور طبرانی نے نیز بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو امامہ باہلی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ دعا کردیجیے کہ اللہ مجھے مال (کثیر) عطا فرمادے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اللہ کے رسول کا طریقہ تمہارے لیے لائق پیروی نہیں ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا کہ سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں (جہاں میں جاؤں میرے ساتھ جائیں) تو وہ ضرور چلتے (ثعلبہ خاموش ہوگیا) پھر کچھ مدت کے بعد حاضر خدمت ہو کر اس نے درخواست کی یارسول اللہ اللہ سے دعا فرمادیجیے کہ وہ مجھے مال نصیب کردے۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اگر اللہ نے مجھے مال نصیب کردیا تو میں ہر حقدار کا حق ضرور ادا کروں گا حضور نے دعا فرمائی اے اللہ ثعلبہ کو مال عطا فرمادے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد ثعلبہ نے کچھ بکریاں پالیں اور ان میں اتنی بڑھوتری ہوئی کہ مدینہ میں ان کے رہنے کی گنجائش نہیں رہی مجبوراً ثعلبہ بکریاں لے کر مدینہ کی کسی وادی میں جا بسا اور بکریوں میں کیڑوں کی طرح بڑھوتری ہوتی رہی (اب یہ نوبت آگئی کہ) ثعلبہ ظہر اور عصر کی نمازیں تو رسول اللہ کے ساتھ پڑھتا تھا۔ باقی نمازیں اپنی بکریوں کے مسکن میں پڑھتا تھا اس کے بعد بھی بکریوں میں اضافہ اور کثرت ہوتی رہی اور اتنی تعداد بڑھی کہ مدینہ سے دور ان کو گھر رہنا پڑا چنانچہ صرف جمعہ کی نماز کے لئے مدینہ آنے کا موقع ملتا باقی نمازیں بکریوں کی قیام گاہ پر پڑھتا تھا۔ اور ترقی ہوئی تو اس کو مدینہ سے اور دور بکریاں لے کر رہنا پڑا اب جمعہ اور جماعت سے مکمل طور پر غیر حاضری ہوگئی جمعہ کے دن وہ صرف آتا گزرتا کہ راستہ میں کوئی مل جاتا اور لوگوں سے ملاقات کرکے خبر معلوم کرلیتا ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثعلبہ کا کیا ہوا صحابہ نے عرض کیا اس نے بکریاں پال لی ہیں اور بکریاں اتنی ہیں کہ ایک وادی (بھی) میں سماتی ہیں (اس لیے جماعت سے غیر حاضر رہتا ہے) حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ثعلبہ ہلاک ہوگیا یہ لفظ حضور نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کی بعد جب وصولی زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے وصول صدقات کی لیے دو آدمی مقرر کیے ایک بنی سلیم کا اور ایک جہینہ کا دونوں کو ایک تحریر دیدی جس میں (قابل زکوٰۃ جانوروں کی)

عمریں لکھوادیں اور یہ بھی ہدایت کردی کہ کس طرح وصول کریں اور زبانی حکم دے دیا کہ ثعلبہ بن حاطب اور بنی سلیم کے فلاں شخص کے پاس جا کر ان سے زکوٰۃ (کے جانور) وصول کرنا حسب الحکم دونوں (پہلے) ثعلبہ کے پاس گئے رسول اللہ ﷺ کی تحریر پڑھ کر سنائی اور زکوٰۃ کے جانور طلب کیے ثعلبہ بولا یہ کیسے ٹیکس ہیں یہ تو (کافروں پر لگائے گئے) ٹیکسوں کی طرح ہیں اب تو تم کو جہاں جانا ہے جاؤ جب اور جگہ سے فارغ ہو جاؤ تو لوٹ کر میرے پاس آنا دونوں حضرات چلے گئے بنی سلیم والے شخص نے جب ان بزرگوں کی آمد کی خبر سنی تو اپنے جانوروں میں سے بہترین عمر والے جانور چھانٹ کر زکوٰۃ میں پیش کیے۔ ان محصلوں نے کہا ایسے (بہترین) جانور دینا تو تم پر لازم نہیں ہیں سلمی نے کہا لے لیجئے میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں ان حضرات نے لے لیے پھر دوسرے مال دار کے پاس گئے اور ان سے زکوٰۃ وصول کی آخر میں ثعلبہ کے پاس لوٹ کر آئے ثعلبہ کے پاس لوٹ کر آئے ثعلبہ نے کہا ذرا مجھے اپنی تحریر تو دکھاؤ تحریر پڑھنے کے بعد بولا یہ کیا ٹیکس لگائے ہیں یہ تو (غیر مسلموں کے) ٹیکسوں کے بھائی ہیں تم دونوں (اب تو) چلے جاؤ میں سوچ لوں رائے قائم کر لوں دونوں حضرات چلے گئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ حضور نے تین بار فرمایا ہاں۔ ثعلبہ ہلاک ہو گیا۔ پھر سلمی شخص کی لیے دعا خیر فرمائی۔ ثعلبہ نے جو جواب دیا تھا ان حضرات نے وہ بعد کو بتایا۔ اس پر آیت ذیل ثعلبہ کے حق میں نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝

اور ان میں سے بعض آدمی ایسا بھی ہے جس نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ ہم کو اپنے فضل سے عطا فرماوے گا تو ہم ضرور صدقہ دیں گے اور یقیناً " صالحین (نیکوکار لوگوں) میں سے ہوں گے۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے عوفی کی سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ منافقوں میں سے کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا کہ اگر اللہ ہم کو دے گا تو ہم زکوٰۃ دیں گے اور اہل صلاح کے سے کام کریں گے۔ مراد یہ ہے کہ صلۃ الرحم (کنبہ پروری) کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے اور اللہ کی راہ میں جو خرچ کرنا واجب یا مستحب ہوگا وہ کریں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ سو جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے بہت سا مال دے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے (کہ زکوٰۃ نہ دی) اور اطاعت سے روگردانی کرنے لگے اور وہ تو (اطاعت سے) منہ موڑنے کے پہلے سے عادی ہیں۔ یعنی مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ حق اللہ ادا نہیں کرتے اللہ اور اس کے رسول کی طاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور طاعت سے کترا جانا ان کی عادت ہی ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں کے اندر نفاق قائم کر دیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا۔

یعنی اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے یا بخل نے ان کے دلوں میں بداعتقادی پیدا کر دی، انہوں نے اللہ کی ادائے زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل واجب نہ سمجھی اور وجوب زکوٰۃ کا انکار کر دیا اور اس کو جزیہ کی طرح قرار دیا۔ اور یہ بداعتقادی ان کے دلوں میں مرتے دم تک رہے گی یا قیامت کے دن تک رہے گی جبکہ کرتوت کی سزا ان کے سامنے آئے گی یا قبر میں (عذاب سامنے) آنے تک رہے گی مقصد یہ ہے کہ اللہ نے توبہ سے ان کو محروم کر دیا ان کی موت نفاق پر ہو گی۔

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝ کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو (زکوٰۃ ادا کرنے اور نیک ہونے کا) وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ تھے۔ وعدہ خلافی جھوٹ پر مشتمل ہوتی ہے۔ (ایک تو وعدہ کے خلاف کرنا بجائے خود برا ہے دوسرے وعدہ خلافی کی اندر جو جھوٹ ہوتا ہے وہ بھی قبیح ہوتا ہے اس لیے) وعدہ خلافی میں دوہری برائی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (عملی) منافق کی تین نشانیاں ہیں بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

مسلم کی روایت میں حدیث کے الفاظ اتنے زائد ہیں خواہ وہ روزے رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویدار ہو۔

بغوی اور ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے جو مذکورہ بالا حدیث بیان کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو اس وقت رسول اللہ کے پاس ثعلبہ کا کوئی رشتہ دار موجود تھا۔ وہ آیت سن کر فوراً ثعلبہ کے پاس پہنچا اور کہا ارے ثعلبہ تیرے بارے میں اللہ نے ایسا ایسا نازل فرمایا ہے۔ ثعلبہ سنتے ہی خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میرا مال زکوٰۃ قبول فرما لیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ ثعلبہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا حضور نے فرمایا یہ تیرا کرتوت ہے میں نے تجھے حکم دیا تھا مگر تو نے نہیں مانا۔ غرض رسول اللہ ﷺ نے جب ثعلبہ کی زکوٰۃ قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ اپنے گھر لوٹ گیا۔ پھر حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مال زکوٰۃ قبول کرنے کی استدعا کی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا رسول اللہ نے قبول نہیں فرمائی اور میں قبول کر لوں (ایسا نہیں ہو سکتا) حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ والی بنائے گئے تو ثعلبہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مال زکوٰۃ کو قبول کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے اور ابوبکر نے تیری زکوٰۃ قبول نہیں کی اور میں قبول کر لوں (ایسا نہیں ہو سکتا) چنانچہ آپ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ ان کے پاس بھی آیا مگر آپ نے بھی اس کی زکوٰۃ قبول نہیں کی۔ آپ ہی کے خلافت میں ثعلبہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور قتادہ کا بیان ہے کہ ثعلبہ انصار کی ایک مجلس میں آیا اور ان کو گواہ کر کے کہا کہ اگر اللہ مجھے اپنے فضل سے نوازے گا تو میں اس میں سے ہر حقدار کا حق ادا کروں گا خیرات دوں گا اور اقربا پروری کروں گا (اتفاقاً) اس کے چچا کے بیٹے کا انتقال ہو گیا اور ثعلبہ اس کے مال کا وارث ہوا مگر اس نے اپنا قول پورا نہیں کیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حسن بصری اور مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر کے حق میں ہوا یہ دونوں بنی عمرو بن عوف کے خاندان میں سے تھے قبیلہ کے سرداروں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی یہ دونوں ادھر سے گذرے اور ان کے سامنے کہا خدا کی قسم اللہ اگر ہم کو اپنے فضل سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم (فرض و مستحب) خیرات کریں گے لیکن جب اللہ نے ان کو عطا فرمایا تو یہ کنجوس ہو گئے (اور زکوٰۃ بھی نہیں دی)

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٧٨﴾

کیا یہ (منافق یا وہ لوگ جنہوں نے زبان سے اللہ سے اپنی پوشیدہ نیتوں کے خلاف وعدہ کیا تھا) نہیں جانتے کہ اللہ ان کے چھپے (ارادوں اور نفاق) سے اور سرگوشیوں سے (جن میں اصول اسلام پر طعن کرتے اور زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دیتے ہیں) واقف ہے اور اللہ چھپی باتوں کو خوب جانتا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا آیت صدقہ نازل ہوئی تو اس زمانہ میں ہم اپنی پشت پر (مزدوری کا) بوجھ اٹھایا کرتے تھے (یعنی بار برداری کی مزدوری کرتے تھے مگر آیت صدقہ نازل ہونے کا یہ اثر پڑا کہ) فوراً بعض آدمیوں نے بہت سا مال لا کر خیرات کیا اور بعض نے صرف ایک صاع دیا اور اس پر منافق زیادہ خیرات کرنے والے کے متعلق کہنے لگے اس نے دکھاوے کے لیے دیا ہے۔ اور ایک صاع دینے والے کے متعلق کہا اس کے دینے کی اللہ کو ضرورت نہیں (اس حقیر مال کا کیا ثواب) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٩﴾

یہ (منافق) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور (خصوصاً) ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز محنت مزدوری کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں اللہ ان کو اس تمسخر کا خاص بدلہ تو دے گا اور ان کو (آخرت میں) دردناک سزا ملے گی۔

الْمُطَّوِّعِيْنَ (بخوشی دینے والے) اپنی دلی رغبت سے دینے والے۔ فِي الصَّدَقٰتِ سے مراد خیرات زیادہ دینا یعنی اپنی خوشی سے خیرات میں زیادہ مال دینے والے۔ جهد کا معنی ہے طاقت یعنی اپنے قابو اور استطاعت کے مطابق تھوڑا سا مال دیتے ہیں (زیادہ مال ان کے پاس نہیں ہوتا)

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چار ہزار درہم لا کر پیش کیے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے چار ہزار خدمت گرامی میں لا کر حاضر کر دیئے آپ ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیجئے۔ چار ہزار اپنی اہل و عیال کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ فرمایا جو کچھ تم نے دیا اور جو کچھ روک لیا اللہ (سب میں) تم کو برکت دے اس دعا کا اثر تھا کہ اللہ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے مال میں اتنی برکت دی کہ وفات کے وقت آپ کی دو بیبیاں تھیں۔ جن کا میراثی حصہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کل ترکہ کا آٹھواں حصہ تھا اس آٹھویں حصہ میں دو بیبیوں کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم ملے۔ دوسری روایت میں آیا کہ ایک بی بی کا حصہ (تقسیم اور حساب سے پہلے دوسرے وارثوں نے) اسی ۸۰ ہزار درہم میں لے لیا اور واقع میں اس کا میراثی حصہ اسی ہزار سے زائد تھا۔

اس روز حضرت عاصمؓ بن عدی عجلانی نے سو وسق چھوارے دیئے۔ (ایک وسق ساٹھ صاع ایک صاع چار سیر) ابو عقیل انصاریؓ نے جن کا نام حجاب تھا اس روز ایک صاع چھوارے پیش کیے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ رات بھر پانی کھینچ کر میں نے دو صاع کی مزدوری کی تھی، ایک صاع گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا اور ایک صاع حاضر خدمت کر دیئے رسول اللہ ﷺ نے وہ چھوارے تمام مال صدقات (کے ڈھیر) پر بکھیر دینے کا حکم دیا اس پر منافقوں نے طنز کیا کہنے لگے عبدالرحمٰن اور عاصم نے جو کچھ دیا وہ دکھاوٹ کے لیے دیا اور ابو عقیل کا ایک صاع ناقابل قدر ہے اس کی اللہ اور اس کے رسول کو کوئی ضرورت نہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کی مفلسی کا تذکرہ آجائے اور مال خیرات میں سے اس کو کچھ مل جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی المطوعین سے مراد حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عاصم ہیں اور الذین لا یجدون الخ سے مراد حضرت ابو عقیل۔ میں کہتا ہوں یہ قصہ حضرت ابن عباس کی روایت سے امام احمد ابن جریر اور ابن مردویہ نے اور حضرت عبدالرحمٰن کی ایک بیوی (جس کا نام تماضر تھا) کا اسی ہزار درہم لے کر اپنے حصہ سے دست بردار ہو جانے کا قصہ حضرت ابو عقیل کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا ہے اور یہی قصہ حضرت ابوہریرہ حضرت ابوسعید خدری حضرت ابو عقیل حضرت عمیرہ بنت سہل بن رافع کی روایات سے بھی منقول ہے جس کو مفصل ابن مردویہ نے نقل کیا ہے۔

اللہ کے مذاق کرنے سے مراد ہے مذاق اڑانے کی سزا دینی۔ بیہقی نے حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں سے استہزاء کرنے والوں کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا آجاؤ وہ اپنی بے چینی اور غم کے ساتھ آئیں گے اور داخل ہونے والے ہی ہوں گے کہ دروازہ بند کر لیا جائے گا۔ یہ مذاق ان سے اس حد تک ہوتا رہے گا کہ آخر کار جب ان کے لیے جنت کا کوئی دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے داخل ہونے کو کہا جائے گا۔ تو ناامید ہو جانے کی وجہ سے کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔

بیضاوی نے لکھا کہ عبداللہ بن ابی منافق تھا لیکن اس کا بیٹا عبداللہ پکا مومن تھا جب عبداللہ بن ابی مرض موت میں مبتلا تھا تو مومن بیٹے نے اپنے باپ کے لیے دعاء مغفرت کرنے کی رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی حضور ﷺ نے دعا کر دی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

ان (منافقوں) کی لیے آپ دعاء مغفرت کریں یا نہ کریں، دونوں برابر ہیں اگر ان کے لیے ستر بار آپ دعائے مغفرت کریں گے۔ تب بھی اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ اِسْتَغْفِرْ امر کا صیغہ ہے لیکن مراد (مفہوم امر نہیں بلکہ) استغفار اور عدم استغفار دونوں صورتوں کی برابری کی خبر دینا ہے یعنی دونوں صورتیں ان کے لیے برابر ہیں کوئی بھی

ان کے واسطے مفید نہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ان کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کروں گا۔ اس کے بعد آیت سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ نازل ہوئی بخاری و مسلم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے اسی معنی کی حدیث نقل کی ہے اور ابن المنذر نے عروہ مجاہد اور قتادہ کی روایت سے۔ ابن المنذر نے عوفی کی سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سن رہا ہوں کہ میرے رب نے منافقوں کے بارے میں (ستر بار سے زائد استغفار کرنے کی) مجھے اجازت دی ہے۔ خدا کی قسم میں ستر بار سے زیادہ (ان کے لیے) دعاء مغفرت کروں گا شاید اللہ ان کو معاف فرمادے اس پر آیت اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ نازل ہوئی۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ لفظ سبعین سے رسول اللہ ﷺ نے ستر کا معین عدد سمجھ لیا اسی لئے خیال کیا کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے کا حکم ستر بار استغفار کرنے سے الگ ہوگا (ستر بار استغفار کرنے سے مغفرت نہ ہوگی ستر بار سے زیادہ دعا کی جائے تو مغفرت ہو سکتی ہے۔ حقیقت میں یہ رسول اللہ ﷺ کی شفقت اور رحمت تھی، آپ دل سے خواستگار تھے کہ کسی صورت سے منافقوں کی مغفرت ہو جائے۔ چونکہ اللہ کے کلام میں لفظی اعتبار سے گنجائش تھی کہ ستر سے محدود عدد مراد لے لیا جائے اس لیئے ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے کا جواز نکال لیا) لیکن آپ کو بتا دیا گیا کہ سبعین سے محدود عدد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے، سات ستر اور سات سو کا لفظ عربی زبان میں کثیر عدد کے لیے عام طور پر مستعمل ہوتا ہے سات کا لفظ دونوں قسم کے عددوں کو مشتمل ہے، تین سے کم کو قلیل اور کم سے کم تین کو کثیر کہا جاتا ہے، زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

اس کے علاوہ عدد دو طرح کا ہوتا ہے۔ طاق اور جفت۔ دو پہلا جفت ہے اور تین پہلا طاق۔ ایک عدد ہی نہیں ہے۔ سات جفت و طاق کا پہلا کثیر مجموعہ، اس کے اندر تین طاق ہیں (۷۔ ۵۔ ۳)، اور تین جفت (۲۔ ۴۔ ۶) اور دس پر حساب ختم ہو جاتا ہے، دس سے اوپر کی گنتی اسی کے ساتھ اکائیوں یا دہائیوں کو جوڑ کر بنتی ہے۔ ۱۲ یعنی دس اور دو۔ ۱۳ یعنی دس اور تین ۲۰، یعنی دو دس۔ ۳۰ یعنی تین دس۔ سو یعنی دس دہائی۔

ستر کے اندر دو لفظ داخل ہیں سات۔ دس۔ سات تو کثرت اور جفت و طاق کا سب سے پہلا مجموعہ ہے اور دس پر حساب ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ستر ہر جہت سے کثیر اعداد کا کم سے کم مجموعہ ہے اور کثرت عدد غیر متناہی ہے۔ پس گویا ستر کہنے سے پوری جفت و طاق اور کثیر اعداد مراد لینا صحیح ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یہ (مغفرت سے مایوسی کا فیصلہ) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ یعنی مغفرت سے مایوسی کا فیصلہ اس لیئے نہیں کہ اللہ نے کچھ بخل۔ کیا یا آپ کے اندر کوئی کوتاہی ہے بلکہ اس کی وجہ صرف منافقوں کی عدم قابلیت ہے کفر نے ان کو مغفرت کی قابل ہی نہیں رکھا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا یعنی جو لوگ کفر ع ۱۰ / ۱۶
پر اڑ جائیں اور کفر میں سرکش بن جائیں اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا۔ یہ کلام گویا گزشتہ کلام کی دلیل ہے۔ کافر کی مغفرت کا صرف ایک راستہ ہے وہ یہ کہ کفر سے اس کو روک دیا جائے اس کے کفر کی جڑ اکھاڑ دی جائے اور حق کا راستہ دکھا دیا جائے۔ لیکن جو شخص کفر میں منہمک ہو جس کی سرشت کفر ہو جائے وہ کفر سے باز نہیں آسکتا اور راہ حق پر نہیں چل سکتا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (غزوہ تبوک سے) رسول اللہ کے پیچھے بیٹھ رہنے والے اپنے اس بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے (یعنی جو لوگ ساتھ لے جانے سے چھوڑ دیئے گئے وہ خوش ہوئے)

ابو عبیدہ نے کہا خلاف کا معنی ہے پیچھے یعنی بعد رسول اللہ ﷺ کے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلاف کا معنی (اس جگہ) مخالفت ہے اس صورت میں یہ خوش ہونے کی علت کا اظہار ہوگا یعنی جن لوگوں کو ساتھ لے جانے سے چھوڑ دیا گیا وہ اس لیے خوش ہوئے کہ وہ رسول کے مخالف تھے۔

وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور انکو مال وجان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ناگوار تھا۔ اس جملہ میں مسلمانوں کی در پردہ تعریف ہے جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے جان ومال کی قربانی دی اور رضائے مولیٰ کو حاصل کیا۔

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ اور انہوں نے (آپس میں بھی اور مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کے لیے بھی) کہا کہ گرمی میں جہاد کے لئے نہ نکلو۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اپنے ہمراہ اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ یہ زمانہ گرمی کا تھا۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ۔ سخت گرمی ہے آپ کے لیے باہر نکلنا ناقابل برداشت ہے۔ اس گرمی میں جہاد کو نہ نکلئے اس پر نازل ہوا۔

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ بہت زیادہ گرم ہے۔ اور تم نے حکم جہاد کی مخالفت کر کے جہنم کی آگ کو اختیار کر لیا۔ یعنی تم بڑے جاہل ہو جو شخص ایک ساعت کی مشقت کو برداشت نہ کرے اور اس کی وجہ سے سخت ترین دوامی تکلیف میں پڑ جائے وہ بڑا جاہل ہے۔

لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔

یعنی اگر ان کو معلوم ہو جاتا جہنم کی آگ کیسی ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا تو پھر طاعت پر آرام کو ترجیح دے کر جہنم کی آگ کو نہ اختیار کرتے۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ جد نے جبار بن صخر اور اپنے ان ساتھیوں سے جو بنی سلمہ کے تھے کہا اس گرمی میں جہاد کو نہ نکلو۔ جد کو جہاد کی رغبت نہ تھی۔ جہاد کی حقانیت میں اس کو شک تھا اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق وہ بدگمانی پھیلانا چاہتا تھا (اس لیے گرمی کے بہانے سے اس نے لوگوں کو جہاد سے روکا) اس پر اللہ نے آیت قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا نازل فرمائی۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت گرمی میں تبوک کی طرف (بغرض جہاد) تشریف لے گئے اس پر بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا گرمی جہاد کو نہ جاؤ۔ اس کے رد میں اللہ نے نازل فرمایا قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ بیہقی نے دلائل میں دو طریقوں سے لکھا ہے کہ ایک منافق نے کہا تھا گرمی میں نہ نکلو اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا پس یہ ہنسیں گے کم اور روئیں گے بہت۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے یہ خوش ہوئے تو دنیا میں کچھ یا تھوڑی مدت کے لیے ہنس لیں گے اور آخرت میں بہت روئیں گے۔

فَلْيَضْحَكُوْا اور وَلْيَبْكُوْا اگرچہ امر کے صیغے ہیں لیکن مآل کار ان کو جن حالات سے دنیا اور آخرت میں دوچار ہونا تھا ان کی خبر دی گئی ہے یعنی امر بمعنی خبر ہے۔ خبر کو انشا کا جامہ پہنا کر پیش کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ایسا واقع ہونا یقینی اور قطعی ہے۔

ہنسنے اور رونے سے مراد یا تو حقیقی معنی ہیں یا بطور خوشی اور غم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہنسنے اور رونے کا تعلق صرف آخرت سے ہو یعنی وہ آخرت میں کم ہنسیں گے زیادہ روئیں گے (لیکن منافقوں کو تو آخرت میں کم ہنسنا بھی نصیب نہ ہو گا اس لیے) کم سے مراد ہو گا بالکل عدم (قلت بمعنی عدم عربی میں آتا ہے)

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ وہ دنیا میں جو کچھ کماتے تھے اس کی پاداش میں مذکورہ بالا سزا دی جائے گی۔

ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا کی تفسیر میں فرمایا دنیا قلیل ہے وہ یہاں جتنا

چاہییں ہنس لیں، جب دنیا ختم ہو جائے گی اور اللہ کے پاس پہنچیں گے تو ایسا رونا پڑے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا، دوامی ہوگا۔

ابن ماجہ، ابویعلی، بیہقی اور ہناد نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا۔ حضرت انس نے بیان کیا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ دوزخیوں کے لیے رونے کا ایک سیلاب چھوڑ دیا جائے گا۔ اتنا روئیں گے کہ آنسو ختم ہو جائیں گے، پھر خون کا گریہ ہوگا پھر چہروں پر لمبے شگافوں اور خندقوں کی طرح (زخموں) کے نشان پڑ جائیں گے (اتنے بڑے کہ) اگر ان میں کشتیاں چھوڑ دی جائیں تو بہنے لگیں۔

حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن قیس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دوزخی اتنا روئیں گے کہ اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی جائیں تو چل جائیں، پھر وہ خون کے آنسو بہائیں گے۔

ابن ابی الدنیا اور ضیاء نے حضرت زید بن رفیع کی مرفوع روایت سے دوزخ کی حالت اس طرح بیان کی کہ دوزخی جب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ تو مدت تک آنسوؤں سے روتے رہیں گے پھر مدت تک لہو کے آنسوؤں سے روئیں گے۔ دوزخ کے فرشتے ان سے کہیں گے، اے بدنصیب گروہ تم نے دنیا میں (گناہ سے) رونا چھوڑ دیا آج تمہارا فریاد رس کون ہے۔ دوزخی چیخیں گے، ہمارے باپ اور ماؤ۔ اور بیٹیو اور بیٹو۔ ہم قبروں سے پیاسے نکلے اور جب تک وہاں رہے پیاسے رہے اور اب بھی پیاسے ہیں کچھ پانی ہماری طرف بھی بہا دو اور جو نعمت اللہ نے تم کو عنایت فرمائی ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی دیدو چالیس برس یونہی چلاتے رہیں گے اور کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا پھر جواب ملے گا تو یہ ملے گا کہ تم کو یہیں رہنا ہے آخر وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں آیت کا تفسیری مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب لوگوں کو دنیا میں کم ہنسنا چاہیے۔ یہ امر استحبابی ہے۔ زیادہ ہنسنا مکروہ ہے۔ ہنسنے کی زیادتی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔ اور دنیا میں ہی اللہ کے خوف سے خوب روئیں تاکہ جو گناہ ہو گیا ہو اس کی تلافی کی جائے۔ رونے سے گناہ ساقط ہو جائیں۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ بخاری نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی بیان کی ہے حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوذر کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اس میں اتنا زائد بھی ہے اور تم کو کھانا گوارا ہو نہ پینا۔

طبرانی حاکم اور بیہقی نے حضرت ابودرداء کی روایت سے حسب ذیل الفاظ کے ساتھ حدیث مذکور نقل کی ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو بہت روتے کم ہنستے اور میدانوں میں نکل کر اللہ کے سامنے گڑگڑاتے۔ تم کو واقفیت نہ ہوتی کہ تمہاری نجات ہوگی یا نہ ہوگی، حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو زیادہ روتے کم ہنستے۔ نفاق ظاہر ہو جائے گا۔ امانت اٹھ جائی گی۔ رحمت سمیٹ لی جائیگی۔ امانت دار پر (خیانت کی) تہمت لگائی جائے گی جو امانت دار نہ ہوگا اس کو امین قرار دے لیا جائے گا۔ کالی رات کی طرح بڑے تاریک فتنے تم پر آپڑیں گے۔

بغوی نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے، لوگوں گریہ کرو۔ اگر رونا نہ آئے تو رونی شکل اختیار کرلو کیونکہ دوزخی دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے چہروں پر آنسو چھوٹی نہروں کی طرح بہیں گے، آخر آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہیگا یعنی خون کے آنسو بہنے لگیں گے) اور چشمے پھوٹ نکلیں گے یہاں تک کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو چل جائیں۔

امام احمد، اور ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم، روتے زیادہ اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے اور میدانوں میں نکل کر اللہ سے زاری کرتے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مومن بندہ اللہ کے خوف سے اپنی

آنکھوں سے آنسو نکلتا ہے خواہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر آنسو نکلنے سے اس کو دکھ پہنچتا ہے تو اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ اب جب اللہ آپ کو (مدینہ میں) لوٹا کر ان (منافقوں) کے کسی گروہ تک پہنچا دے اور وہ آپ سے (آئندہ کسی اور جہاد میں) نکلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم لوگ کبھی میرے ساتھ نہیں نکلو گے نہ میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے لڑو گے لَنْ تَخْرُجُوْا اور لَنْ تُقَاتِلُوْا خبری جملے ہیں لیکن نہی کے معنی میں ہیں کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے نہی کو بصورت خبر ذکر کیا ہے۔

إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿٨٣﴾ تم نے پہلی بار (یعنی تبوک کے موقع پر) بیٹھ رہنے کو پسند کیا (اور شریک نہ ہوئے) پس اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ پیچھے رہ جانے والوں سے مراد ہیں بیمار اپاہج بچے عورتیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جہاد کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی (اس لیے جہاد کو نہیں جاتے) حضرت ابن عباس نے فرمایا الْخَالِفِيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو بغیر عذر کے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے (جہاد کو نہیں نکلے) یا مخالفین مراد ہیں۔ فراء نے خالف معنی مخالف کہا ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی کا جب انتقال ہو گیا تو اس کی بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر باپ کے کفن کے لیے ایک کرتہ عطا فرمانے کی رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی حضور ﷺ نے عطا فرما دیا پھر حضور سے نماز جنازہ پڑھا دینے کی خواہش کی آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے حضرت عمر نے حضور ﷺ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے منافقوں کی نماز پڑھانے سے تو آپ کو منع فرما دیا ہے۔ فرمایا اللہ نے مجھے اختیار دے دیا ہے اور فرمایا ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً اور میں ستر بار سے زیادہ اس کے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یہ تو منافق تھا مگر حضور ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھا دی اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے لئے کبھی دعا نہ کرو۔ صلوٰۃ سے مراد اس جگہ میت کے لیے دعا و استغفار ہے۔ نماز جنازہ میں بھی دعا و استغفار ہی ہوتی ہے۔ اس لئے نماز جنازہ بھی اس میں داخل ہے۔ ابداً" (کبھی) یعنی کبھی ان کے مردہ کے لئے دعا نہ کرو یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے جو منافق دوامی موت مر گیا ہو یعنی کفر پر مرا ہو اس کے لیے دعا نہ کرو، کافروں کو دوبارہ زندہ کرنا عذاب دینے کے لیے ہو گا فائدہ اندوزی اور حصول ثواب کے لیے نہ ہو گا گویا وہ زندہ ہی نہ ہو گا اسی لیے کافر کے حق میں فرمایا ہے۔ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ۔

وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ اور اس کی قبر پر (بھی) نہ کھڑے ہو، نہ دفن کے لیے نہ زیارت کے لیے۔ روایت میں آیا ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ قبر پر دعا کرنے کے لیے توقف فرماتے تھے اسی لیے قبر پر کھڑا ہونے کی ممانعت فرما دی۔

إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨٤﴾ کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے یہ کلام ممانعت صلوٰۃ کی علت ہے یا منافقوں کی دوامی موت کی تائید۔

بخاری نے بوساطت ابن عباس حضرت خطاب کا بیان نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے کی دعوت دی گئی۔ حضرت عمر نے نقل کر کے بتایا کہ ابن ابی نے فلاں دن یہ یہ باتیں کہی تھیں اور فلاں دن یہ یہ باتیں (یعنی منافق تھا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے (استغفار کرنے اور نہ کرنے کا) اختیار دیا گیا ہے لہٰذا میں نے (اس کی لیے استغفار کرنے کو) اختیار کر لیا اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر بار سے زائد میری دعا کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی

تو میں ستر بار سے زائد دعائے مغفرت کرتا غرض آپ نے عبداللہ کے جنازہ کی نماز پڑھی پھر نماز سے واپسی کے بعد زیادہ توقف نہیں کیا تھا کہ سورت برائت کی دو آیتیں نازل ہو گئیں۔

بخاری نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ کے جنازہ پر اس وقت پہنچے جب کہ اس کو قبر کے گڑھے میں داخل کیا جا چکا تھا آپ نے جنازہ باہر نکلوایا اور اپنے زانو پر اس (کے سر) کو رکھ کر اپنا لعاب دہن اس کی منہ میں ڈالا اور اپنا کرتہ اس کو پہنایا۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ نیک مخلص لوگوں میں سے تھے انہوں نے اپنے باپ کے مرض موت میں رسول اللہ ﷺ سے باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی درخواست کی حضور نے دعا کر دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حاکم نے صحیح سند سے اور دلائل میں بیہقی نے حضرت اسامہ بن زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مرض موت کی حالت میں ابن اُبَیّ نے رسول اللہ ﷺ کو بلوا کر درخواست کی کہ آپ میرے لیے دعائے مغفرت کر دیجئے اور اپنے اس کپڑے کا مجھے کفن دلوا دیجئے جو آپ کے بدن سے لگا ہو اور میرے جنازہ کی نماز پڑھ دیجئے چنانچہ اس کے انتقال کے بعد کفن دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنا کرتہ عنایت فرما دیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

بخاری نے حضرت جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن (قیدیوں میں) جب حضرت عباس کو لایا گیا تو اس وقت آپ کے بدن پر کرتہ نہ تھا (اور کسی کا کرتہ آپ کے جسم پر آ بھی نہیں سکتا تھا) عبداللہ بن اُبَیّ نے اپنا کرتہ حضرت عباس کو دے دیا وہ آپ کے بدن پر ٹھیک تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہی کرتہ آپ کو پہنا دیا پھر اس کے بدلہ میں وہ کرتہ ابن ابی کے مرنے کے بعد عنایت فرمایا تھا جس کا اس کو کفن دیا گیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن اُبَیّ سے (اس کے مرنے کے بعد) جو سلوک کیا (یعنی قمیص مبارک اس کو پہنایا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی) اس کے متعلق صحابہ نے آپ سے کچھ کلام کیا (یعنی مئودبانہ شکایت کی) حضور نے فرمایا میرا کرتہ اور میری نماز اللہ (کے عذاب) سے اس کو نہیں بچائے گی۔ خدا کی قسم میری خواہش تو یہ تھی کہ اس کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ابن اُبَیّ کی قوم والوں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے قمیص سے اس نے تبرک حاصل کیا تو ایک ہزار آدمی مسلمان ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی اور وقت وفات تک کسی منافق کی قبر پر دعا کرنے نہیں کھڑے ہوئے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾

اور ان کی اموال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا میں بھی ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کا دم حالت کفر ہی میں نکل جائے۔

یہ مکرر تاکید ہے (یعنی منافقوں کا وہی فریق مراد ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں کیا گیا۔ اسی کی مزید حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے جس سے پہلے مضمون کی تاکید ہو رہی ہے) اور مقام کا تقاضا بھی یہی تھا۔ انسان کی نظر مال و اولاد پر لگی رہتی ہے اور کسی کا دل اس کو چھوڑنے کو نہیں چاہتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا فریق کے علاوہ اس آیت سے کوئی دوسرا فریق مراد ہو۔

وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ

اور جب (قرآن کی) کوئی سورت یا سورت کا کوئی حصہ نازل کیا گیا (جس میں حکم دیا گیا) کہ اللہ پر ایمان لاؤ (یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے حکم جہاد کی تعمیل کرو) اور رسول ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو دولت

والے منافقوں نے (جن کو جہاد میں شریک نہ ہونے کا کوئی عذر نہیں تھا) آپ سے (اپنے گھروں میں) بیٹھے رہنے کی اجازت طلب کی۔

وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ اور کہنے لگے آپ ہم کو چھوڑ دیجئے کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ رہیں جو (عذر کی وجہ سے اپنے گھروں میں) بیٹھ رہے ہیں۔

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ انہوں نے پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے کو پسند کیا۔

الخوالف سے مراد ہیں عورتیں جو مردوں کے جانے کے بعد اپنے گھروں میں رہی تھیں، خوالف خالفۃ کی جمع ہے۔ بعض نے کہا، خالفۃ بے کار بے نفع آدمیوں کو کہتے ہیں۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے۔ فلانٌ خالفۃُ قومِہٖ فلاں شخص اپنی قوم میں نچلے درجہ کا (یعنی بیکار یا ناکارہ) ہے۔ مراد یہ ہے کہ انہوں نے ناکارہ لوگوں کے ساتھ رہنے کو پسند کیا۔

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی یعنی اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی جس کی وجہ سے ان کو بھلائیوں کی خوبی اور برائیوں کی خرابی سمجھ میں نہیں آتی۔

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ پس وہ نہیں سمجھتے کہ جہاد اور رسول اللہ ﷺ کی موافقت میں کیسی خوش نصیبی ہے اور مخالفت میں کیسی بدبختی۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

لیکن رسول اور رسول کے ساتھی (مخلص) اہل ایمان نے اپنے مال و جان سے جہاد کیا۔ یعنی اگر ان منافقوں نے ساتھ نہیں دیا اور جہاد کو نہیں گئے تو دین اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوا، ان سے بہتر اور افضل لوگوں نے جہاد کیا۔

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ اور یہی ہیں وہ جن کے لیے بھلائیاں یعنی دونوں جہان کے منافع ہیں بعض کے نزدیک الخیرات سے مراد ہیں حوریں اللہ نے (حوروں کے متعلق) فرمایا ہے فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ۔ خیرات خیرۃ کی جمع ہے، ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ خیر کے (مرادی حقیقی) معنی سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اللہ نے فرمایا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی خنکی چھپا کر رکھی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت ابن عباس کی مراد یہ ہے کہ لفظ خیر تمام منافع کو شامل ہے (اور چونکہ تمام نعمتوں سے کوئی بھی واقف نہیں اس لیے لفظ خیر کے حقیقی مرادی معنی کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا)

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ اور وہی ہیں کامیاب ہونے والے۔ اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار کر دی ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان کی اندر وہ ہمیشہ رہیں گے یہی ہے بڑی کامیابی۔

آخرت میں جو بھلائیاں ان کو ملیں گی اس آیت میں ان کا (مجمل) اظہار ہے۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ اور دیہاتیوں میں سے کچھ بہانہ باز لوگ آئے تاکہ ان کو گھر رہنے کی اجازت مل جائے۔

یعنی تنگ حالی اور کثرت عیال کا عذر پیش کرنے والے اعرابی آئے۔ المعذرون (باب افتعال سے ہے) اصل میں معتذرون تھا فراء کا یہی قول ہے یا المعذرون باب تفعیل سے ہے یعنی (صحیح) عذر پیش کرنے میں کوتاہی کرنے والے اور (جھوٹے) عذر پیش کر کے یقین دلانے والے کہ ہم معذور ہیں حالانکہ وہ معذور نہیں ہیں۔ ان کو اذن دیدی جائے۔ یعنی جہاد کو نہ جانے اور گھروں میں بیٹھ رہنے کی اجازت دیدی جائے۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ کچھ منافق رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

جہاد میں نہ چلنے کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے حالانکہ ان کو کوئی عذر نہ تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جد بن قیس کو جہاد کے لئے ساتھ نہ چلنے کی اجازت دیدی تو کچھ اور منافق طلب اذن کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم کو بھی اجازت دیدیجئے ہم اس گرمی میں جہاد کو نہیں نکل سکتے۔ حضور ﷺ نے ان کو اجازت دیدی اور منہ پھیر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے ان کو معذور نہیں قرار دیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے وہ قبیلہ بنی غفار کی ایک جماعت تھی (جتنی تعداد دس سے کم تھی۔ نفر دس سے کم تعداد کی جماعت کو کہتے ہیں) محمد بن عمر نے کہا وہ بیاسی آدمی تھے جن میں خفاف بن ایما بھی تھا انہی کے متعلق آیت وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ تک نازل ہوئی۔ ضحاک نے کہا عذر پیش کرنے والے عامر بن طفیل کی قوم والے تھے جو اپنے اوپر سے الزام کو دفع کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تھے اور انہوں نے عرض کیا تھا یارسول اللہ اگر ہم آپ کے ساتھ جہاد کو جاتے تو قبائل طے کے جنگلی لوگ ہماری بیویوں بچوں اور جانوروں کو آکر لوٹ لیتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمہاری خبریں مجھے پہلے ہی بتا دی ہیں آئندہ اللہ ہم کو تمہاری ضرورت سے بے نیاز کر دے گا حضرت ابن عباس نے فرمایا جو لوگ جہاد کو نہیں گئے تھے اور انہوں نے عذر پیش کیا تھا ان کو (جہاد پر نہ جانے کی) اجازت رسول اللہ ﷺ نے دیدی تھی۔

وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو (دل سے) جھٹلایا یعنی منافق لوگ۔

اس تفسیر پر مذکور القدر اول فریق گناہ گار نہ قرار پائے گا لیکن ظاہر یہی ہے کہ ان لوگوں سے مراد بھی وہی لوگ ہیں جن کا ذکر شروع میں آیا ہے اللہ نے منافقوں کو جھوٹا قرار دیا ہے جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کئے تھے یا یوں کہا جائے کہ عذر والوں کا لفظ عام ہے اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو محض سستی کی وجہ سے جہاد کو نہیں گئے (کافر نہ تھے) ابو عمرو بن علاء نے کہا دونوں فریق گناہ گار تھے وہ فریق بھی جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کئے وجاء المعذرون میں یہی فریق مراد ہے اور وہ فریق بھی جنہوں نے جہاد کو نہ جانے کا کوئی (جھوٹا) عذر بھی نہیں پیش کیا بلکہ اللہ کے حکم کے خلاف بیباکی کا اظہار کیا (اور حکم سے بغاوت کی) یہ منافقوں کا فریق تھا ان کو اللہ نے آیت ذیل میں عذاب کی دھمکی دی اور فرمایا۔

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اعراب میں سے یا معذرین میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کو دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ (گویا) جو لوگ سستی کی وجہ سے جہاد کو نہیں گئے تھے ان کے لئے یہ وعید نہیں ہے بلکہ کفر کی وجہ سے جو شریک نہیں ہوئے ان کے لئے عذاب کی دھمکی ہے۔ ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا اور سورہ برات لکھ رہا تھا اور قلم کو اپنے کان پر رکھے ہوئے تھا اور حضور وحی کے منتظر تھے کہ آگے کیا اترتا ہے اتنے میں ایک نابینا آیا اور عرض کیا یارسول اللہ میں ﷺ اندھا ہوں میرے متعلق کیا حکم ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

کم طاقت لوگوں اور بیماروں پر کوئی گناہ نہیں اور ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جب کہ یہ اللہ اور رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں ان نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام عائد نہیں اور اللہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔

حضرت ابن عباس نے ضعفاء کی تفسیر میں فرمایا اپاہج بوڑھے، بے طاقت، مجبور لوگ بعض کے نزدیک بچے اور بعض کے نزدیک عورتیں مراد ہیں۔ مرضی یعنی نابینا وغیرہ حرج سے مراد ہے تنگی، گناہ، یعنی اگر جہاد کو نہ جائیں تو ان کے لئے کوئی

تنگی اور گناہ نہیں۔ بشرطیکہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں یعنی ظاہر و باطن دونوں میں مومن و اطاعت گزار ہوں یا خیر خواہی کرنے سے مراد یہ ہے کہ زبان و عمل سے جتنا ہو سکے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کریں۔

علیہم کی جگہ المحسنین کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ایسے لوگ بھلائی کرنے والوں کی فہرست میں شمار کرنے کے قابل ہیں قابل عتاب نہیں ہیں۔ واللہ غفور رحیم یعنی اللہ ان کو معاف کرنے والا ہے یا یہ مراد ہے کہ اللہ بدکاروں کو معاف کرنے والا مہربان ہے پھر یہ تو بھلائی کرنے والے ہیں ان کو ضرور ہی معاف کر دے گا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا اس آیت کا نزول حضرت عابد بن عمرو اور ان کے ساتھیوں کے متعلق ہوا تھا۔ ضحاک نے کہا حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے حق میں یہ آیت اتری تھی آپ نابینا تھے۔

بخاری اور ابن سعد نے حضرت انس کی روایت سے نیز ابن سعد نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک سے لوٹے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے موجود ہیں کہ جب تم کسی راہ پر چلے اور جس وادی کو تم نے طے کیا وہ تمہارے ساتھ رہے (یعنی اس جہادی سفر میں ہر جگہ وہ تمہارے ساتھ تھے اگرچہ تم کو نظر نہ آتے تھے اور وہ مدینہ سے باہر نہیں نکلے تھے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو مدینہ میں رہے فرمایا (ہاں) وہ مدینہ میں رہے ان کو عذر نے روک رکھا تھا۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ ﴿۹۲﴾

اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیں اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ (ناکام) اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ (افسوس) ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔

اس کلام کا عطف الضعفاء یا المحسنین پر ہے۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے استدعا کی تھی کہ (جہاد کے سفر پر جانے کے لیے) ہم کو کوئی سواری عنایت فرما دیجئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (جن لوگوں کے پاس سواریاں نہ تھیں ان) لوگوں نے یہ خواہش کی تھی کہ ہم کو پیوند لگے موزے اور مرمت کی ہوئی جوتیاں عنایت کر دیجئے تاکہ ہم آپ کے ساتھ دوڑ سکیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں یعنی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس جملہ میں بلاغت ہے اتنے آنسو بہہ رہے تھے کہ گویا آنکھیں بہتے ہوئے آنسو بن گئی تھیں۔ ما ینفقون یعنی جہاد میں صرف کرنے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں ہے اس کا ان کو رنج تھا۔ اس رنج کی وجہ سے وہ رو رہے تھے۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے نیز ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے اور ابن اسحاق و ابن المنذر و ابوالشیخ نے زہری یزید بن رومان، عبداللہ بن ابی بکر عاصم بن محمد بن عمر اور قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ صحابہ کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواریاں طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئی یہ سب تنگ دست اور محتاج تھے اور رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی سے رہ جانا بھی نہ چاہتے تھے۔ حضور نے فرمایا میرے پاس سواریاں نہیں ہیں کہ سوار ہونے کے لئے تم کو دے سکوں، یہ لوگ روتے ہوئے اس رنج کے ساتھ واپس چلے گئے کہ ان کے پاس خرچ (کرکے (سواریاں خریدنے) کے لئے کچھ نہیں ہے (اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی کوئی زائد سواری نہیں ہے)

محمد بن یوسف صالحی نے کہا کہ ان لوگوں کے ناموں کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے بنی عمرو بن عوف کے سالم بن عمیر اوسی اور علیہ بن زید اور ابولیلیٰ بن عبدالرحمن بن کعب اور ہرمی بن عبداللہ پر تو سب کا اتفاق ہے۔

عرباض بن ساریہ پر قرطبی اور بن اسحاق اور واقدی کا اتفاق ہے ابن سعد ابن حزم اور ابو عمرو سہیلی نے بھی ان کا اتباع کیا ہے اور ابن حزم و سہیلی نے تو اس پر یقین کا اظہار بھی کیا ہے اور ابو نعیم نے حضرت ابن عباس کی طرف اس قول کی نسبت کی

ہے۔
قرظی اور ابن اسحاق کا عمرو بن حمام بن جموح پر بھی اتفاق ہے۔ قرظی اور ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے عبداللہ بن مغفل کا نام بھی بالاتفاق ذکر کیا ہے۔
ابن سعد اور یعقوب بن سفیان اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے فرمایا میں (اپنے کو) اس گروہ میں پاتا ہوں جن کا ذکر اللہ نے وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ میں فرمایا ہے۔
ابن ابی حاتم نے عوفی کے طریق سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے لوگوں کو جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا تو صحابہ کا ایک گروہ جس میں عبداللہ بن مغفل مزنی بھی تھے حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو سواری دیجئے حضور نے فرمایا خدا کی قسم میرے پاس تو کوئی (زائد) سواری نہیں کہ تم کو سوار ہونے کے لئے دے سکوں یہ لوگ روتے ہوئے لوٹ گئے ان پر جہاد سے رک جانا اور خرچ وسواری میسر نہ آنا بڑا شاق گزرا اللہ نے ان کو معذور قرار دیا اور انہی کے متعلق فرمایا وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ الخ
قرظی اور ابن عمر کا صخر کے بیٹے سلمہ پر بھی اتفاق ہے مگر قرظی نے سلمہ کی جگہ سلمان کا لفظ ذکر کیا ہے۔
قرظی اور ابن عقبہ نے عمرو بن عنمہ بن عدی اور عبداللہ بن عمرو مزنی کے نام بھی ذکر کئے ہیں ابن اسحاق نے عبداللہ مزنی کو عبداللہ بن مغفل کی بجائے بیان کیا ہے صرف قرظی نے عبدالرحمن بن زید حارثی اور حرمی بن عمرو مازنی کے نام ذکر کئے ہیں۔
محمد بن عمرو نے کہا کہا جاتا ہے کہ عمرو بن عوف بھی انہی میں سے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے بعض روایت میں آیا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں معقل بن یسار بھی ان میں شامل تھے۔
حاکم نے حرمی بن مبارک بن بخار کا نام بھی ان میں ذکر کیا ہے۔ ابن عابد نے مہدی بن عبدالرحمن کو اور محمد بن کعب نے سالم بن عمرو واقفی کو ان میں شامل کیا ہے۔
ابن سعد نے کہا بعض لوگ کہتے ہیں روتے ہوئے لوٹنے والے مقرن کے سات بیٹے تھے اور یہ سب مزنی تھے۔ انتہی کلامہ یہ نعمان سوید، مغفل عقیل اور سنان تھے (دو ناموں کا ذکر نہیں کیا)
ابن اسحاق نے یونس اور ابن عمر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علیہ بن زید کو جب خود کوئی سواری نہیں ملی اور نہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی (زائد) سواری ایسی تھی کہ علیہ کو سواری کے لئے مل جاتی تو وہ رات سے نکل کھڑے ہوئے انہوں نے جتنی نماز چاہی پڑھی پھر رونے لگے اور دعا کی اے اللہ تو نے جہاد کا حکم دیا اور ترغیب دی (اور میرے پاس جہاد میں جانے کے لئے سواری نہیں ہے اب) میں ہر مسلمان پر (اپنی ہر چیز) تصدق کر دوں گا اس حق کے عوض جو مسلمان پر عائد ہوتا ہو تا ہو خواہ مجھے مال دینا پڑے یا جسم یا آبرو۔ جب صبح ہوئی اور لوگوں کے ساتھ علیہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج رات صدقہ دینے (کا وعدہ کرنے) والا کہاں ہے سب لوگ خاموش رہے۔ کوئی نہیں کھڑا ہوا۔ علیہ کھڑے ہو گئے اور حضور ﷺ کو اپنے قول کی اطلاع دے دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھ کو بشارت ہو قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (تیرا) صدقہ مقبول زکوٰۃ میں لکھ لیا گیا۔

ابن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ جب سواری کے طلب گاروں کو رسول اللہ ﷺ سواریاں نہ دے سکے اور لوگ روتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس سے لوٹے تو ان رونے والوں میں ابو لیلیٰ اور عبداللہ بن مغفل بھی تھے (راستہ میں) ان کی ملاقات یامین بن عمر ونضری سے ہوئی۔ یامین نے دونوں کو روتا دیکھ کر رونے کی وجہ دریافت کی تو دونوں بزرگوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواریاں مانگنے حاضر ہوئے لیکن حضور ﷺ کے پاس کوئی ایسی سواری نہ تھی جو آپ ہم کو دیدیتے اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں کہ ہم جہاد کو جا سکیں اور رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب جہاد پر نہ جانا بھی ہم کو گوارا نہیں۔ (رونے کی

بس یہ وجہ ہے) وجہ گریہ سنکر یامین نے ان کو پانی پہنچنے والا ایک اونٹ اور زادراہ کے لئے ہر ایک کو دو صاع (تقریباً آٹھ سیر) چھوارے دیدیئے محمد بن عمرو نے اتنا زائد بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عباس بن مطلب نے بھی دو آدمیوں کے لئے سواری کا انتظام کر دیا اور حضرت عثمان بن عفان نے لشکر کی تیاری کے علاوہ مزید تین آدمیوں کو سواریاں دیدیں۔ میں کہتا ہوں سواری سے محروم کل سولہ آدمی تھے (جو جہاد میں شریک ہونے کے لئے بیتاب تھے) جن میں سے سات کا تو اس طرح انتظام ہو گیا اور راوی کے شک کی وجہ سے دو آدمیوں کو ان میں سے اور کم کر دیا جائے تو سات آدمی رہ جاتے ہیں (جو سواری سے محروم رہے اور جانے کے لئے روتے تھے) انہی کے متعلق اللہ نے وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ الخ فرمایا۔

بخاری و مسلم نے صحیحین میں لکھا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا میں اشعر قبیلہ کے چند آدمیوں کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست کرنے کے لئے کہ ان لوگوں کو سواری کی ضرورت ہے ان کو سواریاں عطا فرمادی جائیں حاضر ہوا دوسری روایت میں آیا ہے میرے ساتھیوں نے مجھے خدمت گرامی میں سواریاں طلب کرنے کے لئے بھیجا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ساتھیوں نے مجھے خدمت گرامی میں یہ عرض کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ آپ ان کو سواریاں عنایت فرمادیجئے میری اس حاضری اور گزارش کے وقت حضور غصہ میں تھے اور مجھے پتہ نہ تھا فرمایا میں تم کو کوئی سواری نہیں دوں گا اور نہ میرے پاس کوئی (زائد) سواری ہے کہ تم کو دے سکوں۔ انکاری جواب سن کر میں غمگین حالت میں لوٹ آیا اور یہ اندیشہ بھی ہوا کہ میرے خلاف رسول اللہ ﷺ نے کچھ دل میں احساس (نہ) کر لیا ہو واپس آکر اپنے ساتھیوں سے رسول اللہ ﷺ کا جواب نقل کر دیا کچھ وقفہ کے بعد ہی رسول اللہ کے پاس غنیمت کے کچھ اونٹ آئے اور ذرا سی دیر کے بعد ہی میں نے بلال کی ندا سنی جو پکار رہے تھے عبد اللہ بن قیس کہاں ہے میں نے فوراً جواب دیا بلال نے کہا رسول اللہ ﷺ تم کو بلا رہے ہیں حکم کی تعمیل کرو۔ میں خدمت گرامی میں حاضر ہو گیا فرمایا یہ ایک جٹ (دو اونٹ ایک رسی سے بندھے ہوئے) اور یہ جٹ میں نے اسی وقت سعد سے چھ اونٹوں کے بدلے میں خریدے ہیں تم ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اللہ یا فرمایا اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے تم کو سواری کے لئے دیئے ہیں ان پر سوار ہو جانا۔ حضرت ابو موسیٰ کا بیان ہے میں اونٹ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا اللہ کے رسول نے یہ اونٹ سوار ہونے کے لئے تم کو دیئے ہیں لیکن تم یہ خیال نہ کرنا کہ میں نے پہلے جو بات تم سے کہی تھی وہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائی تھی۔ جب میں نے حضور ﷺ سے پہلی بار تمہارے لئے درخواست کی تھی اور حضور ﷺ نے منع فرمادیا تھا پھر اس کے بعد اب عنایت فرمادیئے (اس واقعہ کے گواہ موجود ہیں) تم میں سے کوئی میرے ساتھ ان لوگوں کے پاس چلے جنہوں نے میرا اور حضور کا کلام سنا تھا میں اس (تحقیقات) کے بغیر تم کو نہیں چھوڑوں گا ساتھیوں نے کہا خدا کی قسم آپ ہمارے نزدیک سچے ہیں اور جو آپ کی خواہش ہے ہم ایسا بھی کر دیں گے چنانچہ میں اپنے ساتھیوں میں سے چند آدمیوں کو لے کر ان لوگوں کے پاس پہنچا جنہوں نے رسول اللہ کا فرمان اور ابتدائی انکار پھر عطا کا حکم سنا تھا گواہوں نے وہ بات ان لوگوں کے سامنے بیان کر دی جو میں نے اپنے ساتھیوں سے بیان کی تھی۔ پھر ہم نے (یعنی میں نے اور میرے ساتھیوں نے) کہا خدا کی قسم اس میں ہم کو برکت حاصل نہ ہو گی (کیونکہ معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ناراضگی کے ساتھ یہ اونٹ عنایت فرمائے ہیں) حسب مشورہ ہم لوٹ کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا میں نے (از خود) تم کو یہ سواریاں نہیں دی ہیں بلکہ اللہ نے دی ہیں۔ پھر فرمایا آئندہ اگر میں کسی بات پر قسم کھاؤں گا اور اس سے بہتر (قسم کے خلاف) اگر کوئی معاملہ سامنے آیا تو انشاء اللہ میں قسم کا کفارہ دے دوں گا اور بہتر بات کو اختیار کر لوں گا۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَأْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ (عذاب اور عتاب کی) راہ تو ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے (جہاد میں نہ جانے کی) آپ سے اجازت طلب کر رہے ہیں۔ یعنی سفر کی تیاری کا سامان ان کے پاس موجود ہے (اور پھر جانا نہیں چاہتے)

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

وہ لوگ (انتہائی بے حمیتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی جس سے وہ (گناہ و ثواب کو) جانتے بھی نہیں بلا عذر جہاد کو نہ جانے کی اجازت طلب کرنے کا سبب اس آیت میں بیان کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ انہوں نے پست درجہ میں رہنے اور عورتوں، بچوں، بیماروں، اپاہجوں کی فہرست میں داخل ہو جانے کو پسند کیا (اسی وجہ سے باوجود مالدار ہونے کے اجازت طلب کی) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے کہ وہ اپنی بدانجامی سے غافل ہو گئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف کرنے اور جہاد سے بیٹھ رہنے کو اختیار کیا اس کے علاوہ ان کو کچھ علم نہیں (کہ اس کا نتیجہ کتنا برا نکلے گا)

دسواں پارہ بعونہ ختم ہوا اس سے آگے گیارہواں پارہ شروع ہے

بتوفیقہ

☆☆.............☆.........☆☆.........☆.........☆☆

گیارھواں پارہ

پارہ یعتذرون (توبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ

جب تم ان کے پاس لوٹو گے تو وہ تمہارے سامنے عذر کریں گے آپ ان سے کہہ دیجئے عذر نہ پیش کرو ہم تمہاری باتوں کا یقین نہیں کریں گے اللہ نے تمہاری کچھ خبریں ہم کو بتادی ہیں یعنی وہ منافق جو غزوہ تبوک کو نہیں گئے معذرت پیش کریں گے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایسے لوگ کچھ اوپر اسی تھے۔ خطاب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ہے۔ واپسی ہے سے مراد ہے تبوک سے مدینہ کو واپسی۔ آیت بطور معجزہ پیشن گوئی ہے جو صحیح ثابت ہوئی منافق جھوٹے عذر پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔

عذر پیش نہ کرو یعنی جھوٹے عذر نہ بیان کرو ہم تمہاری ان باتوں کا یقین نہیں کریں گے۔ یہ آخری فقرہ عذر پیش کرنے کی ممانعت کی علت ہے عذر پیش کرنے والے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کے عذر کو صحیح مانا جائے۔

اللہ نے ہم کو تمہاری خبروں سے آگاہ کر دیا ہے یعنی تمہاری بعض خبروں سے اللہ نے اپنے نبی کو وحی کے ذریعے اطلاع دے دی ہے بعض خبروں سے مراد ہیں۔ شرانگیز فساد آفریں قلبی خیالات اور خود تراشیدہ جھوٹے عذر۔

وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ اور آئندہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا۔ کہ آگے تم نفاق سے توبہ کرتے ہو یا اسی پر قائم رہتے ہو۔

آیت میں (لطیف طرز کے ساتھ) توبہ کرنے کی ترغیب اور توبہ کی مہلت دینے کی صراحت ہے۔

ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ پھر تم لوٹائے جاؤ گے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے (اللہ) کی طرف یعنی مرنے کے بعد اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ بجائے ضمیر (ہ) لانے کے عالم الغیب والشہادہ کہنے میں یہ جتانا مقصود ہے کہ اللہ تمہارے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ نہ تمہارا کوئی دلی خیال اس سے پوشیدہ ہے نہ عمل۔

فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ پھر وہ تمہارے کرتوت تم کو بتائے گا یعنی تمہارے اعمال کا عذاب دے گا۔

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ جب تم ان کے پاس پلٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض کر لو۔ اور ان کو عتاب نہ کرو۔

فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو اور ان کو سخت سست نہ کہو نہ ان کے ساتھ رہو۔

اِنَّهُمْ رِجْسٌ ز وہ لوگ بالکل گندے ہیں۔ یعنی انکے باطن گندے ہیں اس لئے ان سے انسیت بڑھانا اور ان کی صحبت اختیار کرنا جائز نہیں اور چونکہ ان میں پاک ہونے اور پاکیزہ بننے کی صلاحیت و قابلیت ہی باقی نہیں رہی اس لئے ان کو عتاب و سرزنش بھی نہ کرو۔ عتاب کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ وہ توبہ پر آمادہ ہو جائیں اور پچھلی حرکتوں سے رجوع کر کے آئندہ کے لئے عہد کرلیں اور پاک ہو جائیں مگر توبہ کرنے اور پاک ہونے کی جب ان میں صلاحیت ہی نہیں رہی تو عتاب لاحاصل ہے۔

وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اس لئے تم ان سے میل جول نہ کرو اور انکی صحبت سے بچو۔ یہ بھی ترک مصاحبت کی علت ہے ناپاک ہونا اور جہنمی ہونا دونوں کا تقاضا ہے کہ ان کی صحبت ترک کی جائے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۵ جو کچھ وہ کماتے تھے اس کے بدلہ میں ان کو یہ سزا دی جائے گی یا جہنم میں ان کا ٹھکانا بد اعمالی کے عوض ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت جد بن قیس معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ان کی مجموعی تعداد اسی تھی اور سب کے سب منافق تھے۔ جب رسول اللہ۔ مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کر دو اور ان سے بات چیت بھی نہ کرو۔

مقاتل نے کہا اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی بن خلف کے بارے میں ہوا جس نے رسول ﷺ سے عرض کیا تھا اب آپ مجھ سے راضی ہو جائیں میں قسم کھاتا ہوں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں (کسی جہاد میں) آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ (ہر جہاد میں شریک ہوں گا۔)

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے رضامند ہو جاؤ۔ اور جیسے پہلے ان سے سلوک کرتے تھے وہی سلوک جاری رکھو۔

فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۹۶ تو اگر تم ان سے رضامند بھی ہو جاؤ گے تب بھی اللہ ان بدکار لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔ الْفٰسِقِيْنَ کا لفظ ذکر کر کے اپنی ناراضگی کی وجہ بھی بیان کر دی مطلب یہ ہے کہ اگر یہ تم کو دھوکہ دے کر رضامندی بھی کرلیں اور تم انکی خفیہ حالتوں سے ناواقف ہونے کی بناء پر ان سے رضامند بھی ہو جاؤ تب بھی یہ اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے اور اللہ سے اپنی حالت نہیں چھپا سکتے اس لئے اللہ ان سے رضامند نہ ہوگا اور اللہ کی ناراضگی کی موجودگی میں تمہاری رضامندی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی ان پر دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ضرور آئے گا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ ان کے دھوکہ میں نہ آنا اور رضامند نہ ہو جانا۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۗ
(منافق) دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور اسی لائق ہیں کہ انکو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں۔

چونکہ ان خانہ بدوشوں صحرا نشینوں کا اہل علم سے اختلاط کم ہے اور قرآن و حدیث سننے کا موقع ان کو کم ملتا ہے اور ان کے دلوں میں سختی اور مزاج میں وحشت و کرختگی بہت ہے اس لئے شہر میں رہنے والوں سے کفر و نفاق میں یہ آگے بڑھے ہوئے ہیں اور اللہ کے نازل کردہ ضوابط و احکام سے ناواقف رہنے کے زیادہ مستحق ہیں مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد ہیں تمام فرائض، واجبات، سنن، مباحات، ممنوعات، مکروہات۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ اپنی تمام مخلوق سے بخوبی واقف ہے۔

حَكِيْمٌ ۝۹۷ حکمت والا ہے دنیا اور آخرت میں جو کچھ مخلوق کے ساتھ کرتا ہے حکمت کے ساتھ کرتا ہے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا اور بعض صحرا نشین بدو ایسے ہیں کہ جو کچھ

وہ راہ خدا میں (بظاہر) صرف کرتے اس کو تاوان اور گھاٹا سمجھتے ہیں۔ عطاء نے کہا یعنی صرف خوف اور دکھاوٹ کے زیر اثر دیتے ہیں۔ نہ دینے میں ان کو ثواب کی امید ہوتی ہے نہ نہ دینے میں عذاب کا خوف۔

وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ اور تم پر (زمانہ کی) گردشیں پڑنے کے منتظر رہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا جائیں اور مشرک غالب آجائیں تو وہ خوف و دکھاوٹ کے اس خرچ سے چھوٹ جائیں۔

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ برا چکر انہیں (منافقوں) پڑنے والا ہے یہ جملہ معترضہ بددعائیہ ہے یا خبر یہ ہے اور اس میں خبر دی گئی ہے کہ جس گردش میں مسلمانوں کے مبتلا ہونے کے یہ منتظر ہیں وہ چکر انہی پر پڑے گا (مسلمانوں کا کچھ نہیں بگڑے گا) دائرہ اسم فاعل (مونث) ہے دَوْرٌ مصدر اور دَارَ يَدُوْرُ ماضی و مضارع ہیں زمانہ کا وہ چکر جو کبھی خیر کو اور کبھی شر کو لے آتا ہے دائرہ کہلاتا ہے سَوْءٌ دکھ مصیبت۔ سوء مصدر ہے مبالغۃ دائرہ کی اس کی طرف اضافت کر دی گئی ہے جیسے رجل صدق (سچائی کا آدمی)۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ اور اللہ سننے والا ہے ان باتوں کو جو یہ شیطان آپس میں کرتے ہیں (اور) جاننے والا ہے ان خیالات کو جو اپنے دلوں میں یہ چھپائے رکھتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت مندرجہ بالا بنی اسد بنی غطفان اور بنی تمیم کے صحرانشینوں کے حق میں نازل ہوئی ابوالشیخ نے بھی کلبی کا قول یہی بیان کیا ہے مگر اس میں بنی تمیم کا ذکر نہیں ہے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور صحرانشینوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں بغوی نے لکھا ہے کہ ابن جریر نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت قبیلہ مزینہ کے مقرن کی اولاد کے حق میں نازل ہوئی انہیں کے متعلق آیت وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ نازل ہوئی تھی۔ عبدالرحمٰن بن مغفل (مزنی) کا خود بیان ہے کہ ہم مقرن کے دس بیٹے تھے کلبی نے کہا قبائل تمیم، اسد بن خزیمہ ہوازن اور غطفان میں سے بنی اسلم بنی غفار اور بنی جہینہ کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قبیلہ) غفار کو اللہ نے بخش دیا (یا مغفرت کرے) اور قبیلہ اسلم کو اللہ نے محفوظ رکھا (یا محفوظ رکھے) اور عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، غفار، اشجع (سب) دوست اور بھائی ہیں اور ان کا دوست سوائے اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے اور کوئی نہیں۔

حضرت ابو بکرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلم اور غفار اور مزینہ اور جہینہ تمیم سے اور بنی عامر سے اور دو ہم معاہدہ قبائل یعنی اسد و غطفان سے بہتر ہیں بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلم غفار اور کچھ جہینہ اور مزینہ والے اللہ کے نزدیک قیامت کے دن تمیم اور اسد بن خزیمہ اور ہوازن اور غطفان سے بہتر ہوں گے۔

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اور جو کچھ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کے قرب اور رسول کی دعاؤں کے حصول کا سبب سمجھتے ہیں۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ صلوٰۃ رسول سے مراد ہے (کسی کے لئے) رسول اللہ ﷺ کا دعائے مغفرت کرنا۔ ترمذی کے علاوہ باقی اہل صحاح نے خود حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے اپنی زکوٰۃ (یا خیرات) کا مال خدمت گرامی میں پیش کیا تو حضور ﷺ نے دعا کی یا اللہ ابو اوفی کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔

اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ آگاہ ہو جاؤ بلاشبہ وہ (یعنی راہ خدا میں ان کا خرچ کرنا) ان (لوگوں) کی قربت کا ذریعہ ہے۔ اللہ نے اس جملہ میں شہادت دی ہے کہ ان کا خیال صحیح ہے اور ان کی امید قربت درست ہے۔

ع ۱۲

سَیُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ یقیناً اللہ ان کو اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل فرمائے گا۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ (گناہوں کو) بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔

وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ اور جو مہاجرین وانصار (ایمان لانے میں) سب سے آگے اور مقدم ہیں۔

المہاجرین یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے قبیلہ اور قوم کو چھوڑا وطن اور مال کو چھوڑا (اور مکہ سے نکل گئے) مہاجرین سے مراد ہیں قریش مکہ۔

الانصار یعنی وہ مدینہ والے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو اس وقت جبکہ قوم والوں نے آپ کو نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اپنے پاس جگہ دی اور آپ کی مدد کی۔

سابقین سے کون سے مہاجر وانصار مراد ہیں

سعید بن مسیب قتادہ ابن سیرین اور ایک جماعت تابعین کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی عطاء بن ابی رباح کے نزدیک بدری صحابی مراد ہیں شعبی کے نزدیک حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شریک ہونے والے مراد ہیں بعض کے نزدیک مہاجرین میں سے صرف آٹھ آدمی مراد ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے باقی لوگ ان کے بعد اسلام میں داخل ہوئے حضرت ابو بکر حضرت زید بن حارثہ حضرت عثمان بن عفان حضرت زبیر بن عوام حضرت علی حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت طلحہ بن عبید اللہ۔

بغوی نے لکھا ہے رسول اللہ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ کا سب سے اول ایمان لانا تو مسلم الثبوت اور اجماعی قول ہے۔ آپ کے بعد کون سب سے پہلے مسلمان ہوا اس میں علماء کا اختلاف ہے حضرت جابر بن عبد اللہ نے حضرت خدیجہ کے بعد حضرت علی کو مومن اول فرمایا ہے اس کی تائید میں خود حضرت علی کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

سَبَقۡتُکُمۡ اِلَی الۡاِسۡلَامِ طُرًّا غُلَامًا مَا بَلَغۡتُ اَوَانَ حُلُمٖ

(میں لڑکا ہی تھا بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچا تھا کہ تم سب سے پہلے میں نے اسلام کی طرف سبقت کی)

مجاہد اور ابن اسحاق کے قول پر دس سال کی عمر میں حضرت علی مسلمان ہوئے تھے بعض کے نزدیک حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر ایمان لائے یہ قول حضرت ابن عباس ابراہیم نخعی اور عامر شعبی کا ہے۔ اس قول کی تائید حضرت حسان کے ان اشعار سے ہوتی ہے جو حضرت ابو بکر کی مدح میں آپ نے کہے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلیم کیا تھا۔

زہری اور عروہ بن زبیر کے نزدیک حضرت خدیجہ کے بعد سابق الاسلام حضرت زید بن حارثہ تھے۔

اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ان مختلف اقوال کی باہم تطبیق اس طرح دی ہے کہ مردوں میں سابق الاسلام حضرت ابو بکر تھے، عورتوں میں حضرت خدیجہ لڑکوں میں حضرت علی اور (آزاد کردہ) غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت ابو بکر نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا (چھپا کر نہ رکھا) اور دوسروں کو اللہ اور رسول کی طرف آنے کی دعوت دی آپ ہر دل عزیز با اخلاق آدمی تھے۔ قریش کے نسب اور حالات کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ تاجر تھے بڑے بااخلاق اور مخیر، قوم کے لوگ آپ کی دانائی اچھی صحبت کی وجہ سے مختلف کاموں کے لئے آپ کے پاس آتے اور انسیت رکھتے تھے۔ آپ بھی اپنی قوم میں سے جس پر اعتماد رکھتے تھے اس کو اسلام کی دعوت دیتے تھے چنانچہ میری اطلاع کے بموجب حضرت عثمان حضرت زبیر بن عوام حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت سعد بن ابی

وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ آپ ہی کی ترغیب سے ایمان لائے تھے جب یہ حضرات مسلمان ہو گئے تو آپ ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے نماز ادا کی۔ پھر دوسرے لوگ مسلمان ہوئے یہاں تک کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کی تعداد سات سال میں انتالیس ہو گئی پھر حضرت عمر مسلمان ہوئے۔ آپ چالیسویں مسلمان تھے۔ حضرت عمر کے مسلمان ہونے کے بعد مشرکوں نے کہا آج ہماری طاقت آدھی ہو گئی۔ سات سال کے بعد حضرت عمر کے مسلمان ہونے سے اسلام میں قوت آگئی اور اس کا پھیلاؤ ہونے لگا۔ اسی بنیاد پر حضرت علی نے فرمایا تھا کہ اور لوگوں سے سات برس پہلے میں نے نمازیں پڑھیں۔

سابقین انصار سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے لیلۃ العقبہ (گھاٹی والی اول رات) میں حضور ﷺ کی بیعت کی یہ چھ سات آدمی تھے پھر (دوسرے سال) دوسری گھاٹی کے موقع پر بارہ آدمی تھے (جنہوں نے بیعت کی) اور (تیسرے سال) تیسری گھاٹی میں ستر تھے (جنہوں نے بیعت کی) ان ایمان لانے والوں میں ابوزرارہ مصعب بن عمیر بھی تھے ان بزرگوں نے (مدینہ پہنچ کر تبلیغ کی اور) قرآن سکھایا، ان کی کوشش سے مردوں عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو گئی۔

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں بعض علماء کا قول ہے کہ ان سے سابقین اولین کے علاوہ دوسرے انصار و مہاجر مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ قیامت تک جتنے لوگ سابقین اولین کی راہ پر چلنے والے ہوں گے یعنی ایمان میں ہجرت میں اور رسول اللہ ﷺ (کے دین) کی مدد کرنے میں جو سابقین کے نقش قدم پر چلیں گے وہ سب مراد ہیں۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ سابقین سے مراد ہوں مقربین جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ (ثُلَّةٌ ایک گروہ) ثلۃ سے مراد ہیں صحابہ تابعین اور تبع تابعین امت اسلامیہ میں تقدم انہی کو حاصل ہے۔ اس کے بعد قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ فرمایا یعنی ایک ہزار برس کے بعد جو تھوڑے آدمی کمالات نبوت کے حامل ہوں گے ابتدائی دور میں تو کمالات نبوت کے حاملین کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن پچھلے دور میں یعنی ہزار برس کے بعد باکمال لوگوں کی تعداد بہت کم ہو گئی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا تمام صحابہ اکثر تابعین اور تھوڑے تبع تابعین کمالات نبوت کے حامل تھے۔ میں کہتا ہوں اس صورت میں مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ میں مِنْ تبعیضیہ نہ ہو گا بلکہ بیانیہ ہو گا اور یہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کا بیان ہو گا اور الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ سے مراد سابقین آخرین اور اصحاب الیمین ہیں جن کو ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ فرمایا ہے وہ پہلے قرن سے شروع ہو کر ہزار برس پر ختم ہو جائیں گے اور ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ سے مراد وہ ارباب کمال ہیں جو ہزار برس کے بعد آئے اور جن کی انتہا روز قیامت پر ہو گی۔ عطاء نے کہا الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ سے وہ لوگ مراد ہیں جو صحابہ کے ذکر کے وقت ان کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

ابو صخر حمید بن زیاد کا بیان ہے میں محمد بن کعب قرظی کے پاس گیا اور دریافت کیا صحابہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے فرمایا تمام صحابہ جنتی ہیں، اچھے نیکوکار ہوں یا برے (گناہ گار) میں نے کہا۔ آپ یہ کہاں سے کہتے ہیں فرمایا کلام مجید میں آیا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (اس میں کوئی شرط نہیں ہے کہ نیک ہوں یا برے) سب کے متعلق فرمایا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اس کے بعد فرمایا وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اس میں تابعین کے لئے شرط لگا دی کہ بھلائیوں میں صحابہ کے تابع ہوں برائیوں میں تابع نہ ہوں۔ ابو صخر نے کہا یہ آیت سن کر مجھے محسوس ہوا کہ گویا یہ آیت میں نے پہلے پڑھی ہی نہ تھی نہ اس کی تفسیر کا مجھے علم تھا۔ محمد بن کعب کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی قرآن کی آیت ہے۔

میں کہتا ہوں تمام صحابہ کے جنتی ہونے کی دلیل میں اگر ذیل کی آیت پیش کی جائے تو زیادہ مناسب ہے فرمایا ہے لَا

یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنا مال راہ خدا میں صرف کیا اور جہاد کیا اول گروہ دوسرے گروہ سے اونچا درجہ رکھتا ہے (لیکن) اللہ نے بھلائی یعنی جنت کا وعدہ دونوں گروہوں سے کر لیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (آپس میں فرق مراتب کے باوجود) تمام صحابہ جنتی ہیں۔ اللہ نے سب سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے گا تو وہ (ثواب میں) صحابہ کے ایک سیر بلکہ آدھے سیر (غلہ کھجور وغیرہ) کے برابر نہ ہوگا۔ متفق علیہ من حدیث ابی سعید الخدری۔

ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو (ایمان کی نظر سے) دیکھا۔

ترمذی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ میں سے جب کوئی شخص کسی سرزمین (گاؤں، قصبہ، شہر وغیرہ) میں مر جائے گا تو قیامت کے دن وہ اس زمین کے رہنے والوں کے لئے پیشوا اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔ رزین نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت یاب ہو گے۔

رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اللہ ان سب سے راضی ہوا یعنی ان کی طاعت کو اللہ نے قبول کر لیا اور ان کے اعمال کو پسند فرمایا۔

وَ رَضُوْا عَنْهُ اور وہ سب اس سے راضی ہوئے یعنی اللہ کا رب اور مالک ہونا اور اسلام کا ان کے لئے دین ہونا اور محمد کا رسول ہونا انہوں نے اپنے دلوں سے پسند کر لیا اللہ نے ان کے دلوں میں اپنی اور اسلام کی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت ڈال دی اور جو دنیوی و اخروی نعمتیں اللہ نے ان کو عطا فرمائیں ان پر وہ راضی ہو گئے۔

وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

مع وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ ______ اور تمہارے آس پاس (اطراف مدینہ میں) رہنے والے بدویوں میں کچھ لوگ منافق ہیں ان سے مراد قبائل مزینہ، جہینہ، اشجع، اسلم اور غفار کے منافق لوگ۔ ابن المنذر نے عکرمہ کے حوالہ سے یہی قول نقل کیا ہے ان قبائل کی قیام گاہیں مدینہ کے گرداگرد تھیں جن میں سے بعض لوگ منافق بھی تھے۔ مِمَّنْ کا مِنْ تبعیضیہ اسی پر دلالت کر رہا ہے احادیث مندرجہ بالا میں قبائل مذکورہ کی جو تعریف و توصیف آئی ہے اس سے اس آیت کا تعارض نہیں ہوتا کیونکہ آیت میں بعض کو منافق کہا گیا ہے (اور احادیث مذکورہ میں ان قبائل کی تعریف اکثریت کے لحاظ سے کی گئی ہے)۔

وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛؔ اور مدینے والوں میں سے بھی کچھ منافق ہیں یعنی قبائل اوس و خزرج میں بھی کچھ منافق ہیں۔

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ کہ نفاق کی حد کمال تک پہنچے ہوئے ہیں۔

یہ منافقوں کی صفت ہے یا منافقوں کی سرشت کا اظہار ہے مَرَدُوْا کا معنی ہے خوگر اور عادی ہو گئے جم گئے تَمَرَّدَ زَيْدٌ عَلٰى زَيْدٍ زید نے اپنے مالک سے سرکشی کی نافرمانی پر جم گیا۔ نافرمانی کا عادی ہو گیا مَرِيْدٌ اور مَارِدٌ صفت کے صیغے اسی سے بنے ہیں ابن اسحاق نے ترجمہ کیا ہے اڑ گئے نفاق پر اور نفاق کے علاوہ دوسری چیزوں سے انکار کر دیا۔

وقف منزل

ابن زید نے ترجمہ کیا نفاق پر قائم ہو گئے اور توبہ نہیں کی قاموس میں ہے مَرَدَ یَمْرُدُ نَصَرَ سے اور مَرُدَ یَمْرُدُ کَرُمَ سے آتا ہے دونوں کا مصدر مُرُود اور مَرَادَہ ہے مَرِیدٌ مادر اور مُتَمَرِّدٌ صفت کے صیغے ہیں (اس کا ترجمہ ہے) آگے بڑھا سر کشی کی یا جس حالت پر ہے اس سے آگے بڑھ کر اس حالت کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ مَرَدَ عَلَى الشَّيْءِ اس چیز کا عادی ہو گیا اس پر قائم ہو گیا۔

بعض اہل لغت نے کہا کہ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ کا معنی یہ ہے کہ وہ نفاق پر جم گئے اور ہر بھلائی سے خالی ہو گئے مارد اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام امور خیر سے خالی ہو۔

لَا تَعْلَمُهُمْ آپ ان کو (منافق) نہیں جانتے۔ یعنی باوجودیکہ آپ انتہائی دانشمند، زیرک اور بچی فراست رکھنے والے ہیں لیکن منافق اتنے چالاک اور ہوشیار ہیں کہ تہمت کے ہر مقام سے اپنے آپ کو بچائے رکھتے ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ بھی ان کے منافق ہونے کو نہیں پہنچانتے۔

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ہم ان (کی منافقت) کو جانتے ہیں ہم ان کے چھپے ہوئے رازوں اور چالوں سے واقف ہیں وہ آپ کو دھوکہ دے سکتے ہیں ہم کو نہیں دے سکتے۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ہم ان کو دوبار عذاب دیں گے دوبار عذاب دینے سے کیا مراد ہے اس کے تعین میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کلبی اور سدی نے کہا (ایک روز) رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور (الگ الگ نام لے لے کر مختلف لوگوں کو خطاب کر کے) فرمایا اے فلاں شخص نکل جا تو قطعاً منافق ہے اے فلاں شخص تو بھی نکل جا تو بھی بلاشبہ منافق ہے اس طرح حضور ﷺ نے مختلف لوگوں کو مسجد سے نکال دیا اور ان کو رسوا کر دیا۔ یہ رسوائی اور مجلس نبوی سے نکالا جانا پہلا عذاب ہوا اور دوسرے عذاب سے مراد ہے عذاب قبر۔

مجاہد نے کہا پہلے عذاب سے مراد ہے قتل و قید اور دوسرے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے ابن زید نے کہا پہلے عذاب سے مراد ہے دنیا میں مال و اولاد پر پڑنے والے مصائب اور دوسرے عذاب سے مراد ہے عذاب قبر۔ مجاہد کا قول دوسری روایت میں آیا ہے کہ منافقوں پر قحط کا عذاب دو مرتبہ پڑا آیت میں یہی مراد ہے قتادہ نے کہا دنیا میں دُبَیلہ (بدن پر پھوڑے) کا عذاب پہلا عذاب تھا اور عذاب قبر دوسرا عذاب۔ حضرت ابن عباس کا قول مروی ہے کہ (شرعی) تعزیرات کا اجراء پہلا عذاب تھا اور عذاب قبر دوسرے عذاب۔ ابن اسحاق نے کہا بادل ناخواستہ اسلام میں داخل ہونا اور اسلام سے بغض و نفرت رکھنے کے باوجود مجبوراً اس کے دائرہ میں آنا پہلا عذاب تھا اور عذاب قبر دوسرا عذاب بعض نے کہا روح قبض کرنے کے وقت ملائکہ ان کے چہروں اور پشت پر ماریں گے یہ پہلا عذاب ہو گا۔ اور عذاب قبر دوسرا عذاب ہو گا۔ بعض نے کہا منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد ضرار (جو مسلمانوں کی جاسوسی کرنے اور ان کو ضرر پہنچانے کے لئے بنائی گئی تھی) کو جلا دینا پہلا عذاب ہوا اور جہنم کی آگ میں جلنا یعنی عذاب قبر دوسرا عذاب۔

میں کہتا ہوں ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلا عذاب دنیوی مراد ہے جس کی شکل کوئی ہو اور دوسرا عذاب قبر کا مراد ہے۔

ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾ پھر ان کو بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا یعنی جہنم کے عذاب کی طرف جہاں ہمیشہ رہیں گے (جو کیفیت مقدار مدت ہر اعتبار سے بڑا ہو گا۔)

وَآخَرُونَ اور (اعراب میں سے یا مدینہ والوں میں سے) کچھ اور لوگ ہیں (جو منافق نہیں ہیں بلکہ ان کی حالت یہ ہے۔)

اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا ۚ انہوں نے اپنے قصور کا اقرار کر لیا ہے یعنی غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے اور نہ جانے کا کوئی جھوٹا عذر نہیں پیش کیا بلکہ اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔

انہوں نے نیک عمل کو برے عمل کے ساتھ مخلوط کر دیا۔ نیک عمل سے مراد ہے ایمان نماز اور رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہ کر متعدد مرتبہ جہاد میں شرکت اور تبوک سے غیر حاضری پر ندامت اور اظہار قصور برے عمل سے مراد ہے تبوک سے غیر حاضری اور اس معاملہ میں منافقوں کے ساتھ عملی موافقت وَّاٰخَرَ سَیِّئًا میں واو بمعنی ب ہے برے عمل کے ساتھ۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے گا اِعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ کا لفظ اپنے اندر توبہ کا مفہوم رکھتا ہے اس لئے فرمایا کہ امید ہے اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے۔ توبہ کرنے والے سے درگذر فرماتا اور اس پر مہربانی کرتا ہے ابن جریر ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس کی روایت سے نیز بیہقی نے اس آیت کے ذیل میں سعید بن مسیب کے حوالے سے بیان کیا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ لوگ دس تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب ہو کر غزوہ تبوک پر نہیں گئے تھے انہی میں سے ابولبابہ بھی تھے جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے تو ان میں سے سات آدمیوں نے مسجد کے ستونوں سے خود اپنے کو بندھوا دیا۔ مسجد سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی گذرگاہ اسی طرف تھی جب حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ خود بندھے ہوئے لوگ کون ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یہ ابولبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے جب تک حضور ﷺ ان سے راضی نہ ہو جائیں گے اور اپنی دست خاص سے ان کو نہ کھولیں گے یہ خود کھلنے پر تیار نہ ہوں گے انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ان کو خود نہیں کھولوں گا اور ان کا عذر نہیں قبول کروں گا تاوقتیکہ اللہ ہی ان کو نہ کھولے یہ مجھ سے منحرف ہو کر مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد پر نہیں گئے ان حضرات کو جب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پہنچا تو بولے ہم بھی اپنے کو نہیں کھولیں گے تاوقتیکہ اللہ ہی نہ کھولے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اس آیت میں لفظ عسیٰ آیا ہے جس کا معنی ہے امید۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے قطعی حکم ان کی توبہ قبول کرنے کا نہیں دیا تھا صرف امید کا اظہار فرمایا ہے، لیکن) اللہ کی طرف سے امید کا اظہار چونکہ وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس جگہ عسیٰ کا معنی وجوب کا ہے اسی بناء پر اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے توبہ قبول ہو۔ نے کی خبر ان لوگوں کے پاس بھیج دی اور ان کا عذر قبول فرمالیا اور ان کو رہا کرا دیا۔ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابولبابہ کو رہا کرنے کے لئے آدمی بھیجا تو انہوں نے سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی اور کے ہاتھ سے رہا ہونے سے انکار کر دیا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے تشریف لے جاکر دست مبارک سے ان کو کھولا۔ پھر یہ حضرات اپنے اپنے مال لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے مال ہیں ان کو ہماری طرف سے بطور صدقہ قبول فرمالیجئے اور ہمارے لئے دعائے مغفرت فرما دیجئے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے تمہارے مال لینے کی اجازت نہیں دی گئی ہے اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ان کے مالوں سے صدقہ لے لو۔ یعنی گناہوں کے کفارہ میں (جو مال وہ دے رہے ہیں) لے لو۔ بعض کے نزدیک صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے۔

تُطَهِّرُهُمْ (وہ صدقہ) ان کو گناہوں سے پاک کر دے گا (یا تم ان کو مال صدقہ لے کر گناہوں سے پاک کر دو گے پہلی صورت میں تطہیر کی ضمیر مونث غائب صدقہ کی طرف راجع ہوگی۔ دوسری صورت میں خطاب کا صیغہ ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہوگا۔

وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا اور تم ان کو صدقہ لے کر پاکیزہ و صاف کر دو گے یعنی ان کی نیکیاں بڑھا دو گے اور مخلص اہل ایمان کے درجات پر پہنچا دو گے۔

ابن جریر نے علی بن ابی طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے اور سعید بن جبیر، ضحاک اور زید بن

اسلم کے اقوال سے بھی یہی مقدار نقل کی ہے لیکن بغوی نے لکھا ہے کہ عطیہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کے قول میں ستونوں سے خود بندھ جانے والے لوگوں کی تعداد صرف پانچ بیان کی گئی ہے جن میں ابولبابہ بھی تھے۔ اور سعید بن جبیر و زید بن اسلم کے اقوال میں آٹھ اور قتادہ وضحاک کے اقوال میں سات بیان کی گئی ہے ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک) جہاد پر تشریف لے گئے مگر ابولبابہ اور ان کے پانچ دوسرے آدمی پیچھے رہ گئے (جہاد پر نہ جاسکے) پھر ابولبابہ نے اور پانچ میں سے دو آدمیوں نے غور کیا۔ پشیمان ہوئے اور ان لوگوں کو اپنی تباہی (یعنی دین کی بربادی) کا یقین ہو گیا کہنے لگے ہم تو (ٹھنڈے) سایہ میں عورتوں کے ساتھ چین کریں اور رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب (دوسرے) مسلمان جہاد میں شریک ہوں یہ بڑا گناہ ہے خدا کی قسم ہم ستونوں سے خود اپنے کو باندھ دیں گے اور اس وقت تک نہ کھولیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ خود نہ کھولیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ تین آدمی رہ گئے جنہوں نے اپنے آپ کو نہیں بندھوایا تھا۔ (الحدیث)

عبد نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت سات آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی جن میں سے چار نے یعنی ابوالبابہ مرداس اوس اور جذام نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔

ابن مندہ نے الصحابہ میں اور ابوالشیخ نے بطریق ثوری از اعمش از ابوسفیان حضرت جابرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی سے رہ گئے تھے ان میں سے ابولبابہ اوس بن جذام ثعلبہ بن ودیعہ کعب بن مالک مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ تھے ابولبابہ اور ثعلبہ (وغیرہ) نے اپنے آپ کو ستونوں سے بندھوا دیا تھا اور (رہائی کے بعد) اپنے مال لا کر خدمت گرامی میں پیش کئے تھے اور عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ اس کو لے لیجئے اسی نے ہم کو آپ کے ہم رکاب جانے سے روکا تھا حضور نے انہی حضرات کے متعلق فرمایا تھا میں ان کو نہیں کھولوں گا جب تک اللہ ان کو نہ کھلوائے گا انہی کے متعلق آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ نازل ہوئی تھی اس حدیث کی سند قوی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے تمام روایات حضرت ابولبابہ کے نام پر متفق ہیں بعض لوگوں کا تو یہ بھی خیال ہے کہ آیت کا نزول صرف ابولبابہ کے حق میں ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے اس میں اختلاف ہے کہ ابولبابہ کا جرم کون سا تھا جس کے سلسلہ میں یہ آیت اتری مجاہد نے کہا ابولبابہ نے بنی قریظہ سے کہا کہ اگر ان (یعنی حضرت معاذ) کے فیصلہ کی شرط پر راضی ہو کر تم اپنی گڑھی سے نیچے اترے تو (حلق پر انگلی پھیرتے ہوئے اشارہ کیا کہ یہ ہو جائے گا یعنی) ذبح کر دیئے جاؤ گے ہم نے یہ قصہ سورۂ انفال کی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کر دیا ہے ابن اسحاق اور بیہقی کا بھی یہی خیال ہے کہ حضرت ابولبابہ کا ستون سے خود بندھنا بنی قریظہ کے واقعہ ہی سے متعلق تھا۔

زہری کا قول ہے کہ آیت کے نزول کا تعلق تبوک کے واقعہ سے ہے۔ میں کہتا ہوں شاید دونوں قصوروں کی وجہ سے ابولبابہ نے اپنے آپ کو ستون سے باندھا ہو اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن مسیب کے اقوال مندرجہ بالا سے ہوتی ہے ابن مردویہ نے واقدی کے سلسلہ والی سند سے حضرت ام سلمہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابولبابہ کی توبہ (قبول ہونے) کی آیت میرے گھر میں اتری تھی سحر کے وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہنستے سنا عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہنسی کی کیا وجہ ہے فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ میں نے عرض کیا کیا میں ان کو اس کی اطلاع دے دوں فرمایا تمہاری مرضی میں نے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز دی ابولبابہ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی یہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے آواز سنتے ہی لوگ ابولبابہ کو کھولنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ابولبابہ نے کہا (ابھی نہیں) رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئیں وہی مجھے کھولیں گے صبح کو جب حضور ﷺ گھر سے برآمد ہوئے تو آپ نے جا کر کھولا اور آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا الخ نازل ہوئی۔

حضرت ام سلمہ کی اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ جس قصور کی معافی نازل ہوئی تھی وہ وہی قصور تھا جو بنی قریظہ کے متعلق حضرت ابولبابہ سے صادر ہو گیا تھا کیونکہ تبوک کا جہاد پر تو پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد ہوا تھا۔ لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ ستون سے بندش کا واقعہ دونوں قصوروں کے نتیجہ میں قرار دیا جائے کیوں کہ روایتیں دونوں صحیح ہیں۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ بغوی نے لکھا ہے کہ صدقہ کا مال لیتے وقت کیا امام پر واجب ہے کہ دینے والے کے لئے دعا کرے۔ بعض علماء کے نزدیک واجب ہے بعض کے نزدیک مستحب۔ بعض کے نزدیک واجب زکوٰۃ وصول کرتے وقت تو دعا دینی واجب ہے اور نفل صدقہ کے وصول کرتے وقت مستحب۔ بعض کا قول ہے کہ امام پر واجب ہے مگر فقیر اگر مالدار سے لے تو دینے والے کو دعا دینی مستحب ہے۔

بخاری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے فرمایا (حضرت ابو اوفیٰ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر (تجدید) بیعت کی تھی) کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب لوگ صدقہ کا مال پیش کرتے تھے تو حضور ﷺ (دعا دیتے اور) فرماتے اے اللہ ان پر رحمت نازل فرما۔ چنانچہ میرے باپ نے اپنے صدقہ کا مال پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اے اللہ آل ابی اوفیٰ پر رحمت نازل فرما۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ لغت میں صلوٰۃ کا معنی ہے، دعا، رحمت، استغفار اور اللہ کی طرف سے رسول ﷺ کی تعریف۔ جب لفظ صلوٰۃ کی نسبت بندوں کی طرف کی جاتی ہے تو دعا اور استغفار ہوتا ہے آیت میں یہی معنی مراد ہے ایک حدیث آئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کھانے کے لئے بلائے تو دعوت قبول کر لینا چاہئے (اور جانا چاہئے) پھر اگر روزہ نہ ہو تو کھا لینا چاہئے اور روزہ دار ہو تو (میزبان کے لئے) صلوٰۃ یعنی دعا کرنا چاہئے رواہ احمد و مسلم و ابوداؤد و الترمذی عن ابی ہریرہ۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے شوہر کے لئے صلوٰۃ کر دیجئے یعنی دعائے مغفرت فرما دیجئے حضور ﷺ نے دعا کر دی۔ اخرجہ احمد۔ اس روایت کی تصحیح ابن حبان نے کی ہے۔ جب لفظ صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو رحمت اور پسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے حضرت ابو اوفیٰ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو دعا کی تھی اس میں صلوٰۃ سے مراد رحمت ہی ہے۔ ابوداؤد اور نسائی نے حضرت قیس بن سعد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ اپنی صلوٰۃ اور رحمت سعد بن عبادہ کی آل پر کر دے اس روایت کی سند عمدہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ مومن کی روح سے کہتے ہیں تجھ پر اور تیرے بدن پر اللہ کی رحمت ہو۔

احادیث مذکورہ کے الفاظ کی روشنی میں اور لغوی معنی کے پیش نظر یحییٰ بن یحییٰ نے کہا کہ انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی اگر لفظ صلوٰۃ استعمال کر لیا جائے یعنی لفظ صلوٰۃ سے ان کے لئے دعا کی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن محدثین اور فقہاء اسلام کی اصطلاح ہے کہ لفظ صلوٰۃ انبیاء کے لئے مخصوص ہے یا ہمارے نبی ﷺ کے لئے خاص ہے اور دوسروں کے لئے اس کا استعمال ذیلی طور پر کیا جا سکتا ہے اسی اصطلاح کی بناء پر امام مالک نے فرمایا میری رائے میں انبیاء کے سوا دوسروں کے واسطے لفظ صلوٰۃ کا استعمال مکروہ ہے قاضی عیاض نے کہا کہ یہ قول امام مالک اور سفیان کا ہے اور یہی مسلک متکلمین اور فقہاء کا ہے فقہاء اسلام نے کہا انبیاء کے سوا دوسروں کے لئے رضا مغفرت اور رحمت وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں (صلوٰۃ کا استعمال نہ کیا جائے انبیاء کے سوا دوسروں کے لئے لفظ صلوٰۃ کا استعمال (خلافت راشدہ اور بنی امیہ کے عہد میں) معروف نہ تھا بنی ہاشم یعنی خلفاء عباسیہ کے دور میں اس کی ایجاد ہوئی (لہٰذا یہ بدعت ہے)۔

امام ابو حنیفہ اور ایک جماعت علماء کا قول ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے لفظ صلوٰۃ کا استعمال مستقل طور پر (یعنی تنہا۔ غیر انبیاء کے لئے) درست نہیں ذیلی طور پر (یعنی انبیاء کے بعد اگر دوسروں کا ذکر ہو تو بالتبع) درست ہے کیونکہ

اہل شریعت کی اصطلاح میں انبیاء خصوصاً "رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے لفظ صلوٰۃ خاص کر لیا گیا ہے لہٰذا انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ اللہ نے فرمایا لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا اسی بناء پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کسی کی طرف سے سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی اور پر صلوٰۃ بھیجنا (یعنی لفظ صلوٰۃ سے دعا کرنا) مناسب نہیں۔ رواہ ابن ابی شیبہ من طریق عثمان بن حکیم عن عکرمہ وہذا اسناد صحیح۔

بیہقی نے کہا حضرت ابن عباسؓ کے اس کلام کا یہ مطلب ہے کہ تعظیم کے طور پر انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے لفظ صلوٰۃ نہ ذکر کیا جائے اگر دعاء کے طور پر ہو تو کوئی حرج نہیں ابن قیم نے کہا پسندیدہ بات یہ ہے کہ انبیاء ملائکہ امہات المومنین، آل رسول، ذریات رسول اور تمام اہل طاعت کے لئے بالاجمال (بغیر کسی شخصی تعیین اور نام کے) لفظ صلوٰۃ کا استعمال صحیح ہے اور انبیاء کے علاوہ کسی معین شخصیت کے لئے اس کا استعمال مکروہ ہے کسی معین شخصیت کے لئے اگر استعمال کیا جائے گا تو یہ شعار بن جائے گا خصوصاً ایسی صورت میں تو کراہت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس لفظ کا (خصوصی) استعمال ایسی شخصیتوں کے لئے کیا جائے جن کے ہم پایہ بلکہ ان سے برتر فضائل رکھنے والے دوسرے افراد ہوں اور ان افضل یا مساوی المرتبہ افراد کے لئے تو لفظ صلوٰۃ استعمال نہ کیا جائے اور دوسروں کے لئے کیا جائے۔ جیسے رافضی کرتے ہیں۔ کذا قال الحافظ ابن حجر۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۚ بے شک تمہاری دعا ان کے لئے رحمت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے سکن کا ترجمہ رحمت کیا ہے ابو عبیدہ نے سکون خاطر اور طمانیت قلب ترجمہ کیا ہے یعنی تمہاری دعا ان کے سکون خاطر اور دل کے ٹھیراؤ کا ذریعہ ہے ان کو اطمینان ہو جائے گا کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔

میں کہتا ہوں پاک باطن اور صاف قلب رکھنے والوں سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو گناہ کی ظلمت ان کے دل پر چھا جاتی ہے اور اندر کچھ تاریکی محسوس ہونے لگتی ہے لیکن جب اللہ کے رسول ﷺ ان کے لئے دعائے مغفرت کر دیتے ہیں اور اللہ ان کو معاف کر دیتا ہے تو دل کی تاریکی اور گھٹن دور ہو جاتی ہے یا دل کے اندر گناہ کی تاریکی اور گھٹن ایسی ہوتی ہے جیسے معدہ سے بخارات چڑھنے اور اطراف قلب میں جمع ہو کر دل پر دباؤ ڈالنے سے خفقان پیدا ہو جاتا ہے اور جب بخارات کا دباؤ معدہ کی اصلاح سے ختم ہو جاتا ہے تو خفقان جاتا رہتا ہے یہی حالت گناہ سے پیدا ہونے والی تاریکی کی وجہ سے دل کی بے چینی کی ہوتی ہے اور مغفرت کی وجہ سے اس کا زوال ہو کر سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے سچ فرمایا ہے کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ہو جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اور اللہ سننے والا ہے ان کے اعتراف قصور اور ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی دعا و استغفار کو۔

عَلِيْمٌ ۝ خوب واقف ہے ان کی ندامت (اور توبہ) سے۔

بغوی نے (آیت ذیل کے سبب نزول کے متعلق) لکھا ہے کہ جب ان حضرات کی توبہ قبول ہو گئی تو وہ لوگ جو (سستی یا کسی اور وجہ سے) تبوک کو نہیں گئے تھے اور انہوں نے (گناہ کا علی الاعلان اقرار کر کے) توبہ بھی نہیں کی تھی کہنے لگے کل تک تو یہ لوگ ہمارے ساتھ تھے کوئی ان سے میل جول بھی نہیں رکھتا تھا نہ کوئی ان سے بات کرتا تھا اب یہ نئی بات کیا ہو گئی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ

کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے صدقات کو (قبول کے ہاتھوں سے) لے لیتا ہے یعنی اس طرح قبول کر لیتا ہے جیسے کوئی کسی چیز کو معاوضہ ادا کرنے کے لئے لے لیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو بندہ پاک کمائی سے خیرات کرتا ہے اور اللہ صرف پاک (کمائی کی خیرات) کو ہی قبول فرماتا ہے اور آسمان کی طرف پاک (کلام،

عمل، خیرات) کو ہی عروج نصیب ہوتا ہے تو وہ گویا اس خیرات کو اللہ کے ہاتھ میں رکھتا ہے اللہ اپنے ہاتھ میں اس کو (اس طرح) پالتا ہے جس طرح تم اپنے بچے کو (اس کی پشت پر ہاتھ پھیر پھیر کر) پرورش کرتے ہو یہاں تک کہ ایک لقمہ قیامت کے دن بڑے پہاڑ کے برابر ہو کر سامنے آئے گا۔ یہ فرمانے کے بعد حضور ﷺ نے آیت اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ تلاوت فرمائی۔ رواہ الشافعی۔

شیخین کی روایت بھی اسی روایت کی ہم معنی ہے اس میں اتنا اور ہے کہ جو شخص پاک کمائی سے ایک چھوارے برابر خیرات کرتا ہے اور اللہ پاک کو ہی قبول کرتا ہے تو اللہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو قبول فرما لیتا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ اور اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے یعنی توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنا اور ان پر مہربانی کرنا اس کی شان ہے۔

وَقُلِ اور آپ کہہ دیجئے یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یا سب لوگوں کو۔ اعْمَلُوْا (جو چاہو) کرو فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ اللہ تمہارے (اچھے برے) عمل کو دیکھ لے گا اس سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔

وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ اور اللہ کا رسول اور مسلمان بھی (دیکھ لیں گے) جو چیز تم چھپاؤ گے اللہ وحی کے ذریعے سے اپنے رسول پر اس کا اظہار کر دے گا اور پھر مسلمان بھی واقف ہو جائیں گے۔

مجاہد نے کہا یہ دھمکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی کو اطلاع دے دے گا اور مومنوں کی واقفیت اس طرح ہو گی کہ اللہ ان کے دلوں میں اہل صلاح کی محبت پیدا کر دے گا اور جو لوگ مفسد ہوں گے ان کی نفرت اہل ایمان کے دلوں میں ڈال دے گا۔

وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اور ضرور تم کو ایسے کے پاس لے جایا جائے گا جو تمام کھلی اور چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتا دے گا۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا۔ یعنی مدینے کے رہنے والے ان لوگوں میں سے جو تبوک کے جہاد پر نہیں گئے کچھ اور لوگ جن کا فیصلہ خدا کے حکم آنے تک ڈھیل میں پڑا ہوا ہے۔ وہ چاہے تو عذاب دے اس کو صغیرہ گناہ پر بھی عذاب دینے کا اختیار ہے اور چاہے تو بغیر توبہ کے معاف کر دے، وہ کبیرہ گناہوں کو بھی بغیر توبہ کے معاف کر سکتا ہے کوئی چیز اس پر لازم نہیں ہے۔ لہٰذا بندوں کو امید بھی رکھنا چاہئے اور ڈرتے بھی رہنا چاہئے۔ (اللہ کو تو کسی کو عذاب دینے یا بخش دینے میں کوئی تردد ہو نہیں سکتا، اس کا علم تو یقینی ہے کہ کس کو معاف کرے گا اور کس کو سزا دے گا شک تو بندوں کے علم میں ہوتا ہے اور عذاب و مغفرت میں تردد تو بندوں کو ہی ہونا چاہئے اس لئے آیت میں) لفظ اِمَّا کا استعمال بندوں کے لحاظ سے کیا گیا ہے (یعنی اِمَّا شک و تردد کے موقع پر آتا ہے اور بندوں کو مغفرت و عذاب میں تردد ہو سکتا ہے اس لئے انہی کے علم کی مناسبت سے لفظ اِمَّا ذکر کیا گیا)۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اور اللہ (ان کے احوال کو) خوب جاننے والا ہے اور (جو سلوک ان سے کرے گا اس کی) مصلحت سے بھی وہی واقف ہے۔ شیخین نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ سے مراد کعب بن مالک، ہلال ابن امیہ اور مرارہ بن ربیع ہیں یہ ان دس آدمیوں میں سے تھے جو تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے اور مسجد کے ستونوں سے بھی انہوں نے اپنے آپ کو بندھوایا نہ تھا (مگر اپنے جرم کا کھل کر اقرار کر لیا تھا کوئی بہانہ نہیں کیا تھا) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ ان تینوں حضرات سے سلام کلام ترک کر دیں ان حضرات نے جب یہ سلوک دیکھا تو خلوص نیت کے ساتھ تائب ہو گئے اور اپنا معاملہ

اللہ کے سپرد کر دیا آخر اللہ نے ان پر رحم کیا (اور ان کا قصور بھی معاف کر دیا گیا) ہم ان کا قصہ آگے لکھیں گے۔

محمد بن اسحاق نے حضرت ابورہم کلثوم بن حصین غفاری کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابورہم ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے حضور کے دست مبارک پر (تجدید) بیعت کی تھی۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ نیز ابن المنذر نے سعید بن جبیر کی روایت سے اور محمد بن عمر نے یزید بن رومان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عمرو بن عوف کے قبیلہ نے ایک مسجد کی تعمیر اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آدمی کو بھیجا کہ حضور ﷺ تشریف لا کر اس مسجد میں نماز پڑھ دیں۔ غنم بن عوف کے قبیلہ نے جب یہ بات دیکھی تو ان کو حسد ہوا اور انہوں نے کہا ہم بھی ایک مسجد بنائیں گے جیسی انہوں نے بنائی ہے (بات یہ ہوئی تھی کہ) شام کو روانہ ہونے سے پہلے ابو عامر فاسق نے ان سے کہا تھا تم لوگ ایک مسجد تعمیر کرو اور جتنے اسلحہ ممکن ہوں اس میں (پوشیدہ طور پر) جمع کر لو میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لا کر محمد اور ان کے ساتھیوں کو یہاں سے نکال باہر کر دوں گا ابو عامر فاسق اللہ اور رسول کے خلاف بغاوت کر کے رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کے ارادہ سے مدینہ سے گیا تھا چنانچہ یہ لوگ ابو عامر کے آنے (اور رومیوں کا لشکر ساتھ لانے) کے انتظار میں تھے۔ مسجد تیار ہو گئی تو انہوں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ اس میں نماز پڑھیں تاکہ ان کا جو مقصد تھا یعنی فساد کفر اور اسلام سے عناد اس کو کامیاب ہونے کا موقع مل جائے جب رسول اللہ ﷺ تبوک کو روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے کہ ان کی طرف سے کچھ لوگ خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے ایک مسجد بنائی ہے مقصد تعمیر یہ ہے کہ جو بیمار یا حاجت مند مسجد گرامی میں حاضر نہیں ہو سکتے یا سخت سردی کی رات ہو یا بارش کی رات ہو اور لوگ وہاں سے یہاں حاضر نہ ہو سکیں تو وہ اس مسجد میں نماز پڑھ لیں ہماری خواہش ہے کہ حضور ﷺ تشریف لا کر اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب تو میں بر سر سفر ہوں اور کام میں مشغول ہوں جب ہم انشاء اللہ واپس آئیں گے تو تمہاری مسجد میں نماز پڑھیں گے چنانچہ آپ جب تبوک سے واپس ہو کر مقام ذی اوان میں اترے تو مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی یہ مقام مدینہ سے ایک گھنٹہ کی راہ کے فاصلہ پر تھا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے (اسلام کو) ضرر پہنچانے کے لئے مسجد بنائی ہے یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بارہ آدمیوں نے اس مسجد کی تعمیر کی تھی (۱) قبیلہ بنی عبید بن زید کا خدام بن خالد یہ بنی عمرو بن عوف کا ایک فرد تھا۔ (۲) قبیلہ بنی امیہ بن زید کا ثعلبہ بن حاطب۔ (۳) بنی ضبیعہ بن زید کا معتب بن قشیر اور۔ (۴) حبیبہ بن ازعر اور (۵) نبتل بن حارث اور نجاد بن عثمان اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف کا عباد بن حنیف جو سہل بن حنیف کا بھائی تھا اور حارثہ بن عامر اور اس کے دونوں بیٹے مجمع بن حارثہ اور زید بن حارثہ اور ودیعہ بن ثابت اور ایک شخص جس کو بخرج کہا جاتا تھا۔ اس سب نے اس مسجد کی تعمیر مسجد قبا کو ضرر پہنچانے کے لئے کی تھی۔

وَكُفْرًا اور اللہ و رسول کا انکار کرنے کے سبب۔

وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے۔ مسلمان مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے مجمع بن حارثہ نماز پڑھاتا تھا ان لوگوں نے دوسری مسجد اس غرض سے بنائی کہ (مسجد قبا میں نماز پڑھنے والے) کچھ اس مسجد میں نماز پڑھنے لگیں اور اس طرح (دین کے نام پر) مسلمانوں کے ٹکڑے ہو جائیں اور اختلاف پیدا ہو جائے۔

وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ اور اس شخص کے قیام کا سامان کرنے کے لئے جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول کا مخالف تھا۔

بغوی نے لکھا ہے مَنْ حَارَبَ اللّٰهَ سے مراد ابو عامر راہب ہے جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا باپ تھا، قبیلہ بنی

عمرو بن عوف کا ایک فرد تھا اسلام سے پہلے یہ شخص کمبل پوش عیسائی راہب ہو گیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ابو عامر نے پوچھا آپ یہ کیا مذہب لائے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ خالص دین توحید ہے جو ابراہیم کا دین تھا۔ ابو عامر نے کہا کہ دین حنیفیت پر تو میں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دین حنیفیت

(دین ابراہیمی) پر نہیں ہو۔ ابو عامر نے کہا کیوں نہیں (میں یقیناً "دین ابراہیمی پر ہوں) آپ نے حنیفیت کے اندر دوسری چیزوں کو شامل کر لیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے ایسا نہیں کیا میں تو خالص نکھری ہوئی روشن شریعت لے کر آیا ہوں ابو عامر نے کہا تو ہم میں سے جو جھوٹا ہو خدا کرے وہ یکہ و تنہا خانہ بدر مسافرت کی حالت میں مرے حضور ﷺ نے فرمایا اللہ ایسا ہی کرے۔ حضور نے (بجائے راہب کے) اس کا نام ابو عامر فاسق رکھ دیا۔ احد کی لڑائی کے دن ابو عامر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا جو قوم بھی آپ سے لڑے گی میں اس کے ساتھ مل کر آپ سے لڑوں گا چنانچہ جنگ حنین تک وہ برابر رسول اللہ ﷺ کے خلاف دوسری قوموں سے مل کر لڑتا رہا ہوازن کی شکست کے بعد شام بھاگ گیا اور منافقوں کو یہ پیام بھیج گیا کہ تم لوگ تیار رہنا ایک مسجد بنا کر جس قدر اسلحہ ہو سکے اس میں جمع کر رکھنا میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لا کر محمد اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کر دوں گا ابو عامر کے مشورہ کے موافق ان لوگوں نے مسجد قبا کے برابر ایک مسجد بنالی۔ مِنْ قَبْلُ سے مراد یا تو یہ معنی ہیں کہ مسجد بنانے کے پہلے اس شخص نے اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف بغاوت اور جنگ کی تھی یا یہ مطلب ہے کہ تبوک کے جہاد سے غیر حاضر ہونے سے پہلے ہی انہوں نے مسجد بنالی تھی اول مطلب پر مِنْ قَبْلُ کا تعلق حارب سے اور دوسری صورت میں اِتَّخَذُوا سے ہوگا۔

وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ اور یہ لوگ قسمیں کھائیں گے کہ سوائے بھلائی کے ہماری اور کچھ نیت نہیں۔ الحسنیٰ بھلائی یعنی سخت گرمی اور بارش میں مسلمانوں کا آرام اور جو ضعیف و کمزور رسول اللہ ﷺ کی مسجد تک نہ پہنچ سکتے ہوں ان کے لئے سہولت، ہمارے پیش نظر تھی۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے عوفی کی سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسجد قبا تعمیر کرائی تو کچھ انصاری جن میں سے ایک شخص بخرج بھی تھا گئے اور انہوں نے مسجد نفاق بنائی۔ رسول اللہ ﷺ نے بخرج سے فرمایا اس سے تیرا مقصد کیا ہے کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میرا مقصد تو صرف بھلائی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ اور اللہ شاہد ہے کہ یہ لوگ اپنے قول و قسم میں جھوٹے ہیں۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ آپ (نماز کے لئے) اس میں کبھی نہ کھڑے ہوں۔ حضرت ابن عباس نے تفسیری مطلب یہی فرمایا۔ ابن النجار نے کہا منافقوں نے یہ مسجد قبا والی مسجد کے مقابلہ میں بنائی تھی۔ سب وہاں جمع ہوتے اور رسول اللہ ﷺ کی برائی کرتے اور آپ کا مذاق بناتے تھے۔ جب (تبوک سے واپسی میں) رسول اللہ ﷺ مقام ذی اوان میں تھے تو یہ آیت نازل ہوئی ابن اسحاق نے بسلسلہ زہری حضرت ابورہم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی سالم بن عوف کے مالک بن دخشم کو اور قبیلہ عاصم بن عدی کے معن بن عدی کو طلب فرمایا بغوی نے مالک بن دخشم کے ساتھ عامر بن اسکن اور حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کا بھی ذکر کیا ہے عاصم کا ذکر نہیں کیا اور ذہبی نے التجرید میں سوید بن عباس انصاری کا نام بھی بیان کیا ہے اور فرمایا تم اس لوگوں کی بنائی ہوئی اس مسجد کو جا کر ڈھا دو اور جلا دو حسب الحکم یہ حضرات تیزی کے ساتھ چلے گئے اور سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچ کر مالک نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا آپ لوگ میرا انتظار کریں میں آتا ہوں یہ کہہ کر اپنے گھر جا کر کھجور کی کچھ خشک ٹہنیاں لے کر ان میں آگ لگائی پھر سب حضرات دوڑ کر مغرب و عشاء کے درمیان مسجد میں پہنچے اس وقت مسجد والے مسجد میں موجود تھے ان حضرات نے مسجد کو آگ لگا دی اور ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا اہل مسجد ادھر ادھر منتشر ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اس جگہ کوڑا گھر بنا دیا جائے جہاں مردار جانور اور غلاظتیں ڈالی جائیں۔

ابو عامر فاسق ملک شام میں یکہ و تنہا خانہ برباد مسافرت کی حالت میں مر گیا۔

محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے عاصم بن عدی کو پیش کش

کی کہ اس مسجد کے مقام پر وہ اپنا مکان بنالیں۔ حضرت عاصم نے عرض کیا یارسول اللہ اس مسجد کے بارے میں جو حکم نازل فرمایا ہے اس کے بعد تو میں اس میں مکان نہیں بنا سکتا البتہ ثابت بن اقرم کو یہ جگہ عنایت فرما دیجئے ان کے پاس کوئی مکان نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے ثابت کو وہ جگہ عطا فرما دی لیکن اس مکان میں ثابت کا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا نہ کسی کبوتر نے وہاں بچہ نکالا نہ کسی مرغی نے انڈے سیئے (یعنی انڈوں پر بیٹھ کر بچے نہیں نکالے)۔

بغوی نے بیان کیا کہ روایت میں آیا ہے کہ بنی عمرو بن عوف جنہوں نے مسجد قبا بنائی تھی حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ مجمع بن حارثہ کو ان کی مسجد میں امام بنا دیں۔ حضرت عمر نے انکار کر دیا اور فرمایا (اس کی) آنکھ ٹھنڈی نہ ہو کیا یہ مسجد ضرار میں امام نہ تھا مجمع نے عرض کیا امیر المومنین میرے خلاف فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کیجئے میں نے مسجد ضرار میں نماز ضرور پڑھی ہے لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ ان لوگوں کی نیت کیا ہے اگر مجھے ان کا مخفی ارادہ معلوم ہوتا تو میں وہاں نماز نہیں پڑھتا میں لڑکا تھا مگر قرآن پڑھا ہوا اور وہ لوگ بوڑھے تھے مگر ناخواندہ اس لئے میں نے نماز پڑھا دی میں یہی خیال کرتا تھا کہ تعمیر مسجد سے ان کی غرض حصول ثواب ہے ان کے دلوں کے خیالات کا مجھے علم نہ تھا حضرت عمر نے حضرت مجمع کے اس عذر کو قبول فرما لیا اور ان کے بیان کی تصدیق کی اور ان کو مسجد قبا میں نماز پڑھانے کا حکم دے دیا۔

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط

جس مسجد کی بنیاد پر تقوے پر رکھی گئی اسمیں نماز پڑھنی بلاشبہ تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے پہلے دن سے ~~دن~~ پہلے دن سے مراد ہے تعمیر تو تاسیس کا پہلا دن یا ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں فروکش ہونے کا پہلا دن۔ کذا قال السہیلی۔ حضرت ابن عمر حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا لَمَسْجِدٌ سے مراد مسجد نبوی ہے یعنی مدینہ والی مسجد۔ امام احمد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، نسائی، ابو یعلی، ابن جریر ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، حاکم ابن مردویہ اور بیہقی نے (دلائل میں) ذکر کیا کہ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا میں امہات المومنین میں سے کسی کے گھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون سی مسجد ہے (جس کے متعلق فرمایا گیا ہے) کہ اس کی تاسیس تقویٰ پر کی گئی ہے حضور ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں لے کر زمین پر ماریں اور فرمایا یہی تمہاری مسجد مدینہ کی مسجد۔

طبرانی اور ضیاء المقدسی نے المختارہ میں حضرت زید بن ثابت کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی فرمایا یہ میری مسجد ہے! ابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عمر سے دریافت کیا گیا جس مسجد کی تاسیس تقویٰ پر ہوئی وہ کونسی مسجد ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی مسجد۔

مسجد نبوی کی فضیلت میں وہ حدیث آئی ہے جس کو شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا ممبر میرے حوض پر ہے (یا یوں ترجمہ کیا جائے کہ میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگا اور میرا ممبر میرے حوض پر ہوگا) واللہ اعلم بغوی کی روایت میں بجائے گھر کے قبر کا لفظ آیا ہے۔

شیخین اور احمد اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن زید مازنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے ترمذی نے بھی حضرت علی کی روایت سے یہی بیان کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں سوائے مسجد حرام (کعبہ) کے ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ مسجد أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مسجد قبا ہے عطیہ کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی قول آیا ہے عروہ بن زبیر، سعید بن جبیر اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد قبا کی تاسیس کی تھی۔ ہجرت کر کے جب حضور ﷺ مدینہ کو آئے تو جتنے دنوں یعنی پیر سے جمعہ تک قبا میں قیام فرمایا اور اس عرصہ میں یہاں نماز پڑھی۔ ابن جریر اور

ابن المنذر، اور ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اور ابو الشیخ نے ضحاک سے یہی بیان کیا ہے۔

بخاری نے عبداللہ بن دینار کی وساطت سے حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر شنبہ کو پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا کو تشریف لے جاتے تھے حضرت ابن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ نافع نے حضرت ابن عمر کا قول اتنا زائد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ داؤدی سہیلی اور حافظ ابن حجر نے کہا یہ (تفسیری) اختلاف نہیں ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر مسجد کی تاسیس تقویٰ پر ہوئی تھی۔

میں کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ مورد نزول کو خاص ہو مگر اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے اور مسجد نکرہ موصوفہ ہے اس کی صفت اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى ہے اور یہ بھی صفت عام ہے لیکن آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ آیت کی مسجد قبا مراد ہے اور اسی کے متعلق آیت کا نزول ہوا کیونکہ مسجد ضرار کی تعمیر مسجد قبا کو نقصان پہنچانے کے لئے ہی کی گئی تھی پھر بعد والی آیت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ فرمایا ہے:

فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ اس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند فرماتا ہے خوب پاک ہونے سے مراد ہے ناپاکی جنابت نجاست (غلاظت) گناہ اور برے خصائل سے پاک ہونا۔ بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ آیت فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا اہل قبا کے حق میں نازل ہوئی یہ لوگ پانی سے استنجا کرتے تھے تو ان کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ترمذی کی بھی یہی روایت ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ مہاجرین کو ساتھ لے کر پیدل روانہ ہوئے اور مسجد قبا کے دروازے پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے اندر انصار بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ مومن ہو انصار خاموش رہے، حضور ﷺ نے پھر یہی فرمایا اس پر حضرت عمر نے عرض کیا یہ یقیناً مومن ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں فرمایا کیا تم قضاء (خداوندی) پر راضی ہو انہوں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم مصیبت پر صبر کرتے ہو انہوں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم راحت پر شکر کرتے ہو، انہوں نے کہا جی ہاں، فرمایا قسم ہے مالک کعبہ کی تم مومن ہو، پھر آپ (ان کے پاس) بیٹھ گئے اور فرمایا اے گروہ انصار اللہ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے تم وضو اور رفع حاجت کے وقت کیا کرتے ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کے بعد ہم تین پتھروں کا استعمال کرتے ہیں اور پتھروں کے بعد پانی کا استعمال کرتے ہیں اس پر حضور نے آیت فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا تلاوت فرمائی۔

ابن خزیمہ نے صحیح میں حضرت عویم بن ساعدہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اہل قبا کے پاس مسجد قبا میں تشریف لے گئے اور فرمایا تمہاری مسجد کے قصہ میں تمہاری پاکی کی اللہ نے بہت اچھی تعریف کی ہے تم لوگ طہارت کیسے کرتے ہو (جس کی اللہ نے تعریف کی ہے) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم اور کچھ تو ہمیں معلوم نہیں صرف اتنی بات تھی کہ ہمارے پڑوس میں جو یہودی رہتے تھے وہ رفع حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے سو ہم نے بھی پانی سے استنجا کرنا شروع کر دیا دوسری روایت میں آیا کہ ہم پتھروں کے استعمال کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں فرمایا وہ یہی ہے تم ایسا ضرور کیا کرو۔

عمر بن شیبہ نے اخبار المدینہ میں ولید بن ابی منذر کی وساطت سے یحییٰ بن سہل انصاری کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت سہل انصاری نے فرمایا یہ آیت اہل قبا کے حق میں نازل ہوئی جو رفع حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے۔

ابن جریر نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ اہل قبا میں سے کچھ لوگوں نے پانی سے طہارت کرنے کی ایجاد کی انہی کے متعلق آیت فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا نازل ہوئی۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ

فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ

پھر کیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (مسجد) کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی یا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی (غار) کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی پھر وہ عمارت اپنے بنانے والے کو لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑی۔

اَفَمَنْ میں سوال تقریری ہے اور جواب چونکہ واضح تھا اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا بُنْیَانَهٗ سے مراد ہے اپنے دین کی بنیاد یا اپنی عمارت کی بنیاد عَلٰی تَقْوٰی یعنی اللہ کے خوف اور اللہ کی رضا جوئی کی مضبوط دیواروں اور بنیادوں پر۔ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ یعنی کمزور ترین بنیادوں اور ضعیف ترین دیواروں پر۔ شفا شفیر جرف سب کا معنی ہے کنارہ یعنی کسی وادی اور نالہ کا وہ کنارہ جس کے اندر سیلاب کی وجہ سے خلا پیدا ہو گیا ہو اور کنارے کی نوک باہر کو نکل آئی ہو۔ ہار، پھٹا ہوا جو گرنے کے قریب ہو۔ ہار کی اصل ہَوِرٌ اور بقول بغوی ہائر تھی یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ ہَارَ یَهَارُ سے مشتق ہے ہار کا معنی ہے گر گیا ڈھ گیا اس جگہ ہار سے مراد ہے وہ کنارہ جو گر پڑنے کے قریب ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جس نے مضبوط بنیادوں کے یعنی اللہ کے خوف اور رضا جوئی پر اپنی عمارت کی تاسیس کی وہ بہتر ہے یا وہ شخص بہتر ہے جس نے کمزور ترین بنیادوں پر یعنی باطل اور نفاق پر اپنی عمارت اٹھائی۔ تقویٰ کی ضد شرک و نفاق ہے اس لئے شفا جرف سے بطور کنایہ شرک و نفاق مراد ہے فَانْهَارَ بِهٖ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی ان کا نفاق ان کو جہنم میں لے گیا۔ بغوی نے کہا مراد یہ ہے کہ اس مسجد کی بناء نقصان رسانی کے لئے ایسی ہے جیسے جہنم کے آخری کنارہ (کراڑہ) پر تعمیر کی گئی ہو کہ کنارہ ڈھے کر اور یہ عمارت بنانے والوں کو جہنم میں لے گرے گا۔

محمد بن یوسف صالحی نے ابن عطیہ کا قول نقل کیا ہے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا وہ مسجد جس کی بنا و تاسیس تقویٰ پر قرار دی گئی ہے اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہے اور اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ میں بنیان سے مراد مسجد قبا ہے اور اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ میں بنیان سے مراد بالاجماع مسجد ضرار ہے۔

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں فرماتا یعنی صلاح و نجات کا راستہ نہیں بتاتا۔

ابن المنذر نے سعید بن جبیر اور قتادہ اور جریج کا قول نقل کیا ہے نیز ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے قتادہ کی روایت سے بیان کی ہے ان تینوں حضرات کا بیان ہے ہم سے ذکر کیا گیا تھا کہ مسجد ضرار میں جب ایک جگہ کھودی گئی تو لوگوں نے وہاں سے دھواں نکلتے دیکھا۔ بغوی نے حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا میں نے مسجد ضرار سے دھواں نکلتے دیکھا۔

لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ وہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں (کانٹا بن کر) کھٹکتی رہے گی ریبۃ سے مراد شک و نفاق۔ یعنی یہ عمارت ان کے دلوں میں شک و نفاق کے ترقی کرنے کا سبب بنی رہے گی اور وہ برابر یہی خیال کرتے رہیں گے کہ ہم نے یہ بھلائی کا کام کیا جیسے حضرت موسیٰ کی قوم کے دلوں میں بچھڑے کی محبت رچ گئی تھی (اس طرح اس مسجد ضرار کی محبت ان منافقوں کے دلوں میں جم گئی ہے) حضرت ابن عباسؓ نے یہی تفسیر فرمائی ہے۔ کلبی نے ریبۃ کا ترجمہ کیا حسرت و پشیمانی کیونکہ ان لوگوں کو اس مسجد کی تعمیر پر پشیمانی ہو گئی تھی سدی نے ریبۃ کا معنی کیا۔ غیظا یعنی اس عمارت کو ڈھا دینا ہمیشہ ان کے دلوں کے اندر غصہ اور غضب کو بھڑکاتا رہے گا۔

اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ ہاں ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں تو شک و نفاق ان کے دلوں سے ختم ہو جائے گا) یعنی نفاق برابر ہر وقت ان کے دلوں پر چھا رہے گا مگر اس وقت ختم ہوگا کہ ان کے دل ہی پھٹ جائیں اور ایسا وقت آ جائے گا

کہ ان کے دلوں میں جاننے کی صلاحیت ہی نہ رہے بعض علماء نے کہا دلوں کے پارہ پارہ ہونے سے مراد ہے منافقوں کا قتل ہونا یا قبر میں چلا جانا یا دوزخ میں پہنچ جانا۔ ضحاک اور قتادہ نے کہا مرتے دم تک یہ شک میں پڑے رہیں گے مر جائیں گے تو شک دور ہو گا اور حقیقت کا یقین ہو گا۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اور اللہ (ان کی نیتوں کو) جاننے والا ہے (اور مسجد ضرار کو گرا دینے کا جو حکم اس نے دیا اس کی مصلحت سے واقف ہے۔

اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ بعثت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ باہر نکلے یعنی مکہ سے برآمد ہوئے اور قبائل عرب پر اپنی نبوت پیش کی ایک روز گھاٹی کے پاس تھے کہ قبیلہ خزرج کی ایک جماعت سے ملاقات ہو گئی۔ حضور ﷺ نے پوچھا آپ لوگ کون ہیں انہوں نے جواب دیا خزرج کے لوگ ہیں فرمایا کیا کچھ دیر بیٹھ سکتے ہو میں تم سے کچھ بات کروں گا خزرجیوں نے جواب دیا بے شک چنانچہ حضور ﷺ کے ساتھ سب بیٹھ گئے۔ آپ نے ان کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔

اللہ کی قدرت کہ یہودی ان لوگوں کے ساتھ ان کی بستیوں میں رہتے تھے اور وہ اہل کتاب تھے اوس و خزرج تعداد میں یہودیوں سے زائد تھے مگر سب بت پرست تھے یہودیوں سے جب ان لوگوں کا کچھ جھگڑا ہوتا تھا تو یہودی کہتے تھے ایک نبی کی بعثت اب ہونے ہی والی ہے اس کی بعثت کا زمانہ قریب آ پہنچا ہے ہم اس کے ساتھ مل کر تم کو قتل کریں گے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے بات کی تو وہ آپ کے اوصاف کو پہچان گئے (کیونکہ یہودیوں کی زبانی آنے والے پیغمبر کے اوصاف کا ان کو علم پہلے ہی سے تھا) اور آپس میں کہنے لگے دیکھو یہودی ان کے پاس تم سے پہلے نہ پہنچنے پائیں چنانچہ سب نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیا اور قبیلہ خزرج کے چھ آدمی مسلمان ہو گئے اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث جن کی والدہ کا نام عفراء تھا۔ رافع بن مالک قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی۔ جابر بن عبد اللہ بن رباب۔ بعض روایات میں جابر کی جگہ عبادہ بن صامت کا نام آیا ہے بعض نے سات آدمیوں کے مسلمان ہونے کی صراحت کی ہے گویا جابر اور عبادہ دونوں کو جمع کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میری پشت پناہی کرو گے کہ میں اپنے رب کا پیام پہنچا سکوں ان لوگوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) پچھلے سال ہی جنگ بعاث ہمارے آپس میں ہو چکی ہے اس روز ہم نے آپس میں خوب کشت و خون کیا تھا۔ اگر ایسی حالت میں آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں گے تو ہماری پوری جماعت آپکے ساتھ نہ ہو سکے گی۔ اب تو آپ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم لوگ اپنے قبائل میں لوٹ کر چلے جائیں ممکن ہے کہ اللہ ہماری باہم صلح کرا دے اور ہم ان لوگوں کو اس چیز کی دعوت دیں جس چیز کی طرف آپ نے ہم کو بلایا ہے۔ امید ہے کہ اس وقت اللہ سب کو آپ کی حمایت کرنے پر متفق کر دے گا اور اگر سب آپ کے پیرو ہو گئے تو پھر کوئی آپ کے خلاف نہ جائے گا۔ آئندہ سال حج کے زمانہ میں ہم آپ سے پھر ملیں گے اس گفتگو کے بعد یہ حضرات مدینہ کو لوٹ گئے اور مدینہ کو واپس ہونے کے بعد انصاریوں کے ہر گھر میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ پھیل گیا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں آپ ﷺ کا ذکر نہ ہوتا۔ پھر اگلے سال یعنی بعثت کے بارہویں برس بارہ یا گیارہ آدمیوں نے گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی یہ گھاٹی دوسری گھاٹی تھی ان بارہ میں پانچ تو جابر کے علاوہ وہی تھے جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے اور سات یہ تھے عوف بن حارث کا بھائی معاذ بن حارث، ذکوان، عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ بن فضلہ یہ پانچوں خزرجی تھے اور دو شخص قبیلہ اوس کے تھے۔ بنی الاشہل کا ابو الہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ۔

سورہ ممتحنہ میں عورتوں کی بیعت کی جو تفصیل مذکور ہے اسی اقرار کے ساتھ ان سب نے بیعت کی یعنی یہ کہا کہ ہم شرک نہیں کریں گے چوری نہیں کریں گے الخ جب سب مسلمان ہو گئے تو مدینہ کو لوٹ گئے مدینہ پہنچ کر اسعد بن زرارہ ان تمام لوگوں کو مدینہ میں جمع کرتے تھے جو مسلمان ہوتے گئے۔ قبائل اوس و خزرج نے رسول اللہ ﷺ کو عرض داشت بھیجی کہ

اب کوئی ایسا آدمی ہمارے پاس بھیج دیجئے جو ہم کو قرآن پڑھادے، حضور ﷺ کی کوشش سے بہت لوگ مسلمان ہوگئے سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر بھی مسلمان ہوگئے اور ان دونوں بزرگوں کے مسلمان ہونے سے بنی عبدالاشہل کے تمام آدمی کیا مرد کیا عورتیں سب کے سب مسلمان ہوگئے پھر بعثت کے تیرھویں سال تیسری گھاٹی کے موقع پر ایام تشریق میں مدینہ والے حاضر ہوئے اور ستر یا تہتر مردوں اور دو عورتوں نے بیعت کی حاکم نے تہتر آدمی ہونے کی صراحت کی ہے۔

ابن جریر نے بروایت محمد بن کعب قرظی نیز بغوی نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ جو چاہیں اپنے رب کے اور اپنے لئے ہم سے شرطیں لے لیجئے (ہم سب کچھ ماننے کو تیار ہیں) حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کے متعلق تو یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرنا کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دینا (یعنی کسی چیز کی پوجا نہ کرنا) اور اپنے لئے یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ جس چیز سے تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرو اس سے میری بھی حفاظت کرنا (یعنی اپنی جان ومال کی طرح میری حفاظت کرنا) انصار نے کہا اگر ہم نے ایسا کرلیا تو ہم کو کیا ملے گا فرمایا جنت انصار نے کہا یہ نفع کا سودا ہے اب ہم اس سودے کو نہ پھیریں گے نہ پھیرنے دیں گے (یا نہ پھیرنے کی خواہش کریں گے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال (اس وعدہ پر) خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے (اس کے عوض) جنت ہے۔ جان ومال خرچ کرنے کے عوض عطائے جنت کو اللہ نے خرید فروخت قرار دیا۔

اہل سیر نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ مارا وہ براء بن معرور یا ابو الہیثم یا اسعد تھے اور یہ شرط کی کہ جس (مصیبت) سے وہ اپنے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے اس سے رسول اللہ ﷺ کی بھی حفاظت کریں گے اور ہر گورے کالے (یعنی تمام انسانوں) کے مقابل آپ کی حمایت کریں گے سب سے پہلے قتال وجہاد کے بارے میں یہی آیت نازل ہوئی اس کے بعد اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ

جب گھاٹی کی رات کو ان حضرات کو یہ بیعت ختم ہوگئی اور کفار قریش سے چھپا کر یہ بیعت ہوئی تھی تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مکہ چھوڑ کر مدینہ کو چلے جانے کا حکم دے دیا اور خود مکہ میں ٹھہر کر (اللہ کی طرف سے) اجازت ملنے کا انتظار کرتے رہے۔

تیسری گھاٹی کی بیعت سے ایک سال پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد جو حبشہ سے آئے تھے اور مکہ والوں نے ان کو بڑی تکلیفیں دی تھیں جب ان کو انصار کے مسلمان ہوجانے کی اطلاع ملی تو مدینہ کو ہجرت کر گئے آپ کا نمبر مدنی مہاجرین میں سب سے پہلا تھا پھر عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ نے ہجرت کی پھر عبداللہ بن جحش نے پھر پے در پے دوسرے مسلمانوں نے پھر عمر بن خطاب اور آپ کے بھائی زید نے اور بیس سواروں کے ساتھ عیاش بن ربیعہ نے ان سب نے (مدینہ پہنچ کر) حوالی مدینہ میں پڑاؤ کیا۔ پھر عثمان بن عفان نے ہجرت کی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بارہا حضور سے ہجرت کی درخواست کی مگر حضور ﷺ فرماتے رہے جلدی نہ کرو۔ شاید اللہ کسی کو تمہارا ساتھی کردے خیال یہ تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ ہی ہجرت کریں گے۔ اس کے بعد چوپال میں قریش کا اجتماع ہوا (اور رسول اللہ ﷺ کو شہید کردینے کا انہوں نے خفیہ سازش کی) سورہ انفال میں قریش کی سازش کا اور رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کا بیان آچکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں یہ کلام ابتدائی ہے اس میں خرید نے کی غرض کا اظہار کیا گیا ہے۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ يُقَاتِلُوْنَ (اگرچہ مضارع کا صیغہ ہے مگر امر کے معنی میں ہے (یعنی لڑو مارو اور مارے جاؤ)

وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا اللہ نے (اس) خرید پر (جنت دینے کا) سچا پکا وعدہ کر لیا ہے۔ علیہ کی ضمیر شراء کی طرف لوٹ رہی ہے اور وعداً فعل محذوف کا مفعول مطلق (برائے تاکید) ہے۔ حقاً وعداً کی صفت ہے یا یہ بھی فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔

فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ توریت اور انجیل اور قرآن میں۔ توریت و انجیل میں وعدہ کرنے کی صراحت بتا رہی ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی جہاد پر مامور کیا گیا تھا اور اس کے بدلہ میں ان سے جنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔

وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور کون ہے (استفہام انکاری ہے) یعنی کوئی نہیں۔ وعدہ کی خلاف ورزی بری ہے اور اللہ سے اس کا صدور نا ممکن ہے۔ وعدہ کی وفا کرم ہے اور اللہ سے بڑھ کر کوئی کریم نہیں نفی کو بصورت استفہام ذکر کرنے میں پرزور طور پر وفاء عہد کا اظہار ہے اور تاکیدی طرز کلام کے ساتھ وعدہ الٰہی کے حق ہونے کی صراحت ہے۔

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ پس تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے اللہ سے معاملہ ٹھیرایا ہے خوشی مناؤ۔

پس تم خوب خوش ہو جاؤ۔ خوشیاں مناؤ۔ یہ جہاد کرنے والے مومنوں کو خطاب ہے۔ پہلے ان کا ذکر غائبانہ تھا اب مخاطب بنایا گیا بشارت کی وجہ یہ ہے کہ زوال پذیر حقیر چیز کو دے کر انہوں نے لازوال اعلیٰ نعمت کو لے لیا۔ اس سے بڑھ کر فائدہ کا سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ نے تجھ سے خرید و فروخت کی اور دونوں سودوں کا فائدہ تیرے ہی لئے کر دیا۔ قتادہؒ نے کہا اللہ نے ان کی قیمت دی اور بہت زیادہ دی۔ حسن نے کہا سنو فائدہ رساں تجارت کا پیام جس میں اللہ نے ہر مومن کے ساتھ خرید و فروخت کر کے اس کو فائدہ پہنچایا ہے یہ بھی حسن بصری کا قول ہے کہ اللہ نے تجھے دنیا عطا کی تو کچھ دنیا دے کر جنت خرید لے۔

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ اور یہ (فروخت) ہی بڑی کامیابی ہے جس کا حصول انتہائی مقصد ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ (شرک سے) توبہ کرنے والے یعنی وہ لوگ جنہوں نے شرک سے توبہ کر لی اور نفاق سے پاک ہو گئے التائبون خبر ہے مبتدا محذوف ہے یعنی وہ توبہ کرنے والے ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر لی اور تمام احکام کی تعمیل کا عہد کر لیا اور وہ ان تمام اوصاف کے حامل ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ التائبون مبتدا ہو اور بعد کو ذکر ہونے والے اوصاف خبر ہوں یعنی حقیقت میں کفر سے توبہ کرنے والے ان اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خبر محذوف ہو یعنی توبہ کرنے والے جنتی ہیں خواہ انہوں نے اس وقت جہاد میں شرکت نہ کی ہو مگر ان کے اندر عداوت و عناد کا جذبہ نہ ہو اور یہ ارادہ نہ ہو کہ جب اللہ جہاد کی طاقت دے گا تب بھی جہاد نہیں کریں گے۔ زجاج نے کہا گویا (اس صورت میں) جنت کا وعدہ تمام مومنوں سے ہو گا جیسے اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی اور سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرما لیا ہے۔

الْعٰبِدُوْنَ شرک جلی و خفی کو چھوڑ کر فقط اللہ کی عبادت کرنے والے۔

الْحٰمِدُوْنَ (دکھ سکھ میں اللہ کی) تعریف کرنے والے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت زیادہ ثنائے خدا کرنے والے کو جو دکھ سکھ میں (یعنی راحت ہو یا تکلیف ہر حال میں) اللہ کی تعریف کرتے ہیں سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائے گا۔ رواہ الطبرانی والحاکم والبیہقی فی شعب الایمان بسند صحیح عن ابن عباسؓ۔

اَلسَّآئِحُوْنَ روزے رکھنے والے۔ ابن جریر نے حضرت عبید بن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے السائحون کا معنی دریافت کیا گیا فرمایا روزے رکھنے والے۔ بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا بھی یہی قول بیان کیا ہے ابن مردویہ نے حضرت عائشہ کا موقوف قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں سیاحت (کا معنی) روزے رکھنا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے فرمایا روزے دار کو سائح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام لذتیں، کھانا، پینا اور قربت جنسی کو ترک کر دیتا ہے (جیسے مسافر ان لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے) حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدم زاد کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ سوائے روزہ کے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے۔ میں ہی اس کی جزا دوں گا بندہ میرے لئے اپنی خواہش جنسی اور کھانا ترک کرتا ہے الحدیث متفق علیہ۔

عطاء نے کہا السائحون سے مراد غازی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں جیسا کہ ابن ماجہ حاکم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے سیاحت کی اجازت دے دیجئے فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

عکرمہ نے کہا سیاحت کرنے والوں سے مراد طالب علم ہیں جو علم کی طلب میں ملکوں میں پھرتے ہیں حضرت ابو درداءؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جو طلب علم کی راہ میں چلتا ہے اللہ اس کو جنت کے راستہ پر چلائے گا اور فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ وہ (ملائکہ) جو آسمانوں میں ہیں اور وہ ملائکہ اور انس و جن جو زمین میں ہیں اور پانی کے اندر مچھلیاں۔ عالم کی برتری عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی فضیلت دوسرے ستاروں پر علماء انبیاء کے (علم کے) وارث ہیں اور انبیاء نے کوئی درہم دینار میراث میں نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی اب جو اس ترکہ کا وارث ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ وابو داؤد۔

اَلرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے یعنی نماز پڑھنے والے۔ نماز پڑھنے والوں کا ذکر دو لفظوں سے کیا (الراکعون الساجدون۔ ہر ایک سے نماز پڑھنے والے مراد ہیں (تو گویا نماز پڑھنے والوں کا ذکر دوبار کیا) تکرار ذکر دلالت کر رہی ہے کہ نماز تمام عبادتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ حضرت ابن مسعود کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے فرمایا وقت پر نماز۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا فرمایا ماں باپ کی فرماں برداری کرنی۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ ابو نعیم نے فضل بن دکین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نماز دین کا ستون ہے۔

ابن عساکر نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ حضور نے فرمایا نماز مومن کا نور ہے۔ قضاعی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر تقویٰ والے کے لئے نماز (اللہ کے) قرب کا ذریعہ ہے مسلم ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے سب حالتوں سے زیادہ قریب ہوتا ہے پس تم دعا زیادہ کیا کرو۔

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ بھلائی کا حکم دینے والے یعنی ایمان اور اطاعت کا حکم دینے والے۔

وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور برے کاموں سے یعنی شرک اور گناہ سے روکنے والے بعض علماء نے کہا المعروف سے مراد سنت اور المنکر سے مراد بدعت ہے۔ دونوں کے درمیان حرف عطف (واؤ) کا ذکر کرنا اس امر پر دلالت کر رہا ہے۔

کہ ان دونوں اوصاف کا مجموعہ ایک ہی خصلت ہے۔

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ اور اللہ کی بندشوں کی پابندی رکھنے والے یعنی اللہ کے وہ ضوابط و قوانین جو

بندہ اور خدا کے درمیان اللہ نے قائم کیے ہیں ان کی نگہداشت کرنے والے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ الْحٰفِظُوْنَ کو مستقل طور پر حرف عطف (واؤ) کے ساتھ ذکر کرنے سے اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ پہلے جن اعلیٰ خصائل کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے ان کا اجمالی مجموعہ حفظ حدود اللہ ہے وہ تفصیل تھی یہ اجمال ہے۔

میں کہتا ہوں شاید یہ وجہ بھی ہے کہ گزشتہ کلام میں جن صفات حمیدہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی حد بندی اس فقرہ میں کر دی گئی ہے تاکہ اپنی طرف سے ان میں کچھ زیادتی بھی نہ کی جائے نہ رہبانیت ہو نہ ظاہری شکل اور باطنی معنی میں کوئی کمی کی جائے۔ گویا مذکورہ بالا اوصاف کا مجموعہ ہوا ضوابط و قوانین کی تعمیل۔ اور حفاظت حدود کا معنی ہوا اخلاص اور حضور کامل کیونکہ حدود کی پابندی قلبی حضور کامل کے بغیر ممکن نہیں اور اخلاص و حضور قلب دل والوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ اور ایمان والوں کو بشارت دے دو یعنی ان لوگوں کو بشارت دے دو جن کے اندر صفات مندرجہ بالا موجود ہیں۔ اَلْمُؤْمِنِيْنَ کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان کا تقاضا صفات مذکورہ ہیں اور مومن کامل وہی ہوتا ہے جو صفات مذکورہ کا حامل ہو۔

کس بات کی بشارت دے دو اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ نعمت جس کی بشارت دینے کا حکم دیا جا رہا ہے اتنی عظیم الشان ہے جو نہ بیان کی جا سکتی ہے نہ کسی کے دماغ میں اس کا تصور آ سکتا ہے نہ کسی نے اس کو سنا ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں سعید بن مسیب کے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابو طالب کے مرنے کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو وہاں موجود پایا۔ آپ نے ابو طالب سے فرمایا چچا لا الٰہ الا اللہ ایک بار کہہ دیجئے تاکہ اللہ کے سامنے میں آپ کی طرف سے اس کو دلیل کے طور پر پیش کر سکوں ابو جہل اور عبداللہ بولے ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ رسول اللہ ﷺ (بار بار) کلمہ توحید پیش کرتے رہے اور ابو جہل عبداللہ اپنی بات برابر کہتے رہے آخر ابو طالب نے کہا عبدالمطلب کے مذہب پر۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے کہ ابو طالب نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واللہ جب تک مجھے ممانعت نہیں کر دی جائے گی میں آپ کی مغفرت کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ پیغمبر اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہونے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ زندہ مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت جائز ہے کیونکہ ایسی دعاء کا معنی ہے مشرکوں کو توفیق ایمان ملنے کی درخواست (اور اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحسن) ہے۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجئے میں قیامت کے دن آپ کے لئے اس کی شہادت دوں گا چچا نے کہا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ ابو طالب نے ڈر کر ایسا اقرار کر لیا تو میں یہ کلمہ کہہ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا اس پر اللہ نے آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ نازل فرمائی۔

بخاری نے حضرت ابو سعید خدری کا قول نقل کیا ہے حضرت ابو سعید نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کا تذکرہ آنے کے وقت فرمایا شاید قیامت کے دن ان کو میری شفاعت (کچھ) فائدہ پہنچائے اور ان کو ٹخنوں ٹخنوں تک آگ میں کر دیا جائے گا جس سے ان کا دماغ ابلنے لگے۔ ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آیت مندرجہ بالا مکہ میں ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

ترمذی اور حاکم نے بیان کیا اور ترمذی نے اس روایت کو حسن بھی کہا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا میں نے ایک شخص کو

اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے سنا تو میں نے کہا کیا تو اپنے ماں باپ کے لئے مغفرت کر رہا ہے باوجودیکہ وہ مشرک تھے اس نے جواب دیا حضرت ابراہیم نے بھی تو اپنے مشرک باپ کے لئے دعائے مغفرت کی تھی میں نے اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا اس پر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ نازل ہوئی۔

ممکن ہے یہ قصہ بھی ابوطالب کی موت کے واقعہ ہی کے زمانہ میں ہوا ہو (اور دونوں واقعات آیت مذکورہ کے نزول کا سبب ہوں)

بعض روایات میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول رسول اللہ ﷺ کی والدہ آمنہ بی بی کے متعلق ہوا تھا ان روایات میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے نہ اس قابل ہے کہ جو قوی روایت ہم نے اوپر ذکر کی ہے (جس آیت کا نزول ابوطالب کے متعلق بیان کیا گیا ہے) اسکے مقابلہ میں پیش کی جاسکے اس لئے ایسی روایات کو قبول نہ کرنا ضروری ہے۔

حاکم نے اور بیہقی نے دلائل میں ایوب بن ہانی کے طریق سے بروایت مسروق حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ قبرستان کو تشریف لے گئے ہم بھی ساتھ گئے آپ نے ہم کو بیٹھ جانے کا حکم دیا ہم بیٹھ گئے آپ قبروں کو پھلانگتے ہوئے ایک قبر کے پاس پہنچے اور دیر تک کچھ چپکے چپکے قبر سے فرمایا پھر روتے ہوئے اٹھے۔ آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رونے لگے پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے حضرت عمر سامنے آگئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ حضور کو کس بات سے رونا آگیا ہم بھی آپ کے رونے کی وجہ سے رونے لگے اور گھبرا گئے حضور ﷺ تشریف لے آئے اور ہمارے پاس بیٹھ کر فرمایا، میرے رونے کی وجہ سے تم لوگ گھبرا گئے ہم نے عرض کیا جی ہاں فرمایا، جس قبر سے تم نے مجھے چپکے چپکے کچھ کہتے دیکھا تھا وہ (میری والدہ) آمنہ بنت وہب کی قبر ہے میں نے اس کی زیارت کرنے کی اللہ سے اجازت مانگی تھی۔ اللہ نے اجازت دے دی پھر میں نے اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی اللہ سے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں ملی اور مجھ پر مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا سے دو آیات نازل ہوئیں اس کی وجہ سے مجھ پر وہ رقت طاری ہو گئی جو ماں کی وجہ سے اولاد پر طاری ہوتی ہے اسی بات نے مجھے رلایا۔

حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے لیکن ذہبی نے شرح مستدرک میں اس پر گرفت کی ہے اور لکھا ہے کہ ایوب بن ہانی کو ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آگئے اور عمرہ کرنے روانہ ہوئے اور عسفان کی گھاٹی سے نیچے اترے تو اپنی والدہ کی قبر پر جا کر فروکش ہوئے اس سے آگے وہی بیان ہے جو حضرت ابن مسعود کی روایت میں آیا ہے۔ سیوطی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے نا قابل اعتماد۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ (فتح کے بعد) مکہ میں تشریف لائے تو اپنی والدہ آمنہ کی قبر پر پہنچ کر اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ آپ کو (اللہ کی طرف سے) اجازت مل جائے تو والدہ کے لئے دعائے مغفرت کریں یہاں تک کہ سورج میں گرمی آگئی اس پر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ ـ وَالَّذِيْنَ الخ نازل ہوئی۔

ابن سعد اور ابن شاہین نے یہ حدیث حضرت بریدہ کے ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو اپنی والدہ کی قبر پر گئے اور جا کر بیٹھ گئے۔ ابن جریر نے حضرت بریدہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے جو بغوی نے نقل کیے ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد صراحت کی ہے کہ یہ غلط ہے۔ حضرت آمنہ کی قبر ابواء میں ہے مکہ میں نہیں ہے۔

امام احمد اور ابن مردویہ نے حضرت بریدہ کا بیان اس طرح نقل کیا ہے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ مجھے عسفان پر ٹھیرنا پڑا، حضور ﷺ نے (وہاں) اپنی والدہ کی قبر دیکھی فوراً وضو کیا نماز پڑھی اور رونے لگے۔ پھر فرمایا میں نے اپنے رب

ماں کیلئے شفاعت کرنے کی اجازت مانگی تھی مگر مجھے ممانعت کر دی گئی تھی۔ پھر اللہ نے نازل فرمایا ما کان للنبی الخ سیوطی نے کہا اس حدیث کے تمام طرق روایات مجروح ہیں۔

حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ جو شخص حضرت ابن مسعود والی حدیث کو صحیح کہتا ہے وہ اس کو صحیح لذاتہٖ نہیں کہتا بلکہ اس لئے صحیح کہتا ہے کہ ان طریقوں سے اس کی روایت کی گئی ہے۔ مگر میں نے ان طریقوں پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تمام طرق روایت مجروح ہیں اس کے علاوہ اس حدیث کے معلول ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ صحیحین کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ میں ابو طالب کے انتقال کے موقع پر ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میں اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا اسی طرح کروں گا جس طرح ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لئے کی تھی اس پر آیت ما کان للنبی نازل ہوئی۔ یہ روایت مرسل ہے صحیح نہیں ہے۔ ضعیف ہے۔ صحیحین کی روایت کے خلاف ہے۔

لہٰذا اس آیت کو دلیل بنا کر حضور کے والدین کو مشرک قرار دینا درست نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے والدین کو مومن ثابت کرنے کے لئے سیوطی نے چند رسائل لکھے ہیں بلکہ آدمؑ تک آپ کے تمام آباؤ اجداد و امہات کے ایمان کو ثابت کیا ہے میں نے ان سب کا خلاصہ کر کے اس موضوع پر ایک رسالہ تقدس آباء النبی ﷺ تالیف کر دیا ہے اس جگہ اس موضوع پر زیادہ تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔

...... ایک شبہ ......

صحیحین کی حدیث میں ابو طالب کے انتقال کے وقت ابو جہل کا ابو طالب سے یہ کہنا کہ کیا آپ عبد المطلب کے دین سے پھر جائیں گے اور ابو طالب کا آخری جواب یہ دینا کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں، بتا رہا ہے کہ عبد المطلب مشرک تھے (پھر حضور ﷺ کے تمام آباؤ اجداد کا موحد ہونا کہاں سے ثابت ہوا)

...... جواب ......

اس حدیث سے یہ نہیں نکلتا کہ عبد المطلب مشرک تھے۔ عبد المطلب یقیناً "مومن تھے ابن سعد نے طبقات میں خصوصی سندوں سے بیان کیا ہے کہ عبد المطلب نے رسول اللہ ﷺ کی کھلائی ام ایمان سے کہا اے برکت میرے بیٹے کی طرف سے غفلت نہ کر میں نے بیری کے درخت کے پاس اس کو دیکھا تھا۔ اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا پیغمبر ہے۔ بات یہ ہے کہ عبد المطلب دور جاہلیت میں تھے۔ آسمانی شریعتوں سے ناواقف تھے وہ زمانہ فترت کا تھا اور فترت کے زمانہ میں صرف توحید کا اقرار کافی ہے (فترت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں گزشتہ پیغمبر کی شریعت مٹ چکی ہو کالعدم ہو۔ اصل شریعت گم ہو چکی ہو اور نیا پیغمبر ابھی آیا نہ ہو) تمام شرائع سے عبد المطلب کی ناواقفیت ابو جہل کو معلوم تھی اس کی وجہ سے اس کو اور ابو طالب کو یہ خیال قائم کرنے کا موقع ملا کہ عبد المطلب کے مذہب کے خلاف محمد رسول اللہ ﷺ کوئی نیا مذہب پیش کر رہے ہیں اور ان کا جدید دین عبد المطلب کے دین سے ٹکراتا ہے اس لئے ابو طالب نے کہہ دیا کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَآ إِيَّاهُ

اور ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے باپ سے اس کا وعدہ کر لیا تھا۔

ابراہیم کے باپ سے مراد آزر ہے آزر آپ کا چچا تھا باپ کا نام تارخ تھا اس کی پوری تفصیل سورہ انعام میں گزر چکی ہے۔

بعض اہل تفسیر کا خیال ہے کہ وَعَدَ کی ضمیر باپ کی طرف راجع ہے اور اِیَّاہُ سے مراد حضرت ابراہیم ہیں یعنی باپ نے

حضرت ابراہیمؑ سے مسلمان ہونے کا وعدہ کر لیا تھا اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میں آپ کے لئے اپنے رب سے دعاء مغفرت کروں گا جبکہ آپ مسلمان ہو جائیں گے۔ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک وَعَدَ کا فاعل ابراہیم ہیں اور اِیَّاہُ سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا باپ (ہم نے ترجمہ اسی قول کے موافق کیا ہے) یعنی حضرت ابراہیمؑ نے باپ کے مسلمان ہو جانے کی امید میں یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ اس تفسیر کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ... لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ تک اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے مگر ابراہیمؑ نے جو باپ کے لئے دعاء مغفرت کی تھی اس کو عمومی حکم اتباع سے مستثنیٰ کر دیا یعنی اس میں ابراہیمؑ کی پیروی نہ کی جائے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ابراہیمؑ کا باپ مشرک تھا اور باوجود اس کے مشرک ہونے کے محض اس کے مسلمان ہو جانے کی امید پر حضرت ابراہیمؑ نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں تیرے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کروں گا۔ صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اولاد آدمؑ جتنے قرون (صدیاں) گزرے ان سب سے بہترین دور میں مبعوث ہوا (یعنی میرے آباؤ اجداد بہترین قرون میں قرن در قرن گزرتے گئے آخری قرن ہے جو سب سے بہتر ہے میری بعثت کا قرن ہے) اس حدیث کے صحیح ہوتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ آباؤ اجداد میں کوئی کافر گزرا ہے۔

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (باپ کے کفر کی حالت پر مرنے سے یا اللہ کی طرف سے اطلاع ملنے کی وجہ سے کہ وہ کافر مرے گا) جب ابراہیمؑ پر کھل گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے باپ سے بیزار ہو جانے کا اظہار کر دیا اور دعائے مغفرت قطع کر دی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت کا تعلق آخرت سے ہے یعنی آخرت میں جب ابراہیمؑ پر واضح ہو جائے گا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو جائیں گے۔ بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ابراہیمؑ کی ملاقات ان کے باپ آزر سے ہو گی آزر کا چہرہ اس وقت دھواں دھار مردہ خاک آلود ہو گا۔ ابراہیمؑ اس سے کہیں گے کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میری ہدایت کے خلاف نہ کر باپ جواب دے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا ابراہیمؑ (بارگاہ الٰہی میں) عرض کریں گے اے مالک تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جس روز لوگوں کو (قبروں سے) اٹھایا جائے گا اس روز تو مجھے رسوا نہیں کرے گا اب اس سے بڑھ کر اور کون سی رسوائی ہو گی جو میرے باپ کی حالت ہے اللہ فرمائے گا میں نے کافروں کے لئے جنت حرام کر دی ہے پھر حکم ہو گا ابراہیم اپنے قدموں کے نیچے دیکھو۔ ابراہیمؑ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں گے تو ان کو (گندگی یا کیچڑ میں) لتھڑا ہوا ایک بجو نظر آئے گا پھر اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے کہ ابراہیمؑ اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ۝ واقعی ابراہیم رحیم المزاج حلیم الطبع تھے حضرت کعب احبار نے کہا اَوَّاہ وہ شخص ہے جو اللہ کے خوف کی وجہ سے بہت زیادہ آہیں کھینچے (آہ آہ کرے) حضرت ابراہیمؑ اپنی زندگی میں دوزخ کے خوف سے بکثرت آہیں بھرتے تھے۔ بعض نے کہا کہ گناہوں کی وجہ سے آہیں بھرنے والے کو اواہ کہا جاتا ہے۔ مآل اور حاصل دونوں قولوں کا ایک ہی ... ہے (کہ بکثرت آہیں کھینچنے والے کو اواہ کہا گیا ہے خواہ اللہ کے خوف سے اور دوزخ کے ڈر سے ہو یا اپنے گناہوں کے اندیشہ سے علاوہ کہا اواہ وہ شخص ہے جو دوزخ سے ڈرتا ہو اور جو امور اللہ کو پسند نہیں ان سے تائب ہو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اواہ سے مراد ہے بکثرت دعا کرنے والا حضرت ابن عباسؓ نے تشریح کی مومن بکثرت توبہ کرنے والا اواہ ہے حسن اور قتادہ نے کہا وہ شخص ہے جو اللہ کے بندوں پر شفقت و مہربانی کرے۔ مجاہد نے کہا صاحب یقین مراد ہے عکرمہ نے کہا یہ لفظ حبشی زبان کا ہے حبشی زبان میں اواہ کا معنی ہے یقین رکھنے والا۔ عقبہ بن عامر نے کہا اواہ سے مراد ہے بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والا۔ سعید بن جبیر کے نزدیک بہت زیادہ سیاحت کرنے والا اواہ ہے ایک روایت میں سعید بن جبیر کا قول آیا ہے کہ اواہ سے مراد ہے معلم خیر شعبی نے کہا اواہ کا معنی ہے دانشمند قاموس میں ہے اواہ کا یقین کرنے والا یا دعا کرنے والا یا مہربانی کرنے والا یا دانشمند یا ایمان رکھنے والا۔ یہ آخری معنی حبشی زبان میں ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا اواہ

سے وہ شخص مراد ہے جو خوف سے آہ آہ کرنے والا، یقین کی وجہ سے گڑگڑانے والا اور طاعت کا التزام کرنے والا ہو۔ زجاج نے کہا ابو عبیدہ کا قول ان تمام معانی کو جامع ہے جو اواہ کے بیان کئے جاتے ہیں حلیم کا معنی ہے دوسروں کی ضرر رسان حرکتوں سے درگذر کرنے والا (بردبار) حضرت ابراہیمؑ حلیم تھے باوجودیکہ باپ نے ان سے کہا تھا کہ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا آپ کو (دوزخ سے) سلامتی نصیب ہو میں اپنے رب سے آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حلیم کا معنی ہے سردار قاموس میں ہے حلم کا معنی ہے تحمل اور دانائی حلیم (صفت مشبہ کا صیغہ) حلم سے ہی بنا ہے حضرت ابراہیم کو جس بات نے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنے پر آمادہ کیا اس (علت استغفار) کو یہ جملہ واضح کر رہا ہے (یعنی ابراہیمؑ چونکہ اواہ و حلیم تھے اس لئے انہوں نے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی) کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کچھ لوگ اپنے اپنے قبائل سے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ نہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف رخ موڑنے کا حکم نازل ہوا تھا۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر اسی حالت میں اپنے گھروں کو چلے گئے ان کے جانے کے بعد حرمت شراب اور تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ مگر ان کو اس کی اطلاع نہیں پہنچی کچھ مدت کے بعد جب پھر مدینہ میں آئے اور شراب کی حرمت اور تحویل قبلہ کا ان کو علم ہوا تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ جس دین پر تھے (اس درمیانی مدت میں) ہمارا مسلک اس سے الگ رہا ہم اس مدت میں شراب پیتے اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے (اس لئے) ہم گمراہ رہے (اب ہمارا کیا ہوگا) اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ

اور ہدایت یاب کر دینے کے بعد اللہ کسی قوم کو اس وقت تک گمراہ نہیں قرار دیتا جب تک وہ چیزیں ان کو نہ بتا دے جن سے ان کو پرہیز رکھنا چاہئے۔ یعنی اسلام کی ہدایت دینے کے بعد اللہ کسی قوم کو گمراہ نہیں قرار دیتا اور نہ ان کا کسی فعل پر مواخذہ کرے گا تاوقتیکہ ان کے سامنے کھول کر وہ امور نہ بیان کر دے جن سے ان کو بچنا لازم ہے اور جن کو آئندہ اختیار کرنے کے بعد وہ گمراہ قرار پانے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا رسول اللہ ﷺ نے جو اپنے چچا کے متعلق فرمایا تھا کہ جب تک مجھے ممانعت نہ ہو جائے میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے لئے قول مذکور کا عذر بیان فرما دیا کہ (یہ قول رسول اور وعدہ استغفار ممانعت دعا سے پہلے تھا۔ اس لئے ناقابل مواخذہ ہے) یہ بھی کہا گیا کہ ممانعت سے پہلے جن لوگوں نے اپنے مشرک آباؤ اجداد کے لئے دعائے مغفرت کی تھی ان کو اس آیت میں معذور، ناقابل مواخذہ قرار دینا مقصود ہے۔ مجاہد نے کہا آیت میں مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے والے مومنوں کا حکم تو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے لیکن حکم عام ہے (قبل از نزول حکم) ہر معصیت و طاعت کو شامل ہے (یعنی نزول حکم سے پہلے کا کوئی فعل قابل مواخذہ نہیں یہ ضابطہ عمومی ہے مشرکوں کے لئے قبل از ممانعت دعائے مغفرت کرنے کی ہی اس میں خصوصیت نہیں ہے)

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے یعنی کس نے ناواقفیت اور عدم علم کی وجہ سے ایسا کیا اور کس نے سرکشی اور تمرد کے جذبہ کے زیر اثر کیا کون گمراہ قرار دیئے جانے کا مستحق ہے اور کون اس کا مستحق نہیں ہے اللہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

بلاشبہ آسمانوں کی اور زمین کی حکومت اللہ ہی کی ہے وہ زندہ کرتا اور موت دیتا ہے (اے لوگو) اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا حامی ہے کہ اللہ سے تم کو بچا سکے نہ کوئی مددگار کہ اللہ کے بھیجے ہوئے ضرر کو روک سکے اس لئے تمہارے لئے جائز نہیں کہ مشرکوں سے (قلبی) دوستی کرو اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں کرو خواہ وہ تمہارے قرابت

دار ہی ہوں تمہارے لئے اللہ کی دوستی اور مدد کافی ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر اور مہاجرین وانصار کے حال پر توجہ فرمائی منافقوں کو تبوک کے جہاد میں شرکت نہ کرنے کی جو اجازت دے دی گئی تھی اس قصور کو اللہ نے معاف کر دیا یا یہ معنی ہے کہ گناہ گار قرار دینے سے اللہ نے ان کو بچا لیا جیسے (رسول اللہ ﷺ کے متعلق) فرمایا ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ بعض نے کہا یہ توبہ کی ترغیب ہے کوئی شخص ایسا نہیں جو توبہ کا محتاج نہ ہو یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ بھی توبہ کے ضرورت مند ہیں اللہ نے فرمایا تم سب اللہ سے توبہ کرو۔ بات یہ ہے کہ ہر شخص جس درجہ پر بھی ہو اپنے سے اونچے درجہ پر پہنچنے سے قاصر رہتا ہے (اور اونچے درجہ تک پہنچنا چاہتا ہے) الہٰذا جو کمی اس کے اندر ہو اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ آیت میں توبہ کی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے کہ توبہ انبیاء وصالحین کا خصوصی مقام ہے۔ بعض نے کہا اس آیت میں رسول کا ذکر بطور تمہید ہے کیونکہ آپ صحابہ کی توبہ قبول ہونے کا ذریعہ تھے اس لئے آپ کا ذکر شروع میں بطور تمہید کر دیا گیا جیسے آیت للہ خمسہ و للرسول ولذی القربی میں اللہ کا ذکر بطور تمہید ہے۔

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا یعنی جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کو تبوک کے جہاد کی ترغیب دی تو انہوں نے آپ کا اتباع کیا۔ ساعت سے مراد ہے وقت عسرت تنگی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے لئے سواری زاد راہ اور پانی کی بہت تنگی اور دشواری تھی۔ اس لئے غزوہ تبوک کو غزوہ العسرہ یا غزوہ جیش العسرت کہا جاتا ہے۔ غزوہ الجیش بھی اسی کو کہتے ہیں۔ کذا قال البغوی۔

حسن نے کہا دس دس آدمیوں کے لئے صرف ایک ایک اونٹ تھا۔ باری باری سے دس آدمی ایک ہی اونٹ پر سوار ہو جاتے تھے۔ ایک اترتا تھا تو دوسرا چڑھتا تھا اور راہ کے لئے گھٹے ہوئے چھوارے اور خراب قسم کے جو تھے جو کچھ سا تیر تھا لوگ اس کو باہم تقسیم کر لیا کرتے تھے پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض لوگ انتہائی بھوک کی وجہ سے ایک چھوارہ لے کر منہ میں گھماتے اور جب مزہ لے لیتے تو اپنے ساتھی کو دے دیتے اور وہ اس کو چوستا پھر ایک گھونٹ سے اوپر سے پانی پی لیتا اس طرح ایک ہی چھوارہ سب لوگ باری باری سے چوستے اور چوسنے میں ہی چھوارہ ختم ہو جاتا صرف گٹھلی رہ جاتی لیکن ایمان و یقین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے جاتے تھے۔

امام احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بیان کیا حضرت عمر نے فرمایا ہم سخت گرمی کے دنوں میں (رسول اللہ کے ہم رکاب) تبوک کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ایک پڑاؤ پر اترے اور اتنی پیاس لگی کہ ہم نے خیال کیا اب ہماری گردنیں ٹوٹ جائیں گی بعض لوگ پانی کی تلاش میں جاتے اور خیال ہوتا کہ یہ زندہ لوٹ کر نہ آئے گا۔ بعض لوگ اپنا اونٹ ذبح کر کے اس کے اوجھ سے پانی نکال کر نچوڑ کر پی لیتے اور جو کچھ پانی رہتا اس کو اپنے کلیجے پر رکھ لیتے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اللہ نے دعائے خیر کا آپ کو عادی بنا دیا ہے یعنی آپ دعائے خیر کرتے ہی ہیں اور اللہ آپ کی دعا قبول فرماتا ہے) اللہ سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم اس کو پسند کرتے ہو حضرت ابوبکر نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے اور لوٹا کر نیچے نہ لانے پائے تھے کہ بادل اٹھ کر (لشکر پر) چھا گیا پھر اتنی بارش ہوئی کہ لوگوں کے پاس جو برتن تھے وہ سب نے بھر لئے اس کے بعد جو ہم دیکھتے چلے (کہ کہاں کہاں بارش ہوئی) تو معلوم ہوا لشکر سے آگے کہیں بارش نہیں ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوحرزہ انصاری کی روایت سے بیان کیا کہ لوگ (تبوک کے راستہ میں) حجر میں اترے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا یہاں کا پانی کوئی نہ لے پھر (وہاں سے) کوچ کرنے کے بعد دوسرے پڑاؤ پر اترے پانی کسی کے پاس نہ تھا لوگوں نے پانی نہ ہونے کی شکایت کی حضور ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی اللہ نے فوراً ایک بادل بھیج دیا جس سے اتنی بارش ہوئی کہ سب سیراب ہو گئے۔ ایک انصاری نے اپنے ساتھی سے جس کو لوگ منافق سمجھتے تھے کہا ارے دیکھ رسول

اللہ ﷺ کے دعا کرنے سے اللہ نے ہم پر بارش کر دی وہ کہنے لگا بارش تو فلاں فلاں ستاروں (کے طلوع اور گردش) کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس پر اللہ نے آیت وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ نازل فرمائی۔

مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ یعنی بعض لوگوں کے دل۔ زیغ سے یہ مراد نہیں ہے کہ بعض لوگوں کے دل دین سے پھر جانے کی طرف مائل ہو گئے تھے بلکہ آگے نہ جانے اور انتہائی شدائد کی وجہ سے واپس ہو جانے کی طرف میلان رکھتے تھے زیغ سے یہی مراد ہے۔

کلبی نے کہا بعض لوگوں نے ساتھ نہ جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن (سوچنے کے بعد) پیچھے سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے۔ ابن اسحاق اور محمد عمر کا بیان ہے کہ بعض مسلمانوں کی نیت سست پڑ گئی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے سے رہ گئے (اور وقت آج کل آج کل کہتے گذر گیا) مگر ان لوگوں کو (جانے میں) کوئی تردد نہ تھا (جانا ضرور چاہتے تھے اور جانے کا ارادہ تھا مگر ٹال مٹول میں پڑ گئے) ان میں سے کعب بن مالک ہلال بن امیہ مرارہ بن ربیع اور ابوذر غفاری بھی تھے۔ یہ گروہ تھا صادق الایمان، ان کے اسلام میں کسی کو کوئی شبہ نہ تھا۔ ابن اسحاق نے حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ روانہ ہو گئے تو (راستہ میں) بعض لوگ ساتھ چھوڑ (کر واپس) جانے لگے صحابہ عرض کرتے تھے یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص نے ساتھ چھوڑ دیا۔ حضور ﷺ فرماتے تھے اس کو رہنے دو اگر اس (کے ساتھ آنے) میں کوئی بہتری ہو گی تو اللہ خود اس کو پیچھے سے تم سے لا ملائے گا ورنہ میں اس کے متعلق اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا (اللہ جو حکم دے گا ویسا کروں گا) آخر جب ابوذر ساتھ سے رہ گئے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابوذر پیچھے رہ گئے ان کا اونٹ سست پڑ گیا حضور ﷺ نے حسب معمول وہی پہلا جواب دے دیا۔ ابوذر نے اونٹ کو ڈانٹا مگر اونٹ سست پڑا رہا (چال میں تیزی نہ آئی) یہ دیکھ کر ابوذر اپنا سامان پشت پر اٹھا کر پیدل رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قدم بقدم چل پڑے۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ ابوذر فرماتے تھے میں غزوہ تبوک میں اپنے اونٹ کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا (ساتھ نہ جا سکا تھا) اونٹ بہت کمزور اور دبلا تھا میں نے خیال کیا کہ اس کو چند روز چارہ گوت (یعنی خوراک) دے دوں پھر پیچھے سے (تیزی کے ساتھ) رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں گا چنانچہ میں چند روز تک اس کو چارہ دیتا رہا پھر روانہ ہو کر ذی المروہ میں پہنچا تھا کہ اونٹ اڑ گیا میں نے دن بھر اس پر محنت کی مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا آخر میں نے اپنا سامان اپنے اوپر لادا اور چل دیا۔ دوپہر کو ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے رسول اللہ ﷺ پر نظر پڑ رہی تھی (جانے والے) مسلمانوں میں سے کسی مسلمان نے مجھے دیکھ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص تنہا پیدل چل رہا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ابوذر ہو (تو اچھا ہے) لوگوں نے میری طرف غور سے دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم یہ ابوذر ہی ہے حضور ﷺ نے فرمایا ابوذر پر اللہ کی رحمت ہو تنہا جا رہا ہے اکیلا مرے گا اور اکیلا اٹھایا جائے گا۔ محمد بن یوسف صالحی نے کہا ہوا بھی ایسا ہی۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور اپنی سرگزشت بتائی تو فرمایا ابوذر میرے پاس پہنچنے تک تو نے جو قدم اٹھایا اللہ نے اس کے عوض تیرا ایک گناہ معاف کیا۔

طبرانی نے خود ابو خیثمہؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق و محمد بن عمر نے اپنے مشائخ کی سند سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی روانگی کو چند دن گذر گئے تو ابو خیثمہ (ایک روز) اپنے گھر پہنچے دن گرم تھا گھر پہنچ کر دیکھا کہ باغ کے اندر ان کی دونوں بیویوں نے الگ الگ دو اٹاریاں بنائی ہیں اور ہر ایک نے اپنی چھونپڑی کو ٹھنڈا کرنے کے چھڑکاؤ کیا ہے ابو خیثمہ کے لئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھا ہے اور کھانا تیار کیا ہے۔ چھونپڑی کے دروازہ پر پہنچ کر انہوں نے جو یہ کیفیت دیکھی اور بیویوں نے جو کچھ کیا تھا اس کا معائنہ کیا تو کہنے لگے سبحان اللہ رسول اللہ ﷺ کی اگلی پچھلی لغزشیں تو اللہ نے معاف کر دی ہیں اس کے باوجود آپ ٹھیک دوپہر کو (گرم) ہوا اور گرمی میں اپنے اسلحہ کاندھے پر اٹھائے ہوئے (راہ خدا میں نکلے) ہیں اور ابو خیثمہ تیار کھانے پر ٹھنڈے سایہ میں خوب صورت بیوی کے ساتھ اپنے مال میں موجود ہیں۔ یہ انصاف کی بات نہیں ہے خدا کی قسم میں دونوں

میں سے کسی کی جھونپڑی میں داخل نہیں ہوں گا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیچھے سے پہنچوں گا تم دونوں میرے لئے زادراہ تیار کردو۔ بیویوں نے زادراہ تیار کردیا پھر آپ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں چل دیئے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ سے جا ملے راستہ میں ابوخیثمہ سے عمیر بن وہب جمحی کا ساتھ ہو گیا تھا وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلے تھے راستہ میں دونوں ساتھ ہو گئے تبوک کے قریب پہنچ کر ابوخیثمہ نے عمیر سے کہا مجھ سے ایک گناہ ہو گیا اس لئے کوئی حرج نہیں اگر تم میرے ساتھ سے الگ ہو جاؤ۔ غرض جب ابوخیثمہ رسول اللہ ﷺ کے قریب یعنی اتنے فاصلہ پر کہ لوگوں کی نظر ان پر پڑ جائے) پہنچے تو لوگوں نے کہا یہ کوئی سوار آرہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوخیثمہ ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا واللہ! ابوخیثمہ ہی ہے حضور ﷺ نے ابوخیثمہ سے فرمایا ابوخیثمہ تیرا برا ہوا ابوخیثمہ نے آپ کو واقعہ بتایا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں کچھ کلمات خیر فرمائے اور دعائے خیر کی۔

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ تاب کی تکرار مفید تاکید ہے۔ پہلی آیت میں منافقوں کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دینے پر توبہ قبول کرنے کا اظہار کیا گیا تھا اور اس آیت میں منافقوں کی دوستی سے جو قلوب میں کجی پیدا ہونے لگی تھی اس کو معاف کردینے کا اعلان ہے یا پہلی آیت میں توفیق توبہ عطا کرنے کا اظہار کیا گیا تھا اور اس آیت میں قبول توبہ کا۔ یا اس آیت میں معافی کا اظہار اس شدت و مصیبت کے مقابلہ میں کیا جو اس سفر میں لوگوں نے اٹھائی تھی۔

إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ بے شک اللہ ان پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جن لوگوں پر اللہ نے رحم کردیا پھر ان کو اس گناہ کی سزا کبھی نہیں دے گا۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا۔

علی الثلثة کا عطف علیہم پر ہے۔ خلفوا کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود غزوہ تبوک سے رہ گئے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے) یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے سے پیچھے جن کا معاملہ چھوڑ دیا گیا ملتوی رکھا گیا۔ یہ تینوں حضرات کعب بن مالک، شاعر مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ تھے۔ یہ حضرات انصاری تھے۔

شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد وابن ابی شیبہ ابن اسحاق اور عبدالرزاق نے حضرت کعب بن مالک کا بیان نقل کیا ہے

حضرت کعب نے فرمایا جس غزوہ پر بھی رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے میں کسی غزوہ میں حضور ﷺ کے ساتھ سوائے غزوہ تبوک کے پیچھے نہ رہا، ہاں غزوہ بدر میں ساتھ نہیں گیا تھا (اور بدر میں میرا شریک نہ ہونا قابل مواخذہ بھی نہ تھا کیونکہ) جو لوگ بدر کو نہ جاسکے ان میں سے کسی پر اللہ نے عتاب نہیں کیا وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے (لڑائی کا ارادہ ہی نہ تھا) لیکن بغیر کسی مقررہ وعدہ کے دشمن سے بحکم خدا مڈبھیڑ ہو گئی۔ میں عقبہ والی رات میں بھی حاضر تھا (یعنی تیسرے عقبہ کے موقع پر جب انصار نے بیعت کی تھی میں بھی موجود تھا) وہاں ہم سب نے اسلام پر مضبوط عہد پیمان کیا تھا اگرچہ لوگوں میں بدر کی شہرت زیادہ ہے لیکن شب عقبہ کی حاضری کے مقابلہ میں بدر کی شرکت میرے خیال میں افضل نہیں ہے۔

میرا واقعہ یہ ہوا کہ غزوہ تبوک کے زمانہ میں میں بڑا طاقت ور اور فراخ حال تھا۔ اس سے پہلے کبھی میں اتنا مرفہ الحال اور طاقت ور نہیں ہوا اس زمانہ میں پہلی ہی مرتبہ میرے پاس سواری کی دو اونٹنیاں ہوگئیں اس سے پہلے میرے پاس کبھی دو سواریاں نہیں ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تھے تو بطور توریہ کسی دوسرے جہاد کا نام لے دیتے تھے اور فرماتے تھے، لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔ جب تبوک کے جہاد کا موقع آیا تو گرمی سخت تھی سفر طویل تھا راستہ میں بیابان

تھے، دشمنوں کی تعداد بہت تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے کھل کر بیان فرما دیا تھا اور اپنے رخ کی صحیح اطلاع دی تھی تاکہ اپنے جہاد کی تیاری کر لیں مسلمانوں کی تعداد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت تھی بقول مسلم دس ہزار مسلمان ساتھ تھے۔ حاکم نے اکلیل میں حضرت معاذ کی روایت سے لکھا ہے کہ غزوہ تبوک کو جانے کے وقت ہماری تعداد تیس ہزار سے بھی زائد تھی ابوزرعہ نے کہا کسی کتاب میں ان کے نام محفوظ نہ تھے زہری نے کہا کتاب سے مراد جسٹر ہے جو آدمی بھی غیر حاضر ہونا چاہتا تھا وہ یہی سمجھتا تھا کہ جب تک میرے بارے میں اللہ کی طرف سے وحی نہ آئے میرا معاملہ پوشیدہ رہے گا (کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا) حضور ﷺ نے غزوہ تبوک کا ارادہ ایسے وقت کیا جب پھل اور (درختوں کے) سایے خوشگوار ہو گئے تھے حضور ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے تیاریاں کر لیں اور جمعرات کے دن روانہ ہو گئے آپ سفر پر خواہ جہاد کا ہو یا کسی اور غرض سے جمعرات کو روانہ ہونا ہی پسند فرماتے تھے میں بھی (روزانہ) صبح کو تیار کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلتا تھا مگر بغیر کچھ کئے واپس آجاتا تھا اور دل میں کہتا تھا مجھ میں استطاعت ہے جب چاہوں گا فوراً کر لوں گا یونہی وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ گرمی سخت ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور میں اپنی کچھ بھی تیاری نہ کر سکا اور دل میں خیال کر لیا کہ حضور ﷺ کے بعد ایک دو روز میں تیاری مکمل کر کے پیچھے سے جا پہنچوں گا۔ مسلمانوں کی روانگی کے بعد میں تیاری کرنے کیلئے صبح کو نکلا مگر بغیر کچھ کئے لوٹ آیا پھر دوسرے روز صبح کو نکلا تب بھی کچھ نہیں کیا اسی طرح مدت بڑھتی گئی یہاں تک کہ لوگ دور چلے گئے اور تیزی کے ساتھ جہاد کی طرف بڑھ گئے اور میں ارادہ ہی کرتا رہا کہ (جلد) کوچ کر کے ان کو پیچھے سے جا لوں گا۔ کاش میں نے ایسا کر لیا ہوتا مگر میرے مقدر میں ہی نہیں تھا رسول اللہ ﷺ کی روانگی کے بعد جب میں باہر نکل کر لوگوں کو دیکھتا تھا تو گھومنے کے بعد مجھے یا تو صرف وہ لوگ نظر آتے تھے جو منافق کہے جاتے تھے یا وہ کمزور لوگ دکھائی دیتے تھے جن کو اللہ نے معذور بنا دیا تھا اور کوئی نظر نہیں آتا تھا تبوک پہنچنے تک رسول اللہ ﷺ نے میرا تذکرہ نہیں کیا تبوک پہنچ کر ایک روز آپ صحابہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دریافت فرمایا کعب بن مالک کو کیا ہو گیا بنی سلمہ کے یا میری قوم کے ایک آدمی نے (جس کا نام حسب روایت محمد بن عمر عبداللہ بن انیس سلمی تھا) کہا یا رسول اللہ اس کو اس کی دو چادروں نے اور (غرور و فخر کے ساتھ) اپنے دونوں پہلوؤں پر دیکھنے نہیں آنے دیا (یعنی آجکل وہ مرفہ الحال ہے ایک چادر باندھتا ہے ایک اوڑھتا ہے اور دونوں طرف گردن موڑ موڑ کر اپنے مونڈھوں کو دیکھتا ہے اسی وجہ سے وہ نہ آسکا) معاذ بن جبل یا ابوقتادہ نے کہا تم نے بری بات کہی (ایسا نہیں ہے) یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم میں نے اس کے اندر سوائے اچھائی کے اور کچھ نہیں پایا۔ رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

کعب بن مالک کا بیان ہے جب مجھے اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ واپس آنے کے لئے چل پڑے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کرنے کے لئے عذر بنانے لگا اور ایسی بات کی تیاری کرنے لگا کہ کل کو رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی سے میں کس طرح بچ سکوں گا مختلف اہل الرائے اور گھر والوں سے میں نے اس معاملہ میں مدد بھی لی پھر جب مجھ سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ قریب ہی آپہنچے ہیں تو میرے دل سے تمام غلط خیالات جاتے رہے اور میں سمجھ گیا کہ جس بات میں جھوٹ کی آمیزش ہو گی اس کے ذریعہ سے میں ناراضگی سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا، چنانچہ میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یقین کر لیا کہ سچائی ہی مجھے نجات دے سکتی ہے صبح کو حضور ﷺ تشریف لے آئے۔

ابن سعد نے کہا رمضان میں (واپس پہنچے) کعب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب (سفر سے واپس) آتے تھے تو دن چڑھے مدینہ میں پہنچتے تھے اور سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے پھر وہیں بیٹھ جاتے تھے پھر وہاں سے حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے جاتے تھے اس کے بعد امہات المومنین کے ہاں جاتے تھے۔ حسب دستور آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی پھر دینی لوگوں کے (معاملات سننے کے) لئے بیٹھ گئے اب تبوک کی شرکت سے رہنے والے لوگ آنے لگے اور (اپنے اپنے) عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ سب لوگ کچھ اوپر اسی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ظاہر عذر کو قبول کر لیا۔ ان سے بیعت لے لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ جب

میں خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ مسکرا دیئے مگر مسکراہٹ غصہ آلود تھی اور فرمایا آؤ میں چلتا چلتا سامنے پہنچ کر بیٹھ گیا ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعب کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضور ﷺ نے میری طرف سے کیوں منہ پھیر لیا واللہ میں منافق نہیں ہوں نہ مجھے (اسلام کی صداقت میں) کوئی شک ہے نہ میں (عقیدۂ اسلام سے) بدل گیا ہوں فرمایا پھر تم (ساتھ جانے سے) کیوں رہ گئے کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی میں نے عرض کیا بے شک (میں نے سواری بھی خرید لی تھی) یا رسول اللہ اگر میں کسی اور دنیا دار کے پاس اس وقت بیٹھا ہوتا تو خدا کی قسم کوئی عذر معذرت کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا کیونکہ مجھ میں قوت کلامیہ (اور دلیل کی طاقت) موجود ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر میں آپ کے سامنے جھوٹ بنا بھی دوں گا اور آپ راضی بھی ہو جائیں گے تب بھی عنقریب اللہ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر سچ کہہ دوں گا تو گویا آپ ناراض ہو جائیں گے مگر امید ہے کہ اللہ مجھے معاف فرما دے گا۔ بخدا مجھے کوئی عذر نہ تھا نہ اس سے پہلے میں اتنا طاقت ور اور فراخ حال (کبھی ہوا) تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے سچی بات کہہ دی اب تم اٹھ جاؤ اور اللہ جو کچھ چاہے گا تمہارے متعلق فیصلہ کر دے گا۔

میرے سچ بولنے کی وجہ سے بنی سلمہ کے کچھ لوگ برانگیختہ ہو گئے اور کہنے لگے، تو نے اس سے پہلے تو کوئی جرم کیا نہ تھا نہ اتنا کمزور تھا کہ جس طرح دوسرے شرکت نہ کرنے والوں نے اپنی عدم شرکت کے عذر کئے (اور عتاب سے بچ گئے) تو کوئی عذر نہ پیش کر سکتا (آئندہ) رسول اللہ ﷺ کی دعائے مغفرت تیرے (اس) گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی تھی غرض وہ برابر مجھے ڈانٹتے اور سرزنش کرتے رہے اور اتنی سرزنش کی کہ میرا ارادہ ہو گیا کہ دوبارہ خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دوں لیکن میں نے کہہ دیا مجھ سے دو جرم یکجا نہیں ہو سکتے جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی نہ گیا اور اب حضور ﷺ سے جھوٹ بھی بولوں۔

پھر میں نے لوگوں سے دریافت کیا کیا میرے ساتھ ایسا کوئی اور بھی ہے جو تبوک کو نہیں گیا ہو (اور اس نے کوئی عذر تراشی بھی نہ کی ہو) لوگوں نے کہا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اسی طرح کی بات کہی تھی جیسی تو نے کی تھی اور ان کو بھی وہی ہدایت کی گئی جو تجھے کی گئی میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں لوگوں نے کہا مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی۔

ابن ابی حاتم نے حسن تابعی کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ اول الذکر کے نہ جانے کی وجہ تو یہ ہوئی کہ ان کا ایک باغ تھا جو پھل چکا تھا۔ (یعنی اس میں خوشے لٹک رہے تھے) انہوں نے اپنے دل میں کہا اس سے پہلے میں (بست) جہاد کر چکا ہوں، اگر اس سال اپنے گھر ٹھہرا رہوں تو کیا حرج ہے لیکن جب ان کو اپنے اس جرم کا احساس ہوا تو کہنے لگے اے اللہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اس کو تیری راہ میں خیرات کرتا ہوں (اس نے مجھے جانے سے روکا ہے) اور دوسرے صاحب کا واقعہ یہ ہوا کہ ان کے گھر والے کہیں (سفر میں) منتشر تھے لوٹ کر آئے تو کہنے لگے اس سال (جہاد کو) نہ جاؤ ہمارے پاس رہو (تو کوئی حرج نہیں) ان کو بھی اپنے جرم کا احساس ہوا تو انہوں نے (اللہ سے عہد کیا اور) کہا اے اللہ مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا (تاوقتیکہ تیرا جدید حکم نہ ہو)

کعب کا بیان ہے لوگوں نے میرے سامنے دو نیک آدمیوں کا نام لیا جو بدر میں شریک ہو چکے تھے اور جن کی پیروی کی جا سکتی تھی ان کا نام سن کر میں اپنی سابق بات پر قائم رہا جو لوگ تبوک نہیں گئے تھے ان میں سے صرف ہم تینوں سے ہی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کلام کرنے کی ممانعت فرما دی لوگ اس فرمان کے بعد ہمارے لئے بالکل بدل گئے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے ہم صبح کو لوگوں میں نکلتے تھے مگر کوئی ہم سے سلام کلام نہیں کرتا تھا نہ ہمارے سلام کا جواب دیتا تھا عبدالرزاق کی روایت ہے۔ لوگ ایسے بدل گئے کہ گویا وہ ہم کو جانتے ہی نہیں ہیں اور در و دیوار اجنبی ہو گئے وہ در و دیوار ہی نہ رہے جن کو ہم پہچانتے تھے میرے لئے سب سے زیادہ رنج آفریں یہ خیال تھا کہ اگر میں اسی حالت میں مر گیا تو رسول اللہ ﷺ میرے جنازہ کی نماز بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو میری یہی حالت قائم رہے گی نہ

کوئی مجھ سے کلام کرے گا نہ میرے جنازے کی نماز پڑھے گا یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سرزمین ہی میرے لئے اجنبی ہو گئی وہ بستی وہ نہ رہی جو میری شناسا تھی یہ حالت پچاس رات قائم رہی میرے دونوں ساتھی تو کمزور تھے وہ گھروں میں بیٹھ رہے مگر میں طاقت ور اور جوان تھا گھر سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا مگر کوئی مجھ سے کلام سلام نہیں کرتا تھا۔ نماز کے بعد جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کے جلسہ میں بیٹھے ہوتے تو میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور دل میں کہتا کہ حضور ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے لئے لب مبارک ہلائے یا نہیں پھر حضور ﷺ کے پاس پہنچ کر (دانستہ) نماز پڑھتا اور کن انکھیوں سے دیکھتا رہتا (کہ حضور ﷺ کی توجہ میری طرف ہوئی یا نہیں) جب نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور میری طرف منہ کر لیتے لیکن جب میں التفات نظر کرتا تو آپ منہ پھیر لیتے جب مدت تک لوگ مجھ سے یونہی دور دور رہے تو ایک روز دیوار پھلانگ کر میں ابو قتادہ کے پاس ان کے باغ میں پہنچ گیا ابو قتادہ میرے چچازاد تھے، یعنی قبیلہ بنی سلمہ سے تھے میرے باپ کے بھائی کے بیٹے نہ تھے مجھے ان سے بڑی محبت تھی۔ میں نے ان کو سلام کیا مگر خدا کی قسم انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا ابو قتادہ یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں ابو قتادہ خاموش رہے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی وہ خاموش رہے کوئی بات نہیں کی تیسری یا چوتھی بار کہنے کے بعد کہا اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوب معلوم ہے۔ یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور لوٹ کر دیوار پھلانگ کر میں آ گیا ایک روز بازار میں جا رہا تھا کہ علاقہ شام کا رہنے والا ایک دیہاتی نظر پڑا یہ شخص غلہ لے کر مدینہ میں بیچنے آیا تھا کسی سے اس نے پوچھا مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتا دے لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا وہ میرے پاس آیا اور ایک خط مجھے دیا جو شاہ غسان کی طرف سے تھا۔ (یعنی بادشاہ شام کی طرف سے) ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ میرے قبیلہ کا کوئی آدمی شام میں تھا اس نے بھیجا تھا خط ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپٹا ہوا تھا اور اس میں لکھا تھا مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہارے ساتھی نے تم کو دور کر دیا ہے اور پرے پھینک دیا ہے اور اللہ نے تم کو ایسا نہیں بنایا کہ ذلت کے مقام میں رہو اور تمہارا حق ضائع کیا جاتا رہے اس لئے اگر تم سکونت منتقل کرنا چاہتے ہو تو ہم سے آ ملو ہم تمہاری ہمدردی کریں گے خط پڑھ کر میں نے کہا یہ بھی (اللہ کی طرف سے) آزمائش ہے کہ کافر بھی میرا لالچ کرنے لگے (میری ذات کافروں کے لالچ کی جولان گاہ بن گئی) پھر میں نے تحریر کو تنور میں جھونک دیا ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت کعب نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی حالت کا شکوہ کیا اور عرض کیا آپ کی مجھ سے روگردانی اب اس حد تک پہنچ گئی کہ مشرک میرا لالچ کرنے لگے۔

جب پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو اچانک رسول اللہ ﷺ کا ایک قاصد میرے پاس پہنچا محمد بن عمر نے اس قاصد کا نام خزیمہ بن ثابت بتایا ہے یہی قاصد مرارہ اور ہلال کے پاس بھی گیا۔ قاصد نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ میں نے کہا کیا طلاق دے دوں یا کچھ اور۔ اس نے کہا طلاق کا حکم نہیں ہے اس سے الگ رہو قربت نہ کرو میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی یہی حکم پہنچا حسب الحکم میں نے اپنی بیوی سے کہا اپنے گھر چلی جاؤ اور فیصلہ قطعی ہونے تک وہیں رہو۔ ہلال بن امیہ کی بیوی یعنی خولہ بنت عاصم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہلال بن امیہ بوڑھا آدمی ہے اپنا کام خود نہیں کر سکتا اور اس کا کوئی خادم بھی نہیں ہے۔ کیا اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو حضور کی ناگواری کا باعث ہو گا۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں وہ بوڑھا ہے نظر بہت کمزور ہے حضور ﷺ نے فرمایا نہیں (کام کر دینے کی ممانعت نہیں ہے) مگر وہ تجھ سے قربت نہ کرے عورت نے کہا خدا کی قسم اس کو تو کسی بات کی حس ہی نہیں ہے جب سے اس کا یہ واقعہ ہوا ہے برابر آج تک رونے میں مشغول ہے۔ کعب کا بیان ہے مجھ سے بھی میرے کسی گھر والے نے کہا اگر ہلال بن امیہ کی بیوی کی طرح تم بھی اپنی بیوی کے لئے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لو کہ وہ تمہاری خدمت کر دیا کرے تو مناسب ہے میں نے کہا خدا کی قسم میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت نہیں مانگوں گا۔ کیا معلوم حضور کیا فرمائیں اور میں تو جوان آدمی ہوں (مجھے دوسرے سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے) اسی حالت میں دس راتیں اور گذر گئیں

اور پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔

عبدالرزاق کی روایت میں کعب کا قول آیا ہے ایک تہائی رات کے وقت ہماری توبہ قبول ہونے کی آیت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا یا نبی اللہ کیا کعب بن مالک کو ہم بشارت دے دیں فرمایا (اس وقت قبول توبہ کی اطلاع دو گی) تو لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور باقی رات میں سونے نہ دیں گے (فجر کو اطلاع دے دینا)

کعب کا بیان ہے پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر کی چھت پر (بیٹھا) تھا اور میری حالت وہ تھی جو اللہ نے بیان فرمائی ہے (ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ) زمین باوجود فراخ ہونے کے میرے لئے تنگ ہو گئی تھی یکدم ایک چیخنے والے کی آواز سنائی دی جو کوہ سلع پر چڑھ کر انتہائی اونچی آواز سے چیخا تھا اے کعب بن مالک تجھے خوش خبری ہو۔ محمد بن عمر کی روایت ہے کہ کوہ سلع پر چڑھنے والے حضرت ابو بکر تھے آپ نے ہی پکار کر کہا تھا اللہ نے کعب پر رحم فرما دیا اے کعب خوش ہو جا۔ عقبہ کی روایت ہے کہ دو آدمی دوڑے کعب کو بشارت دینے کے لئے گئے ایک آگے بڑھ گیا جو پیچھے رہ گیا تھا وہ کوہ سلع پر چڑھ گیا اور وہیں سے اس نے ندا کی اے کعب توبہ قبول ہونے کی تجھے بشارت ہو اللہ نے تم لوگوں کے بارے میں قرآن میں نازل فرما دیا۔

اہل تاریخ کا خیال ہے کہ بشارت دینے کے لئے دوڑنے والے یہ دونوں حضرات حضرت ابو بکر و حضرت عمر تھے۔

کعب کا بیان ہے آواز سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور خوشی سے رونے لگا اور سمجھ گیا کہ کشائش کا وقت آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمایا لوگ ہم کو بشارت دینے کے لئے آ گئے کچھ اور لوگ میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری دینے کے لئے پہنچے ایک شخص گھوڑا دوڑاتا میرے پاس آیا محمد بن عمر نے کہا یہ زبیر بن عوام تھے قبیلہ اسلم کا ایک اور شخص بھی دوڑ پڑا مگر گھوڑے کے پہنچنے سے پہلے مجھے آواز پہنچ گئی تھی اس لئے جب وہ شخص آیا جس کی آواز میں نے سنی تھی یعنی حمزہ اسلمی تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو پہنا دیئے خدا کی قسم میرے پاس ان دو کپڑوں کے سوا اور کپڑے ہی نہ تھے ابو قتادہ (بروایت محمد بن عمر) سے دو کپڑے عاریۃً لے کر میں نے پہنے۔ ہلال بن امیہ کو قبول توبہ کی خوش خبری دینے سعید بن زید گئے تھے ہلال نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا مسلسل روزے رکھ رہے تھے اور برابر رونے میں مشغول تھے میرا خیال تھا کہ وہ سر بھی نہیں اٹھا سکتے ان کی جان نکل جائے گی۔ مرارہ بن ربیع کو بشارت سلکان بن سلامہ نے دی یہ سلامہ بن وقش کے باپ تھے۔

کعب بن مالک کا بیان ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا راستہ میں لوگوں کے گروہ در گروہ مبارک باد دینے کے لئے مجھ سے ملتے رہے آخر میں مسجد میں داخل ہوا رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اردگرد لوگ بھی موجود تھے مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبید اللہ اٹھے اور لپک کر میری طرف بڑھے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی مہاجرین میں سے سوائے طلحہ کے اور کوئی نہیں اٹھا۔ میں طلحہ کی یہ بات نہیں بھولوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا میں نے سلام کیا۔ حضور نے فرمایا جب سے تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دن سے بہتر دن کی تجھے بشارت ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے فرمایا نہیں اللہ کی طرف سے ہے۔ تم لوگوں نے اللہ سے سچا معاملہ کیا اللہ نے تم کو سچا قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ خوشی کے وقت آپ کا چہرہ چمکنے لگتا تھا معلوم ہوتا تھا چاند کا ٹکڑا ہے ہم دیکھ کر پہچان لیتے تھے (کہ حضور اس وقت خوش ہیں) جب میں سامنے بیٹھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنے کل مال سے دست بردار ہو جاؤں اور بطور صدقہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دوں فرمایا کچھ مال اپنے لئے بھی روک رکھو تمہارے لئے یہی بہتر ہے میں نے عرض کیا اچھا نصف مال (سے دست بردار ہوتا ہوں) فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تو ایک تہائی (قبول فرمائیے) فرمایا اچھا میں نے عرض کیا تو خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو روک رکھتا ہوں پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ

سے مجھے نجات دی ہے لہٰذا میری توبہ کا تتمہ یہ بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے جو کرم اللہ نے مجھ پر کیا ہے کسی اور پر اس سے بہتر احسان کیا ہو گا چنانچہ اس عہد کے بعد آج تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور امید ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا اللہ جھوٹ بولنے سے مجھے محفوظ رکھے گا۔

اللہ نے توبہ قبول فرمانے کے سلسلہ میں لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ سے وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ تک آیات نازل فرمائیں خدا کی قسم جب سے اللہ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرمائی اس کے بعد سے کوئی اس نعمت سے بڑی نہیں عنایت کی جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ کہنے سے مجھے ملی اگر میں جھوٹ بول دیتا تو میں بھی ان لوگوں کی طرح تباہ ہو جاتا جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اور اللہ نے بدترین الفاظ میں ان کا ذکر کیا فرمایا سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ ----- فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ

کعب نے فرمایا جن لوگوں نے قسمیں کھائی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے عذر کو قبول فرما لیا تھا اور ان سے بیعت لے لی تھی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کر دی تھی ہم تینوں کا معاملہ ان کے معاملہ سے پیچھے رکھا گیا تھا ہمارے معاملہ کو اللہ کے فیصلہ تک رسول اللہ ﷺ نے ملتوی رکھا تھا آیت وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا میں پیچھے چھوڑ دینے سے مراد جہاد سے پیچھے چھوڑ دینا نہیں ہے بلکہ ان معذرت کرنے والوں کے معاملہ سے ہمارے معاملہ کو پیچھے چھوڑ دینا اور ہمارے فیصلہ کو ملتوی رکھنا مراد ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخ اور لمبی چوڑی ہونے کے (ساتھیوں کی بے رخی کرنے کی وجہ سے) ان پر تنگ ہو گئی کسی پر زمین تنگ ہو جانا ایک محاورہ ہے جو شدت حیرت کی تصویر کشی کرتا ہے یعنی وہ لوگ اپنے معاملہ میں اتنے حیران و پریشان تھے کہ ان کو اپنی بے چینی اور پریشانی دور کرنے کا کوئی مقام ہی اتنی لمبی چوڑی زمین میں میسر نہ تھا۔

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے یعنی ان کے دل انتہائی وحشت اور غم کی وجہ سے اتنے تنگ ہو گئے کہ انس و مسرت کی ان میں گنجائش ہی نہیں رہی۔

وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ (کی ناراضگی و غضب) سے بچنے کا کوئی ٹھکانا سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ اسی سے مغفرت کی دعا کی جائے۔

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

لِيَتُوْبُوْا تاکہ توبہ پر قائم رہیں۔ اس جگہ توبہ سے مراد ہے توبہ پر قائم رہنا کیونکہ توبہ تو وہ پہلے کر چکے تھے (توبہ کے بعد توبہ کے کوئی معنی نہیں) یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ توبہ کرنے والوں کے گروہ میں وہ شامل ہو جائیں۔

ابوبکر وراق نے کہا خالص سچی توبہ یہ ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر یہ لمبی چوڑی زمین تنگ ہو جائے اور دل میں سخت بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہو جائے جیسے ان تینوں حضرات کی توبہ تھی۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿﴾ بے شک اللہ بہت توجہ فرمانے والا اور بڑا مہربان ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ رات میں (توبہ قبول فرمانے کے لئے) اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کو گناہ کرنے والا (رات کو) توبہ کر لے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا (دن میں) توبہ کر لے یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب سورج مغرب سے برآمد ہو گا (یعنی قیامت تک توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا جب سورج مغرب سے نکلے گا تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ رواہ مسلم۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی بیابان صحرا میں (سفر کی حالت میں) تم میں سے کسی کی

سواری کی اونٹنی گم ہو جائے اور اونٹنی پر ہی اس مسافر کے کھانے پینے کا سب سامان ہو اور ڈھونڈ کر ناامید ہو کر یہ شخص کسی درخت کے سایہ میں لیٹ کر سو جائے پھر اچانک اس کی آنکھ کھل جائے تو اونٹنی کو اپنے پاس کھڑا پائے اور فوراً اونٹنی کی نکیل پکڑ لے اور انتہائی خوشی کی وجہ سے (زبان بے قابو ہو جائے اور) بول اٹھے اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ اس مسافر کو اونٹنی کے دستیاب ہونے سے جتنی خوشی ہوتی ہے اس سے زیادہ خوشی اللہ کو بندہ کے توبہ کرنے سے ہوتی ہے جب بندہ اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہے۔ رواہ مسلم۔ توبہ اور قبول توبہ کی احادیث بہت آئی ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ اے ایمان والو اللہ (کی نافرمانی اور عذاب) سے ڈرو اور رہو سچوں کے ساتھ۔ یعنی جو لوگ ایمان اور وعدوں میں سچے ہیں۔ یا وہ لوگ جو اسلام میں سچے ہیں نیت کے خلوص قول کی صداقت اور عمل کے اعتبار سے (گویا پہلے قول پر صدق سے مراد ہے ایمان اور وعدہ کی سچائی اور دوسرے قول پر مراد ہے نیت کا خلوص اور قول و عمل کی سچائی) مطلب یہ ہے کہ ہر چیز میں سچائی کو اختیار کرو اور سچائی کی پابندی کرو۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر نے فرمایا یعنی محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ رہو جن کی نیتیں خالص ہیں دل بے لوث ہیں اور اعمال میں اخلاص ہے اخلاص اور سچے ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تبوک کو نکلے ہیں۔ منافقوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیا۔ سعید بن جبیر نے الصادقین کی تفسیر ابوبکر و عمر سے کی یعنی ابوبکر و عمر کے ساتھ رہو ضحاک نے کہا ابوبکر عمر اور ان حضرات کے ساتھیوں کے ساتھ رہنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ علی بن ابی طالب کے ساتھ رہو۔ سفیان ثوری نے فرمایا یہ (اپنی طرف سے) تفسیری اختلاف ہے آیت ان سب تفسیروں کو شامل ہے یہ بھی مراد ہے وہ بھی مراد ہے (کسی ایک کی تعیین نہیں)

ابن جریج نے کہا الصادقین سے مہاجرین مراد ہیں اللہ نے فرمایا لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِیْنَ ۔ ۔ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (اس آیت میں مہاجرین کو ہی صادقین فرمایا ہے۔

بعض نے کہا الصادقین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا سچے دل سے اعتراف کر لیا جھوٹے عذر نہیں پیش کئے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا جھوٹ بولنا کسی طرح درست نہیں نہ مذاق میں نہ سنجیدہ کلام میں۔ کوئی شخص اپنے بچہ (کو بہلانے کے لئے اس) سے ایسا وعدہ نہ کرے جس کو پورا نہ کرے اگر تم (اس قول کی) تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو پھر آپ نے آیت مندرجہ بالا پڑھی۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش رہتے ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ زیبا تھا کہ اپنی جانوں کو ان کی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھیں۔

بظاہر الفاظ یہ کلام خبری ہے لیکن حقیقت میں نہی اور ممانعت ہے جیسے دوسری آیت آئی ہے وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ۔ الاعراب یعنی قبائل مزینہ جہینہ اشجع اسلم غفار جو صحراء میں رہتے تھے (مدینہ کے اندر نہیں رہتے تھے)

عن رسول اللہ کا یہ مطلب ہے کہ جب خود رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جہاد پر تشریف لے جائیں تو آپ کا ساتھ چھوڑ دینا اور ہمراہ نہ جانا جائز نہیں۔ ولا یرغبوا کا یہ مطلب ہے کہ جس جہاد سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کو الگ نہیں رکھا اس سے لوگ بھی اپنی جانوں کو الگ نہ رکھیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

یہ (ساتھ جانے کی ضرورت) اس سبب سے ہے کہ اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر

لی ان کے نام اس کی وجہ سے ایک ایک نیک کام لکھا گیا، یقیناً" اللہ مخلصوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

ذلک سے اشارہ حکم ممانعت کی طرف ہے جو اوپر کے کلام سے سمجھا جارہا ہے۔ بانھم میں با سببی ہے بسبب اس کے ظلما پیاس کی حقیر مقدار۔ نصیب تھکان، مخمصۃ بھوک، موطئا مصدر ہے۔ (تاکید فعل کے لئے) یا ظرف ہے یعنی وہ نہیں جائیں گے کسی زمین پر نیلا تاکہ کسی قسم کا قابو پائیں خواہ قتل کریں یا قید کرلیں یا لوٹیں یا مال غنیمت حاصل کریں۔ الا کتب یعنی وہ اس کی وجہ سے ثواب کے مستحق ہو جاتے ہیں اور یہ وعدہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جائیں ہمراہ جانے سے منہ نہ موڑیں۔ ان اللہ لا یضیع اجرا المحسنین یہ جملہ گزشتہ حکم کی علت ہے اور اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ جہاد ایک بھلائی ہے (سب انسانوں کے حق میں) کافروں کے حق میں جہاد کا بھلائی ہونا تو اسی وجہ سے ہے کہ کافروں کو دوزخ سے رہا کرانے اور ان کی انسانیت کو مکمل کرنے کی یہ انتہائی کوشش ہے جیسے پاگل کو مارنا (کبھی اس کے لئے علاج ہوتا ہے) اور بچہ کو ادب سکھانے کے لئے مارنا (اس کے حق میں بھلائی ہوتا ہے) مومنوں کے حق میں جہاد کی بھلائی یہ ہے کہ جہاد ہی کے ذریعے سے اہل ایمان کافروں کی چیرہ دستی اقتدار اور تسلط سے محفوظ رہتے ہیں حضرت ابوعبس کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ کی راہ میں جس کے قدم گرد آلود ہوں گے اللہ نے اس کے لئے دوزخ حرام کر دی ہے۔ رواہ البخاری فی الصحیح واحمد فی المسند والترمذی والنسائی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا جب تک جہاد سے واپس نہیں آتا اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے (ہر روز) روزہ رکھنے والا (رات کو) نماز پڑھنے والا اللہ کی آیات کی تلاوت کرنے والا جو روزہ نماز سے سست نہیں پڑتا ہو (چستی کے ساتھ برابر مشغول رہتا ہو) بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے حکم (کے عام یا خاص، ہنگامی یا دوامی ہونے) میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

قتادہ کا قول ہے یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جانے کی صورت سے تعلق رکھتا ہے (عمومی نہیں ہے) جب رسول اللہ ﷺ خود جہاد پر تشریف لے جائیں تو کسی کیلئے بغیر شرعی عذر کے ساتھ نہ جانا جائز نہ تھا، دوسرے خلفاء اور حکام کے ساتھ جانے کا وجوبی حکم اس آیت میں نہیں ہے اگر مسلمانوں کو جہاد کرنے کی ضرورت نہ ہو تو خلیفہ یا حاکم کے ساتھ جہاد کو نہ جانا مسلمانوں کیلئے جائز ہے۔

ولید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے اوزاعی عبداللہ بن مبارک ابن جابر اور سعد بن عبدالعزیز سے سنا کہ اس آیت کا حکم اس امت کے آغاز کے وقت بھی تھا اور آخری دور کیلئے بھی ہے (یعنی حکم دوامی ہے ہر خلیفہ کا ساتھ دینا ہر زمانہ میں لازم ہے)

ابن زید نے کہا یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمان کم تھے جب زیادہ ہوگئے تو اللہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور جو جہاد پر نہ جانا چاہے اس کیلئے نہ جانا جائز کر دیا اور فرمادیا وما کان المومنون لینفروا کافۃ میں کہتا ہوں تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اگر بقدر ضرورت مسلمانوں کی جماعت جہاد کرے گی تو باقی مسلمانوں کے سروں سے فرض اتر جائے گا۔

سعید بن مسیب کے نزدیک جہاد فرض عین ہے کیونکہ جہاد کے احکام عمومی ہیں اور جو لوگ تبوک کے جہاد کو نہیں گئے تھے ان کے معاملہ میں سخت احکام نازل کئے گئے ہم کہتے ہیں جب جہاد کا اعلان عام ہو تو باتفاق علماء ہر شخص پر جہاد کرنا فرض ہو جاتا ہے جیسے غزوہ تبوک کے موقع پر ہوا ورنہ فرض کفایہ ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الخ اس آیت کے آخر میں ہے وکلا وعداللہ الحسنی ہر فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے (لیکن بھلائی کے مراتب میں تفاوت ہے سب برابر نہیں) دوسری آیت ہے وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً۔

وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً اور نیز جو کچھ چھوٹا بڑا (راہ خدا میں) انہوں نے صرف کیا جیسے حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے جیش عسرت کی تیاری کے موقع پر مال صرف کیا۔

وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ اور جتنے میدان ان کو طے کرنا پڑے یہ سب بھی ان کے نام نیکیوں میں لکھے گئے۔ یعنی

آتے جاتے جس وادی کو بھی وہ قطع کرتے ہیں ان کو لکھ لیا جاتا ہے۔ وادی نالہ جس میں سیلاب کا پانی (پہاڑ سے آکر) بہتا ہے۔ وادی اسم فاعل کا صیغہ ہے ودی (ماضی) جاری ہو گیا بہ گیا مجازاً اس سے زمین مراد ہوتی ہے اس معنی میں استعمال عام ہے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ تاکہ اللہ ان کو ان کے نیک کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

یعنی ان کے اچھے اعمال کی جزا اچھے عمل سے مراد ہے جہاد۔ یا ان کے اعمال کی اچھی جزا۔ حضرت ابو مسعود انصاری کی روایت ہے کہ ایک آدمی نکیل پڑی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اس کے عوض تجھے سات سو نکیل پڑی اونٹنیاں ملیں گی۔ رواہ مسلم۔

حضرت زید بن خالد راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے سامان تیار کر کے دیا، اس نے بھی جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے بیوی بچوں کی اس کے بعد خبر گیری کی اس نے بھی جہاد کی۔ رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما۔ واللہ اعلم۔

کلبی نے ذکر کیا ہے کہ قبائل بنی اسد بن خزیمہ قحط سالی میں مبتلا ہو کر (گھروں کو چھوڑ کر) بچوں کو لے کر مدینہ میں آپڑے ان کی وجہ سے مدینہ کے راستے گندے ہو گئے اور چیزوں کے نرخ گراں ہو گئے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ اور (ہمیشہ کے لئے) مسلمانوں کو یہ بھی نہ چاہئے کہ جہاد کے لئے سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں یا یہ نفی بمعنی نہی ہے یعنی طلب علم کے لئے تمام مسلمان اپنے وطنوں سے نہ نکل پڑیں اس سے معاشرہ کا بگاڑ اور معاش کا فساد پیدا ہو جائے گا۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ یہ (باقی ماندہ) لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں یعنی ہر بڑی جماعت مثلاً ایک قبیلہ یا ایک شہر یا ایک بستی میں سے چھوٹا گروہ کیوں طلب علم کیلئے نہیں نکلا کہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھا کر دینی سمجھ حاصل کرتا اور دین کے مسائل سمجھتا۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے فقہ کا اصلی لغوی معنی ہے سمجھنا اس کا اشتقاق شق اور فتح (کے مفہوم سے) سے ہے فرقۃ سے مراد بڑی جماعت ہے طائفۃ چھوٹی جماعت۔ قاموس میں ہے فقہ بکسر فاء کسی چیز کو جاننا سمجھنا۔ چونکہ (تمام علوم میں) علم دین کو فضیلت حاصل ہے اس لئے فقہ کا لفظ (اصطلاح میں) علم دین کے لئے مخصوص کر لیا گیا۔ بعض نے کہا معلوم کے ذریعے سے نامعلوم کو حاصل کرنا فقہ ہے یعنی علم استدلالی کے لئے یہ لفظ خاص ہے اس صورت میں لفظ علم عام اور لفظ فقہ خاص ہوگا اللہ نے فرمایا ہے۔ فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات سمجھ بھی نہیں سکتے یعنی بات کے مضمون کا استنباط نہیں کرتے (بات کے مغز کو نہیں سمجھتے)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا نفس کے ضرر رساں اور فائدہ بخش امور کو جاننا فقہ ہے (خواہ فکر و عقیدہ کے لحاظ سے ہو یا قول و عمل کے اعتبار سے۔ اصول کا علم ہو یا فروع کا) فروع دین کے علم کی خصوصیت کے ساتھ فقہ کہنا اصطلاح جدید ہے۔ (قرآن اول میں یہ خصوصیت نہیں تھی)

ظاہر یہ ہے کہ لفظ فقہ کے اندر مقلد کا علم بھی داخل ہے مجتہد سے یا مجتہد کی کتاب سے علم حاصل کرنے سے اس فرض کی ادائیگی ہو جاتی ہے جس کا حکم آیت مندرجہ میں دیا گیا ہے۔

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ اور (جانے والے) لوگ جب واپس آئیں تو یہ ان کو ڈرائیں تاکہ وہ (ان سے دین کی باتیں سیکھ کر) برے کاموں سے احتیاط رکھیں۔

یعنی جب وہ لوگ اپنے وطن کو لوٹ کر آئیں تو جو لوگ تحصیل علم کے لئے نہیں گئے تھے اور وطن ہی میں مقیم رہے ان کو واپس آکر (اللہ کے دیئے ہوئے احکام کی مخالفت سے) ڈرائیں (اور ان کو احکام بتائیں) مجاہد نے کہا کچھ لوگ تبلیغ کرنے اور دعوت ہدایت دینے کے لئے دیہات اور صحراء کی طرف گئے تھے لوگوں نے ان سے کہا تم ہمارے پاس (تو تبلیغ کے لئے) آ

گئے اور اپنے ساتھی (یعنی رسول اللہ ﷺ) کو چھوڑ کر آگئے یہ بات سن کر ان حضرات کے دلوں میں کچھ احساس ہوا وہ فوراً دیہات سے لوٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس پر آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سونے اور چاندی کے کانوں کی طرح انسانوں کی بھی تم کانیں پاؤ گے (خیر و شر کے مختلف معاون ہیں اور مختلف انسان مختلف معاون کی پیداوار ہیں) پس جو لوگ (طبعاً) زمانہ جاہلیت (کے دور) میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہوں گے بشرطیکہ سمجھ پیدا کر لیں۔ رواہ الشافعی و کذا روی الشیخان فی الصحیحین واحمد عن ابی ہریرۃ طبرانی نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی (بس) دو ہیں عالم اور متعلم ان کے سوا باقی (آدمیوں) میں کوئی خیر نہیں۔

آیت دلالت کر رہی ہے کہ خبر آحاد (شرعی) حجت ہے (یعنی کسی مسئلہ کو جاننے کے لئے خبر آحاد کو بشرطیکہ وہ قابل وثوق روایت سے پہنچی ہو ماننا ضروری ہے) کیونکہ آیت میں کُلِّ فِرْقَۃٍ کا لفظ عام ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کسی بستی میں تین ہی آدمی ہوں تو ان میں سے بھی کسی ایک کو علم حاصل کرنے کے لئے جانا اور سیکھ کر واپس آ کر دوسروں کو بتانا ضروری ہے اگر تواتر کے بغیر کوئی خبر قابل تسلیم نہ ہو تو کُلِّ فِرْقَۃٍ کے لفظ کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔

فقہ کا کچھ حصہ تو فرض عین ہے کچھ فرض کفایہ۔ صحیح عقائد اور ضروری اعمال جیسے طہارت نماز روزہ زکوٰۃ حج اور تمام فرائض کا علم فرض عین ہے عبادات کے علاوہ وہ معاملات جو سامنے آتے رہتے ہیں اور جن سے واسطہ پڑتا رہتا ہے ان کو جاننا بھی فرض عین ہے مثلاً "تاجروں کے لئے بیع صحیح بیع فاسد۔ سود وغیرہ کے احکام جاننا لازم ہے جو ٹھیکہ یا مزدوری یا نوکری وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لئے ان کے احکام کو حاصل کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کی طلب ہر مسلمان مرد پر فرض ہے۔ یہ حدیث حضرت انسؓ کی روایت سے ابن عدی اور بیہقی نے اور حضرت امام حسن بن علی کی روایت سے خطیب نے اور طبرانی نے صغیر میں نیز طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت اور الکبیر نیز بیہقی نے حضرت ابو سعید کی روایت سے بیان کی ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت میں حسب نقل ابن عبدالبر اتنا زائد بھی آیا ہے کہ طالب علم کے لئے ہر چیز دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کے اندر مچھلیاں بھی دعا مغفرت کرتی ہیں ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں اور اللہ مصیبت زدوں کی فریاد رسی کو پسند کرتا ہے۔

فرض کفایہ یہ ہے کہ ہر موضوع کے مسائل سے واقفیت حاصل کی جائے یہاں تک کہ فتویٰ دینے کے مقام پر پہنچ جائے۔ اگر کسی شہر کا کوئی آدمی ایسا عالم نہ ہو گا اور ایک شخص بھی اس درجہ پر فائز نہ ہو گا اور سب بیٹھ رہیں گے تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر ایک بھی تکمیل علمی کے لئے تیار ہو جائے گا تو سب کے سر سے فرض ساقط ہو جائے گا اور سب پر اس کی تقلید لازم ہو گی جو واقعات پیش آئیں ان کے فیصلے کے لئے اس عالم کی طرف سب بستی والے رجوع کریں۔

تحصیل علم ہر نفلی عبادت سے افضل ہے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مولف مسند الفردوس نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کی طلب اللہ کے نزدیک نماز روزہ حج اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے افضل ہے یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک گھڑی علم کی تحصیل ایک رات کے قیام (نماز) سے اور ایک دن علم کی طلب تین رات کے روزے رکھنے سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔ بلاشبہ اللہ (رحمت کرتا ہے) اور اللہ کے فرشتے اور آسمانوں والے اور زمینوں والے یہاں تک کہ سوراخوں کے اندر چیونٹیاں اور پانی کے اندر مچھلیاں اس شخص کیلئے دعائے رحمت کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے رواہ الترمذی بسند صحیح عن ابی امامۃ۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہزاروں عابدوں سے ایک عالم شیطان پر زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے۔ تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین اعمال (کا فائدہ جاری رہتا ہے) صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے لوگ نفع حاصل کریں۔ یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

علم لدنی جس کے حامل صوفیہ کرام ہوتے ہیں فرض عین ہے کیونکہ اس باطنی علم کے دو مقصد ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ کے سوا ہر چیز کی رغبت کو دل سے نکال دینا ہر دم اللہ کے سامنے اپنے کو حاضر سمجھنا خود پسندی، غرور، حسد ودنیا کی محبت، عبادات میں سستی، خواہشات، نفس، ریاکاری، شہرت طلبی اور دوسرے اخلاقی باطنی عیوب سے نفس کو پاک رکھنا۔

(۲) گناہوں سے توبہ، رضا بالقضا، مصائب پر صبر، نعمتوں کا شکر اور دوسرے اچھے خصائل ومکارم اخلاق سے اپنے نفس کو آراستہ کرنا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے ان ممنوعات سے پرہیز اور فرائض کی پابندی سے زیادہ اہم اور ضروری ہے جن کا تعلق اعضاء جسمانی سے ہے اگر اخلاص اور نیت کی صحت نہ ہو تو نماز روزہ اور دوسری عبادتیں ناقابل اعتبار ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ صرف اسی علم کو قبول فرماتا ہے جو خالص ہو اور محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو۔ رواہ النسائی عن ابی امامۃ۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں پر نظر نہیں کرتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس چیز پر فرض عین کا مدار ہو وہ خود فرض عین ہو گی لہٰذا علم لدنی جس کے حامل صوفیہ کرام ہیں فرض عین ہے۔

آیت کے نزول کا ایک اور سبب بھی بیان کیا گیا ہے بغوی نے بروایت کلبی اور ابن ابی حاتم نے بروایت عکرمہ وعبداللہ بن عمیر حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب غزوہ تبوک کے سلسلہ میں منافقوں کے عیوب اللہ نے بیان فرمائے اور آیت ان لا تنفروا یعذبکم عذابا الیما نازل ہو گی اور رسول اللہ ﷺ جہادی دستے (مختلف اطراف میں) بھیجنے لگے تو سب مسلمان جہاد کو نکلنے لگے اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ کر جانے لگے۔ عکرمہ کی روایت میں آیا ہے کہ کچھ دیہاتی صحرا نشین جہاد کو نہیں گئے منافق کہنے لگے یہ بدوی تباہ ہو گئے (انہوں نے حکم جہاد کی پابندی نہیں کی) اس پر آیت ما کان المومنون لینفروا (یعنی الی الغزو) کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ (یعنی عظیمۃ) طائفۃ (یعنی الی الغزو و مع بقی طائفۃ النبی ﷺ) لیتفقھو (ای القاعدون) فی الدین (ای القرآن و السنن والفرائض والاحکام) نازل ہوئی مطلب یہ کہ تمام مسلمانوں کو جہاد پر نہ چلا جانا چاہئے بلکہ بڑے گروہ میں سے ایک چھوٹی جماعت کو جہاد پر جانا لازم ہے اور ایک جماعت کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قرآن، سنت، فرائض اور احکام سیکھنے کے لئے رہنا چاہئے تاکہ فوجی دستے جب واپس آئیں تو ان کو یہ لوگ بتا سکیں کہ ان کے جانے کے بعد کیا احکام نازل ہوئے۔ چنانچہ (اس آیت کے نزول کے بعد) ایسا ہی ہونے لگا کچھ جماعتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس رکی رہتیں اور کچھ دستے چلے جاتے اس طرح دینی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پاتا ویسے تو جہاد اکبر ہے بعثت کی اصل غرض ہی یہ ہے کہ دلائل کے ساتھ اسلامی احکام کو پیش کیا جائے۔ (تلوار سے جہاد کا درجہ تو دفاعی ہے تبلیغی جہاد کا درجہ اعلیٰ ہے) اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے جانشین ہیں اس شان نزول اور اس مطلب کی صورت میں لیتفقھو اور لِيُنْذِرُوْا کی ضمیریں ان لوگوں کی طرف راجع ہوں گی جو جہادی دستوں کی روانگی کے بعد تحصیل علم کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور رجعوا کی ضمیر جہاد پر جانے والے دستوں کی طرف راجع ہو گی۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا حکم اس صورت میں مخصوص ہو گا جب (بغیر رسول اللہ ﷺ کے) جہاد پر مسلمانوں کے دستے گئے ہوں اور ترک جہاد کی ممانعت کا حکم اسی صورت میں ہو گا جب رسول اللہ ﷺ خود تشریف لے جائیں۔

حسن کا قول ہے کہ لیتفقھو اور لِيُنْذِرُوْا کی ضمیریں ان مسلمانوں کے دستوں کی طرف راجع ہیں جو جہاد پر گئے ہوں آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ایک فرقہ (ہر گروہ میں سے) جہاد پر چلا جائے اور دین کی نصرت اور مشرکوں پر غالب ہونے کا خود مشاہدہ کرے اور سمجھے اور پھر جہاد سے واپس آنے کے بعد اپنی قوم کے کافروں کو بتائے کہ اللہ نے اپنے رسول کو اور مومنوں کو فتح عنایت فرمائی اور اس اطلاع دینے کا مقصد یہ ہو کہ ان کی قوم کے کافر رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کرنے

سے باز رہیں اور ڈرتے رہیں کہ جو دوسروں کافروں کا حال ہوا رسول اللہ ﷺ سے جنگ کر کے ہمارا بھی وہی حال ہوگا۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اس فرض کو ادا کر دے گی تو سب کے سروں سے فرض ساقط ہو جائے گا ہاں اگر جہاد کی عام ندا کر دی جائے اور سب کو جہاد کے لئے آ جانے کا حکم دے دیا گیا ہو تو پھر ہر شخص پر جہاد عینی فرض ہو جاتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ اے ایمان والو ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں۔

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ کافروں سے جہاد کرنے کا آغاز الاقرب فالاقرب کے طریقے پر کیا جائے۔ سکونت اور نسبی قرابت کے اعتبار سے جو کافر قریب ترین ہوں ان سے جہاد شروع کیا جائے قریب ترین کافروں کو اصلاح طلبی اور شفقت کا سب سے زیادہ حق ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے اپنے قریب ترین خاندانوں والوں کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا اور ہجرت کے بعد بنی قریظہ بنی نضیر اور خیبر کے یہودیوں سے جہاد کرنے کا حکم سب سے پہلے دیا گیا جب عرب سے جہاد ختم ہو گیا اور ضرورت نہ رہی تو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا اس آیت میں رومیوں سے جہاد کرنے ہی کا حکم دیا گیا۔ رومی شام میں رہتے تھے (اور ایرانی عراق میں) اور عراق کی بہ نسبت شام مدینہ سے قریب تھا اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تبوک کی طرف رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے خروج کیا جیسا کہ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اور ابن ابی شیبہ و ابن المنذر نے مجاہد کے قول سے اور ابن جریر نے سعید بن جبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اس آیت کے مقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے علماء فقہ نے صراحت کی ہے کہ کفار کی سرحد کے قریب جو مسلمان رہتے ہوں ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہے اگر وہ کافی نہ ہوں اور زیادہ طاقت کی ضرورت ہو یا وہ سستی کریں اور حکم جہاد کی پرواہ نہ کریں تو ان سرحدی مسلمانوں کے متصل جو مسلمان رہتے ہوں ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہو جاتا ہے اور ان میں بھی اگر بقدر ضرورت طاقت نہ ہو یا سستی کی وجہ سے وہ جہاد ترک کر بیٹھیں تو ان سے پیچھے والے مسلمانوں کا وہی فریضہ ہو جاتا ہے جو سستی کرنے والوں کا تھا اسی ترتیب کے ساتھ مشرق مغرب کے تمام مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت ہو جاتی ہے۔ میت کی تجہیز و تکفین کا سامان مہیا کرنا اور میت کی نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے۔

وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے۔

غِلْظَةً کا معنی ہے شدت اور اسلام کی حمیت۔ حسن کے نزدیک غلظت سے مراد ہے جہاد پر صبر۔ بظاہر لیجدوا کا صیغہ امر کا ہے جس کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے اور کفار مامور ہیں لیکن حقیقت میں اس امر کا رجوع مسلمانوں کی طرف ہے اور مراد یہ ہے کہ مسلمانو! تم کافروں کے مقابلہ میں سختی اور شدت اختیار کرو (ان کو تمہارے اندر کوئی نرمی اور بزدلی محسوس نہ ہو)

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اور جان لو کہ اللہ کی مدد اور نصرت متقیوں کے ساتھ ہے کافروں کے ساتھ نہیں ہے اس لئے تم ان کی جنگ کی پرواہ نہ کرو۔ (خوف زدہ نہ ہو)

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا اور جب کوئی (جدید) سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافق (غرباء مسلمین سے بطور تمسخر) کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی سو (سنو) جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں ترقی دی ہے۔

یعنی جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو منافقوں میں سے کچھ لوگ اپنے بھائی بندوں سے بطور مذاق کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان و یقین میں اضافہ کیا اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا ایمانداروں کے ایمان کو نازل شدہ سورت بڑھاتی ہے سورت کے اندر جو اعجاز بیان ہوتا ہے اس سے مومنوں کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور نازل شدہ سورت پر

ان کو یقین ہو جاتا ہے اس لئے سابق ایمان کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے (پہلے اسی حصہ پر ان کا ایمان تھا جو نازل ہو چکا تھا پھر سورت جدیدہ پر بھی ان کا ایمان ہو جاتا ہے اور جو کچھ سورت میں علمی اور اعجازی حصہ ہوتا ہے وہ بھی ان کو حاصل ہو جاتا ہے اس طرح ایمان بڑھ جاتا ہے۔)

وَهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اور وہ (سورت کے نزول سے) خوش ہو رہے ہیں کیونکہ سورت کی وجہ سے ان کے علم و کمال میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کے درجات اونچے ہو جاتے ہیں۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور جن کے دلوں میں (نفاق کا) آزار ہے اس سورت نے ان میں ان کی (پہلی گندگی کے ساتھ اور نئی گندگی بڑھا دی اور وہ حالت کفر میں مر گئے۔

مرض سے مراد ہے شک و نفاق، رجس گندگی مراد کفر۔ یعنی پہلے وہ سابق میں نازل شدہ آیات و سور کے منکر تھے۔ اب اس جدید سورت کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کفر بالائے کفر ہو جاتا ہے۔

کفر کی حالت پر مرنے کی صراحت اس لئے فرمائی کہ ایمان ایک خداداد چیز ہے آیات کا کام ایمان بخشی نہیں۔ اللہ ایمان نہ دے تو آیات غیر مفید ہوتی ہیں۔ مجاہد نے کہا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے (یعنی ایمان مرکب ہے اس کے اجزاء میں کمی بیشی ہوتی ہے) حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک یا دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے تھے آؤ ہم اپنا ایمان بڑھائیں (یعنی اگر کوئی جدید آیت یا سورت نازل ہوئی ہو تو اس کو چل کر سنیں تاکہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہو) حضرت علیؓ نے فرمایا دل کے اندر ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے جتنا ایمان بڑھتا ہے اتنی ہی سفیدی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ پورا دل سفید ہو جاتا ہے اور نفاق دل میں سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے پھر جتنا نفاق بڑھتا ہے سیاہی بھی بڑھتی ہے یہاں تک کہ پورا دل کالا ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم مومن کا دل چیر کر دیکھو گے تو اس کو سفید پاؤ گے اور اگر منافق کا دل چیر کر دیکھو گے تو اس کو سیاہ پاؤ گے۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ ہر سال ایک یا دو بار وہ کسی آفت میں پھنسے رہتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں (کہ آئندہ باز آنے کی امید ہو)

یعنی طرح طرح کے امراض اور مصائب بھیج کر ان کی آزمائش کی جاتی ہے مجاہد نے کہا قحط اور شدت میں مبتلا کر کے آزمائش کی جاتی ہے قتادہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی میں جہاد کو جاتے ہیں اور جو صداقت کی نشانیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں ان کا مشاہدہ کرتے ہیں مقاتل بن حیان نے کہا ان کے نفاق کو ظاہر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی رسوائی ہوتی ہے عکرمہ نے کہا منافقت کرتے ہیں پھر ایمان لے آتے ہیں پھر منافق ہو جاتے ہیں یمان نے کہا عہد شکنی کرتے ہیں۔

پھر توبہ نہیں کرتے یعنی عہد شکنی سے گناہوں سے اور نفاق سے جو مصائب کے آنے اور رسوائیاں ہونے کا سبب ہے۔

اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں اس بات سے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر سے نصرت کا اور مسلمانوں سے فتح کا جو وعدہ کیا تھا اس کو کس طرح پورا کیا۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ اور جب کوئی سورہ اتاری جاتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتا ہے یعنی آنکھوں آنکھوں میں انکاریہ یا استہزائیہ اشارہ کرتا ہے یا آنکھوں کے اشارے سے غصہ کا اظہار کرتا ہے کہ اس سورہ میں ان کے عیوب کو بیان کیا گیا ہے اور ان کی رسوائی کی گئی ہے اور مجلس سے اٹھ کر بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہوئے آنکھوں کے اشارہ سے ایک دوسرے سے کہتا ہے۔

هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ کیا تمہیں کوئی (مسلمان) دیکھ رہا ہے اگر اس مجلس سے اٹھ جاؤ گے تو کیا کسی کی نظر

پڑ جائے کی پھر اگر کوئی مسلمان نہیں دیکھتا ہوتا تو وہ مسجد سے سرک جاتے اگر دیکھنے کا یقین ہوتا تو جمے بیٹھے رہتے۔

ثُمَّ انْصَرَفُوا پھر (یعنی اس سورت نازلہ پر ایمان لانے سے) پھر گئے بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اس مقام سے جہاں بیٹھے سورت سن رہے تھے یعنی مجلس رسول اللہ ﷺ سے پھر گئے بیٹھے رہنے میں ان کو رسوائی کا اندیشہ تھا۔

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اللہ نے ان کے دلوں کو (ایمان سے) پھیر دیا ابو اسحاق نے کہا اللہ نے ان کے کرتوت کی سزا میں ان کو گمراہ کر دیا۔ یہ جملہ (بجائے خبریہ ہونے کے) بددعائیہ بھی ہو سکتا ہے (مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دے۔ رہا سہا شائبہ ایمان بھی ان کے دلوں سے جاتا رہے)

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اس سبب سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (اپنی بدفہمی اور غلطی تدبر کی وجہ سے حق کو) نہیں سمجھتے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (اے لوگو)! تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول آیا ہے جو تمہاری جنس (بشر) سے ہے۔

مِنْ اَنْفُسِكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ہی جنس سے ہیں اسمٰعیلی نسل سے ہیں تم ان کے حسب نسب کو جانتے ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا عرب کے ہر قبیلہ سے رسول اللہ ﷺ کا نسبی تعلق تھا امام جعفر صادق نے فرمایا حضرت آدم سے لے کر آخری دور تک رسول اللہ ﷺ کے (سارے آباؤ و اجداد) جاہلیت کے نکاح کے طریقوں سے پاک رہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جاہلیت کے طریق زنا سے نہیں پیدا ہوا بلکہ اسی نکاح کے ذریعے سے پیدا ہوا جیسا اسلامی نکاح ہوتا ہے۔[۱]

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ جس کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔

مَا عَنِتُّمْ میں مَا زائد ہے (مصدر کے معنی میں ہے) یعنی تمہارا دشواری اور دکھ میں پڑ جانا حضرت ابن عباس نے فرمایا تمہارا گمراہ ہو جانا کلبی نے کہا وہ چیز رسول پر شاق ہے جو تم کو دشواری میں ڈال دے اور تم کو دکھ پہنچائے اس صورت میں موصولہ ہوگا۔

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ وہ تم پر (یعنی تمہارے مومن ہو جانے اور تمہارے احوال کے ٹھیک ہو جانے کے) بڑے حریص (خواہش مند) ہیں۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

رافت کا معنی ہے رحمت کی زیادتی۔ اس صورت میں رحیم سے رؤف کی تقدیم محض مقطع آیت کی رعایت کی وجہ سے ہوگی بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماں بردار کے لئے رؤف اور گناہ گاروں کے لئے رحیم ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا پھر اگر رو گردانی کریں یعنی ایمان سے منہ موڑ لیں اور آپ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔ یعنی اللہ کافروں کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور تمہارا کام پورا کرے گا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (کیونکہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ اسی پر میں نے بھروسہ کر لیا مجھے اس کے سوا نہ کسی سے امید ہے نہ خوف۔

---

[۱] جاہلیت کے نکاح کے مختلف طریقے ہوتے تھے طلعت حرب نے دول العرب والاسلام میں دور جاہلیت کے نکاح کے بیان میں ان کو مفصل لکھا ہے ایک طریقہ تو وہی تھا جو اسلام میں رائج تھا دوسرا طریقہ نکاح سفاح کا تھا تیسرا طریقہ نکاح بغایا کا تھا۔ یہ بھی دستور تھا کہ سوتیلا بڑا بیٹا اپنی سوتیلی بیوہ ماں پر چادر ڈال دیتا تھا یا کسی چھوٹے بھائی کے حق میں دست بردار ہو جاتا تھا اس کو بھی ازدواج کا ایک طریقہ مانا جاتا تھا۔

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۲۹﴾ اور وہ بڑی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔

عرش چونکہ مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس جگہ عرش عظیم کا ذکر کیا۔

عبد اللہ بن احمد نے حضرت ابی بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ سب سے آخر میں یعنی قرآنی آیات میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی دو آیات ہیں لقد جاء کم رسول سے ختم سورہ تک اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے پاس سے آنے والی آیات میں (ہمارے لئے) قریب ترین زمانہ والی یہی دو آیات ہیں۔[1]

فصل: سورۂ توبہ کا زیادہ حصہ جنگ تبوک کے واقعات کے سلسلہ میں نازل ہوا مختلف آیات کی تفسیر کے ذیل میں کچھ واقعات کا تذکرہ کر دیا گیا ہے ذیل میں تبوک سے تعلق رکھنے والے باقی واقعات اور ان معجزات کو بیان کیا جارہا ہے جو ان واقعات کے درمیان ظہور پذیر ہوئے تھے۔

طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن سلام کا بیان نقل کیا ہے حضرت عبد اللہ نے فرمایا تبوک کو جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ کا گذر خلیجہ کی طرف سے ہوا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (اونٹوں کے) پڑاؤ کے لئے یہی جگہ (مناسب معلوم ہوتی ہے) یہاں سایہ بھی ہے اور پانی بھی یعنی یہاں گوگل کے بڑے بڑے درختوں کا سایہ بھی ہے اور پانی (کے چشمے) بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کھیتی کی زمین ہے اونٹنی کو جانے دو (یہ خود جہاں ٹھیرنا ہو گا ٹھیر جائے گی) یہ مامور (من اللہ) ہے چنانچہ اونٹنی آگے بڑھی اور دومہ کے پاس جاکر بیٹھ گئی ذی المروہ کی مسجد میں۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وادی قری میں فروکش ہوئے تو بنی عریض کے یہودیوں نے ہریس (حلیم یا حلیم نما کوئی کھانا) پیش کیا۔ حضور ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور چالیس یہودیوں کو بھی کھلایا پلایا (یعنی ان کی دعوت کی) چنانچہ یہ سلسلہ قیامت کے دن تک ان کے لئے جاری رہے گا (یعنی بنی عریض کے لئے یہ دوامی پٹہ اور وثیقہ ہو گیا۔

امام مالک امام احمد اور بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت جابر حضرت ابو کبشہ انماری اور حضرت ابو حمید ساعدی کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب مقام حجر (قوم ثمود کے مسکن قدیم) کی طرف سے گذرے تو آپ نے چادر مبارک بطور نقاب کے اپنے چہرے پر ڈال لی آپ اس وقت کجاوہ پر سوار تھے اور اونٹنی کو تیز دوڑایا کہ قوم ثمود کے گھر پیچھے رہ گئے (آپ ان سے آگے بڑھ گئے) اور (آگے بڑھ کر) اترے ساتھ والے حجر کے باشندوں کی طرف لپکے اور انہوں نے ان کنوؤں سے پانی کھینچا جن سے قوم ثمود پانی پیتی تھی اسی پانی سے لوگوں نے آٹا گوندھا اور گوشت کی ہانڈیاں چڑھائیں جب یہ اطلاع حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ نے نماز کے لئے ندا کرائی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے

---

[1] یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے قرآن کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا اور لوگوں سے فرمایا جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن کا کوئی حصہ سیکھا ہو وہ ہمارے پاس لے کر آجائے لوگوں نے قرآن مجید کی آیات کاغذوں پر تختیوں پر اور درختوں کے پوست پر لکھ رکھی تھیں، حسب الحکم لوگ لانے لگے لیکن آپ کسی کی لائی ہوئی کوئی آیت قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو شاہد شہادت نہیں دے دیتے تھے (کہ یہ قرآن کی آیات ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعلیم دی تھی) آپ جمع ہی کر رہے تھے کہ آپ کو شہید کر دیا گیا اس کے بعد حضرت عثمان بن عفان آپ کی جگہ ہوگئے اور حضرت عثمان نے فرمایا جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہو وہ میرے پاس لے آئے آپ بھی کوئی آیت بغیر دو شاہدوں کے شہادت دیئے نہیں قبول کرتے تھے حضرت خزیمہ بن ثابت نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگوں نے دو آیتیں نہیں لکھیں حضرت عثمان نے فرمایا وہ کون سی ہیں حضرت خزیمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو آیتیں سیکھی تھیں۔ لقد جاء کم رسول من انفسکم آخر تک حضرت عثمان نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ دونوں آیات اللہ کی طرف سے (آئی) ہیں اب بتائیے آپ کی رائے میں ان کو کہاں رکھنا چاہئے۔

حضرت خزیمہ نے جواب دیا قرآن کا جو حصہ آخر میں نازل ہوا تھا اس کے خاتمہ پر ان کو رکھیے چنانچہ سورۂ برائت کے خاتمہ پر ان آیات کو لکھ دیا گیا۔

تو فرمایا ان لوگوں کے مکانوں میں تم لوگ نہ داخل ہو جنھوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا تھا کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو ان پر آیا تھا ہاں روتے ہوئے (وہاں جاسکتے ہو) ان کے کنوؤں کا پانی بھی نہ پیو اور نماز کے لئے اس پانی سے وضو بھی نہ کرو ہانڈیوں کو الٹ دو اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔ اس کے بعد حضور ﷺ یہاں سے روانہ ہو کر اس کنویں پر پہنچے جس کا پانی (حضرت صالح کی) اونٹنی پیا کرتی تھی اور فرمایا معجزات طلب نہ کرو قوم صالح نے معجزات طلب کئے تھے انہوں نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی تھی کہ معجزہ پیش کریں چنانچہ اللہ نے (پہاڑ کے اندر سے) اونٹنی بطور معجزہ برآمد کر دی تھی اونٹنی اس گھاٹی سے (پانی پر) آتی تھی اور اس گھاٹی سے نکل کر جاتی تھی اونٹنی ایک دن میں ان کا سارا پانی پی جاتی تھی (اور قوم کے جانوروں کو اور آدمیوں کو اس روز پانی نہیں ملتا تھا) ایک دن لوگ اس اونٹنی کا دودھ پی کر گذارا کرتے تھے آخر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں (اور اس کو قتل کر دیا) نتیجہ یہ ہوا کہ ایک چیخ سب پر ایسی پڑی جس کی وجہ سے اس آسمان تلے ان میں کا کوئی شخص سوائے ایک آدمی کے زندہ نہ بچا سب کو اللہ نے ٹھنڈا کر دیا یہ شخص کعبہ کے اندر تھا (اس لئے بچ گیا) عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون شخص تھا فرمایا ابو رغال، پھر یہ بھی جب حرم خداوندی سے باہر نکلا تو اس پر بھی ویسا ہی عذاب آ پہنچا جیسا دوسرے قوم والوں پر آیا تھا تم کو ایسے لوگوں کے پاس نہ جانا چاہئے جن پر اللہ نے غضب نازل کیا تھا ایک آدمی نے اس (بیان) پر تعجب کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں اس سے بھی زیادہ تعجب آفریں بات کی تم کو خبر دیتا ہوں ایک آدمی جو تم میں سے ہی ہے تم کو گزشتہ لوگوں کے واقعات بتا رہا ہے اور جو آئندہ تمہارے بعد ہونے والے واقعات ہوں گے ان کی بھی اطلاع دے رہا ہے تم استقامت رکھو اور سیدھی چال چلو تم کو عذاب دینے کی اللہ کچھ بھی پروا نہیں کرتا۔ آئندہ اللہ کچھ لوگ ایسے پیدا کرے گا جو اپنے اوپر سے کچھ بھی دفع نہ کر سکیں گے آج رات ایک تیز ہوا چلے گی کوئی کھڑا نہ رہے جس کے پاس اونٹ ہو وہ اونٹ کے گھٹنا مضبوط باندھ دے تم میں سے کوئی بغیر کسی کو ساتھ لئے باہر نہ نکلے۔ حضور ﷺ کی ہدایت کے بموجب لوگوں نے عمل کیا لیکن بنی ساعدہ کے دو آدمی اس ہدایت کی تعمیل نہ کر سکے ایک تو رفع حاجت کے لئے باہر گیا ہوا تھا اور دوسرا اپنا اونٹ ڈھونڈنے (کہیں) گیا تھا ہوا نے اس کو اڑا کر قبیلہ طے کے پہاڑ پر جا پھینکا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع دی گئی تو فرمایا کیا میں نے تم کو بغیر کسی کو ساتھ لئے باہر نکلنے کی ممانعت نہیں کر دی جو شخص راستہ میں ہی گلو بستہ ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور وہ تندرست ہو گیا اور دوسرے شخص کو قبیلہ طے نے (زندہ حالت میں) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا یہ شخص اس وقت خدمت گرامی میں پہنچا جب آپ مدینہ واپس آچکے تھے۔ پانی کے لئے دعا کرنے کا قصہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ محمد بن عمر اور محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کھو گئی لوگ اس کی تلاش میں نکلے زید بن نصیب قبیلہ بنی قینقاع کا ایک یہودی تھا جو مسلمان ہو گیا تھا مگر تھا دل میں منافق اور حضرت عمارہ بن حزم کے پڑاؤ پر رہتا تھا یہ کہنے لگا محمد نبی ہونے کا اور آسمانی خبریں دینے کا تو دعویٰ کرتے ہیں لیکن خود اتنا نہیں جانتے کہ اونٹنی کہاں گئی۔ حضرت عمارہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے (منافق نے یہ بات ان کی غیر موجودگی میں کہی تھی) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا منافق نے ایسی بات کہی ہے۔ خدا کی قسم میں تو اتنا ہی جانتا ہوں جتنا اللہ نے مجھے بتا دیا ہے۔ اب مجھے اللہ نے اطلاع دی ہے کہ اونٹنی وادی کے اندر فلاں گھاٹی میں ہے حسب فرمان لوگ وہاں گئے اونٹنی مل گئی اس کو لے آئے۔ اب عمارہ زید کے پاس پہنچے اور اس کا گلا دباتے ہوئے کہا اللہ کے دشمن میرے پڑاؤ سے نکل جا میرے ساتھ نہ رہ۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زید نے (اس کے بعد سچے دل سے) توبہ کر لی تھی بعض کہتے ہیں وہ منافق ہی رہا اور اسی حالت میں مرا۔ اسی غزوہ میں وہ واقعہ بھی ہوا تھا جو مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر سے پہلے رفع حاجت کے لئے گئے (لوگ نماز کا انتظار کرتے رہے) جب اجالا زیادہ ہو گیا اور سورج نکلنے کا اندیشہ ہو گیا تو انہوں نے حضرت عبد الرحمن بن عوف کو آگے بڑھا دیا اور آپ نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے رفع حاجت کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور وضو کرنا چاہا مگر کرتہ کی آستینیں تنگ تھیں (اوپر نہ چڑھ سکیں) آپ نے اندر سے آستینوں سے ہاتھ نکال کر وضو کیا اور

موزوں پر مسح کیا پھر ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی اور ایک رکعت (فوت شدہ) ادا کی پھر سلام پھیرا اور فرمایا تم نے اچھا کیا نماز کو وقت پر پڑھا کرو۔ کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک اس نے اپنی امت کے کسی نیک آدمی کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھ لی ہو (یعنی میں نے عبدالرحمن کے پیچھے جو نماز پڑھی یہ کوئی نئی بات نہیں نہ اس سے میری توہین ہوئی ہر نبی کی یہی سنت ہے ہر نبی نے اپنی وفات سے پہلے اپنی امت کے کسی مرد صالح کے پیچھے نماز ضرور پڑھی ہے)۔

احمد اور طبرانی کا بیان ہے کہ حضرت سہیل بن بیضاء کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور بلند آواز سے فرمایا سہیل سہیل نے عرض کیا میں حاضر ہوں حضور ﷺ نے یہ لفظ تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار سہیل نے جواب میں لبیک کہا اس سے لوگ سمجھے کہ حضور ﷺ کا مقصد ہم کو خطاب کرنا ہے چنانچہ سب جمع ہو گئے جب سب آگئے تو ارشاد ہوا جس نے شہادت دی کہ اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں تو اللہ نے اس کے لئے دوزخ کو حرام کر دیا۔

محمد بن عمر نے اور دلائل میں ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ ایک بڑا سانپ (ایک بار) لوگوں کے راستہ میں آپڑا۔ راوی نے سانپ کی لمبائی موٹائی کا ذکر کیا ہے (یعنی بڑا موٹا سانپ تھا) پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ سانپ بڑھا اور آکر کھڑا ہو گیا آپ اس وقت اونٹنی پر سوار تھے لوگ حضور ﷺ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اونٹنی کھڑی ہو گئی فرمایا یہ سانپ آٹھ جنات کی اس جماعت میں سے ہے جو قرآن سننے میرے پاس آئے ہیں یہ تم کو سلام کہہ رہا ہے سب حاضرین نے جواب دیا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امام احمد نے صحیح سند سے حضرت حذیفہ کے حوالہ سے حضرت معاذ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا انشاء اللہ کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور دن چڑھے پہنچو گے جو شخص (پہلے) پہنچ جائے گا وہ میرے پہنچنے تک پانی کو ہاتھ نہ لگائے چنانچہ (حضور ﷺ کے فرمانے کے مطابق) ہم وہاں پہنچ گئے مگر ہم سے پہلے دو آدمی وہاں پہنچ چکے تھے چشمہ سے پانی (پتلی دھار سے) چمڑے کے تسمے کی طرح بہہ رہا تھا حضور نے ان دونوں آدمیوں سے دریافت فرمایا کیا تم نے پانی کو چھوا ہے انہوں نے جواب دیا جی ہاں آپ نے ان کو سخت سست کہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا ان کو فرمایا پھر لوگوں نے چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر ایک مشکیزہ میں بھرا اور رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنے ہاتھ دھوئے اور منہ بھی اور کلی بھی (اس میں) کی اس کے بعد لوٹا کر پانی کو چشمہ میں ڈال دیا۔ ڈالتے ہی پانی بکثرت بہنے لگا ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ پانی (زمین پھٹ کر نکلا اور اس) سے ایسا تڑاکا ہوا کہ سننے والے کہنے لگے یہ آواز تو بجلی کڑکنے کی طرح ہے تبوک میں ابھی پانی کا فوارہ موجود ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا معاذ اگر تمہاری زندگی کچھ طویل ہوئی تو دیکھ لوگے یہاں آس پاس باغ ہو جائیں گے۔ بیہقی اور ابو نعیم نے عروہ کی روایت سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ تبوک کا چشمہ فوراً اچھلنے لگا یہاں تک کہ بھر گیا اور اب تک اسی طرح ہے امام احمد اور نسائی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تبوک کے سال ایک روز رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اس وقت کھجور کے ایک درخت سے آپ پشت کا سہارا لگائے ہوئے تھے حضور ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے اور سب سے برا کون ہے سب سے اچھے آدمیوں میں سے تو وہ شخص ہے جو گھوڑے یا اونٹ کی پشت پر سوار ہو کر یا پیدل سامان اٹھائے ہوئے مرتے دم تک راہ خدا میں جہاد میں مشغول رہتا ہے اور بدترین آدمیوں میں سے وہ شخص ہے جو اللہ کی کتاب (تو) پڑھتا ہے (مگر) اس کے احکام کی طرف متوجہ ہو کر (اپنی کسی خواہش سے) باز نہیں آتا ابوداؤد نے حضرت عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (بکری یا بھیڑ وغیرہ کا) پہلو (یعنی ایک طرف کا سینہ) پیش کیا گیا آپ نے چھری منگوائی اور بسم اللہ کہہ کر اس کو کاٹا۔

امام احمد اور ابوداؤد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے ایک لڑکا آپ کے سامنے سے گذرا آپ نے فرمایا اے اللہ اس کے اثر (نشان قدم یا قدم) کو کاٹ دے چنانچہ وہ لنجا ہو گیا (پاؤں سے معذور ہو گیا) محمد بن عمر نے بنی سعد کے ایک آدمی کی روایت سے بیان کیا کہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے وہیں خدمت گرامی میں

حاضر ہوا حضور ﷺ نے فرمایا بلال ہم کو کھانا کھلاؤ بلال نے کئی بار اپنے ہاتھ سے گھی اور پنیر میں گوندھی ہوئی کھجوریں نکالیں ہم سب نے وہ کھائیں اور سب شکم سیر ہو گئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پہلے تو میں اکیلا اتنا کھالیا کرتا تھا فرمایا کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے پھر دوسرے روز جب میں خدمت گرامی میں پہنچا تو آپ کے آس پاس دس آدمی بیٹھے ہوئے تھے بلال سے فرمایا بلال ہم کو کھانے کو دو۔ بلال تھیلی سے مٹھی بھر بھر کر چھوارے نکالنے لگے فرمایا نکالو اور مالک عرش کے نادار ہونے کا اندیشہ نہ کرو (یعنی اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں وہ کل کو پھر دے گا) حضرت بلال نے پوری تھیلی لاکر بکھیر دی میرے اندازہ میں کل چھوارے دو سیر ہوں گے رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک چھواروں پر رکھ دیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ سب نے کھایا میں نے بھی ان کے ساتھ کھایا کھا چکنے کے بعد بھی چمڑے کے دستر خوان پر اتنے ہی چھوارے معلوم ہوتے تھے جتنے بلال لائے تھے معلوم ہوتا تھا ہم نے ایک چھوارہ بھی نہیں کھایا۔ (تیسرے روز) صبح کو میں پھر گیا اور گزشتہ دن والی جماعت بھی دوبارہ آگئی وہ دس تھے یا ایک دو زیادہ تھے حضور ﷺ نے بلال سے فرمایا بلال کھانا کھلاؤ بلال وہی تھیلی لے آئے میں اس کو پہچانتا تھا انہوں نے تھیلی بکھیر دی حضور نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ ہم نے کھایا سب سیر ہو گئے پھر چھوارے اتنے ہی ہو گئے جتنے بکھیرے تھے ایسا تین روز ہوا۔

ایک اور قصہ میں محمد بن عمر ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت عرباض بن ساریہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت عرباض کا کہنا ہے کہ ہم تین آدمی تھے میں اور جعال بن سراقہ اور عبداللہ بن معقل مزنی ہم سب بھوکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر پڑے زندگی کے دن گزارتے تھے ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے خیمہ میں داخل ہوئے ساتھ میں آپ کی بی بی حضرت ام سلمہ بھی تھیں اندر جا کر کچھ کھانے کو ڈھونڈا مگر کچھ نہیں ملا باہر نکل کر حضرت بلال کو آواز دی اور فرمایا ان لوگوں کے طعام شب کے لئے کچھ ہے حضرت بلال نے تھیلیاں لے کر ایک ایک تھیلی جھاڑنی شروع کی اور تھیلیوں میں سے ایک ایک دو دو چھوارے گرنے لگے۔ کل سات چھوارے گرے ان کو پلیٹ میں رکھ دیا گیا پھر حضور ﷺ نے ان پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بسم اللہ کی اور فرمایا بسم اللہ کر کے کھاؤ، ہم نے کھایا، میں نے گن کر ۵۴ چھوارے کھائے۔ میں گنتا جا رہا تھا اور ان کی گٹھلیاں دوسرے ہاتھ میں رکھ رہا تھا میرے دونوں ساتھی بھی وہی کر رہے تھے جو میں کر رہا تھا (اوسطاً) ہم میں سے ہر ایک نے پچاس چھوارے کھائے آخر ہاتھ کھینچ لئے لیکن وہ سات چھوارے ویسے کے ویسے ہی رہے حضور ﷺ نے فرمایا بلال ان کو اٹھا لو سب کا پیٹ بھر گیا اب کوئی نہیں کھاتا، جب صبح ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھ لی تو خیمہ کی طرف جا کر خیمہ کے آگے صحن میں بیٹھ گئے ہم بھی گرد اگرد بیٹھ گئے ہم دس آدمی تھے فرمایا کیا تم لوگوں کے لئے صبح کا کھانا ہے (انکار کرنے کے بعد) چھواروں سمیت بلال کو طلب فرمایا اور دست مبارک چھواروں کی پلیٹ پر رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کر کے کھاؤ حسب الحکم ہم نے کھایا قسم ہے اس کی جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا ہم دس تھے سب کے پیٹ بھر گئے سیر ہونے کے بعد سب نے ہاتھ اٹھا لئے مگر چھوارے ویسے ہی رہے جیسے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب مجھے اللہ سے (مزید دعا کرتے) شرم آتی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو مدینہ پہنچنے تک ہم انہی چھواروں کو کھاتے رہتے۔ اتفاقاً "شہر کا ایک چھوٹا لڑکا سامنے آگیا رسول اللہ ﷺ نے چھوارے دست مبارک میں لے کر اس کو دے دیئے وہ چھوارے چباتا پشت پھیر کر چلا گیا۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ تبوک میں ایک تیز ہوا چلی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک بڑے منافق کی موت کے لئے یہ ہوا چلی ہے (چنانچہ) لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑا منافق مر گیا ہے

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ بنی سعد کے کچھ شکستہ حال لوگ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ہیں اور ہمارے ایک کنوئیں پر چھوڑ کر آئے ہیں جس میں پانی کم ہے اور یہ سخت گرمی ہے اگر ہم وہاں کی سکونت ختم کر دیں تو اندیشہ ہے کہ ہم کاٹ دیئے جائیں گے کیونکہ علاقے کے اطراف میں ابھی اسلام نہیں پہنچا

آپ ہمارے پانی کے لئے اللہ سے دعا فرمائیں اگر ہم (بقدر ضرورت) سیراب ہو گئے تو ہم سے زیادہ باعزت (وہاں) کوئی قوم نہ ہوگی، ہمارے دین کا کوئی مخالف ہمارے پاس پھٹکنے بھی نہ پائے گا۔ فرمایا چند کنکریاں لا کر مجھے دے دو ایک شخص نے تین کنکریاں لا کر دے دیں۔ حضور ﷺ نے کنکریوں کو ہاتھ میں لے کر ملا اور فرمایا انکو لے جا کر ایک ایک کر کے بسم اللہ کر کے

کنویں میں ڈال دو۔ لوگ واپس چلے گئے اور حسب ہدایت عمل کیا فوراً کنواں ابل پڑا پھر ان لوگوں نے اپنے مخالف مشرکوں کو وہاں سے نکال دیا اور روند ڈالا۔

رسول اللہ ﷺ جب لوٹ کر مدینہ پہنچے تو بنی سعد والے آس پاس کے سب لوگوں کو اسلام پر متفق کر چکے تھے اور سب مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کے مطیع ہو چکے تھے۔

طبرانی نے حضرت ابن عمرو معاویہ بن ابی سفیان کی روایت سے اور بیہقی وابن سعد نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا راوی کا بیان ہے کہ (ایک روز) طلوع کے وقت سورج میں ایسی چمک، نور اور شعاعیں دکھائی دیں کہ گزشتہ ایام میں کبھی نہیں دیکھی تھیں حضرت جبرئیل آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا حضرت جبرئیل نے کہا آج مدینہ میں معاویہ بن معاویہ مزنی کا انتقال ہو گیا اس شعاعی تغیر) کی یہی وجہ ہے اللہ نے ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے بھیجے ہیں کیا آپ بھی ان کی نماز پڑھیں گے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں، چنانچہ حضور ﷺ نے (غائبانہ) نماز جنازہ پڑھی اور ملائکہ نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنالیں نماز سے فارغ ہو کر حضرت جبرئیل سے فرمایا معاویہ اس مرتبہ کا مستحق کس سبب سے قرار پایا حضرت جبرئیل نے جواب دیا وہ قل ہو اللہ احد سے محبت رکھتا تھا اٹھتے بیٹھتے سوار پیدل ہر حالت میں قل ہو اللہ پڑھا کرتا تھا حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ حدیث دوسری سندوں سے بھی مروی ہے اور ایک سند دوسری سند کی تائید کرتی ہے۔

طبرانی اور ابو نعیم نے عمرو اسلمی کے دادا کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک کے لئے نکلے تو اس سفر میں میں حضور ﷺ کی خدمت پر تھا میں نے دیکھا کہ کپی میں گھی کم رہ گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے مجھے کھانا تیار کرنا تھا اس لئے کپی کو دھوپ میں رکھ دیا (تاکہ گھی پگھل کر یکجا ہو جائے تو نکالا جاسکے) کپی کو دھوپ میں رکھ کر میں سو گیا کپی میں ابال آیا اور گھی کے جوش مارنے کی آواز سے میں بیدار ہو گیا میں نے فوراً اپنے ہاتھ سے کپی کا منہ بند کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تو اس کو چھوڑ دیتا تو وادی گھی سے بہ نکلتی (یعنی پانی کی طرح وادی میں گھی کا سیلاب آجاتا) حارث بن اسامہ نے حضرت بکر بن عبداللہ مزنی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ خط قیصر کے پاس لے جائے گا اس کے لئے جنت ہے ایک شخص نے عرض کیا خواہ قیصر خط کو قبول نہ کرے (فرمایا ہاں) وہ شخص خط لے کر قیصر کے پاس پہنچا قیصر نے خط پڑھ کر کہا تم اپنے نبی سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا تابعدار ہوں مگر میں اپنی حکومت نہیں چھوڑنا چاہتا۔ قیصر نے اس شخص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ اشرفیاں بھی بھیجیں قاصد نے لوٹ کر رسول اللہ ﷺ سے قیصر کا پیام عرض کر دیا حضور نے فرمایا اس نے جھوٹ کہا پھر اشرفیاں آپ نے تقسیم کر دیں۔

امام احمد اور ابو یعلی نے حسن سند کے ساتھ سعید بن ابی راشد کی روایت سے ہرقل کے قاصد تنوخی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک پہنچ کر دحیہ کلبی کو ہرقل کے پاس (خط دے کر) بھیجا ہرقل کے پاس نامہ مبارک پہنچ گیا تو اس نے روم کے عیسائی علماء اور پادریوں کو بلوایا جب سب آگئے تو کمرہ کا بیرونی دروازہ بند کرا دیا پھر حاضرین سے کہا تم دیکھ رہے ہو کہ یہ شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) تبوک میں فروکش ہے اور اس نے تین باتوں کی مجھے اجازت دے دی ہے کہ ان تین میں سے ایک بات کو اختیار کر لوں (۱) یا تو محمد ﷺ جب نبی ہیں اس کا اتباع کر لوں یعنی عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤں۔ (۲) یا ہم اپنے ملک پر قابض رہیں اور ملک کی پیداوار کا کچھ حصہ (بطور جزیہ) ان کو دے دیا کروں (۳) یا ہم ان سے جنگ کریں تم کتابوں میں کچھ پڑھتے ہو اس سے واقف ہو گئے ہو کہ ہم اگر ان کے دین کا اتباع کر لیں یا اپنی زمین پر قابض رہتے ہوئے اپنا مال بطور جزیہ ان کو ادا کریں لڑنے میں تو کامیابی ممکن نہیں یہ سن کر سب جھنجلا گئے اور ایک آواز ہو گئے اور غصہ کا جواب یا پھر اٹھ کر نکل چلے اور بولے تم ہم کو نصرانیت چھوڑ دینے یا حجاز کے ایک اعرابی کے غلام بن جانے کا مشورہ دے رہے ہو ہرقل نے خیال کیا کہ اگر یہاں سے یہ لوگ نکل گئے تو رومیوں کو میرے خلاف بگاڑیں گے اس لئے فوراً اوپر چڑھ کر اس نے کہا میں نے تو یہ بات صرف تمہاری دینی حمیت و پختگی کو جانچنے کے لئے کہی تھی (سب لوگ واپس آگئے) ایک شخص نجیب تھا جو عرب تھا اور عرب کے عیسائیوں کا سر گروہ اس کو مقرر کیا گیا تھا ہرقل نے اس کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ کسی ایسے شخص کو لاؤ جو بات یاد رکھ سکے اور جس کی زبان عربی ہو۔ میں اس کو اس (مدعی

نبوت) کے خط کا جواب دے کر بھیجنا چاہتا ہوں چنانچہ (تجیب کی معرفت) مجھے بلوایا گیا اور ہرقل نے مجھے ایک خط دے کر کہا میرا یہ خط اس شخص کے پاس لے جاؤ اور جو بات تم اس سے سنو اس کو یاد رکھنا تین چیزیں یاد رکھنے کے قابل ہیں (۱) اس نے جو خط بھیجا ہے اسکا کچھ تذکرہ کرتا ہے یا نہیں (۲) یہ بھی غور کرنا کہ میرے اس خط کو پڑھ کر وہ رات کا (لفظاً اپنے کلام میں) ذکر کرتا ہے یا نہیں (۳) اس کی پشت کو دیکھنا کہ پشت پر کوئی چیز تمہارے لئے شک آفریں ہے یا نہیں۔ میں ہرقل کا خط لے کر تبوک پہنچا رسول اللہ ﷺ اپنے صحابیوں کے ساتھ پانی (یعنی چشمہ) پر گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے تھے میں نے حاضرین سے پوچھا تمہارا سردار کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا یہ موجود ہیں میں چل کر ان کی طرف گیا اور سامنے جا کر بیٹھ گیا اور ان کو وہ خط دے دیا انہوں نے خط کو گودی میں رکھ لیا اور فرمایا تم کس قبیلہ سے ہو۔ میں نے کہا تنوخ سے فرمایا کیا تم کو اسلام کی رغبت ہے جو خالص توحید کا مسلک اور تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے میں نے کہا میں ایک قوم کا قاصد ہوں اور ایک قوم کے مذہب پر ہوں اور واپس پہنچنے تک اسی مذہب پر رہوں گا آپ ہنس دیئے اور فرمایا انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین اے تنوخی میں نے ایک خط کسریٰ کو بھیجا تھا اس نے خط کو پارہ پارہ کر دیا اللہ اس کو اور اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دے گا۔ میں نے نجاشی کو بھی خط بھیجا تھا اس نے بھی خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اللہ اس کو اسکے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور میں نے تیرے آقا کو بھی خط لکھا تھا اس نے میرے خط کو (تھام) لیا روک لیا (نہیں پھاڑا) اس لئے جب تک اس کی زندگی میں بہتری ہو گی لوگ اس کا رعب محسوس کرتے رہیں گے (یعنی اس کی حکومت باقی رہے گی) میں نے کہا میرے آقا نے جن تین باتوں کو یاد رکھنے کی ہدایت کی تھی ان میں سے ایک تو یہ ہے چنانچہ تیر دان سے میں نے ایک تیر نکال کر (اسکی نوک سے) تلوار کی نیام پر یہ بات لکھ لی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے میرا دیا ہوا خط اپنے بائیں ہاتھ پر بیٹھے ہوئے آدمی کو دے دیا میں نے کہا یہ خط پڑھنے والا کون ہے لوگوں نے کہا معاویہ میرے آقا کے خط میں لکھا ہوا تھا۔ آپ مجھے جنت کی طرف بلا رہے ہیں جس کی پہنائی آسمان و زمین (کے برابر) ہے اور وہ مومنوں کے لئے تیار کی گئی ہے تو بتایئے دوزخ کہاں ہے (کیا سارے جہان سے باہر ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ رات (سارے جہان میں یا کسی ملک میں) آجاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے میں نے فوراً ترکش سے تیر نکال کر (اس کی نوک سے) تلوار کی نیام پر یہ بات لکھ لی۔ خط پڑھنے سے فارغ ہو کر فرمایا تمہارا حق ہے تم قاصد ہو اگر ہمارے پاس کچھ انعام دینے کو ہوتا تو ہم تم کو دیتے مگر ہم نادار مسافر ہیں فوراً جماعت میں سے ایک آدمی نے پکار کر کہا میں اس کو انعام دوں گا چنانچہ اس نے اپنا سامان کھولا اور ایک زرد رنگ کا جوڑا کپڑوں کا نکال کر میری گود میں رکھ دیا۔ میں نے پوچھا یہ انعام دینے والا کون ہے لوگوں نے کہا عثمان، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کو مہمان کون رکھے گا ایک انصاری جوان بولا میں چنانچہ انصاری اٹھ کھڑا ہوا میں بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا جب مجلس سے میں نکل گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پکار کر فرمایا تنوخی ادھر آؤ میں تیزی کے ساتھ لپکتا پہنچا اور اسی جگہ بیٹھ گیا جو حضور کے سامنے تھی آپ نے اپنی پشت سے گوٹ کھول دی اور فرمایا ادھر جاؤ (یعنی پشت کی طرف بیٹھو) میں پشت کی طرف جا کر بیٹھ گیا تو مجھے ایک موٹی سینگی کی طرح مہر نبوت دکھائی دی جو شانہ کے موڑ کی جگہ پر تھی۔ محمد بن عمر کا بیان ہے پھر یہ شخص واپس چلا گیا اور جا کر ہرقل سے ساری روئیداد کہہ دی ہرقل نے اپنی قوم کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا یہاں تک کہ اس کو اپنی حکومت کے زوال کا اندیشہ ہو گیا اس وقت وہ حمص میں تھا اس نے کوئی حرکت نہیں کی نہ اپنی جگہ سے سرکا جس نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ ہرقل اپنے ساتھیوں کو تیار کر کے سب کو لے کر وادی شام کے قریب آگیا اس کی یہ اطلاع غلط تھی ہرقل نے تو اس کا ارادہ بھی نہیں کیا نہ اسکا یہ مقصد تھا۔

سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ ہرقل نے کچھ تحفے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجے تھے حضور ﷺ نے ان کو قبول فرمالیا اور مسلمانوں کو بانٹ دیا ہرقل نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ ندا کر دے کہ ہرقل محمد پر ایمان لے آیا اور ان کا تابعدار ہو گیا۔ یہ اعلان سنکر مسلح فوجیں گھس آئیں اور ہرقل کو قتل کرنے کے ارادے سے قصر کا محاصرہ کر لیا۔ ہرقل نے ان

کے پاس پیام بھیجا کہ میں تو تمہاری دینی پختگی کی جانچ کرنا چاہتا تھا تمہارا یہ جوش دیکھ کر میں خوش ہو گیا (اب جاؤ) فوجی یہ بات سنکر ہر قل سے راضی ہو گئے (اور واپس چلے گئے) اس کے بعد ہر قل نے ایک خط لکھ کر دحیہ کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا خط میں لکھا تھا میں بلاشبہ مسلم ہوں مگر بے بس ہوں رسول اللہ ﷺ نے خط پڑھ کر فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا اللہ کی قسم وہ مسلمان نہیں ہے عیسائیت پر قائم ہے۔

بیہقی نے بحوالہ ابن اسحاق یزید بن رومان اور عبداللہ بن بکر کا بیان نقل کیا ہے نیز بیہقی نے خود عروہ بن زبیر کا قول بیان کیا ہے کہ جب تبوک سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا رخ کیا تو رجب ۹ ہجری میں خالد بن ولید کو ۴۲۰ سواروں کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف اکیدر بن عبدالملک (حاکم دومۃ الجندل) کو گرفتار کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اکیدر ایک کندی عیسائی تھا حضرت خالد نے عرض کیا میرے ساتھ تھوڑے آدمی ہیں۔ بنی کلاب کی بستیوں کے اندر پہنچ کر اکیدر کو گرفتار کرنا کیسے ممکن ہو گا۔ فرمایا تم اس کو شکار کھیلتے ہوئے پاؤ گے گرفتار کر لینا پھر اللہ دومۃ الجندل کی فتح عنایت فرما دے گا جب تم اس کو پکڑ لو تو قتل نہ کرنا میرے پاس لے آنا حسب الحکم خالد چلے گئے۔ اور اس کے قلعہ سے اتنی دور رہ گئے جتنی دور صاف چاندنی رات میں نگاہ پہنچ سکتی ہے (یعنی بقدر حد نظر) اکیدر اس وقت مکان کی چھت پر اپنی بی بی رباب بنت انیف بن عامر کندی کے ساتھ موجود تھا (سخت گرمی تھی) گرمی کی وجہ سے ایک مغنیہ باندی کو لے کر وہ قلعہ کے اوپر چڑھ گیا پھر اس نے شراب (یا شربت) منگوا کر پی اتفاقاً کسی نیل گائے نے قلعہ کے پاس آکر قلعہ کے دروازہ سے سینگ رگڑنا شروع کر دیئے نیل گائے کو دیکھ کر اکیدر نیچے اتر کر (شکار کے ارادہ سے) گھوڑے پر سوار ہو گیا اس کے ساتھ اس کے چند گھر والے بھی سوار ہو گئے ایک تو اس کا بھائی حسان تھا اور دو غلام تھے یہ سب چھوٹے بھالے لے کر قلعہ سے نکل پڑے۔ جب قلعہ سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے تو خالد کے آدمیوں نے اکیدر کو پکڑ لیا اکیدر قیدی ہو گیا حسان نے قیدی ہونا قبول نہیں کیا اور لڑ کر مارا گیا۔ دونوں غلام اور دوسرے ساتھی بھاگ کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ حسان کے بدن پر اس وقت زربفت کی قباء تھی اس کی قبا اتار لی گئی۔ پھر خالد نے اکیدر سے کہا میں تم کو قتل سے امن دے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جا سکتا ہوں بشرطیکہ تم دومہ کو فتح کرا دو اکیدر نے کہا اچھا! خالد اکیدر کو لے کر قلعہ کے پاس پہنچے اکیدر نے قلعہ والوں کو آواز دی کہ دروازہ کھول دو۔ اہل قلعہ نے دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اکیدر کے بھائی مصاد نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا اکیدر نے خالد سے کہا تم کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ قلعہ والوں نے جب مجھے تمہاری قید میں دیکھ لیا ہے تو اب میرے کہنے سے بھی وہ دروازہ نہیں کھولیں گے اس لئے مجھے آزاد کر دو میں خدا کو اور اپنے وعدہ کی پختگی کو ضامن دیتا ہوں کہ اگر میرے اہل و عیال کی امان کی شرط پر تم مجھ سے صلح کر لو گے تو میں قلعہ کھول دوں گا خالد نے کہا میں (ان شرطوں پر) تم سے صلح کرتا ہوں اکیدر نے کہا اگر تم چاہو تو (مقدار مال کی تعیین کا) فیصلہ خود کر دو اور اگر چاہو تو مجھے (مقدار مال کی تعیین) فیصلہ کا اختیار دے دو۔ خالد نے کہا تم جو چاہو دے دینا ہم لے لیں گے چنانچہ دو ہزار اونٹ چار سو خود چار سو زرہیں اور چار سو نیزے بدل صلح قرار پائے اور یہ شرط بھی ضروری قرار پائی کہ حضرت خالد اکیدر اور اس کے بھائی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جائیں گے اور حضور ﷺ جو فیصلہ انکا چاہیں گے کر دیں گے اس کے بعد خالد نے اکیدر کو رہا کر دیا اکیدر نے جا کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ خالد نے اندر داخل ہو کر اکیدر کے بھائی مصاد کو گرفتار کر لیا اور بدل صلح وصول کرنے کے بعد عمرو بن امیہ ضمری کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بشارت دینے کے لئے بھیج دیا اور ضمری کے ساتھ حسان کی قباء بھی روانہ کر دی حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ اکیدر کے بھائی حسان کی قباء جب خدمت گرامی میں پیش ہوئی تو مسلمان ہاتھوں سے چھو کر (اس کی نرمی اور بناوٹ کو) دیکھنے اور تعجب کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم کو اس (کی صنعت اور خوبصورتی) سے تعجب ہو رہا ہے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جنت کے اندر سعد بن معاذ کے رومال اس سے زیادہ خوبصورت ہوں گے۔

خالد نے مال صلح پر قبضہ کرنے کے بعد کچھ انتخابی مال رسول اللہ ﷺ کے لئے نکال لیا پھر مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکالا اور باقی اموال غنیمت (یعنی پانچ حصوں میں سے چار حصے) ساتھیوں کو بانٹ دیئے حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے میرے حصہ میں ایک زرہ آئی ایک خود اور دس اونٹ حضرت واثلہ کا قول ہے مجھے دس سہام ملے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عوف کا بیان ہے قبیلہ مزینہ کے ہم سب چالیس آدمی تھے ہم میں سے ہر شخص کو مع اسلحہ زرہ اور نیزوں کے پانچ سہام ملے۔

میں کہتا ہوں پانچ سہام اور چھ سہام کے (روایتی) اختلاف کی وجہ قیمت کا تفاوت تھا (زیادہ قیمت کے لحاظ سے پانچ اور کم قیمت کے لحاظ سے چھ سہام) اس کے بعد حضرت خالد اکیدر اور مصاد کو لے کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔

محمد بن عمر نے حضرت جابرؓ کا قول نقل کیا ہے میں نے دیکھا کہ جب خالد اکیدر کو لے کر آئے اس وقت وہ سونے کی صلیب اور ریشمین دریائی کے کپڑے پہنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہی اس نے سجدہ کیا رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ ہاتھ کے اشارہ سے نہیں نہیں کہا۔ اکیدر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ ہدیہ بھی پیش کیا۔ جس میں کپڑے تھے ابن کثیر نے لکھا ہے ایک خچر بھی تھا اکیدر سے رسول اللہ ﷺ نے ادائے جزیہ کی شرط پر صلح کرلی اکیدر اور اس کے بھائی کی جان محفوظ کردی۔ (یعنی جان کی معافی دے دی) کل جزیہ مبلغ تین سو دینار قرار پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اکیدر کی قوم کے لئے ایک امان نامہ بھی لکھ دیا رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت خالد بن ولید کو اکیدر کی طرف دومۃ الجندل بھیجا تھا اور یہ خبر محنہ بن روبہ امیر ایلہ کو پہنچی تھی تو اسی وقت سے اس کو بھی اندیشہ ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میری طرف بھی کوئی لشکر بھیجیں گے اس خوف کی وجہ سے ہی امیر ایلہ خدمت گرامی میں خود حاضر ہو گیا۔ اس کے ساتھ جربا اور اذرح کے باشندے بھی حاضر ہوئے۔ ابو حمید ساعدی کا بیان ہے کہ حاضری کے وقت شاہ ایلہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سفید خچر بطور ہدیہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو ایک چادر عطا فرمائی اور ایک تحریر لکھ دی۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ اور بخاری کی ہے محمد بن عمر نے حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے خود دیکھا جس وقت محنہ بن روبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت وہ سونے کی صلیب پہنے ہوئے تھا اور پیشانی کے بال اس نے باندھ رکھے تھے آتے ہی اس نے سر جھکا دیا حضور ﷺ نے اشارہ کر دیا کہ سر اوپر اٹھاؤ۔ حضور ﷺ نے شاہ ایلہ سے اس وقت مصالحت کرلی اور ایک یمنی چادر اس کو مرحمت فرمادی یہ چادر ابو العباس عبداللہ بن عمر نے تین سو دینار میں خریدلی تھی حضور ﷺ نے شاہ ایلہ کو بلال کے پاس ٹھیرانے کا حکم بھی دیا تھا۔

اہل سیر نے لکھا ہے کہ اہل جرباء جن کی تعداد تین سو تھی تین سو دینار سالانہ بطور جزیہ مقرر فرما دیئے اور ان کو اس کی تحریر بھی دے دی اور اہل اذرح کو بھی ایک تحریر حضور ﷺ نے عطا فرمادی اور اہل مقنا سے چوتھائی پھلوں کی ادائیگی کی شرط پر صلح کرلی۔

ابن ابی شیبہ احمد اور مسلم نے حضرت ابو حمید ساعدی کی روایت سے لکھا ہے کہ حاکم ایلہ کی طرف سے ابن العلماء ایک خط لے کر حاضر خدمت ہوا اور ایک سفید خچر ہدیہ میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے اس کے لئے ایک تحریر لکھ دی اور ایک چادر ہدیہ کے طور پر اس کو بھیج دی۔

امام احمد نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے اور ابن سعد نے یحییٰ بن کثیر کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تبوک میں بیس روز رہے اور نماز میں قصر کرتے رہے۔ محمد بن عمر ابن حزم کی اس روایات بھی اس کی مؤید ہیں لیکن ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے وہاں کچھ اوپر دس روز قیام فرمایا۔

محمد بن عمرؒ کا بیان ہے کہ آگے بڑھنے یعنی تبوک سے شام کی طرف جانے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت عمر بن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ کو اللہ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا ہے تو چلئے ورنہ سمجھ لیجئے کہ وہاں رومیوں کی بکثرت تعداد موجود ہے اور مسلمان وہاں کوئی ہے نہیں۔ ہم ان کے قریب تو پہنچ ہی گئے ہیں۔

آپ کے اتنے قریب جانے نے ان کو خوف زدہ کر دیا ہے لہٰذا اگر ہم اس سال لوٹ جائیں اور مستقبل کے احوال کو دیکھیں یا انتظار کریں کہ اللہ کیا امر ظاہر فرماتا ہے تو مناسب ہے۔ احمد، طبرانی اور طحاوی کی روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی زمین پر طاعون ہو اور تم وہاں ہو تو وہاں سے (ڈر کر) نہ نکلو اور اگر تم کسی دوسری جگہ ہو تو وہاں سے آکر طاعون والی زمین میں نہ گھسو۔

حافظ نے بذل الماعون میں لکھا ہے شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی ہو گی کہ جس جگہ آپ کے جانے کا ارادہ تھا وہاں طاعون ہے اسی اطلاع کی وجہ سے آپ لڑے بغیر واپس ہو گئے۔

ابن ابی حاتم نے اور دلائل میں بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا اگر آپ نبی ہیں تو شام پہنچئے شام انبیاء کی سرزمین اور ارض محشر ہے۔ حضور ﷺ نے ان کی تصدیق کی اور تبوک کے جہاد پر تشریف لے گئے جب تبوک میں پہنچ گئے تو اللہ نے بنی اسرائیل کے متعلق یہ آیات نازل فرمائی کہ وہ آپ کو اس جگہ سے نکالنے کے لئے ابھار رہے تھے۔ یہاں پر پہنچنے کے بعد (یہودیوں کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے) آپ کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا گیا۔

اسحاق بن راہویہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے۔ ابو یعلیٰ، ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت عمر کے حوالے سے اور محمد بن عمر نے اپنے بزرگوں کی سند سے بیان کیا کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے (خوراک کا مسئلہ حل کر لیں اور) کھالیں اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے اور لوگوں کو اونٹوں کے ذبح کرنے سے روک دیا اور خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا حضور ﷺ نے لوگوں کو سواری کے اونٹ ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دے دی ہے، فرمایا انہوں نے (غذا ختم ہونے اور) بھوکے ہونے کی مجھ سے شکایت کی تھی میں نے ان کو ایک دو اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دے دی (کہ اب کچھ کھالیں اور) جو کچھ باقی رہے اس کو باری باری سے کھالیا کریں اور اس طرح گھر واپس پہنچ جائیں۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایسا کرنے سے تو سواریاں کم ہو جائیں گی آپ ایسا کیجئے کہ جو کچھ کھانے کی چیز ان کے پاس باقی ہو وہ منگوا لیجئے پھر اللہ سے اس میں برکت ہونے کی دعا فرما دیجئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا (ایسا ہی کر لو) چنانچہ چمڑے کا ایک دستر خوان منگوا کر بچھایا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک منادی نے ندا لگائی جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز باقی رہ گئی ہو وہ لے کر حاضر ہو لوگ لانے لگے کوئی ایک مٹھی جوار لایا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا کوئی سیر بھر آٹا یا ستو یا چھوارے لے آیا۔ غرض مجموعی مقدار ۲۷ صاع ہو گئی۔ (یعنی ایک سو آٹھ سیر) پھر رسول اللہ ﷺ نے اٹھ کر وضو کیا دو رکعت نماز پڑھی اور نماز کے بعد برکت کے لئے دعا کی۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے اتنی برکت ہوئی کہ سب نے سیر ہو کر کھالیا اور لشکر میں جو برتن موجود تھے سب بھر لئے کوئی برتن بغیر بھرے نہیں رہا اور اس کے بعد بھی بچ رہا۔ حضرت عمر نے فرمایا انتہا یہ ہوئی کہ جب لوگ (کھا کر اور برتن بھر کر) واپس گئے تو سابق اندازے کے مطابق کھانے کی چیزیں بدستور باقی تھیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں، ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی بندہ اس شہادت کو بغیر شک کے ادا کرے اور پھر اس کو جنت سے روک دیا جائے۔

ابو نعیم اور محمد بن عمر کے بیان کے بموجب حضرت ابو قتادہ کی روایت میں آیا ہے کہ تبوک سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ نے ایک رات آخر شب میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ وہاں ہم (سب) سو گئے اور اس وقت بیدار ہوئی جب سورج کی گرمی محسوس ہوئی ہم نے کہا (انا للہ وانا الیہ راجعون) ہماری صبح کی نماز جاتی رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس طرح شیطان نے ہم کو رنج پہنچایا ہم بھی اب اس کو اسی طرح رنجیدہ کریں گے میرے پاس پانی کا لوٹا تھا آپ نے اس سے وضو کیا کچھ پانی لوٹے میں بچ رہا فرمایا ابو قتادہ لوٹے کے اندر جو پانی ہے اس کو محفوظ رکھنا۔ غرض سورج نکلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھی اور نماز میں سورۂ مائدہ کی قرأت کی پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا۔ سنو اگر لوگ ابو بکر اور عمر کا مشورہ مان لیتے تو ہدایت پالیتے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ حضرت ابو

بکرؓ و حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ (اس جگہ پانی نہیں ہے یہاں لشکر کو اترنا نہ چاہئے) پانی پر پہنچ کر قیام کرنا چاہئے مگر مسلمانوں نے نہیں مانا اور بیابان میں جہاں پانی بھی نہ تھا اتر پڑے غرض رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور لشکر سے زوال کے وقت آملے ہم بھی حضور ﷺ کے ساتھ تھے سب کو پیاس کی اتنی شدت تھی کہ گھوڑوں اونٹوں اور آدمیوں کی گردنیں پیاس کی وجہ سے اکڑی جارہی تھیں۔ حضور ﷺ نے چمڑے کا پیالہ منگوایا اور لوٹے سے اس میں پانی لوٹا پھر اپنی انگلیاں اس پر رکھ دیں۔ انگلیاں رکھتے ہی انگلیوں میں سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا سب لوگ آئے اور پی کے سیراب ہونے لگے۔ پانی برابر ابلتا رہا اور یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے اور گھوڑوں اور اونٹوں کو بھی خوب پلا دیا۔ لشکر میں تیس ہزار آدمی، بارہ ہزار اونٹ اور بارہ ہزار گھوڑے تھے۔

ابن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ تبوک سے واپسی میں جب رسول اللہ ﷺ اس مقام پر پہنچے جو تبوک اور وادی ناقہ کے درمیان ہے اور وہاں وادی کے نشیبی حصہ میں ذرا سا پانی تھا کہ دو تین سواروں سے زیادہ کے لئے کافی نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم سے پہلے جو شخص اس پانی پر پہنچ جائے وہ ہمارے پہنچنے تک اس میں سے قطعاً کچھ بھی نہ پئے چار منافق سب سے آگے پانی پر پہنچ گئے معتب بن قشیر، حارث بن یزید، ودیعہ بن ثابت اور زید بن لصیب جب رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچے اور پانی پر جا کر کھڑے ہوئے تو پانی بالکل دکھائی نہ دیا فرمایا اس پانی پر ہم سے پہلے کون پہنچا تھا عرض کیا گیا فلاں فلاں شخص فرمایا کیا میں نے تم کو منع نہیں کر دیا تھا۔ پھر آپ نے پانی پینے والوں پر لعنت کی اور بددعا دی اس کے بعد خود چشمہ میں اتر کر دست مبارک چشمہ کے اندر ڈالا اور دو انگلیوں سے اس کو ملا ملنے سے قدرے پانی چلو میں آگیا آپ نے اس کو پھر وہیں لوٹا دیا اور پھر اس پر ہاتھ پھیرا پھر دعا کی۔ ایک دم پانی پھوٹ کر نکل آیا۔ حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں نے پانی کے پھوٹ کر نکلنے کی ایسی شدید آواز سنی جیسے بجلی کے کڑکنے کی آواز ہوتی ہے حسب منشاء لوگوں نے پیا اور جانوروں کو پلایا پھر حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم زندہ رہے تو سن لو گے کہ یہ وادی ہر طرف سے اس پانی کی وجہ سے سرسبز ہو گئی۔ (یہاں باغات اور سبزہ زار ہو جائیں گے)۔

محمد بن عمر اور ابو نعیم نے اہل مغازی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ٹیلے سے اتر کر نشیب کی طرف جا رہے تھے اور سخت گرمی کا زمانہ تھا لشکر سخت پیاسا ہو گیا اور وادی میں پانی بالکل نہ تھا نہ کم نہ زیادہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس دکھ کا اظہار کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت اسید بن حضیر کو بھیجا کہ جا کر (کہیں) پانی تلاش کرو امید ہے کہ کچھ پانی تم کو مل جائے گا حضرت اسید کو کسی عورت کے مشکیزہ میں کچھ پانی مل گیا آپ وہ پانی خدمت گرامی میں لے آئے۔ حضور ﷺ نے اس پانی میں برکت ہو جانے کی دعا کی اور فرمایا (لوگو) آؤ میں تم کو پانی پلاؤں پھر یہ حالت ہوئی کہ جس کے پاس پانی کا جو برتن تھا اس نے بھر لیا پھر اونٹوں کو طلب فرمایا اور اونٹوں کو پانی پلانے کی اجازت دے دی۔ حسب الحکم سب اونٹوں کو بھی پلا دیا گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسید جو پانی لے کر آئے تھے۔ حضور ﷺ نے وہ پانی ایک بڑے پیالے میں ڈلوا دیا اور دست مبارک اس پیالہ میں ڈال کر ہاتھ بھی اس کے اندر دھوئے اور منہ بھی اور دونوں پاؤں بھی پھر دو رکعت نماز پڑھی (پھر دعا کے لئے) دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلائے دعا ختم ہوتے ہی پیالے سے پانی اچھلنے لگا۔ حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا خوب سیر ہو کر پیو پانی پھیل گیا اور اتنا پھیلا کہ سو سو دو سو آدمی آکر قطار لگا کر اس پر آتے پیتے اور چلے جاتے غرض سب سیراب ہو گئے اور پیالے کا پانی اچھلتا ہی رہا۔

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ بوساطت فضالہ حضرت عبید کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک کے جہاد پر تشریف لے گئے تو (طول مسافت، شدت گرما، خوراک کی کمی اور پانی کی نایابی کی وجہ سے) اونٹوں کو سخت تکلیف ہوئی اور وہ کمزور ہو گئے۔ لوگوں نے اس دکھ کا اظہار رسول اللہ ﷺ سے کیا حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ اونٹوں کو (مار مار کر) ہنکار رہے ہیں (اور اونٹ چلنے نہیں پاتے) یہ دیکھ کر آپ ایک تنگ مقام پر کھڑے ہو گئے لوگ اسی تنگ مقام سے گزرنے لگے جو لوگ گزرتے حضور ﷺ ان پر (اور ان کے اونٹوں پر) پھونک دم کرتے اور فرماتے اے اللہ ان پر ان کو سوار کر دے تو قوی و کمزور کو تر و خشک اور بر و بحر میں سوار کر سکتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ قافلہ برابر جاتا رہا اور مدینہ پہنچنے سے پہلے اونٹوں کا یہ حال ہو گیا کہ وہ

پہاروں میں کھینچا تانی کرنے لگے (یعنی روکے سے نہ رکتے تھے) جب مدینہ سامنے دکھائی دیا تو فرمایا یہ طابہ ہے، رواہ الشیخان فی الصحیحین عن جابر وابی حمید الساعدی وغیرہم۔

جب حضور ﷺ کی نظر کوہ احد پر پڑی تو فرمایا یہ احد ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

بیہقی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو عورتیں اور بچے (گا گا کر) کہنے لگے۔

وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا
ہم پر شکر واجب ہے جب تک دعا کرنے والا اللہ سے دعا کرے گا

ابن سعد کا بیان ہے کہ (تبوک کے بعد) لوگ اپنے اسلحہ فروخت کرنے لگے اور کہنے لگے اب جہاد ختم ہو گیا حضور ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو اسلحہ فروخت کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا دجال کے نکلنے کے وقت تک میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر جہاد کرتا رہے گا۔

مدینہ سے تبوک کو روانگی رجب ۹ ہجری میں ہوئی اور واپس مدینہ میں رمضان میں آگئے اور مدینہ اور تبوک کے درمیان چودہ منزل کا فاصلہ ہے النور میں لکھا ہے کہ اہل سیر نے یہی بیان کیا ہے ہم حاجیوں کے ساتھ بارہ منزلیں طے کر کے پہنچے تھے (یعنی ۱۴ منزلیں نہیں ہوئی بارہ منزلوں میں راستہ طے ہو گیا) تبوک اور دمشق کے درمیان گیارہ منزلیں ہیں (ایک منزل ایک دن کی راہ کو کہتے ہیں)۔

تفسیر مظہری کی تالیف اس حد تک ۷ ذی الحجہ ۱۲۰۳ ہجری کو شنبہ کے دن عصر کے بعد ختم ہوئی اور یہاں تک ترجمہ سے فراغت ۸ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ یوم پنجشنبہ کو ہوئی۔ بحمد اللہ عونہ

سورۂ یونس

اس سورۃ میں ۱۰۹ آیات ہیں پوری سورۃ مکی ہے صرف تین آیات فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ الخ مکی نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓرٰ — سورۂ بقرہ کے شروع میں (حروف مقطعات) کی بحث گزر چکی ہے (یہ بھی دوسرے حروف مقطعات کی طرح ہے)۔

تِلْكَ — یہ سورت یا قرآن کی آیات کی طرف اس لفظ سے اشارہ ہے بعض نے کہا ان آیات کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر اس سورت سے پہلے کر دیا گیا۔

اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① — پر حکمت قرآن کی آیات ہیں اَلْحَكِيْمُ الكتاب کی صفت ہے پر حکمت یا حکیم کا کلام یا محکم غیر منسوخ موخر الذکر مطلب اس وقت ہو گا جب آیات سے مراد صرف اس سورت کی آیات ہوں (اس سورت میں کوئی آیت منسوخ نہیں لیکن پورا قرآن مراد ہو تو حکیم بمعنی غیر منسوخ نہیں کہا جا سکتا (قرآن میں تو بعض آیات کے احکام

منسوخ بھی ہیں) یا حکیم بمعنی محکم سے یہ مراد ہے کہ اس میں کوئی آیت غلط نہیں اور کلام میں کہیں اختلاف نہیں۔ حسن نے کہا آیات کتاب میں حکم دیا گیا ہے انصاف اور بھلائی کرنے کا قرابتداروں کو دینے کا بے حیائی برے کام اور ظلم وزیادتی سے باز رہنے کا، فرماں برداروں کے لئے جنت اور نافرمانوں کے لئے دوزخ کا۔

ابن جریر نے بطریق ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے جب محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا تو عرب نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا اللہ کسی انسان کو پیغمبر بنا کر بھیجے اس کی شان اس سے بہت بڑی (وہ انسانوں کا محتاج نہیں) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ کیا لوگوں کے لئے تعجب ہے یہ بات کہ ہم نے وحی بھیجی۔ یہ استفہام تعجبی انکاری ہے (یعنی تعجب ہے کہ لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ اللہ نے انسان کے پاس وحی بھیجی اس بات پر تعجب نہ کرنا چاہئے) للناس میں لام بتا رہا ہے کہ انسان کا پیغمبر ہونا انکی نظر میں ایک عجوبہ تھا قابل انکار و استہزاء کسی نادر واقعہ کو دیکھ کر اور معمول وعادت کے خلاف کوئی بات مشاہدہ کرنے سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو تعجب کہتے ہیں۔

لوگوں کے تعجب کو آیت میں جو تعجب آفریں قرار دیا گیا ہے اور ان کے تعجب کو واجب الانکار بتایا ہے کہ انسان کا پیغمبر بنایا جانا کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے تخلیق آدمؑ کے وقت سے ہی اللہ کا معمول رہا ہے کہ ہمیشہ انسانوں کو ہی پیغمبر بنایا گیا ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا وما ارسلنا من قبلک الا رجالا ہم نے آپ سے پہلے بھی ہمیشہ مردوں کو پیغمبر بنایا۔

بادشاہوں کا یہی قاعدہ ہے کہ تحریر و تقریر کی زبان وہی اختیار کرتے ہیں کہ جس کو مخاطب جانتا ہو اور قاصد بھی اسی کو بنا کر بھیجا جاتا ہے جو ان لوگوں کی جنس سے ہو جن کے پاس بھیجا گیا ہو فائدہ اندوزی اور فائدہ رسانی بغیر مناسبت کے ممکن نہیں اللہ نے اسی لئے فرمایا ہے قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا اگر زمین پر ملائکہ چلتے پھرتے اور رہتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔

اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک شخص کے پاس۔ یعنی ایک معمولی آدمی کے اس پر جو (دنیوی دولت و حکومت کے اعتبار سے) بڑے آدمیوں میں سے نہیں ہے۔ کافروں نے کہا تھا کہ اگر انسان کو ہی رسول بنانا تھا تو محمد ﷺ کے علاوہ دوسرے بڑے لوگ اس کے مستحق تھے۔ ان کو رسول بنایا جاتا اللہ نے (اسی قول کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے اور) فرمایا ہے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یعنی دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) میں کے کسی بڑے عظیم آدمی پر قرآن کیوں نہیں نازل کیا گیا بڑے آدمی سے ان کا مقصد ولید بن مغیرہ مکی اور مسعود بن عمر ثقفی طائفی۔ اس کے رد میں اللہ نے نازل فرمایا۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ کیا وہ اللہ کی رحمت یعنی نبوت ورسالت کو خود بانٹ رہے ہیں (کہ جس کو چاہیں اس کو نبوت دے دیں یہ کافروں کی حماقت اور وحی سے ناواقفیت تھی کہ وہ دنیوی دولت کی افزونی اور قومی سیادت پر استحقاق وحی ورسالت کا مدار سمجھتے تھے) رسول اللہ ﷺ کو رجل عظیم نہیں سمجھتے تھے حالانکہ سوائے مال کے باقی تمام انسانی صفات و خصائل کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے اور سب سے کامل تھے۔ مال کی کمی کو نبوت میں کوئی دخل نہیں آپ ﷺ سے پہلے اکثر انبیاء بھی ایسے ہی گذرے ہیں۔

اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کہ لوگوں کو (اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کے برے نتیجہ سے) ڈراؤ اور اہل ایمان کو بشارت دو سب لوگوں کو عموماً ڈرانے کا حکم دیا کیونکہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اپنے اعمال کے لحاظ سے مستحق انذار نہیں ہیں اور کافر چونکہ مستحق بشارت نہیں اس لئے بشارت دینے کا حکم صرف اہل ایمان کیلئے مخصوص کیا۔

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔

عطاء کے نزدیک قدم صدق سے مراد ہے صدق کا مقام جس میں نہ کوئی زوال ہے نہ دشواری اور تکلیف۔

(مولف کے نزدیک) قدم صدق سے مراد ہے اونچا مرتبہ جس کی طرف اہل ایمان بڑھ رہے ہیں اور جہاں ان کا قیام ہو

وقف النبی ﷺ

کا مرتبہ کو قدم سے تعبیر اس لئے کیا کہ آگے بڑھنے اور قیام کرنے کا ذریعہ قدم ہی ہوتا ہے۔ (یعنی سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے) جیسے نعمت کو ہاتھ کہا جاتا ہے کیونکہ نعمت کی عطاء ہاتھ کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

آیت میں لفظ قدم صدق سے اس امر پر تنبیہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کو اونچا درجہ صرف قول اور نیت کی سچائی کی وجہ سے حاصل ہوگا اور سب سے زیادہ سچی بات لا الٰہ الا اللہ ہے ہم نے جو قدم صدق کی تفسیر مرتبہ سے کی ہے یہی حاصل حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کی تفسیر کا ہے حضرت ابن عباسؓ نے لفظ قدم کی تشریح میں فرمایا انہوں نے جو اعمال پہلے سے بھیج دیئے ہوں گے ان کا اچھا بدلہ ان کو ملے گا (اچھا بدلہ اور مرتبہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) ضحاک نے کہا قدم صدق یعنی سچائی کا ثواب (ضحاک نے مرتبہ کی تعبیر ثواب سے کی اور حضرت ابن عباسؓ نے اجر حسن سے)۔

حسن نے کہا قدم صدق سے مراد وہ نیک اعمال ہیں جو اہل ایمان نے مرنے سے پہلے کئے ہوں گویا حسن کے نزدیک قدم بمعنی تقدم ہے (یعنی پہلے سے کئے ہوئے اچھے اعمال) اللہ نے اس لفظ سے بشارت دے دی کہ اہل ایمان نے جو اچھے اعمال پہلے سے (یعنی مرنے سے پہلے) کئے ہوں گے وہ اللہ کے ہاں ان کو ملیں گے۔ ابو عبیدہ نے کہا عرب کے نزدیک ہر آگے بڑھنے والے کو قدم کہا جاتا ہے خیر کی طرف بڑھے یا شر کی طرف۔ فلاں شخص کو اسلام میں قدم (سبقت) حاصل ہے میرے پاس اس کو قدم حاصل ہے یا برائی کا قدم یعنی میرے نزدیک وہ خیر میں سبقت کر رہا ہے یا بدی میں۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ قدم صدق سے مراد ہے سعادت سابقہ زید بن اسلم نے کہا اس سے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت مراد ہے بخاری نے لکھا ہے کہ زید بن اسلم نے کہا ان کیلئے قدم صدق ہے یعنی رسول اللہ ﷺ (کی شفاعت)۔

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ کافروں نے کہا یعنی کافروں نے جب رسول اللہ ﷺ کے معجزات دیکھے اور ناقابل مقابلہ کلام سنا تو محض عناد اور ضد سے کہا۔

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ بے شک یہ (یعنی مدعی نبوت) کھلا ہوا جادوگر ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حقیقت ناقابل شک یہ ہے کہ تمہارا مالک وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں زمین کو پیدا کیا آسمان و زمین تمام ممکنات (مخلوقات) کے اصول ہیں (تمام چیزیں بقول فلاسفہ یونان انہی کی تائید و تاثر سے بنی ہیں)۔

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ چھ دن میں یعنی دنیا کے چھ روز کے بقدر مدت میں یوں تو اللہ آن کی آن میں سارے جہان کو پیدا کر سکتا تھا مگر مخلوق کو آہستہ روی اور تدریج کی تعلیم دینے کے لئے اس نے چھ روز میں آسمان و زمین بنائے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر عرش (تخت شاہی) پر وہ قائم ہوا سلف سے خلف تک تمام اہل سنت کا باتفاق عقیدہ ہے کہ اللہ تمام جسمانی صفات اور حدوث کے عوارض سے پاک ہے لیکن آیت مذکورۃ الصدر اور اسی جیسی دوسری آیات (جن میں صفات جسم کے ساتھ اللہ کا اتصاف ظاہر کیا گیا ہے) بظاہر اہل سنت کے مسلک و عقیدے کے خلاف نظر آتی ہیں اس شبہ کو دور کرنے کے لئے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱ ...... تاویل کا مسلک اختیار کیا گیا ہے یعنی ظاہر الفاظ کے وہ (مجازی) معنی لئے گئے ہیں جو شان خداوندی کے مناسب ہیں کیونکہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم میں الراسخون کا عطف اللہ پر ہے مطلب یہ ہے کہ متشابہات کا صحیح علم اللہ کو اور مضبوط علم رکھنے والوں کو ہی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ متشابہات کی حقیقی مراد اور تاویل سے علماء ربانیین بھی واقف ہیں) اس کی تفصیلی بحث سورت آل عمران میں گذر چکی ہے۔ اس توجیہ کی روشنی میں آیت مذکورہ میں استویٰ کو بمعنی استولی قرار دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عرش جو سب سے اعلیٰ اور بالا مخلوق ہے جب اللہ اس پر غلبہ رکھتا ہے تو دوسری مخلوق پر اللہ کا تسلط بدرجہ اولیٰ ظاہر ہے، پس ساری مخلوق اس کے زیر تسلط ہے[۱] لیکن بغوی نے کہا استواء کو بمعنی استیلاء و تسلط قرار دینا

[۱] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے

معتزلہ کا قول ہے۔

(۲ ...... سلف صالحین کا مسلک اہل تاویل کے مسلک کے خلاف ہے۔ تمام علماء سلف کا قول ہے کہ اس قسم کی آیات کے ظاہر پر ایمان لانا واجب ہے ان کی تنقیح اور موشگافیوں سے اجتناب لازم ہے۔ ان کی حقیقت کے علم کو اللہ کے سپرد کر دینا ضروری ہے اسی بناء پر امام محمد بن حسن نے فرمایا تھا کہ پورب سے پچھم تک تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ قرآن اور صحیح احادیث میں اللہ کی جو صفات آئی ہیں ان کو یونہی بغیر تشریح و تنقیح و توضیح کے ماننا اور ان پر ایمان لانا واجب ہے جو شخص ان کی توضیح کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ اور اجماع سلف کے خلاف عمل کرتا ہے اس کا رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور جماعت مسلمین کے اختیار کردہ مسلک سے تعلق نہیں امام مالک بن انس نے فرمایا استواء (کا حقیقی ترجمہ) مجہول نہیں (استواء کی) کیفیت معلوم نہیں اور کیفیت استواء کو دریافت کرنا بدعت ہے۔

سلف صالحین تنزیہ باری تعالیٰ کے قائل تھے اسی کے ساتھ استواء علی العرش کو (بغیر تاویل کے) مانتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اللہ آسمان میں یقیناً ہے زمین میں نہیں، رواہ البیہقی۔ اس قول کی نسبت بھی امام ابو حنیفہ کی طرف کی گئی ہے کہ جس نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں وہ کافر ہو گیا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے الرحمن علی العرش استوی اور عرش آسمان کے اوپر ہے۔ امام ابو حنیفہ کا ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ جس نے اللہ کے آسمان میں ہونے کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا اللہ اپنے عرش پر اپنے آسمان میں ہے وہ جیسا چاہتا ہے اپنی مخلوق کے قریب بھی ہوتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اترتا ہے (یعنی اللہ کا عرش پر ہونا مخلوق کے قریب ہونا اور نیچے اترنا تینوں قول صحیح ہیں لیکن عرش پر موجود ہونے مخلوق کے قریب ہونے اور نیچے اترنے کی کیفیت معلوم نہیں) ایسا ہی قول امام احمد حنبل کا بھی مروی ہے۔

اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اللہ عرش کے اوپر مستوی ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، مزنی، ذہبی، بخاری، ابو داؤد ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابو یعلیٰ، بیہقی اور دوسرے ائمہ حدیث کا یہی قول ہے ابو زرعہ رازی کے قول سے پتہ چلتا ہے کہ اسی قول پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ حافظ عثمان بن سعید دارمی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمان اس قول پر متفق ہیں کہ اللہ اپنے عرش پر آسمانوں کے اوپر ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا یہ کہنا جائز نہیں کہ جس نے استواء کو پیدا کیا وہ کیسے مستوی ہو سکتا ہے ہمارے لئے (استواء کو) ماننا اور تسلیم کرنا لازم ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے، محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے مسلمان کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس کا رب عرش پر مستوی ہے جو اس سے آگے بڑھے گا وہ نامراد اور خسران مآب ہوگا۔ محمد بن خزیمہ نے کہا جو شخص اللہ کو عرش پر ساتوں آسمانوں کے اوپر مستوی اور سب مخلوق سے جدا نہیں کہتا وہ کافر ہے اس سے توبہ کرائی جائے توبہ کرلے تو خیر، ورنہ اس کی گردن مار دی جائے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ عرش و کرسی ویسے ہی ہیں جیسے اللہ نے اپنی کتاب میں ان کو بیان کیا ہے اللہ عرش سے بے نیاز ہے اور عرش کے نیچے والی چیزوں سے بھی وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز سے اوپر ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری بصری نے کتاب اختلاف المصلین و مقالات الاسلامیین میں اہل سنت اور اصحاب حدیث کا ایک قول لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا، اللہ کے فرشتوں، کتابوں اور پیغمبروں کا ماننا اور جو کلام اللہ کی طرف سے آیا ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیثوں میں مذکور ہے سب کا اقرار کرنا ضروری ہے ان میں سے کسی چیز کو رد نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی ماننا لازم ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے جیسا کہ اس نے خود آیت الرحمن علی العرش استوی میں فرمایا ہے اور اللہ کے دو ہاتھ بھی

لہ استوی کا معنی استولی اور تسلط عربی کلام میں بکثرت آیا ہے کسی شاعر کا ایک شعر ہے ؎

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ مِنْ غَیْرِ سَیْفٍ وَدَمٍ مُھْرَاقٍ

یعنی بشر نے بغیر تلوار چلائے اور خون بہائے عراق پر تسلط کر لیا۔ (مترجم)

ہیں مگر بغیر کیفیت (مخلوقیہ) کے اس نے خود فرمایا ہے۔ خلقت بیدی

ابو نعیم نے حلیہ میں لکھا ہے ہمارا طریقہ سلف کے طریقے کے موافق ہے جو کتاب اللہ احادیث رسول اللہ ﷺ اور اجماع کے پیرو تھے اور اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ ہمیشہ سے اپنی تمام صفات کامل ہے آخر میں ابو نعیم نے کہا جن احادیث میں اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر ہے سلف ان کو مانتے تھے اور اللہ کو عرش پر بغیر کسی مخلوقی کیفیت اور تشبیہ کے مستوی مانتے تھے اور اس امر کے بھی قائل تھے کہ اللہ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اللہ آسمان میں عرش پر سات آسمانوں کے اوپر ہے جیسا کہ اہل سنت کا قول ہے۔

خطیب نے کہا سلف کا مسلک یہ ہے کہ ایسی (متشابہ) آیات کا اقرار کیا جائے اور انکے ظاہری معنی پر ہی الفاظ کو محمول کیا جائے اور کیفیت و تشبیہ کی نفی کی جائے (یعنی کوئی کیفیت اور تمثیل و تشبیہ نہ بیان کی جائے کہ معنی معلوم ہے مگر معنی کی کیفیت مجہول ہے اور وجہ اللہ یا ید اللہ یا استواء علی العرش کو ہم مخلوق کے چہرے، ہاتھ اور استواء سے تشبیہ نہیں دے سکتے یہ چیزیں اللہ کی صفات ہیں مگر ویسی ہیں جیسی اس کی شان کے مناسب ہیں امام الحرمین نے کہا عقیدہ سلف کا اتباع ہی پسندیدہ اعتقاد اور دین اللہ ہے ائمہ سلف نے تاویل سے اجتناب کیا ہے الفاظ کے ظاہری معنی کو اختیار کیا ہے اور معانی (کی وضاحت و تفصیل) کو اللہ کے سپرد کیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اہل سنت قائل ہیں کہ استواء علی العرش اللہ کی صفت ہے بلا کیف۔ اس پر ایمان واجب ہے بیضاوی نے لکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ استواء علی العرش اللہ کے لئے ویسا ہے جیسا اس کے مناسب ہے استقرار اور مکانیت کی آمیزش سے پاک ہے۔

ابو بکر علی بن عیسیٰ شبلی جو اپنے زمانہ کے صوفیا میں سب سے بڑے عالم تھے کہتے ہیں رب آسمان میں ہے حکم دیتا ہے اور فیصلہ نافذ کرتا ہے شیخ الاسلام عبداللہ انصاری نے اخبار شتی میں لکھا ہے کہ اللہ ساتویں آسمان میں عرش پر ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے اور اس موضوع پر بہت تفصیلی بحث کی ہے (جس کا خلاصہ یہی ہے جو علمائے سلف سے منقول ہے کہ معانی معلوم ہیں کیفیت نامعلوم اور ہر تشبیہ سے پاک)۔

یہ تمام اقوال ذہبی نے کتاب العلو میں نقل کئے ہیں۔ صحابہ، تابعین، محدثین، فقہا اور صوفیہ کی کثیر جماعت (تقریباً کل) کا یہی مسلک ہے میں نے مختصراً سورۂ اعراف کی آیت ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النہار اور سورۂ بقرہ کی آیت یاتیہم اللہ فی ظلل من الغمام کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے کہ اصحاب قلوب کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کی خصوصی تجلی اور خاص پرتو بعض مخلوق پر پڑتا ہے وہ مخلوق نورانی لہروں سے نور چیں ہوتی ہے اس سے ذات باری محل حوادث نہیں بن جاتی نہ خالص مرتبہ تنزیہ سے اس کا تشبیہ کی طرف تنزل ہوتا ہے بلکہ ممکنات میں ایسا جوہر پیدا ہو جاتا ہے جو پرتو اندوزی کے قابل بن جاتا ہے (امکان و حدوث کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اس میں جلوہ پذیری کی قابلیت بڑھ جاتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے اس جلوہ پاشی سے وجوب و قدم میں کوئی تغیر نہیں آتا وجوب سے امکان اور قدم سے حدوث کی طرف ذات واجب و قدیم کا تنزل نہیں ہو جاتا میں نے سورہ بقرہ میں آیت ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کی تفسیر کے ذیل میں اس جلوہ پاشی کی تنقیح کر دی ہے جو مومن کے دل پر کعبہ پر اور عرش عظیم پر خصوصیت کے ساتھ ہوتی ہے (یعنی بعض مخلوق تجلی الٰہی کی خصوصی جولانگاہ ہے خصوصیت کے ساتھ وہ جلوہ خداوندی سے نور چیں ہوتی ہے اس پر خاص چمکار اور پرتو پڑتا ہے اس سے جلوہ ریزی اور نور پاشی کرنے والی ذات کا محتاج مکان و زمان اور حامل کیف و کم ہونا لازم نہیں آتا ہے وہ جلوہ قدیم بے کیف ہے، بے مکان ہے، بے زمان ہے اور ہر حادث مقدار و عوارض سے پاک ہے)۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے یعنی حسب تقاضائے حکمت وہ کائنات کے تمام امور کا فیصلہ کرتا ہے تدبیر کا معنی ہے تمام امور کے ادبار (یعنی انجام) پر نظر رکھ کر کام کرنا تاکہ نتیجہ اچھا نکلے۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ کوئی (کسی کا) سفارشی نہ ہو گا۔ مگر اس کے اذن کے بعد اللہ کی عظمت کا اظہار اس فقرہ میں کیا گیا ہے اس آیت کا نزول نضر بن حارث کے متعلق ہوا جس نے کہا تھا کہ اگر قیامت کا دن ہوا تو لات و عزیٰ میری سفارش کر دیں گے (لات اور عزیٰ عورت کی شکل کے دو بت تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی) آیت میں اشارہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعت ضرور ہو گی مگر اللہ کی اجازت کے بعد ہو گی۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہ اللہ ہے یعنی وہ ذات جو صفات مذکورہ کا مجموعہ ہے اور صفات مذکورہ کا تقاضا الوہیت ہے وہی ذات اللہ ہے۔

رَبُّكُمْ تمہارا رب ہے یعنی وہی تمہارا رب ہے اسکے سوا کوئی رب نہیں یا اس کی صفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں

فَاعْبُدُوْهُ پس تم اس کی پوجا کرو یعنی اس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو جماد تو الگ رہے ان میں تو نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں کسی انسان اور فرشتے کی بھی پوجا نہ کرو۔

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ کیا تم بالکل غور نہیں کرتے کہ غور کرنے سے اتنا سمجھ لو کہ اللہ ہی معبودیت کا مستحق ہے جن کی تم پوجا کرتے ہو ان میں سے کوئی بھی معبود بننے کے قابل نہیں ہے۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا (مرنے کے بعد قیامت کے دن زندہ ہو کر) تم سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے مرجع مصدر ہے یا ظرف مکان۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اللہ نے اس کا سچا وعدہ کر رکھا ہے وعد اللہ مفعول مطلق ہے الیہ مرجعکم اللہ کی طرف سے وعدہ ہے اس وعدہ کی تاکید وعد اللہ کا لفظ کر رہا ہے حقا بھی مفعول مطلق ہے اور اس مضمون کی تاکید کر رہا ہے جس پر وعدہ اللہ کا لفظ دلالت کر رہا ہے گویا اول مفعول مطلق تاکید لنفسہ کا اور دوسرا تاکید لغیرہ کا فائدہ دے رہا ہے۔

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ بلاشبہ وہی ابتدائی تخلیق کرتا ہے یعنی دنیوی زندگی وہی دیتا ہے۔

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر (موت دینے کے بعد آخرت میں) دوبارہ زندگی بھی وہی دے گا۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ تاکہ جن مومنوں نے نیک کام کئے ان کو انصاف کے ساتھ جزا عنایت کرے۔ (اس صورت میں بالقسط سے مراد ہو گا اللہ کی طرف سے انصاف) یا قسط سے مراد ہے اہل ایمان کا عادل ہونا اور تمام امور میں عدل پر قائم رہنا یا ایمان مراد ہے کیونکہ ایمان ہی سب سے بڑا عدل ہے جس طرح شرک ظلم عظیم ہے۔ موخر الذکر معنی مراد لینا ہی اس جگہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ آئندہ آیت میں کافروں کو کفر کی پاداش دیئے جانے کا ذکر ہے (اس لئے اوپر کی آیت میں اہل ایمان کو انکے ایمان کی جزا ملنے کا ذکر کیا جانا زیادہ مناسب ہے)۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۝

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے کفر کی سزا میں انتہائی کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہو گا عبارت کی رفتار سے کافروں کو مستحق عذاب ہونا پر زور طور پر ظاہر ہو رہا ہے اور اس امر پر تنبیہ بھی مستفاد ہو رہی ہے کہ تخلیق اول و دوم کی اصل غرض تو مومنوں کو ثواب دینا ہے کافروں کا عذاب تو بالواسطہ (ذیلی طور پر) ہو جائے گا گویا عذاب ایک بیماری ہے جو بداعتقادی اور بداعمالی سے پیدا ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً اللہ وہی ہے جس نے آفتاب کو روشنی والا بنایا ضیاء سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی ذات ضیاء روشنی والا الاضیاء قیام کی طرح مصدر ہے یا سیاط کی طرح جمع ہے اس کا واحد ضوء ہے جیسے سیاط کا واحد سوط ہے۔

وَّالْقَمَرَ نُوْرًا اور چاند کو نور والا نور کا لفظ معنی کے اعتبار سے ضوء سے عام ہے۔ نور کے اعلیٰ مرتبہ کا نام ضوء ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ براہ راست روشنی کو ضوء اور بالواسطہ روشنی کو نور کہتے ہیں (اور چاند کا نور چونکہ آفتاب کا عکس پڑنے سے

حاصل ہوتا ہے اس لئے شمس کے ساتھ ضیاء اور قمر کے ساتھ نور کا لفظ استعمال کیا)۔

وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ اور اس کی (چال) کیلئے منزلیں مقرر کیں۔ یعنی چاند اور سورج میں سے ہر ایک کی منازل سیر مقرر کر دیں یا ہر ایک کو منزل والا بنا دیا (یعنی منازل سے پہلے مضاف محذوف ہے) یا ہ کی ضمیر چاند کی طرف راجع ہے صرف چاند کی منازل کا تذکرہ اس لئے کیا کہ سیر قمر کی منزلیں نظروں کے سامنے ہیں اس کے علاوہ روزہ کو حج وغیرہ کے احکام اسی کی رفتار سے وابستہ ہیں۔ آئندہ آیت میں تقرر منازل قمر کی علت بیان فرمائی ہے۔

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ تاکہ تم جان لو برسوں کی گنتی۔ یعنی چاند کی رفتار سے مہینوں کی گنتی کر کے برسوں کی گنتی جان لو۔

وَالْحِسَابَ ؕ اور (اپنے معاملات میں دنوں اور مہینوں کے اوقات کے) حساب کو جان لو۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ اللہ نے اس مخلوق کو نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ یعنی اپنی حکمت کاملہ کے مطابق اپنی کاریگری اور قدرت کو ظاہر کرنے کے لئے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتا رہا ہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ بے شک رات دن کے اختلاف میں۔ اختلاف سے مراد ہے ایک کا دوسرے کے پیچھے آنا جانا رنگوں کا اختلاف مراد ہے روشن اور تاریک۔

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور جو کائنات آسمانوں میں اور زمین میں اللہ نے بنائی ہے اس میں

لَاٰيٰتٍ بلاشبہ نشانیاں ہیں۔ صانع کے وجود کی اس کی توحید کی اس کے کمال علم و قدرت کی اور تمام عیوب و نقائص سے اس کے پاک ہونے کی۔

لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ ان لوگوں کے لئے جو (برے انجام سے) ڈرتے ہیں کیوں کہ یہ ساری کائنات اہل اتقاء کو غور و فکر کی دعوت دے رہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کے امیدوار نہیں، ملنے سے مراد ہے ثواب کیونکہ اللہ کی ملاقات اور اس کا دیدار سب سے بڑا ثواب ہے۔

وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور دنیوی زندگی پر مگن ہیں یعنی آخرت کی زندگی پر دنیوی زندگی کو انہوں نے ترجیح دے رکھی ہے۔ وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا

اور اس زندگی پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں یعنی اسی زندگی پر وہ ٹھہر گئے ہیں اسی کی لذتیں اور آرائشیں ان کا منتہا قصد ہیں اور آخرت میں کام آنے والے اعمال ترک کر چکے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اور وہ لوگ جو ہماری (قدرت و صنعت کی) نشانیوں سے غافل ہیں۔

ترجمہ مذکورہ بالا کی صورت میں اول الذکر الذین سے مراد ہوں گے یہود و نصاریٰ جو اللہ کی ہستی کو تو مانتے ہیں، حشر نشر کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں ثواب آخرت سے مایوس ہیں انکا مقصد صرف دنیوی لذت اندوزی اور راحت خوشی ہے اور موخر الذکر الذین سے مراد ہیں وہ کافر جو اللہ کی توحید کو نہیں مانتے اور حشر و جزا کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے اول الذین سے مراد ہیں وہ لوگ جو قیامت کے منکر ہیں جزا آخرت کی ان کو امید ہی نہیں زندگی

صرف اسی دنیوی زندگی کو جانتے ہیں اور موخر الذین سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو محبت دنیا نے تصور آخرت اور تیاری آخرت سے غافل بنا رکھا ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک دونوں الذین سے مراد عام کفار ہی ہیں لیکن تعدد اوصاف کی وجہ سے دونوں کے درمیان حرف عطف ذکر کر دیا گیا ہے۔ (جیسے الی الملک القرم وابن الہمام ولیث الکتیبۃ فی المزدحم۔ میں سب اوصاف یعنی قرم ابن الہمام اور لیث الکتیبۃ کا مصداق الملک ہی ہے لیکن اوصاف کے تغایر کو ذات کے تغایر کے قائم مقام قرار دے کر اوصاف کے درمیان حروف عطف ذکر کئے گئے ہیں اسی طرح آیات میں بھی تعدد اوصاف کو تعدد ذوات کا درجہ دے کر بیچ میں حرف عطف ذکر دیا گیا ہے) اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ چونکہ وہ دونوں اوصاف قبیحہ کے حامل اور جامع ہیں اس لئے مستحق وعید ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے رجا کا معنی خوف بھی ہے اور طمع بھی۔ اس تقدیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ انکو نہ ہمارے عذاب کا خوف ہے نہ ثواب کی امید (گویا ہمارے سامنے آنے کا نہ ان کو کوئی اندیشہ ہے نہ کوئی امید) حضرت ابن عباس نے فرمایا عن ایاتنا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن سے غافل ہیں، ان کی طرف سے رخ موڑے ہوئے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ یہی ہیں کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کے برے کرتوت کی وجہ سے۔ یعنی کفر پر قائم اور معاصی پر جمے رہنے کی وجہ سے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ناقابل شک ہے یہ بات کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا رب ان کو (جنت میں پہنچانے والے راستہ کی) ہدایت کرے گا۔

مجاہدؒ نے کہا پل صراط پر ان کو جنت تک پہنچانے والا راستہ بتا دے گا انکے لئے نور کر دے گا جس کی رہنمائی میں وہ (جنت تک) جائیں گے۔ بعض نے کہا ہدایت سے مراد یہ ہے کہ ایمان کی وجہ سے اللہ انکو حقائق دین سمجھنے کا راستہ بتا دے گا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جانی چیز پر عمل کیا اللہ اس کو انجانی چیز کا علم عطا فرما دے گا رواہ ابو نعیم الحلیۃ۔ بعض نے کہا یہدیہم کا یہ معنی ہے کہ اللہ ان کو ثواب اور جزا دے گا یا جنت کے اندر ان کے مقاصد ان کو پہنچا دے گا۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے ترتیب کلام کا مفہوم اگرچہ بتا رہا ہے کہ ہدایت کا سبب ایمان اور عمل صالح (کا مجموعہ) ہے لیکن تنہا بایمانہم کا صریحی لفظ بتا رہا ہے کہ ہدایت کا مستقل سبب ایمان ہے عمل صالح تو اس کا تکملہ اور تتمہ ہے۔

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ان کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ نیچے سے مراد ہے سامنے جیسا آیت قد جعل ربک تحتک سریا میں تحت سے مراد سامنے ہے کیونکہ حضرت مریم کا نہر کے اوپر بیٹھنا اس آیت کا مقصود نہیں ہے بلکہ نہر کا سامنے ہونا مراد ہے۔

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ چین کے باغوں میں۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ جنتوں میں ان کی دعا (اس طرح) ہوگی اے اللہ! تو ہر برائی سے پاک ہے ہم تجھے ہر عیب و نقص سے پاک جانتے اور مانتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ اہل جنت اور ان کے خادموں کے درمیان سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کا لفظ طلب طعام کی علامت ہوگا۔ جب اہل جنت کھانے کے خواہش مند ہوں گے تو کہیں گے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ فوراً حسب پسند کھانے کے خوان حاضر کر دیئے جائیں گے ہر خوان ایک میل لمبا ایک میل چوڑا ہوگا۔ ہر خوان پر ستر ہزار کاسے ہوں گے ہر کاسہ میں الگ رنگ کا کھانا ہوگا ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہوگا کھانے سے فارغ ہو کر سب اللہ کی طرف ثنا کریں گے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا یہی معنی ہے۔ بعض علماء نے کہا اہل جنت سبحانک اللھم مزے لے لے کر کہیں گے یعنی اس کلام کے کہنے میں ان کو لذت آئے گی۔ مسلم ابو داؤد اور امام احمد نے حضرت جابر کو مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ سانس لینے کی طرح خدا کی طرف سے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے کا اہل جنت الہام ہوگا (یعنی بے اختیار انکی زبانوں پر تسبیح و تحمید جاری ہوگی

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ اور جنت کے اندر ان کا ملاقاتی ابتدائی کلام (لفظ) سلام ہوگا ایک دوسرے کو سلام کرے گا اور فرشتے بھی ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ اور اللہ کی طرف سے بھی سلام لے کر فرشتے آئیں گے اور کہیں گے اللہ تم کو سلام فرماتا ہے (یعنی بشارت سلامتی دیتا ہے) ابن ماجہ، ابن ابی الدنیا، دار قطنی اور اجری نے جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اہل جنت اپنی راحتوں میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ان پر اوپر سے ایک نور چمکے گا سر اٹھا کر دیکھیں گے تو (نظر آئے گا کہ) اللہ اوپر سے ان پر جلوہ پاش ہے اللہ فرمائے گا السلام علیکم یا اہل الجنۃ یہی ہے معنی سلم قولا من رب رحیم کا۔

امام احمد، بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی مخلوق میں سے جنت کے اندر سب سے پہلے فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن سے (اسلام کی) سرحدوں کا انتظام ہوتا ہے اور انہی کے ذریعے سے ناگوار امور سے حفاظت کی جاتی ہے لیکن (اتنی اہم شخصیت کے حامل ہونے کے باوجود) ان میں سے جب کوئی مرتا ہے تو دل کی خواہش دل ہی میں لے کر جاتا ہے پورا کرنے کی توفیق ہی اس کو نہیں ملتی۔ اللہ اپنے ملائکہ میں سے جس کو چاہے گا حکم دے گا کہ مہاجرین کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام پہنچاؤ۔ فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے مالک ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں۔ مخلوق میں تیرے برگزیدہ بندے ہیں۔ کیا تو ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور ان کو سلام کریں۔ اللہ فرمائے گا یہ میرے ایسے بندے تھے کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ کسی کو میرا شریک نہیں قرار دیتے تھے انہی کو سرحدوں پر بھیجا جاتا تھا اور انہی کے ذریعہ سے ناگوار امور سے حفاظت ہوتی تھی اور جب ان میں سے کوئی مرتا تھا تو اپنا ارمان اپنے دل میں ہی لے کر مرتا تھا۔ پورا کرنے کی اس کو توفیق ہی نہ ہوتی تھی۔ حسب الحکم فرشتے ان کے پاس جنت کے ہر دروازہ سے آئیں گے اور کہیں گے سلم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

ع ۲

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اور ان کی (اس وقت کی باتوں میں) آخری بات ہوگی الحمد للہ رب العلمین۔ شاید اس سے مراد یہ ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو کر اللہ کی عظمت کا معاینہ کریں گے تو اس کی بزرگی بیان کریں گے اور صفات جلالیہ کا اظہار کریں گے۔ پھر اللہ کی طرف سے فرشتے حاضر ہو کر ان کو تمام آفتوں سے سالم رہنے اور عزت و کرامت پر فائز ہونے کی دعائیں دیں گے اس وقت وہ اللہ کی حمد و ثناء کریں گے اور اللہ کی صفت اکرام کو بیان کریں گے۔

بغوی نے لکھا ہے وہ کلام کا آغاز تسبیح سے کریں گے اور الحمد للہ پر کلام کو ختم کریں گے اور ان دونوں کے درمیان جو بات کرنی چاہیں گے کریں گے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ اور اگر (لوگوں کی عجلت طلب کے موافق) اللہ فوراً برا نتیجہ دے دیتا ہے جیسا کہ فوری عجلت طلب پر اچھا نتیجہ دے دیتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس (آیت) سے مراد وہ قول ہے جو عموماً غصہ کے وقت لوگ اپنے اہل و عیال کے متعلق کہتے ہیں کہ تم پر اللہ کی مار، تم پر خدا کی لعنت وغیرہ۔

قتادہؓ نے کہا آیت کا تشریحی مطلب یہ ہے کہ لوگ جب اللہ سے کوئی بد دعا کرتے ہیں اور فوری شر کے طلب گار ہوتے ہیں اگر اللہ ان کی بد دعا کو قبول کرنے میں اسی عجلت سے کام لے جس عجلت سے وہ لوگوں کی نیک دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ نیک دعاؤں کے نتیجہ کو جلد طلب کرنے کا تو آیت میں ذکر ہے جلد نتیجہ دینے کا ذکر نہیں۔ اس شر کے ساتھ استعجال کا ذکر نہیں کیا یعنی بد دعا کے ساتھ نتیجہ کی فوری طلب کا ذکر نہیں کیا بلکہ فوری نتیجہ دینے کا ذکر کیا اس طرح کلام میں اختصار ہو گا اور غیر مذکور مطلب قرینہ سے معلوم ہو گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ نضر بن حارث نے (اپنے لئے بد دعا کی تھی اور) کہا تھا کہ یا اللہ اگر یہی حق ہے جو تیری طرف سے آیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ تو ان کا (عذاب کا) وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا یعنی مار دیئے گئے ہوتے اور ہلاک ہو چکے۔

فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪ سو اس لئے ان لوگوں کو جنکو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے، ہم (یونہی بلا عذاب چندروز) چھوڑ رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

لا یرجون لقاءنا یعنی حشر اور عذاب سے نہیں ڈرتے۔ فنذر کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے اصل کلام یوں تھا لیکن ہم ہلاک کرنے میں جلدی نہیں کرتے اور ڈھیل دینے کے بجائے فوری نہیں مار ڈالتے اور ان کافروں کو گمراہی میں چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں سرگرداں پھرتے رہیں۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ الضر سے مراد ہے سختی، مصیبت۔

دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا تو وہ (نجات و خلاص کے لئے) ہم کو پکارتا ہے پہلو کے بل (یعنی لیٹ کر) یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر یعنی مصیبت دور ہونے کی ہر حالت میں فوراً ہم سے دعا کرتا ہے لیٹے لیٹے بیٹھے بیٹھے کھڑے کھڑے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ پھر جب ہم اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں کھول دیتے ہیں تو وہ اپنے سابق طریقے پر قائم رہتا ہے کفر کرتا رہتا ہے ناشکری کرتا ہے۔

كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ معلوم ہوتا ہے کہ (مصیبت اور دکھ کی حالت میں) اس نے ہم سے دعا ہی نہیں کی تھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔

اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے جو اس کو پہنچی تھی۔

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑫ ان حد سے گذرنے والوں کو ان کے اعمال اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں، یعنی خواہشات نفس میں انہماک اور ذکر و عبادت سے اعراض کو ان کی نظر میں محبوب بنا دیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور (اے اہل مکہ) تم سے سابق قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔

لَمَّا ظَلَمُوْا جب انہوں نے (کفر و بداعمالی کر کے) خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ اور ان کے پیغمبر کھلی ہوئی واضح دلیلیں ان کے پاس لا چکے (مگر انہوں نے کسی دلیل کو نہیں مانا) گویا حجت تمام ہو گئی اور ہلاکت کا ان کو استحقاق ہو گیا اسی مضمون کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے فرمایا ہے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا

وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا اور وہ (ظالم قومیں) ایسی تھیں ہی نہیں کہ ایمان لاتیں۔ یعنی ان میں ایمان لانے کی فطری صلاحیت ہی نہ تھی۔ اللہ کے اسم مضل (گمراہ کرنے والا) کا پرتو ان کا مبدء تعین تھا۔ اس لئے اللہ نے بھی ان کی مدد نہیں کی یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے ازلی علم میں وہ مومن نہ تھے اللہ (تخلیق سے پہلے ہی) جانتا تھا کہ وہ کافر مریں گے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ⑬ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں اور کفر پر جمے رہنے والوں کی سزا ان کو ہلاک کر دینا ہے جبکہ یہ امر یقینی ہو جائے کہ انکو مہلت دینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا پس ایسی ہی سزا ہم ہر مجرم کو یا تم کو دیں گے جرم کا تقاضا ہی یہ ہے جرم ہلاکت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ پھر ان کے ہلاک شدہ قوموں کے بعد ہم نے (اے اہل مکہ) تم کو ان کا جانشین بنایا۔

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اچھے یا برے اور گزشتہ اقوام کے احوال سے عبرت اندوز ہو کر پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہو یا نہیں کرتے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ اعمال و افعال بذات خود نہ اچھے ہوتے ہیں نہ برے افعال کی اچھائی برائی کیفیت وجہت کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ایک ہی عمل مختلف وجوہ کے تحت اچھا بھی ہو جاتا ہے اور برا بھی حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اللہ تم کو یہاں (گزشتہ اقوام کا) جانشین بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا اور جب ان کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔ قتادہؒ کے قول پر مشرکین مکہ مراد ہیں مقاتل نے کہا پانچ آدمیوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا کرز بن حفص۔ عمرو بن عبداللہ بن ابو قیس عامری عاص بن عامر بن ہشام۔ عبداللہ بن ابی مخزومی، ولید بن مغیرہ۔

بَيِّنٰتٍ کھلی ہوئی یعنی جو واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا کہتے ہیں وہ لوگ جو ہماری پیشی سے نہیں ڈرتے یعنی حشر سے نہیں ڈرتے اور قیامت کا انکار کرتے ہیں۔

ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لاؤ یعنی اس کے سوا کوئی دوسری کتاب لاؤ جس کو ہم پڑھیں اور اس کے اندر ایسے امور نہ ہوں جو ہماری نظر میں بعید از صداقت ہیں جیسے مرنے کے بعد ثواب و عذاب ہونا بتوں کی پوجا کی ممانعت اور ان کے عیوب کا اظہار۔

اَوْ بَدِّلْهُ یا اسی کو بدل دو۔ یعنی ایک کی جگہ دوسری آیت رکھ دو۔ مقاتل کا بیان ہے مندرجہ بالا پانچوں آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو کوئی ایسا قرآن پیش کیجئے جو خدا کی طرف سے نازل شدہ ہو یا نہ ہو لات و منات اور عزی کی برائی اور ان کی پوجا کی ممانعت اس میں نہ ہو اگر خدا کی طرف سے ایسا قرآن نہ آئے تو آپ خود اپنی طرف سے بنا دیجئے یا اسی کو بدل دیجئے آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت اور حرام کی جگہ حلال اور حلال کی جگہ حرام ہونے کا حکم دے دیجئے۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اپنی طرف سے اس کو بدل دینا میرے لئے درست نہیں۔ جواب میں صرف تبدیل آیت (یا تبدیل حکم) کا ذکر کیا (دوسرا قرآن پیش کرنے کا ذکر نہیں کیا) کیونکہ جب تبدیل آیت کا امکان نہیں تو دوسرا قرآن پیش کرنا بدرجہ اولیٰ ناممکن ہوگا۔ یا یوں کہا جائے کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت پڑھ دینا تو انسانی اختیار میں ہے اور اس قرآن کی طرح دوسرا معجز قرآن پیش کرنا انسان قدرت سے ہی خارج ہے پس جب امکانی چیز سے انکار کا حکم دے دیا گیا تو خارج از قدرت کام سے انکار بدرجہ اولیٰ ہو گیا۔ یا یہ کہا جائے کہ ابدلہ میں تبدیل سے مراد عام تبدیل ہے۔ قرآن کی جگہ دوسرا قرآن لانا یا آیت کی جگہ دوسری آیت ذکر کرنا (یعنی کسی قسم کی تبدیلی میرے لئے درست نہیں)

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰىٓ اِلَيَّ میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی سے آتا ہے یہ جملہ اختیار تبدیل نہ ہونے کی علت ہے جو محض متبع ہوتا ہے اس کو بذات خود تصرف اور خرد برد کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

قرآن میں بعض آیات ناسخ اور بعض منسوخ ہیں (اس طرح تبدیل آیات ہو جاتی ہے) اس سے پیدا ہونے والے وہم کا بھی اس جملہ سے ازالہ ہو گیا۔ (کہ یہ تبدیلی بھی میری خود ساختہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے کفار بعض آیات کی ناسخیت و منسوخیت کو دیکھ کر شبہ کر سکتے تھے کہ شاید یہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا کلام ہے جب چاہا حکم دے دیا جب چاہا منسوخ کر دیا من تلقاء نفسی کے لفظ سے اس کی بھی تردید ہو گئی۔ اپنی طرف سے تبدیل کرنے کو آئندہ آیت میں نافرمانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں گا تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے بڑے دن سے مراد ہے قیامت کا دن۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافر مذکورہ بالا خواہش (یعنی تبدیلی حکم و تغیر قرآن کی درخواست) کی وجہ سے مستحق عذاب ہو گئے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کو کچھ اور منظور ہوتا یہ مطلب کہ اگر اللہ کو اس قرآن کی تلاوت کرانی منظور نہ ہوتی تو وہ مجھ پر اس کو نازل نہ فرماتا۔

مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖؗ نہ میں تم کو پڑھ کر سناتا نہ اللہ اس سے تم کو میری زبانی واقف بناتا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ میں تمہارے اندر ایک مدت یعنی چالیس سال سے نزول قرآن سے پہلے رہتا ہوں اور جب تک میرے پاس وحی نہیں آئی میں نے کچھ نہیں بیان کیا۔ اس جملہ سے قرآن کے معجزہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جو شخص چالیس برس کچھ لوگوں کے ساتھ رہا ہو اور نہ تعلیم حاصل کی ہو نہ کسی عالم سے ملاقات بھی شعر کہا ہو نہ خطبہ دیا ہو، پھر اچانک وہ ایسی کتاب پیش کر دے جس کی فصاحت ہر کلام کی فصاحت سے اعلیٰ اور ہر نظم و نثر سے بالا ہو اور افکار و اعمال کے تمام ضابطے اس میں مذکور ہوں اور گزشتہ آئندہ کے واقعات صحیح صحیح بیان کئے گئے ہوں تو یقیناً ایسی کتاب کسی مخلوق کی ساختہ پر داختہ نہیں ہو سکتی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہی ہو گی۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ کیا تم اپنی دانش و عقل سے قرآن پر غور نہیں کرتے کہ تم کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب میری ساختہ پر داختہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔

...... فائدہ ......

وحی سے پہلے چالیس سال کی عمر تک رسول اللہ ﷺ مکہ میں رہے پھر وحی نازل ہوئی تو نزول وحی کے بعد بھی تیرہ سال تک مکہ میں ہی قیام پذیر رہے، اس کے بعد مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو تشریف لے گئے اور دس سال تک وہاں سکونت پذیر رہے۔ وفات کے وقت حضور ﷺ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ رواہ مسلم عن ابن عباس۔

محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ تمام علماء کا اس امر پر تو اتفاق ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دس سال قیام پذیر رہے۔ اور وحی سے پہلے چالیس سال مکہ میں رہے لیکن نبوت کے بعد مکہ میں کتنی مدت گذری یہ اختلافی مسئلہ ہے صحیح قول یہ ہے کہ نبوت کے تیرہ سال آپ نے مکہ میں گذارے۔

بغویؒ نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آغاز نبوت کے بعد دس سال حضور ﷺ مکہ میں رہے اور ساٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

ابن سعدؒ نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آغاز نبوت کے بعد دس سال حضور ﷺ مکہ میں رہے اور ساٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

ابن سعدؒ عمرو بن شیبہؒ اور حاکمؒ نے اکلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ اول روایت (یعنی ۶۳ سال کی عمر میں وفات ہونا اور نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال قیام پذیر رہنا) زیادہ مشہور بھی ہے اور واضح بھی مسلم نے حضرت انس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی بھی یہی عمر ہوئی۔

ابو داؤد طیالسیؒ اور مسلم نے معاویہ بن ابی سفیان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات ۶۳ سال کی عمر

میں ہوئی۔ نووی نے اسی کو صحیح مشہور اور علماء کا متفق علیہ قول قرار دیا ہے۔

احمد اور مسلم نے لکھا ہے کہ عمار بن ابی عمار نے بیان کیا میں نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی کیا عمر تھی فرمایا کیا تم حتی لگا لوگے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا چالیس جس میں بعثت ہوئی پندرہ تک مکہ میں امن و خوف کی حالت میں قیام رکھا اور دس ہجرت کے بعد مدینہ میں گذارے۔

حاکم نے اکلیل میں علی بن ابی زید کی وساطت سے یوسف بن مہران کی روایت بیان کی کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ۶۵ سال کی عمر میں وفات رسول اللہ ﷺ کی ہوئی۔ حاکم نے اکلیل میں اور نووی نے لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک بالاتفاق صحیح ترین روایت ۶۳ سال والی ہے باقی روایت کی تاویلیں کی گئی ہیں۔ ساٹھ سال والی روایت میں صرف دہائیاں ذکر کی گئی ہیں، اکائی نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ ۶۵ والی روایت بھی قابل تاویل یا مشکوک ہے۔ عروہ نے حضرت ابن عباس کی ۶۵ والی روایت کا انکار کیا ہے اور اس کو غلط قرار دیا ہے۔ آغاز نبوت کا دور حضرت ابن عباس نے نہیں پایا۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس کا قول اکثر روایتوں میں ۶۳ کا آیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابن عباس کے قول میں ۶۵ سال کی عمر میں وفات پانے کا ذکر تھا پھر آپ نے اکثر کے قول کی طرف رجوع کر لیا (یعنی ۶۳ سال کی عمر میں وفات پانا تسلیم کر لیا۔)

قاضی عیاض نے حضرت ابن عباس اور سعید بن مسیب کے حوالہ سے ۴۳ سال کی عمر میں بعثت ہونے کا ذکر کیا ہے مگر یہ روایت شاذ ہے صحیح ۴۰ سال کی عمر ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا پس اس سے بڑا کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹی تہمت تراشی کی اور خیال کیا کہ اللہ کا کوئی ساجھی یا اولاد ہے۔

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ یا اللہ کی آیتوں کو سچا نہ جانا اور ان (کی صداقت) کا انکار کر دیا۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ کوئی شبہ نہیں کہ مجرموں یعنی مشرکوں کو فلاح یعنی نجات نہیں ملے گی۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ اور مکہ کے کافر اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں کہ اگر ان کو پوجا نہ کریں تو وہ ان پجاریوں کو نقصان نہیں دے سکتیں اور اگر ان کی پوجا کریں تو پجاریوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یعنی بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو بالکل بے جان ہیں، نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور معبود میں نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت ہونی چاہئے تاکہ پوجا کرنے والے کو پوجا کا ثواب دے سکے فائدہ پہنچا سکے یا ضرر کو دفع کر سکے۔

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اور کہتے ہیں کہ اللہ کے یہاں یہ (معبود) ہمارے سفارشی ہیں۔ دنیوی امور میں بھی ہماری سفارش کرتے ہیں اور اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی یہ شفاعت کریں گے۔

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی اطلاع دے رہے ہو جس کو وہ نہیں جانتا اور آسمان و زمین میں کہیں اس کا وجود نہیں۔ یعنی اللہ کا شریک قرار دے رہے ہو اور بتا رہے ہو کہ اللہ کے علاوہ بھی دوسرے معبود ہیں اس آیت میں کافروں کو زجر بھی ہے اور استہزاء بھی (کہ آپ بڑے عالم ہیں جو چیز خدا کو بھی معلوم نہیں اس کی اطلاع آپ دے رہے ہیں) فی السموت و الارض کے الفاظ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ جس کو یہ لوگ اللہ کا شریک قرار دے رہے ہیں وہ آسمانی موجودات میں سے ہوگا مثلاً "فرشتہ ہوگا یا زمین کی موجودات میں سے مثلاً" پتھر وغیرہ اور کائنات ساوی و ارضی سب کی سب حادث ہے مغلوب ہے اس کو شریک الوہیت قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وہ پاک ہے اور ان کے شرک کرنے یا شرکوں سے برتر ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور نہیں تھے لوگ مگر ایک گروہ یعنی سب موحد تھے فطرت پر تھے یا سب اسلام پر تھے مطلب یہ کہ آدمؑ کے زمانہ سے نوحؑ کی بعثت سے کچھ پہلے تک یا طوفان کے بعد یا ابراہیمؑ کے عہد سے

عمرو لحی کے زمانہ تک سب لوگ توحید پر تھے۔
یا ایک امت سے مراد ہے گمراہی پر سب کا اتفاق مطلب یہ کہ زمانہ فترہ (انقطاع رسالت) میں سب لوگ گمراہ تھے۔
فَاخْتَلَفُوا ۭ پس ان میں (نفس پرستی اور خواہشات کی پیروی کی وجہ سے) اختلاف ہو گیا (ان میں فرقے بن گئے) یا پیغمبروں کی بعثت کی وجہ سے گمراہ جماعت میں پھوٹ پڑ گئی ایک گروہ پیغمبروں کا متبع اور دوسرا گروہ پیغمبروں کی تکذیب کرنے والا۔
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۹
اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ (دنیا میں ہی) ہو چکا تھا۔ کلمہ سابقہ سے مراد ہے اللہ کا وہ ازلی فیصلہ کہ ہر امت کی ایک میعاد زندگی مقرر ہے۔ کلبی نے کہا کلمہ سابق سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے اس امت کو ڈھیل دینے اور دنیوی عذاب سے ہلاک نہ کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ یعنی دنیا میں عذاب نازل کر دیا جاتا اور تکذیب کرنے والوں کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا ہے یہی ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔
حسن نے کہا اللہ کا ازلی فیصلہ ہو چکا تھا کہ قیامت سے پہلے دنیا میں عذاب و ثواب کی شکل میں ان کے اختلاف کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ دنیا میں ہی جنت یا دوزخ میں داخل کر دیا جائے بلکہ اللہ کی طرف سے جنت و دوزخ میں داخلہ کا وقت روز قیامت کو مقرر کر دیا گیا ہے۔
وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اس پر (ہماری مطلوبہ آیات میں سے) کوئی آیت کیوں نازل نہیں کی گئی۔
فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ تو آپ کہہ دیجئے کہ غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے، وہی جانتا ہے کہ مطلوبہ آیات کا نزول کیوں نہ ہوا۔ مانع کیا ہے۔ یا اَلْغَيْب سے مراد ہے مَا غَابَ عَنِ النَّاسِ یعنی اللہ کا امر جو لوگوں کو معلوم نہیں اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔
فَانْتَظِرُوْا ۚ پس تم منتظر رہو یعنی مطلوبہ آیات کے نزول کا انتظار کرو یا ہمارے تمہارے درمیان اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو کہ ہم میں سے کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔
اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۲۰ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ نازل شدہ آیات کے انکار اور غیر مطلوبہ آیات کی خواہش پر اللہ تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے۔
وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُمْ جب لوگوں کو کوئی دکھ پہنچتا ہے اور پھر ہم انکو رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں۔ رحمت سے مراد ہے سرسبزی، ارزانی، فراخدستی صحت، اور ضراء سے مراد ہے خشک سالی بدحالی افلاس اور بیماری۔
اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ تو فوراً ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں۔ مجاہد نے کہا مکر سے مراد ہے تکذیب و استہزاء۔ میں کہتا ہوں مکر کا معنی ہے پوشیدہ طور پر کسی کو برائی پہنچانے کا ارادہ کرنا۔ آیات کی تکذیب بظاہر رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اور آپ کو برائی پہنچانے کے ارادہ کا مظاہرہ تھا۔ اللہ کی تکذیب نہ تھی لیکن آیات اللہ حقیقت میں اللہ کا کلام تھا اس لئے درپردہ تکذیب اور ارادہ شر کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے اور یہی مکر کی حقیقت ہے۔
مقاتل بن حیان نے کہا (اللہ ان کو رزق دیتا تھا بارش برساتا تھا اور) وہ اللہ کے رازق ہونے کے قائل نہ تھے بلکہ کہتے تھے فلاں نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تکذیب آیات کی انکی طرف سے یہ حیلہ سازی تھی اسی کو مکر کہا گیا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ایک بار اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے۔ پھر اللہ نے ان پر رحمت کی اور قحط کو دور کر دیا۔ قحط دور ہوتے ہی وہ ناشکری اور استہزاء بآیات اللہ کرنے لگے۔ اللہ کی نعمت کے شکر گذار نہ ہوئے بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ کافروں کی بے رخی اور روگردانی دیکھ کر رسول اللہ نے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ یوسف ؑ کے سات سالوں کی طرح ان کو ہفت سالہ قحط میں مبتلا کر کے میری مدد

فرمایا) بد دعا کے نتیجہ میں اہل مکہ پر قحط مسلط ہو گیا کہ ہر چیز (یعنی کھیتی سبزی پھل وغیرہ) تباہ ہو گئی کھالیں اور مردار جانور تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ ابوسفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ محمد تمہاری قوم والے ہلاک ہو گئے تم اللہ کی اطاعت اور صلۃ الرحم (قرابتداروں سے حسن سلوک) کا ہم کو حکم دیتے ہو اللہ سے ان کے لئے دعا کر دو کہ خدا ان کی مصیبت کو دور کر دے رسول اللہ ﷺ نے دعا فرما دی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ قحط میں مبتلا ہونے کے بعد مشرکوں نے کہا تھا اے ہمارے رب ہم سے اس عذاب کو دور کر دے ہم ایمان لے آئیں گے رسول اللہ ﷺ کو (اللہ کی طرف سے) اطلاع دی گئی کہ اگر یہ مصیبت دور کر دی گئی تو یہ لوگ پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے (کفر کرنے لگیں گے)

غرض رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی اور اللہ نے مصیبت دور کر دی مگر وہ پھر (شرک و تکذیب کی طرف) لوٹ گئے۔

اس کی سزا اللہ نے ان کو بدر کے دن دی (کہ سرداران شرک کو تباہ کر دیا)

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۚ آپ کہہ دیجئے کہ خفیہ تدبیر کرنے میں اللہ تم سے تیز ہے اس کی خفیہ تدبیر

یا تو ڈھیل ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے اللہ جس کی دنیا فراخ کرے اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے تو اس کی عقل فریب خوردہ ہے میں کہتا ہوں حضرت کی مراد یہ ہے کہ وسعت دنیا حاصل ہونے کے بعد جو شخص اللہ کی ڈھیل کو نہ سمجھے اور شکر ادا نہ کرے وہ فریب خوردہ ہے۔

یا مکر سے مراد ہے مکر کی سزا یعنی لوگ تو خفیہ تدبیریں بعد کو کرتے ہیں اللہ ان کی سازشوں سے پہلے ہی ان کی سزا کی خفیہ تدبیر یا (خفیہ) ڈھیل دینے کو تجویز کر چکا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے سرعت مکر کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ حق کو دفع کرنے کی جو تدبیریں کافر کرتے ہیں ان سے زیادہ سرعت کے ساتھ اللہ ان کو ہلاک کر دینے کی تدبیر کر دیتا ہے۔ اللہ ان پر بہت جلد عذاب نازل فرما دیتا ہے۔ اللہ چونکہ قدرت رکھتا ہے اس لئے وہ جو کچھ چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے اور کافر دفع حق کی قدرت نہیں رکھتے۔

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۲۱ جو مکاریاں تم کرتے ہو ہمارے پیامبر (یعنی اعمال کی نگرانی رکھنے والے فرشتے) اس کو لکھ لیتے ہیں مطلب یہ کہ تمہاری خفیہ تدبیریں نگرانی رکھنے والے ملائکہ سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتیں ہیں اللہ سے کس طرح چھپی رہ سکتی ہیں جو سارے جہان کا خالق ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ اللہ وہی ہے جو خشکی اور سمندر میں تم کو چلاتا ہے یعنی تم کو سفر پر آمادہ کرتا ہے اور چلنے کی طاقت دیتا ہے۔

حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں (اور جہازوں) میں ہوتے ہو۔ فلک کا استعمال ایک کے لئے بھی ہوتا ہے اور ایک سے زیادہ کے لئے بھی (گویا یہ لفظ واحد بھی ہے اور جمع بھی) اس آیت میں جمع کا معنی مراد ہے کیونکہ آئندہ فقرہ میں جمع کی ضمیر اس لفظ کی طرف راجع کی گئی ہے۔

وَجَرَيْنَ بِهِمْ اور کشتیاں (یا جہاز) اپنی سواریوں کو لے کر چلتے ہیں کُن تم میں خطاب ہے اور بھم میں ضمیر غائب ہے عبارت کی یہ رنگینی کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے اختیار کی گئی ہم کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ تذکرہ مخاطبین کا نہیں۔ دوسرے لوگوں کا ہے جن کی حالت تعجب انگیز ہے۔

بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ نرم رفتار منزل تک پہنچانے والی ہوا کے ساتھ۔

وَّفَرِحُوْا بِهَا اور خوش رفتار ہوا کی وجہ سے وہ خوش ہوتے ہیں۔

جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ تو (کشتیوں پر) آجاتی ہے آندھی یعنی سخت طوفان۔

وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اور ہر جگہ (یا ہر طرف) سے ان پر (طوفانی) موجیں آجاتی ہیں۔

وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ اور ان کا غالب گمان ہو جاتا ہے کہ ہر طرف سے وہ موجوں اور تباہیوں سے گھر گئے، بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں رہا مستقبل میں ہلاک ہو جانے کے قرائن ہوتے ہیں اور قرائن سے غالب گمان ہی ہو سکتا ہے یقین نہیں پیدا ہوتا اس لئے ظنوا فرمایا۔

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ اس وقت سب خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ ہی کو پکارتے ہیں یعنی خلوص دل کے ساتھ اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں پکارتے۔ عرب کے مشرک بھی سخت مصیبت پڑنے پر اللہ ہی کو پکارتے تھے۔

لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ اگر تو ہم کو اس طوفان سے بچا لے گا تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے یعنی وہ کہتے ہیں اگر تو ہم کو یہ مطلب ہے کہ وہ پکارتے ہیں کہ اگر تو ہم کو الخ۔

فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ پھر جب اللہ ان کو اس مہلکہ سے بچا لیتا ہے تو فوراً ہی وہ اطراف زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ یعنی اللہ جب ان کی دعا قبول کر لیتا ہے اور طوفان سے رہائی دے دیتا ہے تو یکدم وہ حدود فساد میں داخل ہو جاتے ہیں اِذَا مفاجات کے لئے ہے اور بغی سے مراد ہے اباحت کی حدود سے نکل کر فساد کی طرف جھکنا بغیر الحق کے لفظ سے یبغون کے مفہوم کی تاکید ہو رہی ہے کیونکہ فساد تو ہوتا ہی ناحق ہے۔

شبہ ہو سکتا تھا کہ مسلمان بھی کافروں کی بستیوں کو تباہ کرتے ان کی کھیتیوں کو اجاڑتے اور باغوں کو ویران کرتے ہیں۔ یہ بھی تو فساد ہے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ (فساد نما) حرکات جو مسلمانوں سے سرزد ہوتی ہیں تخریب کے لئے نہیں ہیں بلکہ ان کی غرض تعمیر اور اصلاح ہوتی ہے اللہ کے حکم سے کیا جاتا ہے حدود اباحت سے تجاوز نہیں کیا جاتا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ اے لوگو! (سن لو) یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال (جان) ہونے والی ہے ظلم کا برا نتیجہ تمہاری طرف لوٹتا ہے۔ ترمذی و ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسن سلوک اور اقرباپروری کا اچھا نتیجہ ہر بھلائی سے جلد مل جاتا ہے اور ظلم و قطع رحم کا برا نتیجہ ہر برائی کے نتیجے سے پہلے آ جاتا ہے ابوالشیخ خطیب اور ابن مردویہ نے تفسیر میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تین چیزیں اپنے کرنے والے پر ہی لوٹ پڑتی ہیں، ظلم، فریب، دغا۔

ابن لال نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر پہاڑ پہاڑ پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والا پہاڑ پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا۔

مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ زندگی میں چند روز اس سے حظ اٹھا رہے ہو یعنی عارضی اور فناپذیر ہے متاع الحیوۃ فعل محذوف کا مفعول ہے یا تمتعون کا۔

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ پھر (مرنے کے بعد یا قیامت کے دن) تمہاری واپسی ہماری ہی طرف ہو گی۔

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ پھر تمہارے اعمال کا بدلہ دے کر ہم تم کو آگاہ کر دیں گے (کہ یہ بدلہ فلاں عمل کا ہے)

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیوی زندگی کی عجیب حالت۔ یعنی دنیوی زندگی بہت جلد زوال پذیر ہے اس کے باوجود لوگ اس پر شیفتہ ہیں یہ عجیب بات ہے۔

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ ایسی ہے جیسے ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں۔

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ پھر اس پانی سے زمین کے نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے اختلط گتھ جاتا ہے گھنا ہو جاتا ہے مما یاکل الناس یعنی انسانوں کی خوراک غلہ پھل سبزیاں والانعام اور چوپایوں کی خوراک یعنی گھاس، چارہ۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ یہاں تک کہ وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی زخرف حسن رونق رنگارنگ پھولوں اور سبزیوں سے پیدا ہونے والا اجمال ارضی۔

وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اور اس زمین کے مالکوں نے خیال کر لیا کہ اب ہم اس پر

بالکل قابض ہو چکے۔ یعنی زمین کے مالک کو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اب زمین کی پیداوار میرے قبضہ میں آ گئی۔ میں کھیتی کاٹ کر غلہ حاصل کر سکتا ہوں اور پھل توڑ کر فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔

اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا (اچانک بعض حوادث کی وجہ سے کھیتی کو تباہ کرنے کے لئے) رات کو یا دن کو ہمارا حکم آپہنچتا ہے اور ہم اس کو کٹے ہوئے کھیت کی طرح کر دیتے ہیں یعنی کھڑی کھیتی کو ہم ایسا کر دیتے ہیں جیسے کھیت کو کسی نے جڑ سے کاٹ لیا ہو۔

كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کل کھیتی تھی ہی نہیں لم تغن۔ غنی بالمکان سے ماخوذ ہے غنی بالمکان اس جگہ ٹھیرا۔ قیام کیا۔ بالامس یعنی اسوقت سے تھوڑے پہلے، مراد ہے ماضی قریب۔

یہ تشبیہ مرکب بمرکب ہے اگرچہ عبارت میں مشبہ بہ پانی کو قرار دیا گیا ہے لیکن واقعہ کے پورے مضمون کے ساتھ تشبیہ دینی مقصود ہے پورے کلام کا مضمون یہ ہے کہ کھیتی سرسبز اور باغ کے پھل تروتازہ ہوتے ہیں زمین شاداب اور پر رونق ہوتی ہے مالکوں کو خیال ہو جاتا ہے کہ اب یہ پیداوار اور کھیتی ہر حادثہ سے نکل گئی۔ اب اس پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی کہ یکدم اللہ کا حکم آپہنچتا ہے (مختلف ارضی وسماوی حوادث کی وجہ سے) اللہ بھرے پرے باغوں اور سرسبز لہلہاتی کھیتیوں کو تباہ کر کے ریزہ ریزہ اور بھوسہ بنا دیتا ہے یہی حالت دنیوی زندگی کی ہے قتادہ نے کہا دنیا پر بھروسہ رکھنے والے اور سامان دنیا میں ڈوبے ہوئے شخص پر یکدم اللہ کا حکم اور اس کا عذاب انتہائی غفلت کی حالت میں آپہنچتا ہے (گویا اس تشبیہ کی وجہ شبہ بے فکری اور غفلت کی حالت میں عذاب خداوندی کا آپہنچنا ہے)

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ اور اللہ (سب لوگوں کو) ایسے گھر کی طرف بلا رہا ہے جو ہر قسم کی تباہی اور ہلاکت سے سالم ہے یعنی جنت کی طرف قتادہ نے کہا جنت اللہ کا گھر ہے السلام اللہ کا نام ہے (یعنی آیت میں السلام سے مراد سلامتی نہیں ہے بلکہ اللہ کا خاص نام مراد ہے اور یہ صیغہ پر صفت ہے مصدر مراد نہیں ہے) لفظ سلام کا ذکر اسی مفہوم پر تنبیہ کرنے کے لئے کیا گیا حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سو رہے تھے کچھ فرشتے آئے اور آپس میں کہنے لگے تمہارے اس ساتھی کی ایک خاص حالت ہے مثال دے کر اس کی حالت بیان کرو کسی فرشتے نے کہا، یہ سو رہا ہے دوسرے نے کہا اس کی آنکھ سو رہی ہے دل بیدار ہے پھر فرشتوں نے کہا اس کی حالت ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا اور (مہمانوں کو کھلانے کے لئے) دستر خوان بچھایا اور لوگوں کو بلانے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا جن لوگوں نے دعوت قبول کر لی وہ اس گھر میں آ گئے اور دستر خوان پر کچھ کھا لیا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر کے اندر نہیں آیا اور نہ دستر خوان سے کچھ کھایا (دوسرے) فرشتوں نے کہا اس مثال کی تشریح کرو تاکہ یہ شخص سمجھ جائے ایک فرشتے نے کہا، یہ تو سو رہا ہے دوسرے نے کہا اس کی آنکھ سو رہی ہے دل تو بیدار ہے فرشتوں نے کہا اس کی تشریح یہ ہے کہ مکان جنت ہے اور لوگوں کو بلانے والا محمد ﷺ ہے جس نے محمد ﷺ کا کہا مانا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی لوگوں کے مختلف فرقے ہیں۔ رواہ البخاری۔

دارمی نے حضرت ربیعہ جرشی کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس روایت کے یہ الفاظ ہیں مجھ سے کہا گیا (قوم کے) سردار نے ایک مکان بنایا اور دستر خوان تیار کیا اور ایک آدمی کو (عام لوگوں کو کھانے کے لئے) بلانے کے لئے بھیجا پس جس شخص نے (دعوت قبول کر لی وہ گھر کے اندر آ گیا اور دستر خوان پر اس نے (کھانا) کھا لیا اور (میزبان) سردار اس سے خوش ہو گیا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر کے اندر نہیں آیا اس نے دستر خوان سے کچھ نہیں کھایا اور سردار اس سے ناخوش ہو گیا فرمایا پس اللہ سردار ہے اور محمد ﷺ بلانے والا ہے اور مکان اسلام ہے اور دستر خوان جنت ہے۔

بعض علماء کے نزدیک (آیت میں) سلام سے مراد یہی عرفی اسلامی سلام ہے اہل جنت جنت کے اندر باہم سلام علیک کریں گے اسی لئے جنت کو دار السلام کہا گیا اور فرشتے بھی جنت میں سلام کریں گے و الملائکہ ید خلون علیهم من کل باب سلم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾ اور وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ بتا دیتا ہے

سیدھی راہ سے مراد ہے دین اسلام طریقہ سنت اور اللہ تک پہنچنے کا راستہ دعوت عمومی ہے (جنت کی طرف اللہ سب لوگوں کو بلا رہا ہے) اور ہدایت یابی مشیت خداوندی پر موقوف ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امر اور ارادہ میں فرق ہے (امر تمام لوگوں کو ہے اور ہدایت یابی کا ارادہ صرف مومن سے تعلق رکھتا ہے اللہ (ازلی) کافر کو ہدایت کرنا نہیں چاہتا (اگرچہ ہدایت قبول کرنے کا حکم کافر کو بھی دیا ہے۔ امر الٰہی سے تخلف تو ممکن بلکہ واقع ہے بیشتر انسان اللہ کے حکم کے خلاف چلتے ہیں مگر اللہ کے ارادے کی خلاف ورزی کوئی نہیں کر سکتا کفر بھی ایمان کی طرح اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے مگر امر کے خلاف ہوتا ہے شاعر کا یہی قول ہے فرقہ معتزلہ امر اور ارادہ میں فرق نہیں کرتا ان لوگوں کے نزدیک کفر اور ہر قسم کا گناہ اللہ کے ارادہ سے نہیں ہوتا۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ جن لوگوں نے (دنیا میں) نیک عمل کئے ان کے لئے

آخرت میں اچھا ثواب ہوگا اور مزید انعام بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے احسان کی تشریح میں فرمایا احسان (عبادت کا حسن) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا (عبادت کے وقت) تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تمہارا معائنہ نہ ہو (اور یہ درجہ میسر نہ ہو تو کم سے کم اتنا یقین رکھو کہ) وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ صحیحین من حدیث عمر بن الخطاب الحسنی سے مراد ہے اچھا ثواب یعنی جنت ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا للذین احسنو (یعنی) لا الہ الا اللہ کی شہادت دی الحسنی (یعنی) جنت وزیادہ (یعنی) اللہ کی طرف دیکھنا۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہی نقل کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ ایک منادی مقرر فرمائے گا جو اتنی آواز سے ندا کرے گا کہ اگلے پچھلے سب سن لیں گے اے اہل جنت اللہ نے تم سے اچھے ثواب کا وعدہ کیا تھا اور زیادت کا بھی اچھا ثواب جنت ہے اور مزید (انعام) رحمٰن کا دیدار حاصل ہونا۔

ابن جریر، ابن مردویہ، لالکائی اور ابن ابی حاتم نے مختلف سندوں سے حضرت ابی بن کعب کی مرفوع حدیث ایسی ہی نقل کی ہے۔ ابن مردویہ، ابو الشیخ اور لالکائی نے حضرت انس کی مرفوع حدیث نیز ابو الشیخ نے حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت بھی اسی مضمون کی بیان کی ہے۔

ابن جریر، ابن مردویہ، ابن المنذر اور ابو الشیخ نے اپنی اپنی تفسیروں میں لالکائی نے نیز اجری نے کتاب الرویۃ میں حضرت ابو بکر صدیق کا قول نقل کیا ہے۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابو الشیخ، لالکائی اور اجری نے حضرت حذیفہ بن یمان کا قول اس آیت کے ذیل میں یہی بیان کیا ہے۔

ہناد، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور لالکائی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول بھی یہی نقل کیا ہے ابن مردویہ نے عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباس کا قول بھی اسی طرح بیان کیا ہے کہ ابن ابی حاتم اور لالکائی نے بطریق سدی از ابو مالک از ابو صالح حضرت ابن عباس کا قول اور عکرمہ کے حوالہ سے حضرت ابن مسعود کا قول بھی یہی لکھا ہے لالکائی نے یہی تفسیری قول اپنی اسنادوں سے سعید بن مسیب حسن بصری عبد الرحمٰن ابی لیلیٰ عامر بن سعد بجلی، ابن ابی اسحاق سبیعی، عبد الرحمٰن بن سابط، عکرمہ اور قتادہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قرطبی نے کتاب الرویۃ میں لکھا ہے یہ تفسیر صحابہ اور تابعین میں مستفیض اور مشہور تھی اور ایسی اجماعی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے سنے بغیر نہیں کی جا سکتی۔

مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت صہیب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اہل جنت جنت میں داخل

ہو چکیں گے تو اللہ ان سے فرمائے گا کیا تم اس سے زیادہ کچھ اور چاہتے ہو جنتی عرض کریں گے کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کر دیا کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نہیں بچالیا۔ (اس سے زیادہ ہم اور کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں) اللہ فوراً (اپنے چہرہ سے) پردہ اٹھائے گا اہل جنت اللہ کی طرف دیکھیں گے پس اس وقت تک جو کچھ ان کو دیا گیا ہو گا سب سے زیادہ محبوب ان کو اللہ کی طرف دیکھنا ہو گا (یعنی اللہ کے دیدار کے مقابلہ کی جنت کی ساری نعمتیں ہیچ ہو جائیں گی) قرطبی نے لکھا ہے پردہ کھول دینے سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے دیدار سے تمام رکاوٹیں دور کر دی جائیں گی اور جنتی اپنی آنکھوں سے نور عظمت و جلال کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح وہ ہے گویا پردہ مخلوق کیلئے پردہ ہے (مخلوق اس کو اب یہاں نہیں دیکھ سکتی اس کی آنکھوں کیلئے پردہ ہے) خالق کے لئے پردہ نہیں ہے (وہ مخفی نہیں ہے بلکہ مخلوق کی آنکھوں پر حجاب ہے۔)

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ اور ان کے چہروں پر نہ غم کی کدورت چھائے گی نہ ذلت۔

ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت ابن عباس و حضرت ابن مسعود کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ قتر اس غبار کو کہتے ہیں جس میں سیاہی ہو ذلت کا معنی ہے حقارت دوزخیوں کی طرح اہل جنت کے چہروں پر نہ غبار کی سیاہی چھائی ہوئی ہوگی نہ ذلت۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾ یہ ہی اہل جنت ہوں گے جس کے اندر ہمیشہ رہیں گے جنت کی نعمتوں کا زوال نہ ہوگا نہ وہ کبھی فنا ہوں گی۔

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ اور جن لوگوں نے برے کام کئے ان کو بدی کی سزا بدی کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھائے گی الذین کسبوا کا عطف الذین احسنوا پر ہے یا یہ مبتدا ہے اور جزاء سیۃ خبر ہے یا کانما اغشیت خبر ہے یا اولئک اصحب النار خبر ہے ترھقھم یعنی ان کو ڈھانک لے گی۔

مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ ان کو اللہ کے غضب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا من عاصم میں من زائد ہے یا اللہ کی طرف سے کوئی بھی ان کو عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا۔ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ قطع جمع ہے اس کا واحد قطعہ ہے من اللیل قطعا کا بیان ہے۔ مظلما اللیل سے حال ہے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧﴾ یہ ہی لوگ دوزخی ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

شبہ فرقہ معتزلہ قائل ہے کہ مرتکب کبائر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا (یعنی گناہ کبیرہ کرنے والا مومن نہیں رہتا) اس آیت سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے۔

جواب السیات (بدیاں برے اعمال) کا لفظ صغیرہ گناہوں کو بھی ہے اور کبیرہ کو بھی اور کفر کو بھی شامل ہے اب اگر اس لفظ کا عمومی معنی مراد لیا جائے تو صغیرہ گناہ کے مرتکب کو بھی دوامی دوزخی کہنا پڑے گا اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ جزا سیۃ بمثلھا بھی اس قول کے خلاف شہادت دے رہا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ سزا کے درجات مختلف ہیں کبیرہ گناہ کی سزا صغیرہ سے زیادہ اور کفر سے کم ہے۔ لا محالہ اولئک کا اشارہ الَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ کی طرف نہیں ہو سکتا بلکہ مرتکبین سیات کے بعض کی طرف ہوگا یعنی صرف کفار کی طرف ہوگا جیسا والمطلقات یتربصن بانفسھن کے بعد وبعولتھن احق بردھن آیا ہے اور ہن کا مرجع عام مطلقات نہیں ہیں (بلکہ وہ عورتیں ہیں جن کو رجعی طلاق دی گئی ہو)

یہ بھی ممکن ہے کہ الذین کسبوا السیات سے مراد کفار ہوں کیونکہ ان کے مقابل الذین احسنوا کو ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ ایمان تمام نیکیوں کی چوٹی ہے اس لئے کبیرہ گناہ کرنے والے مومن بھی الذین احسنوا میں داخل ہیں اور جب مرتکبین کبائر کو الذین احسنوا شامل ہے تو لا محالہ الَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ سے مراد کفار ہی ہوں گے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الذین کسبوا السیات سے وہ بدکار مراد ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے

کیونکہ مومن جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے وہ سب صحابی تھے اور صحابہ کا عدول (غیر فاسق) ہونا بالاجماع ثابت ہے اگر کسی صحابی سے کسی گناہ کا صدور ہو بھی جاتا تھا تو وہ فوراً توبہ کر لیتا تھا جس کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتا تھا گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدکار گناہ گار اس زمانہ میں صرف کافر تھے اور الذین کسبوا سے مراد وہی لوگ ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا اور وہ دن بھی یاد کرو جب ہم اس سب کو جمع کریں گے یعنی دونوں فریقوں کو۔

ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے تم اور جن کو تم شریک بناتے تھے (سب) اپنی جگہ ٹھیرو۔ تاکہ جو عمل ہم تمہارے ساتھ کرتے ہیں اس کو دیکھو شرکاء سے مراد بت ہیں۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ پھر ہم ان (کافروں اور ان کے معبودوں) کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے یعنی انکے دنیوی رشتے اور تعلقات ہم کاٹ دیں گے یہاں تک کہ باطل معبود اپنے پجاریوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ ہم مومنوں سے ان کو الگ کر دیں گے دوسری آیت میں یہ بھی مضمون آیا ہے فرمایا ہے وامتازوا الیوم ایہا المجرمون۔

وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ اور ان سے ان کے شرکاء یعنی بت کہیں گے تم ہماری پوجا نہیں کرتے تھے مطلب یہ کہ اپنی پوجا کرنے کا ہم نے ان کو حکم نہیں دیا تھا (انہوں نے خواہ مخواہ از خود (ہم کو معبود بنایا تھا) اللہ بتوں کو گویا بنا دیں گے وہ بجائے شفاعت کرنے کے رو در رو کافروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شرکاء سے مراد ملائکہ اور مسیح ہیں مسیح اور ملائکہ نے مشرکوں کو حکم نہیں دیا تھا کہ تم ہماری پوجا کرو نہ وہ کافروں کے اس فعل کو پسند کرتے تھے۔

معبودان باطل جب مذکورہ بالا کلام کریں گے تو مشرک کہیں گے ہر گز نہیں ہم تو تمہاری ہی پوجا کرتے تھے اس کے جواب میں بت کہیں گے۔

فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے ہم تو تمہاری عبادت سے بے خبر تھے: سنتے تھے: دیکھتے تھے: سمجھتے تھے

هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کئے ہوئے کاموں کو جانچ لے گا اور اپنے گزشتہ اعمال کے نفع و ضرر کو دیکھ لے گا۔

وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے یعنی اللہ کے فیصلہ کی طرف یا اللہ کے عذاب کی طرف مولاہم الحق کا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہی حقیقت میں ان کا مالک اور ان کے امور کا ذمہ دار ہے وہ معبود مالک نہیں جن کو کافروں نے معبود بنا رکھا تھا۔

ایک شبہ کافروں کا تو کوئی مولیٰ نہیں ہو گا اللہ نے فرمایا ہے وان الکافرین لا مولیٰ لہم۔

ازالہ: آیت زیر بحث میں مولیٰ کا معنی ہے رب اور مالک اور لا مولیٰ لہم میں مولیٰ کا معنی ہے مددگار اور حامی۔

وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ اور جو معبود انہوں نے (از خود) تراش رکھے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گے کھو جائیں گے (کوئی بھی ان کا ساتھی نہ ہو گا) یفترون کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کو شفیع سمجھتے ہوئے تھے یا ان کی معبودیت کے مدعی تھے۔ النصف ۳

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ آپ پوچھئے آسمان سے (پانی برسا کر اور زمین سے سبزہ پیدا کر کے) تم کو کون رزق دیتا ہے یا یہ مطلب کہ آسمان اور زمین والوں میں کون تم کو رزق دیتا ہے۔

أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ یا وہ کون ہے جو تمہارے کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، یعنی کون تم کو سنا اور دکھا سکتا ہے کس کی قدرت ہے کہ جو بات سنانی اور جو چیز دکھانی چاہیئے وہ تم کو سنا اور دکھا سکے یا یہ مطلب ہے کہ کس نے تم

کو سننے اور دیکھنے کی طاقت دی اور کس نے شنوائی اور بینائی کی تخلیق کی اور ان کو ٹھیک رکھا یہ معنی ہے کہ باوجود کثرت حوادث و امراض کے کون تمہاری شنوائی اور بینائی کو محفوظ رکھتا ہے اور کون ان کو متاثر ہونے سے بچاتا ہے۔

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور کون زندہ جاندار کو مردہ نطفہ اور انڈے سے اور نطفہ اور انڈے کو زندہ جاندار سے پیدا کرتا ہے۔

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ اور کون تمام امور کا انتظام کرتا ہے اور سب کاموں کے انجام و نتائج کو جانتا ہے۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ سو وہ (جواب میں) کہیں گے کہ (ایسا کرنے والا) اللہ ہے یعنی ان امور کی نسبت وہ خود ساختہ شریکوں کی طرف نہیں کر سکیں گے۔

فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ تو ان سے کہیے پھر شرک سے کیوں نہیں پرہیز کرتے یعنی بے طاقت عاجز مخلوق کو اللہ قادر کے ساتھ معبودیت میں شریک کرتے تم کیوں نہیں ڈرتے اللہ کے عذاب کا خوف کیا تم کو نہیں۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہ (تمام امور سرانجام دینے والا) ہی تو اللہ ہے جو معبود ہونے کا مستحق ہے۔

رَبُّكُمُ الْحَقُّ جو تمہارا رب حقیقی ہے۔ جس کی ربوبیت وجدان سے بھی ثابت ہے اور دلیل سے بھی۔ جب اسی نے تم کو پیدا کیا رزق دیا اور تمہارے سارے امور کا انتظام کیا تو اس کے سوا اور تمہارا رب کون ہو سکتا ہے وہی حق ہے نہ اس کی ہستی قابل شک ہے نہ اس کی مالکیت لائق شبہ۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ پھر (امر) حق کے بعد بجز گمراہی کے اور کیا رہ گیا۔ سوال انکاری ہے یعنی حق کے بعد گمراہی کے علاوہ اور کچھ نہیں پس حق کو ترک کرنے والا اور اللہ کی معبودیت میں دوسروں کو شریک کرنے والا گمراہ ہے۔

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ پھر (حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف) کہاں پھرے جاتے ہو۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ اسی طرح آپ کے رب کی یہ (ازلی) بات کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے تمام سرکش لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے۔

یعنی جس طرح اللہ کی ربوبیت ثابت شدہ ہے اور جس طرح حق کے بعد محض گمراہی کا ہونا طے شدہ ہے یا جس طرح اللہ نے ان لوگوں کو ایمان سے پھیر دیا ہے اسی طرح اللہ کا سابق ازلی فیصلہ کہ میں جہنم کو انسانوں سے اور جنات سے بھر دوں گا پورا ہو گیا (حضرت مولف کے نزدیک کلمہ رب سے مراد ہے اللہ کا یہ فیصلہ کہ جہنم کو انس و جن سے بھروں گا اور حضرت مولانا تھانوی کے ترجمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ کلمہ رب ہے اللہ کا یہ ازلی فیصلہ کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

فسق سے مراد ہے حدود صلاح سے خارج ہو جانا اور کفر میں سرکش بن جانا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ كلمةُ رَبِّكَ سے بدل ہے یعنی کلمہ رب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے یا کلمہ کی حقیقت کی علت ہے یعنی اتمام کلمہ اور ان کے دوزخی ہونے کے وعدہ کی تکمیل کی علت یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ آپ پوچھئے کہ تمہارے (مفروضہ) شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی مخلوق کو پیدا کر کے پھر دوبارہ بھی پیدا کرے۔ یعنی آغاز آفرینش وہی کرتا ہے پھر اس کو معدوم کر کے دوبارہ وہی پیدا کرتا ہے ایسا اس کے سوا کون کر سکتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ کہہ دیجئے کہ خدا ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا (فنا کرنے کے بعد جیسا کہ پہلے تھا)

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ پھر (حق سے باطل کی طرف) کہاں پھرے جا رہے ہو یعنی اللہ کی عبادت سے دوسروں

کی عبادت کی طرف کس طرح مڑتے ہو۔ دلیل کا تقاضا تو وحدت معبودیت اور نفی شرک ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۚ آپ پوچھئے کہ کیا تمہارے (مفروضہ) شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو دلائل قائم کر کے اور پیغمبروں کو بھیج کر اور صحیح غور و فکر کی توفیق عطا فرما کر اور ہدایت کے طریقے پیدا کر کے حق کا راستہ بتاتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۚ آپ (خود ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کی ہدایت کرتا ہے کسی اور میں اس کی طاقت نہیں۔

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ تو پھر کیا وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے جو امر حق کا راستہ بتاتا ہو یا وہ جس کو بغیر بتائے ہوئے خود ہی راستہ نہ سوجھے۔ یعنی جس وقت اللہ اس کو ہدایت کر دے تو وہ خود بھی ہدایت پا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی ہدایت کر سکتا ہے اللہ کی ہدایت کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مشرکوں کے بڑے بڑے (مفروضہ) شرکاء کا یہی حال ہے مسیح اور عزیر اور ملائکہ (جن کو مشرک اللہ کی عبادت میں شریک قرار دیتے ہیں) خود ہدایت یابی اور ہدایت وہی کے لئے اللہ کے محتاج ہیں۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ہدایت کا معنی ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونا۔ اس آیت میں بتوں کی بے بسی ظاہر کی گئی ہے کہ وہ خود منتقل نہیں ہو سکتے دوسرے لوگ اٹھا کر ان کو منتقل کرتے ہیں پھر معبود ہونے کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں۔

فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵ پس (اے کافرو)! تم کو کیا ہو گیا تم کس طرح ایسا فیصلہ کر رہے ہو جس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اور ان میں سے اکثر لوگ (اپنے عقائد میں) صرف گمان پر چلتے ہیں ان کے گمان کی تائید نہ عقلی دلائل سے ہوتی ہے نہ نقلی براہین سے... محض بے ہودہ خیالات اور غلط قیاس انہوں نے قائم کر رکھے ہیں غائب کو حاضر اور خالق کو مخلوق پر ایک موہوم نقطہ اشتراک کی وجہ سے قیاس کرنا ایک بے حقیقت گمان سے زائد نہیں۔

اکثر سے مراد سب ہی کافر ہیں (کیونکہ سب ہی کافر توہم پرست ہیں اور شرک کی کوئی معقول دلیل کسی کے پاس بھی نہیں ہے) یا اکثر سے وہ لوگ مراد ہیں جو تمیز اور غور و نظر کے مدعی ہیں اور کورانہ تقلید کے منکر ہیں (کیونکہ جب اہل دانش و تمیز وہم کو فہم اور گمان کو یقین سمجھے ہوئے ہیں تو عام کافروں کی توہم پرستی تو بدرجہ اولیٰ واضح ہے وہ تو مدعی دانش بھی نہیں ہیں)

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ بلاشبہ دماغی تک بندی علم اور اعتقاد حق کے مقابلہ میں بالکل بیکار ہے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی یا حق کا کوئی حصہ اس سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اعتقادی مسائل میں محض دماغی تک بندی اور دوسروں کی (کورانہ) تقلید جائز نہیں بلکہ عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں علم یقینی حاصل کرنا ضروری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶ ان کی حرکتوں سے اللہ بخوبی واقف ہے اس میں وعید ہے ان لوگوں کے لئے جو عقلی اور نقلی دلائل سے منہ موڑ کر توہم و تقلید کا اتباع کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئے بغیر از خود اس کو بنا لیا جائے اور اللہ کی طرف اس کی نسبت کر دی جائے۔

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ____ بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد یا رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے یا گزشتہ کتب الہیہ (ترجمہ میں یہی بیان کیا ہے) یا قیامت یا بعثت نبوی جس کی خبر سابق کتابوں میں دے دی گئی تھی۔

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۷ اور احکام ضروریہ (الہیہ) کی

تفصیل بیان کرنے والا ہے اس میں کوئی بات شک (وشبہ) کی نہیں یہ رب العٰلمین کی طرف سے ہے۔
تفصیل الکتاب (احکام ضروریہ کی تفصیل) یعنی لوح محفوظ میں اللہ کے احکام، فرائض اور حلال و حرام کی تشریح ہے اس کا بیان یہ قرآن ہے لا ریب فیہ یعنی اس میں کوئی بات شک کے قابل نہیں کیونکہ گزشتہ آسمانی کتابوں کے بالکل موافق ہے۔
سابق آیت میں دماغی تنگ بندیوں کے اتباع کی ممانعت کی گئی ہے اس آیت میں واجب الاتباع کتاب کا ذکر ہے اور تنبیہ ہے کہ اس قرآن کا اتباع کیا جائے اس کا اتباع لازم ہے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے از خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ پھر تم بھی اس کی طرح ایک سورت ہی بنا لاؤ یعنی اگر میں نے اس کو از خود بنا لیا ہے تو تم بھی کوئی ایک سورت ہی ایسی بنا لاؤ جو بلاغت، اسلوب عبارت اور قوت معنی میں قرآن کی طرح ہو آخر تم بھی میری طرح عرب اور قادر الکلام اور عبارت و اسلوب کے ماہر ہو۔

وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ اور اللہ کے علاوہ (اپنے مددگاروں میں سے) جس کو تم (اپنی مدد کے لئے) بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو محمد ﷺ نے اس کو خود بنا لیا ہے اس آیت میں قرآن کی عبارت اور معانی پر غور کرنے اور مناظرہ کے لئے مددگاروں کو بلانے کی دعوت دی گئی ہے اس لئے آگے فرمایا:

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ ؕ بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کے علم کا احاطہ انہوں نے نہیں کیا اور ابھی اس کی حقیقت ان کے سامنے نہیں آئی۔
یعنی ان کا کلام اور قرآن کی حقانیت سے انکار کسی غور و تحقیق پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن کی حقیقت کو جانے بغیر اور بلا غور و فکر کے فقط سنتے ہی انہوں نے قرآن کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے ابھی سوچا ہی نہیں کہ یہ کلام انسانی طاقت سے باہر ہے قرآن نے جو غیب کی خبریں بتائی ہیں مبداء اور معاد سے آگاہی اور ثواب و عذاب کی اطلاع دی ہے ابھی تک اس کے ظہور کا موقع ہی نہیں آیا ہے ان پر لازم تھا کہ کتب سابقہ کے عالموں سے پوچھتے کہ یہ باتیں جو قرآن بیان کر رہا ہے ان کی کتابوں میں بھی ہیں یا نہیں اس تحقیق سے یقیناً "قرآن کی سچائی ان پر واضح ہو جاتی۔ قرآن کی عبارت اور تعلیم و معانی کا معجز ہونا ان لوگوں پر ظاہر ہو سکتا ہے جو غور کریں، سوچیں اور قرآنی علوم کی تحقیق کریں انہوں نے تو بس الفاظ قرآن پر غور کیا نہ معنی کی تفتیش کی اور لگے فوراً" انکار کرنے۔
لما یاتیھم ابھی تک اس کی حقیقت سامنے نہیں آئی تھی اس جگہ توقع کا لفظ ہے جو قرآن کے اعجاز کے ظاہر ہونے کی امید ولا رہا ہے چنانچہ جب بار بار ان کو دعوت مقابلہ دی گئی اور پوری طاقتیں انہوں نے قرآن کے مقابلہ میں صرف کر دیں اور تجربہ کر لیا اور مقابلہ کی طاقتوں نے کچھ کام نہ دیا تو قرآن کا معجز ہونا ان پر ظاہر ہو گیا اسی طرح قرآن کی دی ہوئی خبریں بار بار سامنے آ گئیں اور سچی ثابت ہو گئیں جیسے غلبت الروم میں ہے کہ رومی مغلوب ہو گئے لیکن عنقریب غالب ہو جائیں گے۔ چنانچہ آئندہ رومیوں، ایرانیوں پر غالب ہو گئے یا جیسے تبت یدا ابی لھب و تب میں ابو لہب کی ہلاکت کی پیشین گوئی کی گئی اور وہ پوری ہو کر رہی۔ اسی تجربہ کے بعد کچھ لوگ ایمان لے آئے اور کچھ جذبہ عناد کے زیر اثر کافر رہے، حقیقت، معاندین کے سامنے بھی آ گئی تھی وہ حقانیت کو پہچان چکے تھے یعرفونه کما یعرفون ابناء ھم والوں سے ان کو بھی قرآن کی صداقت کا یقین ہو چکا تھا مگر عناد لاماننے سے انکار کر دیا وجحد وابھا واستیقنتھا انفسھم

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اسی طرح (پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی) تکذیب کی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یعنی ان لوگوں نے قرآن کی جس طرح تکذیب کی اسی طرح ان سے پہلے کے کافروں نے اپنی اپنی الٰہی کتابوں اور خدائی فرستادوں کی تکذیب کی تھی۔

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ۝ لیکن دیکھ لو ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ یہ تنبیہ ہے

قرآن کے منکروں کو کہ اگر یہ باز نہ آئے تو انکا بھی وہی نتیجہ ہوگا جو گزشتہ منکرین کا ہوا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ اور ان تکذیب کرنے والے میں سے کچھ لوگ (غور و فکر کرنے کے بعد قرآن کی صداقت پر دلوں میں) ایمان رکھتے ہیں یا یہ مطلب کہ آئندہ جب قرآن کی حقانیت ان پر واضح ہو جائے گی تو ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے اور کفر سے توبہ کریں گے لما سے آئندہ مومن ہو جانے کی توقع (لائی تھی اس جملہ میں توقع پوری ہونے کی صراحت کر دی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ اور ان میں سے کچھ لوگ کبھی ایمان نہیں لائیں گے ایمان نہ لانے کی وجہ یا تو ان کی انتہائی حماقت ہے یا یہ وجہ ہے کہ انکا کفر پر مرنا پہلے سے تقدیر پر لکھ دیا گیا ہے اس لئے ایمان نہیں لائیں گے۔

ع ۹ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ اور آپ کا رب ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے، یعنی ضد پر اڑنے والوں اور عناد کرنے والوں سے وہ خوب واقف ہے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور (دلیل قائم ہونے اور لاجواب ہونے کے بعد بھی اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے رہیں تو آپ اپنے بیزاری کا اظہار کر دیجئے اور) کہہ دیجئے میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے (میرے عمل کا بدلہ مجھے ملے گا اور تمہارے عمل کا بدلہ تم کو ملے گا) تم میرے اعمال سے الگ ہو (میرے عمل کا مواخذہ تم سے نہ ہوگا میرا فعل تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتا لہذا مجھے دکھ نہ دو اور مجھ پر تہمت تراشی نہ کرو) اور میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں تمہارے اعمال کی گرفت مجھ سے نہ ہوگی۔ میں تو تم سے جو کچھ کہتا ہوں تمہاری بہتری کے لئے کہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو چیز مجھے دے کر اللہ نے بھیجا ہے اس کی اور میری حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے قوم والوں سے کہا ہو کہ (اس پہاڑ کے اس طرف) میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کی) فوج دیکھی ہے (جو تم پر آخر رات میں حملہ کر دے گی اور تم کو قتل و غارت کر دے گی) میں تم کو اس خطرہ سے آگاہ کئے دیتا ہوں بہت جلد (یہاں سے) نکل جاؤ اور بھاگ کر چلے جاؤ۔ اس شخص کے قول کو کچھ لوگوں نے مان لیا اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر رات ہی کو چل دیئے۔ اس طرح دشمن کے حملہ سے بچ گئے اور کچھ لوگوں نے اس شخص کو جھوٹا سمجھا اور صبح تک اپنی جگہ پڑے رہے۔ صبح کو دشمن کی فوج نے ان پر حملہ کر دیا۔ سب کو تباہ کر دیا اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری لائی ہوئی تعلیم کو مانا اور میری تصدیق کی یا تکذیب کی اور میری لائی ہوئی صداقت کو نہ مانا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم من حدیث ابی موسیٰؓ۔

کلبی اور مقاتل نے کہا آیت جہاد سے یہ آیت منسوخ ہے جیسے لکم دینکم ولی دین منسوخ ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی طرف (بظاہر) کان لگاتے ہیں جب آپ قرآن پڑھتے ہیں اور حکمت و شریعت کی باتیں کرتے ہیں تو بظاہر کان لگا کر سنتے ہیں لیکن دل کے کانوں سے نہیں سنتے دلوں سے توجہ نہیں کرتے۔ حکمت و شریعت کی حقیقت کو اپنی استعداد کی خرابی کی وجہ نہیں سمجھتے گویا وہ ایسے بہرے ہیں جو کان لگاتے ہیں اور شنوائی کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے سن نہیں پاتے۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے جب کہ وہ بے سمجھ بھی ہوں۔ اگر بہرے کے پاس سمجھ ہو تو قرائن کی وجہ سے وہ کچھ سمجھ بھی لیتا ہے اور بے سمجھ بہرا ہو تو وہ کچھ نہیں سمجھ سکتا پس جس طرح بے عقل بہرے کو آپ سنا نہیں سکتے ایسے ہی ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو گوش دل سے سننے اور فکر و نظر سے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی طرف اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں سچائی کی نشانوں کا مشاہدہ کرتے ہیں علامات نبوت ان کو نظر آتی ہے لیکن انکے دل نابینا ہیں۔ قلبی بینائی نہ ہونے کی وجہ سے تصدیق

نہیں کرتے (گویا وہ اندھے ہیں اور بے بصیرت بھی)۔

اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھادیں گے خواہ وہ (بے بصر ہونے کے ساتھ) بے بصیرت بھی ہوں مفقود البصر اگر معدوم البصیرت بھی ہو تو اس کو راستہ کیسے نظر آسکتا ہے۔

ایمان نہ لانے والے کافروں سے بیزاری ظاہر کرنے اور رخ پھیر لینے کا سابق آیت میں حکم دیا تھا ان دونوں جملوں میں اس حکم کی علت بھی بیان فرمادی جس سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا بھی مقصود ہے کہ وہ بہرے جن میں شنوائی کی طاقت ہی نہ ہو اور وہ اندھے جو معدوم البصیرت ہوں ان کو تم سنا سکتے ہو نہ راہ دکھا سکتے ہو پس جن کو میں نے ایمان سے محروم کر دیا ہے تم ان کو توفیق ایمان نہیں دے سکتے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْــٴًـا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اپنی فطری صلاحیتوں کی خرابی اور اختیار دپسندیدگی کی غلطی کی وجہ سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کو صحیح نہیں مانتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو ہدایات (اور دینی تعلیم) اللہ نے مجھے دے کر بھیجا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زمین پر خوب بارش ہو تو زمین کا جو ٹکڑا اچھا ہوتا ہے وہ پانی کو لے لیتا ہے پھر اس میں سبزہ، گھاس چارہ بکثرت ہو جاتا ہے اور زمین کا کچھ ٹکڑا پتھریلا سخت ہوتا ہے وہ پانی کو اپنے اندر روک لیتا ہے (اس پانی سے اس زمین کے ٹکڑے میں تو روئیدگی نہیں ہوتی مگر) اللہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لوگ پیتے پلاتے ہیں اور کھیتیاں سینچتے ہیں لیکن زمین کا ایک ٹکڑا وہ بھی ہوتا ہے جو چٹیل میدان ہوتا ہے (پانی اس پر برستا ہے اور بہہ کر بہ جاتا ہے) وہ نہ پانی کو اپنے اندر روکتا ہے نہ سبزہ پیدا کرتا ہے یہی حالت اس دین کی ہے کچھ لوگ دین کو سمجھتے ہیں اللہ نے جو تعلیم مجھے دے کر بھیجا ہے ان کو اس تعلیم سے فائدہ ہوتا ہے۔ وہ خود بھی سیکھتے ہیں دوسروں کو بھی سکھاتے ہیں اور کچھ لوگ دین کی طرف قطعاً "توجہ" نہیں کرتے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور جو ہدایت مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اس کو قبول نہیں کرتے۔ (متفق علیہ من حدیث ابن موسیٰؓ)

بعض علماء نے آیت مذکورہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہوش و حواس اور قوت فہم کو اللہ سلب کر لے اور آلات استدلال سے محروم کر دے (اور پھر ہدایت پر چلنے کا حکم دے) اللہ ایسا ظلم نہیں کرتا گویا اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کو کسب (یعنی عمل) کا اختیار ہے اس کی اختیاری طاقت اللہ نے سلب نہیں کر لی ہے (برے بھلے کی تمیز کرنے کی طاقت عام لوگوں کو بھی دی گئی ہے خود آدمی اس طاقت سے کام نہ لے یا غلط کام لے تو یہ قصور انسان کا ہے) اس سے فرقہ جبریہ کے قول کی تردید ہوتی ہے (جو انسان کو پتھر کی طرح بے بس اور مجبور جانتے ہیں) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منکرین نبوت و قرآن کو اس آیت میں عذاب کی وعید ہو کہ قیامت کے دن جس عذاب میں یہ لوگ گرفتار ہوں گے وہ ان پر ظلم نہ ہوگا سراسر انصاف ہوگا عذاب کے اسباب کو انہوں نے خود اختیار کیا تھا (جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب ہوگا)

وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ اور جس روز ہم ان کو جمع کریں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ (دنیا میں یا قبروں میں) ان کا قیام گویا گھڑی بھر رہا تھا منظر کی ہولناکی کی وجہ سے وہ دنیوی زندگی یا قیام قبر کی میعاد کو گھڑی بھر سمجھیں گے۔

یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ باہم ایک دوسرے کو پہچان لیں گے جیسے دنیا میں ان کا باہمی تعارف تھا گویا تھوڑی دیر کو جدا ہوئے تھے پھر جمع ہو گئے (اور کوئی کسی کو نہیں بھولا) بغوی نے لکھا ہے یہ باہم شناخت قبروں سے اٹھنے کے وقت تو ہوگی پھر قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے باہم تعارف جاتا رہے گا۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ آدمی اپنے برابر والے کو پہچان تو لے گا مگر ہیبت اور خوف کی وجہ سے اس سے بات نہیں کرے گا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ (منکرین حشر باہم تعارف کے دوران کہیں گے کہ آج) گھاٹے میں پڑ گئے جنھوں نے قیامت کا (اللہ کے سامنے جانے کا) انکار کیا تھا یہ اللہ کی طرف سے شہادت ہے (کافروں کا قول نہ ہوگا) ایمان چھوڑ کر کفر کو اختیار کرنا اور جنت کی جگہ جہنم نصیب ہونا بڑا گھاٹا ہے۔

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ اور نہ تھے وہ ہدایت پانے والے کہ حصول معرفت و سعادت کے جو آلات ان کو دیے گئے تھے ان کو صحیح طور پر استعمال کرتے۔ اس جملہ میں تعجب کا مضمون ہے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ اور جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے تھوڑا سا (عذاب) اگر آپ کو دکھلا دیں (تو آپ دیکھ ہی لیں گے) یا (اس کے نزول کے قبل) ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس ہی تو ان کو لوٹ کر آنا ہے (عذاب سے تو چھوٹ ہی نہیں سکتے ہم آپ کو آخرت میں دکھا دیں گے)

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ پھر (سب کو معلوم ہے کہ) اللہ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہے۔ اطلاع سے مراد ہے نتیجہ اطلاع (سبب بول کر مسبب مراد ہے) اسی لئے شہادت کو رجوع کا نتیجہ قرار دیا ہے (یعنی شہید کے لفظ سے مطلع ہونا مراد نہیں ہے ورنہ قیامت کے دن واپسی کے بعد اللہ کا ان کے افعال پر مطلع ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اللہ تو دنیا میں بھی ان کے افعال سے واقف ہے قیامت کے دن واپسی کے بعد ہی واقف نہیں ہوگا البتہ شہید کا معنی اگر عذاب دہندہ کہا جائے تو مطلب درست ہو جائے گا کہ واپسی سب کی اللہ کے پاس ہوگی اور واپسی کے بعد اللہ انکو عذاب دے گا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کے افعال سے واقف ہے قیامت کے دن اسی واقفیت کی بناء پر ان کو سزا دے گا بعض علماء نے کہا لفظ ثُمَّ بمعنی واو ہے (اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ ان کے اعمال سے واقف ہے ان سب کی واپسی اللہ کے پاس ہوگی گویا دونوں مضمون جدا جدا دو جملوں میں مستقل طور پر بیان کر دیئے گئے (کسی مضمون کا دوسرے سے تقدم و تاخر مراد نہیں ہے) مجاہد نے کہا عذاب کا جو حصہ اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو آنکھوں سے دکھا دیا اس سے بدر کے دن کا عذاب (سرداران کفر کا قتل اور کافروں کو دوامی شکست) مراد ہے باقی انواع عذاب کا مرنے کے بعد وقوع ہوگا۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے رسول سے مراد ہے قاصد، حکم پہنچانے والا اسلام کی دعوت دینے والا۔

فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ سو جب ان کا رسول ﷺ ان کے پاس آچکا اور احکام پہنچا چکا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی تو اس کے بعد انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کیا گیا اور ان پر ظلم نہیں کیا گیا یعنی جب رسول نے معجزات پیش کر دیئے اور اس کے بعد بھی انھوں نے نہ مانا اور رسول ﷺ کو جھوٹا قرار دیا تو اللہ نے رسول ﷺ کا اور اس کی امت کا فیصلہ انصاف سے کر دیا تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اور مومنوں کو اور رسول کو محفوظ رکھا اور ہمارا یہ فیصلہ حق پر انصاف تھا ہم نے عذاب دینے میں ان پر ظلم نہیں کیا۔ مجاہد اور مقاتل نے آیات کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ ہر امت کا ایک رسول ہوا ہے جس کو اس امت کی طرف بھیجا گیا تھا جب قیامت کا دن ہوگا اور ہر رسول اپنی امت کے کفر و ایمان کی شہادت دینے آئے گا تو اللہ انصاف کا فیصلہ کرے گا، مومنوں کو نجات دے گا اور کافروں کو سزا۔ دوسری آیت میں بھی یہی کہا گیا ہے فرمایا وجیٓء بالنبیین والشهدآء و قضی بینهم دوسری جگہ فرمایا فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بک علی هوؤلآء شهیدا

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ یہ (عذاب کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا جس سے تم ہم کو ڈرا رہے ہو۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ اگر تم لوگ (محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی) سچے ہو تو عذاب موعود کو لے آؤ۔ کفار مکہ نے یہ بات بطور تکذیب و استہزاء

کی تھی۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی جان کے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں سوائے اتنی مقدار کے جتنی مقدار کا (مالک بنانا) اللہ نے چاہا یعنی ضرر کو دفع کرنے اور نفع کو حاصل کرنے کی مجھے قدرت نہیں صرف اتنی قدرت ہے جتنی اللہ نے دینی چاہی یا الا ماشاء اللہ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے مجھے اپنے نفع وضرر پر قدرت نہیں۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ (اللہ کے علم میں) ہر امت کی ہلاکت کی ایک میعاد مقرر ہے۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ سو جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو (اس وقت) نہ گھڑی بھر پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ ہی آگے سرک سکتے ہیں۔ اجلھم یعنی عذاب دینے کا مقررہ وقت ساعۃ ذرا سی دیر مراد یہ ہے کہ عذاب آنے کی جلدی نہ مچاؤ عنقریب اس کا وقت آجائے گا اور وعدہ پورا ہو جائے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

آپ ﷺ پوچھئے یہ تو بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات میں آپڑے (جب کہ تم نیند میں مشغول ہو) یا دن کو (جب تم کاروبار میں مصروف ہوتے ہو) تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں۔

ماذا میں استفہام تعجبی ہے یعنی تعجب ہے جیسی ناگوار چیز کو جلد طلب کر رہے ہیں ناگوار چیز کی عاجلانہ طلب تو نامناسب ہے۔

ان اتکم کی جزا محذوف ہے یعنی اگر رات کو یا دن کو عذاب آجائے تو اس وقت تم کو عجلت طلبی پر ندامت ہوگی اور اپنی غلطی جان لوگے۔

بغوی نے لکھا ہے کفار عذاب جلد آجانے کے طلب گار تھے ایک شخص نے کہا تھا اے اللہ اگر یہ حق ہے تیری طرف سے ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ اللہ اس کے جواب میں فرمارہا ہے، یہ کون سے عذاب کے آنے کی جلدی مچا رہے ہیں عذاب تو ہر ایک کے لئے ناگوار ہی چیز ہے۔

میں کہتا ہوں ماذا یستعجل شرط کی جزا ہو سکتی ہے مطلب یہ ہوگا کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر آگیا تو اس وقت کسی چیز کی طلب میں عجلت کرو گے کیا اسی قسم کا دوسرا عذاب مانگو گے اور عذاب میں رہنا پسند کرو گے یا رہائی کے طلب گار ہو گے۔ ظاہر ہے کہ عذاب کے خواستگار نہ ہو گے۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کیا پھر جب وہ مطلوبہ عذاب آجائے گا تو (پشیمان ہو گے اور) عذاب پر یا عذاب کی خبر دینے والے پر ایمان لاؤ گے یا یہ مطلب ہے کہ جب تم پر عذاب آجائے گا تو کیا اس وقت بھی عذاب کی جلدی مچاؤ گے پھر اس وقت عذاب کو یا عذاب کی خبر دینے والے کو مانو گے جب کہ ایمان سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

آٰلْـٰٔنَ (آخرت کا عذاب دیکھنے کے بعد یا موت کے غرغرہ بولنے کے وقت جب تم ایمان لاؤ گے تو تم سے اس وقت کہا جائے گا) کیا اب تم ایمان لائے ایسے وقت میں تو ایمان بے سود ہے۔

وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ حالانکہ (تکذیب و استہزاء کے طور پر) تم عذاب کے جلد آجانے کے خواستگار تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ظالموں (مشرکوں) سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تم کو تو تمہارے ہی کئے کا بدلہ دیا جارہا ہے۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ (یعنی توحید، نبوت، قرآن قیامت اور عذاب و ثواب) حق ہے (یا بے حقیقت، محض مذاق)

قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾ آپ کہہ دیجئے جی ہاں اپنے رب کی قسم بلا شک وشبہ حق ہے اور تم ہرا نہیں سکتے (یعنی اس کے آنے اور اس کی صداقت کو روک نہیں سکتے) مطلب یہ کہ تم اس سے چھوٹ نہیں سکتے عجز عن الشیٔ وہ شخص فلاں چیز سے عاجز ہو گیا یعنی وہ چیز اس سے فوت ہو گئی۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ اور (بالفرض) اگر ہر مشرک شخص کو (قیامت کے دن) وہ تمام (دفینے خزانے) مل جائیں جو زمین میں ہیں تو وہ عذاب سے رہا ہونے اور بچنے کے لئے سب کچھ دے دے گا مافی الارض سے مراد ہیں زمین کے خزانے اور تمام مرغوبات ارضی۔ افتداء اور فداء کا ایک ہی معنی ہے عذاب سے بچنے کے لئے عوض دے دینا (ہر چیز کو قربان کر دینا) ظلم سے مراد ہے شرک یا دوسرے شخص پر زیادتی۔

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو (دلوں میں) پوشیدہ طور پر پشیمان ہوں گے۔

ابوعبیدہ نے کہا، اسروا الندامۃ سے مراد یہ ہے کہ اس وقت ندامت کو ظاہر کریں گے کیونکہ قیامت کا دن بناوٹ اور مصنوعی اظہار صبر کا نہ ہو گا (تکلیف اتنی سخت ہو گی کہ جھوٹے صبر اور مصنوعی برودت کو کوئی ظاہر نہ کر سکے گا) بعض علماء نے کہا اسرو کا معنی یہی ہے کہ وہ ندامت کو چھپائیں گے یعنی بالادست سرداران اپنے زیر اثر کمزور تابعین سے اپنی ندامت کو چھپائیں گے۔ تاکہ ان کی وجہ سے گمراہ ہونے والے ان کو ملامت نہ کریں۔ بعض علماء نے کہا کہ اخفاء ندامت سے مراد ہے بول نہ سکنا، غیر متوقع اور بے گمان عذاب جب سامنے آئے گا تو انتہائی تحیر میں بول بھی نہ سکیں گے۔

بعض علماء نے کہا، کسی چیز کے خلاصہ کو سر کہا جاتا ہے راز کی طرح خلاصہ شی قابل اخفاء و حفاظت ہوتا ہے۔ پس اسرار کا معنی اس جگہ ہے خالص ندامت کرنا۔

وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا ظلم نہیں کیا جائے گا کہ بلا قصور عذاب دیا جائے۔ مطلب یہ ہے ظالموں کو مظلوموں پر ظلم کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا ظالم و مظلوم کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جائے گا اول قُضِیَ سے انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان فیصلہ کرنا مراد ہے اور اس جگہ قُضِیَ سے مراد ہے مشرکوں کو شرک کی سزا دینا اور مظلوموں کو ظالموں سے ظلم کا بدلہ دلوانا یعنی ظالموں کو عذاب دینا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ خوب سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اس لئے وہ ثواب و عذاب دینے کی قدرت رکھتا ہے (کائنات ارضی و سماوی میں سے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں)

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ خوب سمجھ لو کہ (ثواب و عذاب کا) اللہ کی طرف سے کیا ہوا وعدہ برحق ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی عذاب و ثواب ضرور ہو گا۔

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ لیکن (دانش و فہم کی کوتاہی کی وجہ سے) اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔ صرف ظاہر دنیا کو جانتے ہیں۔ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ

وہی (دنیا میں) جلاتا اور موت دیتا ہے۔ پس آخرت میں وہ زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہے نہ اس کی قدرت میں زوال ہو سکتا ہے نہ موت و حیات کو قبول کرنے والا بدل سکتا ہے۔

وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ اور (مرنے کے بعد قبروں سے اٹھ کر) تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک عظیم الشان نصیحت آ گئی یعنی رسول اللہ ﷺ کی زبانی قرآن مجید تم کو پہنچ گیا۔ قرآن پیام بیداری ہے اور ایک یاد داشت ہے جو اچھی باتوں کی دعوت دے رہا ہے اور بری باتوں سے باز داشت کر رہا ہے کیونکہ یہ اوامر و نواہی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اللہ حکیم ہے جس کام کو کرنے کا حکم دے رہا ہے وہ یقیناً "اچھا ہے اور اس کا نتیجہ اچھا ہو گا اور جس کام سے روک رہا

ہے وہ یقیناً برا ہے اور اسکا نتیجہ برا ہوگا اچھا کام قابل رغبت اور برا کام قابل نفرت ہوتا ہے۔
وَشِفَاۤءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا بخش دوا ہے۔ امراض قلبی سے مراد ہیں غلط عقائد اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے دلوں کا لگاؤ اور وابستگی۔

ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے سینہ کا دکھ ہے فرمایا قرآن پڑھا کرو۔ اللہ نے (قرآن کے متعلق) فرمایا ہے وشفاء لما فی الصدور اس حدیث کی شاہد واثلہ بن اسقع کی روایت بھی ہے۔ جس کو بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔

وَهُدًى اور رہنما ہے۔ صحیح عقائد وافکار کا، جنت کا اور اللہ کے قرب کے درجات کا راستہ بتاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (قیامت کے دن) قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا پڑھ اور چڑھتا چلا جا اور جس طرح دنیا میں ترتیل کرتا تھا اس طرح ترتیل کر کیونکہ تیرا درجہ وہاں ہے جہاں تک تو آخری آیت پڑھنے پر پہنچے گا۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی عن عبداللہ بن عمرؓ

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۵۷ اور ایمان والوں کے لئے یہ اللہ کی طرف سے رحمت ہے ایمان والے ہی اس سے فائدہ اٹھانے والے اور اس کو پڑھ کر اور اس کی تعلیم پر چل کر اللہ کی رحمت سے بہرہ اندوز ہونے والے ہیں۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ اے محمد ﷺ! آپ (اللہ کا شکر ادا کرنے کے طور پر) کہیں کہ اللہ کے فضل ورحمت سے (یہ نصیحت، شفا، ہدایت اور رحمت خدا ہم کو ملی ہے، ہمارے استحقاق کو اس میں کوئی دخل نہیں)

فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ پس (اللہ کے اس فضل وکرم اور حصول قرآن سے) ان کو خوش ہونا چاہئے۔ بذلک کی تقدیم اشارہ کر رہی ہے اس بات کی طرف کہ خوشی کی چیز قرآن اور اللہ کا فضل وکرم ہی ہے اس کے علاوہ دنیا کی کوئی راحت و نعمت موجب فرح نہیں ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ اللہ کے فضل ورحمت سے مراد قرآن کا نزول ہی ہے۔ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے اللہ کا فضل ایمان ہے اور اللہ کی رحمت قرآن۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا اللہ کا فضل ایمان ہے اور اللہ کی رحمت یہ ہے کہ اللہ نے ہم کو اہل قرآن بنایا۔

ابو الشیخ وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ان کو خوش ہونا چاہئے اللہ کے فضل سے یعنی قرآن سے اور اللہ کی رحمت سے یعنی اس بات سے کہ اللہ نے ان کو اہل قرآن میں سے بنایا۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اللہ کا فضل اسلام ہے اور اللہ کی رحمت یہ ہے کہ اللہ نے اسلام کو ہمارے دلوں میں محبوب بنا دیا۔

حضرت خالد بن معدان نے فرمایا اللہ کا فضل اسلام ہے اور اللہ کی رحمت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کا فضل ایمان ہے اور اللہ کی رحمت جنت۔

هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۝۵۸ وہ (یعنی قرآن کا نزول یا اللہ کا فضل ورحمت) اس (دنیوی متاع حقیر) سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کرتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ

(اے محمد ﷺ! آپ (مکہ کے کافروں سے) کہہ دیجئے کہ یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدہ کے لئے جو رزق اتارا تھا سو تم نے (از خود) اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حصہ حلال قرار دیا۔

انزل اتارا یعنی پیدا کیا تخلیق کو اتارنا فرمایا کیونکہ ان چیزوں کی تخلیق بالائی ذریعہ یعنی بارش سے ہوتی ہے اور بارش اوپر ہی سے اترتی ہے یا یوں کہا جائے کہ تخلیق کائنات سے پہلے اللہ نے پیدا کی جانے والی چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اب تحریر لوح کے مطابق تخلیق رزق ہوتی ہے گویا رزق لوح محفوظ سے اترتا ہے رزق سے مراد ہے کھیتی یا مویشی دودھ والے۔

لکم کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ نے یہ چیزیں تمہارے لئے حلال بنائی تھیں۔ مگر تم نے (از خود) ان میں سے کسی کو حلال بنا لیا اور کسی کو حرام کافروں نے کہا تھا ھذہٖ انعام و حرث حجر یہ چوپائے ہیں اور کھیتیاں ہیں جو ممنوع ہیں انہوں نے یہ بھی کہا تھا مافی بطون ھذہ الانعام خالصۃ لذکورنا و محرم علی ازواجنا ان جانوروں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے وہ مردوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ حلال ہے، عورتوں کے لئے حرام ہے انہوں نے بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام (مختلف اقسام کے سانڈوں) کو بھی حرام قرار دے رکھا تھا۔

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ آپ ان سے پوچھئے کہ کیا (اس حرام حلال بنانے کی) اللہ نے تم کو اجازت دی ہے (کہ اس کے حکم سے ایسا کر رہے ہو) یا اللہ پر تم دروغ بندی کر رہے ہو کہ اس خود ساختہ تحلیل و تحریم کی نسبت اللہ کی طرف کر رہے ہو مراد یہ ہے کہ اللہ نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی۔ تم خود اللہ پر تہمت تراشی کر رہے ہو اور جھوٹ کہہ رہے ہو کہ اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اور جو لوگ اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں ان کا خیال قیامت کے دن (کے سلسلہ) میں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ قیامت کے دن ان کو اس دروغ بندی کی سزا نہیں دی جائے گی نہیں ایسا ضرور ہو گا لفظ ما میں وعید کا ابہام بتا رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے کافروں کو یہ تہدید عذاب سخت طور پر دی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ اس میں شک نہیں کہ اللہ لوگوں پر بڑا مہربان ہے اس نے عقل کی نعمت عطا کی اور ہدایت کے لئے کتابیں اتاریں اور پیغمبر بھیجے۔ ع ۷ ۱۱

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ لیکن اکثر لوگ اس نعمت کا شکر نہیں ادا کرتے اگر شکر ادا کرتا ہوتا تو عقل و نقل کے حکم پر چلتے اور اللہ پر دروغ بندی نہ کرتے۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ بندے نافرمانی کرتے ہیں مگر اللہ دنیا میں فوراً ہی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا (ڈھیل دیتا رہتا ہے)

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ اور (اے رسول اللہ ﷺ) آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور اسی طرح اے لوگو تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو۔

تکون کا خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور لا تعملون کا خطاب سب لوگوں کو شان کا معنی ہے امر۔ حالت۔ ایک محقق کا قول ہے کہ شان کا اطلاق عظیم حالت اور جلیل القدر امر پر ہوتا ہے بیضاوی نے لکھا ہے (شان کا معنی ہے قصد) شانت شانہ میں نے اس کا جیسا قصد کیا منہ کی ضمیر شان کی طرف راجع ہے قرآن کی تلاوت رسول اللہ ﷺ کا ایک بڑا کارنامہ تھی۔ یا من اجلیت کا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی شان عظیم کی وجہ سے جو تلاوت آپ کرتے ہیں۔ من قرآن میں من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے یا زائد ہے جو کچھ آپ پڑھتے ہیں یعنی قرآن۔ یا جو حصہ قرآن کا آپ پڑھتے ہیں ولا تعملون من عمل اول خطاب خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو کیا کیونکہ آپ تمام انسانوں کے سرگروہ تھے۔ اسی لئے آپ کے بڑے عظیم الشان عمل کا ذکر کیا پھر سب لوگوں کو خطاب کیا اور ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کا ذکر کیا شہود نگراں، واقف اذ تفیضون جب تم اس عمل کو شروع کرتے ہو اس میں داخل ہوتے ہو بعض نے کہا کہ افاضہ کا معنی ہے بکثرت کسی کام کو کرنا اس لئے تفیضون کا معنی ہو گیا تکثرون۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٦١﴾ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی چیز ذرہ سے بھی چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں کہ واضح کتاب (لوح محفوظ اللہ کی علمی کتاب) میں نہ ہو۔

مایعزب غائب نہیں ہے من مثقال من زائد ہے مثقال مصدر ہے بمعنی وزن۔ ذرہ چھوٹی چیونٹی یا خاک کا ذرہ زمین و آسمان سے مراد ہے سارا جہان امکان اور عالم ہستی۔ کوتاہ نظر عوام کی نظری رسائی انہی دونوں تک ہو سکتی ہے اس لئے ان ہی دونوں کا ذکر کیا۔ اور اہل ارض کی حالت کا ذکر چونکہ پیش نظر تھا اس لئے زمین کا ذکر آسمان سے پہلے کیا۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا علم ہمہ گیر ہے سارے جہان کو گھیرے ہوئے ہے۔

لا اصغر و لا اکبر مستقل جملہ ہے کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ یا وہ اعمال نامے جو کرام کاتبین کے پاس ہوتے ہیں۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ خوب سن لو کہ (قیامت کے دن جب سب لوگوں کو مصیبت میں مبتلا ہونے کا خوف ہوگا) اللہ کے دوستوں کو (عذاب کا) کوئی اندیشہ نہ ہوگا اور نہ وہ (اپنی کسی امید کی ناکامی سے) غم میں مبتلا ہوں گے (یعنی ان کی ہر امید پوری کی جائے گی)

ولاء اور تولی کا لغوی معنی ہے دو یا زیادہ چیزوں کا براہ راست بلا واسطہ تعلق و اتصال مجازاً اس سے مراد ہوتا ہے قرب خواہ مکانی ہو یا نسبی یا دینی یا اعتقادی یا دوستی اور مدد کے لحاظ سے ہو۔ قاموس میں ہے وَلِیَ قرب وَلِیٌّ وَلِیٌّ سے صفت کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے قرب رکھنے والا دوست مددگار۔

تنقیح

یوں تو ہر شخص بلکہ ہر چیز کا اللہ سے قرب ہے جس کی کیفیت نہیں جانی جا سکتی اللہ نے فرمایا نحن اقرب الیہ من حبل الورید رگ جان سے بھی زیادہ ہم بندہ کے قریب ہیں۔ اسی قرب کی وجہ سے یہ کائنات جامہ ہستی پہنتی اور دائرہ وجود میں آئی ہے اگر یہ قرب نہ ہوتا تو کوئی وجود کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا اصل ذات کے اعتبار سے ہر چیز نیست ہے۔ سب کی اصل عدم ہے لیکن خاص بندوں کو ایک بے کیف قرب اور بھی حاصل ہے یہ قرب محبت ہے عالم مثال میں اہل کشف کو یہ بے کیف محبت قرب جسمانی کی شکل میں نظر آتی ہے لفظ قرب کا قرب خلقی اور قرب محبت دونوں پر اطلاق بطور اشتراک لفظی کے ہوتا ہے حقیقت قرب دونوں جگہ جدا جدا ہے موخر الذکر قرب کے ان گنت غیر محدود درجات ہیں ایک حدیث قدسی ہے (اللہ نے فرمایا) میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے پیار کرنے لگتا ہوں جب میں اس کو پیار کرتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے الی آخر الحدیث (یعنی اس وقت وہ جو کام کرتا ہے وہ گویا میرا عمل ہوتا ہے) رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ۔

اس قرب کا ابتدائی درجہ صرف ایمان سے حاصل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ ولی الذین امنوا۔ اور آخری انتہائی درجہ انبیاء کا خصوصی حصہ ہے جن کے سردار رسول اللہ ﷺ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے درجات ترقی پذیر ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔

صوفیہ کی اصطلاح میں کم سے کم وہ درجہ جس پر لفظ ولی کا اطلاق ہو سکتا ہے اس شخص کا ہے جس کا دل اللہ کی یاد میں ہر وقت ڈوبا رہتا ہے وہ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ کی محبت سے سرشار رہتا ہے کسی اور کی محبت کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی خواہ باپ ہو یا بیٹا یا بھائی یا بیوی یا دوسرے کنبہ والے کسی سے اس کو محبت نہیں ہوتی اگر کسی سے محبت ہوتی ہے تو محض اللہ کے لئے اور نفرت ہوتی ہے تب بھی خوشنودی مولیٰ کے لئے وہ کسی کو کچھ دیتا ہے تو صرف اللہ کے لئے اور نہیں دیتا تب بھی مرضی اللہ کیلئے اس گروہ کی آپس میں محبت بوجہ اللہ ہوتی ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اس صفت کو فنا قلب کہا جاتا ہے۔ ولی کا ظاہر و باطن تقویٰ سے آراستہ ہوتا ہے جو اعمال و اخلاق اللہ کو

ناپسند ہیں ان سے وہ پرہیز رکھتا ہے۔ شرک خفی وجلی سے پاک رہتا ہے۔ بلکہ وہ شرک جو چیونٹی کی رفتار کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے اس سے بچتا ہے۔ غرور، کینہ، حسد، حرص اور ہوس سے منزہ ہوتا ہے۔ اور انہی کے ساتھ عمدہ اخلاق واعمال سے متصف ہوتا ہے اس مرتبہ کو صوفیہ فناء نفس کا مرتبہ کہتے ہیں صوفیہ کا قول ہے کہ اس درجہ پر جب ولی پہنچ جاتا ہے تو اس کا شیطان اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور فرماں بردار بن جاتا ہے۔ ولایت کے ابتدائی درجہ کی طرف اللہ نے۔

الَّذِينَ آمَنُوا سے اشارہ فرمایا اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لے آئے یعنی حقیقت ایمان انکے اندر پیدا ہو گئی۔ ایمان کا محل قلب ہے۔ کمال ایمان یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے دل میں اطمینان پیدا ہو جائے۔ اللہ کے ذکر سے لمحہ بھر غافل نہ ہو۔ کسی دوسرے کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔ دوسرے مرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا:

وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾ اور (شرک ومعاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں۔ یعنی اللہ کے اوامر ونواہی کی ظاہری اور باطنی ہر طرح پابندی کرتے ہیں۔

ابوداؤد نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندوں میں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء لیکن قیامت کے دن ان کے مرتبہ قرب کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں فرمایا جو بندگان خدا سے محض اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں۔ آپس میں نہ ان کی باہم رشتہ داریاں ہیں نہ مالی لین دین (کہ قرابت یا مالی لالچ کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے محبت ہو) خدا کی قسم ان کے چہرے (قیامت کے دن مجسم) نور ہوں گے بالائے نور۔ جب اور لوگوں کو (عذاب کا) خوف ہو گا ان کو خوف نہ ہو گا جب اور لوگ غم میں مبتلا ہوں گے وہ غمگین نہیں ہوں گے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم و لا هم يحزنون بغوی نے ابومالک اشعری کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہی لکھا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آیت الا ان اولیاء اللہ کا معنی دریافت کیا گیا فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ ابن مردویہ نے حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

فصل

حصول ولایت کے ذرائع: مرتبہ ولایت کا حصول رسول اللہ ﷺ کی پرتو اندازی سے ہوتا ہے خواہ عکس رسالت براہ راست پڑے یا کسی ایک واسطہ سے یا چند واسطوں سے۔ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے نائبوں سے محبت اور ان کی ہم نشینی و اطاعت حصول ولایت کے لئے ضروری ہے رسول اللہ ﷺ کے قلب، نفس اور جسم کا رنگ ولی کے قلب، قالب اور جسم پر ان ہی دونوں اوصاف کی وجہ سے چڑھ جاتا ہے نور کی صبغۃ اللہ ہے جس کے متعلق فرمایا صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ

حضرت مفسر قدس سرہ نے اس جگہ حاشیہ پر فارسی کے دو شعر نقل کیے ہیں۔

ہر کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند فرزند وعیال وخان ومال راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانہ، تو ہر دو جہاں راچہ کند

(جس نے تجھے پہچان لیا اس کا جان اہل و عیال اور خاندان سے کیا تعلق وہ ان کو لے کر کیا کرے گا اپنی محبت کا دیوانہ کرنے کے بعد اگر دونوں جہان تو دیوانہ محبت کو دے دے تو اس کے کس کام کے)

۲ حضرت ابن عمر نے فرمایا تقوی یہ ہے کہ تم اپنے کو کسی سے بہتر نہ سمجھو حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا، جو شخص اپنی جان کو فرنگی کافر سے بھی بہتر خیال کرتا ہو اس کے لئے اللہ کی معرفت حرام ہے۔

صبغۃ طریق مسنون کے مطابق ذکر اللہ کی کثرت عکس پذیری کے لئے مددگار ہوتی ہے اس سے دل کا میل دور ہو جاتا ہے اور آئینہ قلب کی صفائی ہو کر عکس پذیری کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی منجھائی ہوتی ہے اور دل کو مانجھنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ رواہ البیہقی

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، امام مالک، امام احمد، اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا حضرت معاذ نے فرمایا میں نے خود حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ نے فرمایا جب دو آدمی میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں میرے لئے مل کر بیٹھتے ہیں میرے لئے خرچ کرتے ہیں ان سے میری محبت واجب ہو جاتی ہے۔

امام احمد، طبرانی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے آیا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے مگر اس قوم (کے عمل) تک اس کی رسائی نہیں ہوئی۔ فرمایا آدمی کا شمار انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اس کو محبت ہوگی۔ رسائی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے عمل اس قوم کے اعمال کی طرح نہ ہو سکے ہوں۔ صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں لکھا ہے کہ حضرت ابورزین نے بیان کیا مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تجھے بتاؤں کہ اس کام کا مدار کس چیز پر ہے جس سے تجھے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل جائے۔ (مدار خیر یہ ہے کہ) اہل ذکر کی مجلسوں میں حاضری کی پابندی کر اور تنہائی ہو تو جہاں تک ہو سکے اللہ کے ذکر سے زبان کو ہلاتا رہ اور اللہ کے واسطے محبت اور اللہ کے واسطے نفرت کر (یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے محبت و عداوت رکھ، ذاتی غرض کوئی نہ ہو)

امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے پیارا عمل یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے محبت اور بغض کیا جائے۔

اللہ کا محبوب کون ہے

اولیاء میں ایک جماعت اللہ کی محبوبیت کے درجہ پر بھی فائز ہو جاتی ہے مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے، میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ حسب الحکم جبرئیل اس بندے سے پیار کرنے لگتے ہیں پھر جبرئیل آسمان پر (اہل سموات کو) ندا دیتے ہیں کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت کرو حسب الارشاد اہل سماء اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

پھر زمین (والوں) میں اس کو مقبولیت عطا کر دی جاتی ہے اور جب اللہ کسی بندہ سے نفرت کرتا ہے تو جبرئیل کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے میں فلاں شخص سے نفرت کرتا ہوں تو بھی اس سے نفرت کر حسب الحکم جبرئیل اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان والوں کو جبرئیل ندا کرتے اور کہتے ہیں اللہ فلاں شخص سے نفرت کرتا ہے تم بھی اس سے نفرت کرو لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں میں اس سے نفرت پیدا کر دی جاتی ہے (اور زمین والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں)

فصل

اولیاء اللہ کی علامات کیا ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں۔ فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد ہوتی ہے (بغوی) رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے ارشاد فرمایا میرے بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں جن کی یاد میرے ذکر سے اور میری یاد ان کا ذکر کرنے سے ہوتی ہے۔ (بغوی)

حضرت اسماء بنت یزید نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا سنو، کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ضرور فرمائیے، فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد ہوتی ہے (رواہ ابن ماجہ)

فائدہ

اس کا گر یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو اللہ سے قرب اور بے کیف مصاحبت حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے ان کی ہم نشینی گویا اللہ کی ہم نشینی اور ان کا دیدار اللہ کی یاد دلاتے علاوہ ان کا ذکر اللہ کے ذکر کا موجب ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کے سامنے رکھا ہوا آئینہ جو سورج کی شعاعوں سے جگمگا جاتا ہے اور اس آئینہ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی ہے آئینہ کی عکس ریزی سے وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے بلکہ اگر روئی کو اس آئینے کے سامنے زیادہ قریب رکھا جائے تو آئینہ کے قرب کی وجہ سے روئی جل جاتی ہے اور سورج چونکہ دور ہوتا ہے اس لئے دھوپ میں روئی نہیں جلتی۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ نے اولیاء کے اندر اثر پذیری اور اثر اندازی کی قوی طاقت رکھی ہے۔ اللہ سے قرب اور بے کیف مناسبت رکھنے کی وجہ سے اولیاء میں اثر پذیری کی صلاحیت زیادہ قوی ہوتی ہے اور جنسیت نوعیت اور شخصیت کے اشتراک کی وجہ سے دوسرے ہم جنس ہم نوع اور مناسب الشخص افراد پر اثر اندازی کی استعداد بھی ان میں قوی ہوتی ہے یہی تاثر و تاثیر کا تعلق اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ ان کا حضور اللہ کے سامنے حضور کا ذریعہ اور ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا اللہ کی یاد کا موجب ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے اور بیٹھنے والے کے دل میں انکار نہ ہو (منکروں کو کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا) واللہ لا یھدی القوم الفاسقین اللہ ایمان و اطاعت کی حدود سے باہر نکل جانے والوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے فرمایا جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں نے اس کو (اپنی طرف سے) جنگ کا الٹی میٹم دے دیا ہے۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرۃؓ۔

حضرت حنظلہ نے عرض کیا تھا، یا رسول اللہ ﷺ جب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کی ہم کو یاد دلاتے ہیں تو گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ لیتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے نکل کر ہم باہر جاتے ہیں اور بیویوں، بچوں اور زمینوں کے جھگڑوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ (جنت و دوزخ کو) بھول جاتے ہیں، فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ہر وقت تم اسی حالت پر رہو جس حالت پر میرے پاس اور میرے نصیحت کرنے کے وقت ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں مگر حنظلہ وقت وقت ہوتا ہے (ایک حضور ﷺ کا وقت ایک غیوبت کا وقت) یہ الفاظ حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمائے۔ رواہ مسلم۔

فائدہ

عام لوگ کشف و کرامت کو ولایت کی خصوصی نشانی سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ بہت سے اولیاء کشف و کرامت سے خالی ہوتے ہیں اور کبھی بطور استدراج دوسرے لوگوں میں اولیاء کے علاوہ بھی خرق عادات اور انکشاف غیبی پایا جاتا ہے (اس لئے کشف و کرامت معیار ولایت نہیں ہے) اگر بعض اولیاء سے اتفاقاً کشف و کرامت کا ظہور ہو جائے تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ کشف و کرامت معیار ولایت ہے اللہ نے اپنے رسول مکرم کو خطاب کر کے فرمایا: قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی آپ کہہ دیجئے کہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر مجھے یہ امتیاز ہے کہ) میرے پاس وحی آتی ہے۔ دوسری جگہ خطاب کر کے فرمایا: قُلْ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ اگر میں غیب داں

ہوتا تو کثیر بھلائی سمیٹ لیتا اور برائی مجھے چھو بھی نہ جاتی۔ ایک جگہ اور خطاب فرمایا ہے قل انما الایٰت عند اللّٰہ آپ کہہ دیجئے کہ معجزات تو اللہ کے قبضہ میں ہیں۔

صوفیاء کرام کا قول ہے کرامت تو مردوں کا حیض ہے اس کو چھپانا ہی ضروری ہے۔ کرامت کی وجہ سے ایک ولی کو دوسرے ولی پر فضیلت نہیں ہوتی اسی لئے جن اولیاء کے ہاتھوں سے کرامات کا ظہور زیادہ ہوا ان کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیوی زندگی میں انہی کے لئے بشارت ہے۔ یہ بشارت وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو عموماً اور بعض مخصوص صحابہ کو خصوصاً دی تھی۔

ترمذی نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت سعید بن زید کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکرؓ جنت میں (یعنی جنتی) ہے، عمرؓ جنتی ہے، عثمانؓ جنتی ہے، علیؓ جنتی ہے، طلحہؓ جنتی ہے، زبیر جنتی ہے، عبدالرحمن بن عوفؓ جنتی ہے، سعد بن ابی وقاصؓ جنتی ہے، سعید بن زیدؓ جنتی ہے، ابو عبیدہ بن جراحؓ جنتی ہے۔

ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت میں سب سے پہلے اے ابو بکر تم جنت میں جاؤ گے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے زمین پھٹکر میں برآمد ہوں گا پھر ابو بکرؓ پھر عمرؓ ترمذی نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا ایک رفیق ہوگا اور میرا رفیق جنت کے اندر عثمانؓ ہوگا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بخاری و مسلم نے صحیحین میں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم مجھ سے اس جگہ پر ہو جس جگہ پر ہارونؑ موسیؑ سے تھے (یعنی جو قرب درجہ یا قرب نسب یا قرب محبت موسیٰ کی طرف سے ہارون کو حاصل تھی وہی قرب تم کو مجھ سے حاصل ہے) مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت زید بن ارقم کی روایت سے امام احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس کا مولیٰ (آقا، سردار، دوست) میں ہوں، علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے۔

حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ یہ بھی فرمایا جنت کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں اور فرمایا عورتوں پر عائشہ کی برتری ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت (باقی) کھانوں پر۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ یعنی ابن عمر صالح آدمی ہے (رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین عن ابن عمر) حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق فرمایا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے (متفق علیہ عن سعد بن ابی وقاص) اور فرمایا انصار سے محبت نہیں رکھتا مگر مومن اور ان سے بغض نہیں رکھتا مگر منافق (یعنی انصار سے محبت رکھنا ایمان کی علامت اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے) جو ان سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ اس سے نفرت کرے گا اور فرمایا اسید بن حضیر کیسا اچھا آدمی ہے ثابت بن قیس کیسا اچھا آدمی ہے۔ معاذ بن جبل کیسا اچھا آدمی ہے معاذ بن عمرو بن جموح کیسا اچھا آدمی ہے۔

اور فرمایا، جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے، علیؓ، عمارؓ، سلمانؓ، حضور ﷺ نے اسی طرح بکثرت صحابہ کو تفصیل کے ساتھ بشارتیں دی تھیں۔ اور اللہ نے سب صحابہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا ہے وکلا وعد اللّٰہ الحسنٰی اور اللہ نے ہر ایک (مخلص صحابی) سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے دوسری آیت میں بھی عمومی بشارت دی ہے فرمایا محمد رسول اللّٰہ والذین معہ الخ

حضور ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں صرف کرے تو ان کے ایک سیر بلکہ آدھ سیر (راہ خدا میں صرف کرنے) کو نہیں پہنچے گا۔ رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین عن ابی سعید الخدری۔

رزین نے حضرت عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کی (روشنی کی) پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔

اور فرمایا میری امت میں سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے متصل آئیں گے اور پھر وہ لوگ جو ان کے متصل آئیں گے۔ (متفق علیہ عن عمران بن حصین)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دنیوی بشارت وہ ہوتی ہے جو اللہ اپنے اولیاء کو خواب یا بیداری کی حالت میں عالم مثال کا انکشاف کر کے دیتا ہے رویائے صالحہ (اچھے خواب) سے یہی عالم مثال کا انکشاف مراد ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے مبشرات (بشارتوں) کے نبوت کا کوئی جز باقی نہیں رہا (یعنی میرے بعد لوگوں کو سوائے بشارتوں کے اللہ کے کسی قول کی اطلاع براہ راست یا ملائکہ کی معرفت آئندہ نہ ہوگی۔ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا) صحابہ نے عرض کیا مبشرات کیا ہیں فرمایا سچے خواب۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ۔

حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت لھم البشری فی الحیوٰۃ الدنیا کی تشریح دریافت کی۔ فرمایا (بشری سے مراد) سچا خواب ہے جو آدمی کو دکھایا جاتا ہے۔ (بغوی)

حضرت ابو درداءؓ سے لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا کا معنی دریافت کیا گیا فرمایا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی اب تک سوائے تیرے کسی نے مجھ سے اس کی تفسیر دریافت نہیں کی۔ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا جب سے یہ آیت نازل ہوئی کسی نے تیرے سوا اس کی مراد نہیں دریافت کی۔ (بشری سے مراد) سچا خواب ہے جو مومن کو دکھایا جاتا ہے۔ دنیوی زندگی میں بھی اس کے لئے بشارت ہے اور آخرت میں جنت بشارت ہو گی۔ (امام احمد و سعید بن منصور) یہ حدیث بہت سندوں سے آئی ہے۔

سچے خواب سے مراد عوام کے خواب نہیں بلکہ اولیاء اور صالحین کے خواب مراد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خواب تین ہوتے ہیں (ایک) اللہ کی طرف سے بشارت (دوسرا) حدیث نفس (یعنی دماغی تخیلات یا تحت الشعور تصورات) (تیسرا) شیطان کی طرف سے ڈراوا (یعنی ہیبت ناک بے سروپا خواب) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

...... ایک شبہ ......

خواب خواہ اولیاء اور صلحاء کا ہو مفید یقین نہیں (اور اللہ کی طرف سے بشارت کو مفید یقین ہونا چاہئے۔)

...... ازالہ ......

خواب سے یقین نہیں تو غالب گمان ضرور حاصل ہو جاتا ہے اور بشارت کے لئے غلبہ ظن ہی کافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جز سچا خواب ہے۔ یہ حدیث بخاری نے حضرت ابو سعید کی روایت سے اور مسلم نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اور احمد و ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کی ہے اسی کی مثل ابن ماجہ نے حضرت عوف بن مالک کی روایت سے بھی بیان کیا ہے۔[۱]

امام احمد نے حضرت ابن عمر و حضرت ابن عباس کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا

[۱] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ہے کہ سچا خواب نبوت کے ستر اجزاء میں سے ایک ہے۔

ابن النجار نے حضرت ابن عمر کا قول بیان کیا ہے کہ سچا خواب نبوت کے چھیالیس[۲۵] اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

البشریٰ سے وہ عمومی بشارت مراد ہے جس کا تعلق جنت اور ثواب سے ہے یہ بشارت ضرور تمام مومنوں کو دی گئی ہے مگر اس کا ظہور اس وقت ہوگا جب ایمان پر خاتمہ ہو اور ایمان پر خاتمہ کیا معلوم ہو یا نہ ہو۔

بعض علماء کے نزدیک البشریٰ سے مراد لوگوں کی طرف سے ستائش ہے بغوی نے عبداللہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوذر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آدمی (اچھے) کام تو اپنے لئے کرتا ہے مگر لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں فرمایا مومن کے لئے یہ بشارت (دنیوی) ہے۔ مسلم کی روایت میں بجائے محبت کرنے کے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں کیا ہے۔ زہری اور قتادہ نے کہا مرنے کے وقت اللہ کی طرف سے ملائکہ بشارت لے کر نازل ہوتے ہیں۔ البشریٰ سے یہی مراد ہے اللہ نے فرمایا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔

وَفِی الْاٰخِرَةِ اور آخرت میں یعنی جان نکلنے کے وقت مومن کی روح کو قرب الٰہی کی طرف لے جایا جاتا ہے اور اللہ کی خوشنودی کی بشارت دی جاتی ہے اور قیامت کے دن قبر سے نکلنے کے وقت بھی اس کو بشارت دی جائے گی۔

حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ یا کسی اور بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو تو موت پسند نہیں۔ فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ مومن کے مرنے کا جب وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور رحمت کی بشارت دی جاتی ہے۔ پس وہ اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو جاتا ہے اور کافر کی موت سامنے آتی ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے اس کو اپنے سامنے آنے والے عذاب سے زیادہ ناگوار اور کوئی چیز نہیں ہوتی اس لئے اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا اور اللہ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتا ہے۔ رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین۔

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ والوں کو نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبروں میں نہ قبروں سے اٹھنے کے وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ چیخ (صور کی آواز) کے وقت وہ (اہل ایمان) سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں: الحمد للہ الذی اذہب عنا الحزن سزاوار ستائش ہے وہ اللہ جس نے ہم سے سختی کو دور کر دیا رواہ الطبرانی تعلبی نے دیباچ میں حضرت ابن عباس کا مرفوع قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یعنی اللہ کے وعدوں کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾ وہ یعنی مومنوں کا دونوں جہان میں بشارت یافتہ ہونا ہی بڑی کامیابی ہے۔ یہ اور اس سے پہلے کا جملہ معترضہ جملے ہیں جن سے اس جزاء کی عظمت و حقانیت کا اظہار مقصود ہے جس کی بشارت دی گئی ہے جملہ معترضہ ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کلام کے اول و آخر کے درمیان آئے اور کلام کا آخری حصہ وہ ہو جو اول سے مربوط ہو۔

وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اور ان کا قول آپ کو رنجیدہ نہ کرے۔ (آپ ان کی باتوں سے غمگین نہ ہوں) قول سے

ؔلہ نبوت کی مدت تقریباً ۲۳ سال رہی۔ کسر قابل سقوط ہے ابتداء میں نبوت سچے خوابوں کی شکل میں چھ ماہ تک قائم رہی حضور جو خواب دیکھتے تھے وہ صبح کی طرح فوراً بعینہ ظاہر ہو جاتا تھا چھ ماہ تک یہی کیفیت رہی اس کے بعد وحی کا آغاز ہوا ۲۳ سال کا دوگنا ۴۶ ہوتا ہے یعنی ۲۳ سال کی ششماہیاں ۴۶ ہوتی ہیں۔ پس ابتداء ششماہی میں نبوت کو جو شکل ہوئی وہ نبوت کا پہلا جز قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں جز ہے۔

مراد ہے کلمۂ شرک اور رسول اللہ کی تکذیب اور دکھ پہنچانے کی دھمکیاں۔

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ کیوں کہ غلبہ تو سارا کا سارا اللہ ہی کو حاصل ہے (ساری طاقت اسی کو حاصل ہے) کسی کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں اللہ سب پر غالب ہے وہی آپ کی مدد کرے گا اور کامیاب فرمائے گا۔

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ وہی (ان کے اقوال کو) سننے والا (اور ان کی نیتوں کو) جاننے والا ہے یعنی ان کو خود سزا دے گا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ خوب سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو لوگ (ملائکہ، جن، انس) ہیں وہ اللہ کے (پیدا کئے ہوئے مملوک و مقہور اور بندے) ہیں۔ اور جب وہ ہستیاں جو تمام مخلوق میں اعلیٰ ہیں اللہ کی مخلوق و پرستار ہیں ان میں کوئی بھی رب ہونے کے قابل نہیں تو جو مخلوق نادان بے جان ہے جو بے عقل ہے وہ اللہ کی شریک اور حقیقی کیسے ہو سکتی ہے اس لئے

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ایسی مخلوق کا اتباع نہیں کرتے جو اللہ کی شریک ہو۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اپنے خیال میں جن کو شریک عبادت قرار دے رکھا ہے بس ان کی عبادت کرتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماشرح میں ما استفہامیہ انکار ہو یا موصولہ ہو اور اس کا عطف من فی السموت پر ہو۔

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ اور محض قیاسی باتیں کر رہے ہیں۔

یعنی ان معبودوں کو اللہ کا شریک قرار دینے میں جھوٹ بولتے ہیں یا یہ ان کی محض من گھڑت ہے غلط طور پر یہ اپنے معبودوں کو شریک الوہیت قرار دے رہے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ اللہ وہی تو ہے جس نے تمہارے سکون کے لئے رات بنائی یعنی دن کی محنت سے جو تم تھک جاتے ہو رات میں اس تکان سے آرام حاصل کر لو۔

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اور دن کو روشن بنایا جس کی روشنی میں ہر ایک چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ یعنی اللہ نے جو اپنی حکمت کے ذریعہ اتنی بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں ان کی تخلیق کے اندر ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اللہ کی قدرت تامہ، نعمت عظیمہ اور حکمت شاملہ کو ظاہر کر رہی ہیں اور اللہ کو مستحق معبودیت ثابت کر رہی ہیں مگر یہ تمام نشانیاں انہی لوگوں کے لئے مفید ہیں جو اللہ کا کلام اور ہدایت کرنے والوں کی نصیحت کو تفکر و عبرت کے کانوں سے سنیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مشرکوں کا کہنا ہے کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

سُبْحٰنَهٗ ؕ اللہ (اس تہمت سے) پاک ہے۔ یعنی کسی کا باپ بننے سے منزہ ہے۔ یہ فقرہ تنزیہیہ بھی ہے اور احمقوں کے کلام پر تعجب کا اظہار بھی ہے کہ یہ لوگ ایسی بات کہہ رہے ہیں جس کا وقوع بھی ناممکن اور تصور بھی (یعنی سبحان اللہ کیسی سخت بات کہہ رہے ہیں)

هُوَ الْغَنِيُّ ؕ وہی بے نیاز ہے کسی چیز کا حاجت مند نہیں کسی کا اس کو احتیاج نہیں اس کے سوا ہر چیز ممکن ہے اپنے وجود، بقاء وجود اور تمام حالات و صفات میں اسی کی محتاج ہے بے نیاز اللہ اور محتاج ممکن میں کوئی مناسبت نہیں پھر کس طرح اللہ والد اور کوئی مخلوق اس کی اولاد ہو سکتی ہے اولاد کو تو والد کا ہم جنس ہونا چاہئے یا یوں کہا جائے کہ اولاد کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں باپ کمزور ہو اور بیٹے کی وجہ سے طاقت حاصل کرنا چاہتا ہو یا مفلس ہو اور بیٹے سے مالی مدد کا خواستگار ہو یا اس کو عزت حاصل نہ ہو اور قابل بیٹا اس کے لئے باعث عزت ہو جائے یا باپ مر جانے والا ہو اور اپنی نسل قائم رکھنا چاہتا ہو (بہرحال

باپ کو بیٹے کی ضرورت کسی غرض اور حاجت کے زیر اثر ہوتی ہے) اور مذکورہ بالا کسی قسم کی حاجت مندی سے اللہ بے نیاز ہے وہ غنی اور قدیم ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی اس کی مخلوق و ملک ہے پھر کس طرح اس میں سے کوئی چیز اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے (اولاد نہ والد کی ملک ہوتی ہے نہ مخلوق)

اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے یعنی نفی ولد کی دلیل کے مقابل کوئی دلیل نہیں ہے۔

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ کیا تم اللہ پر ایسی تہمت باندھ رہے ہو جس کا علم (کسی دلیل کی روشنی میں) تم کو خود نہیں ہے۔

اس جملہ میں مشرکوں کو ان کی جہالت پر زجر ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ بے دلیل کوئی بات کہنی درست نہیں۔ عقائد کے لئے تو ناقابل شک قطعی دلیل کی ضرورت ہے۔ دوسروں کے مفروضات فکریہ کی تقلید کسی طرح جائز نہیں۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں وہ یقیناً کامیاب نہیں ہوں گے نہ دوزخ سے بچیں گے نہ جنت میں پہنچیں گے۔

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا یہ دنیا میں (چند روزہ) تھوڑا سا عیش ہے۔ یعنی یہ دروغ بندی دنیا میں کچھ مزا اڑانے کا سبب ہو جائے گی اس طریقے سے وہ کفر کی حالت میں اپنی ریاست کو قائم رکھ سکیں گے یا ان کی زندگی دنیوی متاع حقیر ہے۔

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ پھر (موت کے بعد) ان کی واپسی ہماری ہی طرف ہو گی پھر ان کے کفر کی پاداش میں ہم ان کو عذاب شدید کا مزہ چکھائیں گے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اور (اے محمد ﷺ) آپ (مکہ والوں کو) نوح کی خبر پڑھ کر سنایئے۔ یعنی قوم کے ساتھ نوح کی سرگزشت ان کے سامنے پڑھیے۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یاد کیجئے کہ جب نوح نے اپنی قوم سے کہا۔ بقول بغوی قوم نوح قابیل کی نسل سے تھی لیکن اس ممکن نہیں کیونکہ حضرت نوح حضرت شیثؑ کی نسل میں سے تھے قابیل کی نسل میں سے نہیں تھے اور چونکہ قوم کی نسبت حضرت نوحؑ کی طرف کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوح حضرت شیثؑ کی نسل میں سے تھی۔

يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ اے میری قوم اگر تم پر میرا قیام شاق ہو گیا ہو یعنی مدت دراز تک تمہارے اندر میرا رہنا یا دعوت پر قائم رہنا اگر تمہارے لئے ناگوار ہو گیا ہو۔

وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا (ناگوار اور بھاری معلوم ہو گیا ہو)

فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ بس اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے (میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں)

فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ تم مع اپنے مفروضہ شرکاء کے (مجھے ضرر پہنچانے کی) اپنی تدبیر پختہ کر لو۔

اجمع الامر کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا عزم کر لیا۔ یعنی تم اور تمہارے مفروضہ شرکاء مجھ کو قتل کرنے یا دکھ پہنچانے کا پختہ عزم کر لو (كذا قال الزجاج) یا شرکاء سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی اپنے کام کو اور اپنے شرکاء کے کام کو درست کر لو یا یہ مطلب ہے کہ تم اپنے کام کا پختہ ارادہ کر لو اور اپنے (مفروضہ) شریکوں کو بھی بلا لو۔

ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً پھر وہ تدبیر تمہارے دلوں کی گھٹن کا باعث بھی نہ ہونا چاہئے۔

غُمَّةً پوشیدہ چھپا ہوا۔ غمہ اس کو چھپایا یعنی تمہاری تدبیر پوشیدہ بھی نہ ہو بالکل واضح طور پر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرو یا یہ مطلب ہے کہ جب تم مجھے ہلاک کر چکو اور میری دن رات کی نصیحت و وعظ کے بارے سے آزاد ہو جاؤ تو تمہارا حال

تم پر مستور نہ رہنا چاہیے۔

ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ پھر جو کچھ میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو کر گذرو۔

وَلَا تُنْظِرُوْنِ﴿۷۱﴾ اور مجھے بالکل مہلت بھی نہ دو۔ حضرت نوحؑ کے اس کلام میں امر بمعنی تعجیز ہے (یعنی تم ایسا کر ہی نہیں سکتے) اگر کر سکتے ہو تو کر گذرو انتظار کس بات کا ہے) اس کلام کو نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ نوحؑ کا اعتماد اپنے رب پر نہایت مضبوط تھا ان کو اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا وہ قوم کی کسی خفیہ تدبیر سے خائف نہ تھے ان کو یقین تھا کہ ان کی قوم اور قوم کے معبود کچھ نہیں کر سکتے۔ نہ نفع ان کے قبضہ میں ہے نہ ضرر۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ پھر بھی تم اگر اعراض ہی کیے جاؤ تو (اتنا سمجھ لو کہ) میں تم سے کسی معاوضہ کا طالب نہیں۔

جزاء کو حذف کرکے جزاء کی علت کو اس کے قائم مقام ذکر کیا ہے اصل مطلب (تشریحی) اس طرح ہے کہ اگر تم میرے وعظ و نصیحت سے اب بھی روگردانی کروگے اور میری بات نہیں مانوگے تو ہلاک ہوجاؤگے یا اللہ تم کو عذاب دے گا کیونکہ تمہاری روگردانی کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ قبول حق سے کوئی امر مانع نہیں اس وعظ و تذکیر میں میرا کوئی مقصد نہیں میں اس دعوت کا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا کہ تم معاوضہ ادا کرنے سے قاصر ہو اور اس لئے روگردانی کر رہے ہو یا مجھے (دنیا طلبی کی تہمت سے) متہم کر سکو یا یہ مطلب ہے کہ روگردانی کروگے تو خود اپنا نقصان کروگے میرا کچھ بگاڑ نہ ہوگا میں تم سے معاوضہ کا طلب گار نہیں کہ تمہاری روگردانی سے مجھے معاوضہ نہ ملے تمہارا ہی بگاڑ ہوگا تم ہی ہدایت سے محروم ہوگے۔

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ (اس دعوت و وعظ کا) میرا معاوضہ تو بس اللہ کے ذمہ ہے یعنی تم سے معاوضہ کا کوئی تعلق نہیں تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میرے عمل کا ثواب تو اللہ دے گا۔

اس فقرہ سے اشارہ نکلتا ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ کی اجرت لینی جائز نہیں۔ (تعلیم قرآن و احادیث بھی تبلیغ دین ہے اور تبلیغ دین کی اجرت ان لوگوں سے لینی جن کو تبلیغ کی گئی ہو بظاہر اس آیت سے ناجائز قرار پاتی ہے)

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴿۷۲﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (اللہ کے حکم کی) اطاعت کروں ایمان لاؤں اعمال میں بھی اتباع حکم الٰہی کروں اور لوگوں کو بھی دعوت دوں اور اس حکم کی تعمیل میں نے کی ہے اور کر رہا ہوں۔

فَكَذَّبُوْهُ (حق واضح ہونے کے بعد بھی محض عناد اور ضد کی وجہ سے) قوم نوحؑ تکذیب پر جمی رہی۔

فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ پس ہم نے نوحؑ کو اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں (غرق ہونے سے) بچا لیا یہ سب اسی آدمی تھے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ اور ہم نے ان کو (مرنے والوں کا) جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا ان کو (طوفان میں) ڈبو دیا۔

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ﴿۷۳﴾ سو آپ دیکھئے کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا انجام کیسا ہوا۔ یعنی جن لوگوں کو پیغمبروں نے اللہ کی نافرمانی کے عذاب سے ڈرایا تھا اور وہ ایمان نہیں لائے تھے وہ کس طرح تباہ ہوئے۔

اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین اور تکذیب کرنے والوں کو عظیم الشان عذاب سے تخویف ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ پھر نوحؑ کے بعد ہم نے (مختلف بکثرت) پیغمبروں کو ان کی قوم کے پاس (ہدایت کے لئے) بھیجا یعنی ہر رسول کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ پس پیغمبر قوم والوں کے پاس کھلے ہوئے واضح دلائل (صداقت) لے کر پہنچے۔

فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ اور بسبب اس کے جس چیز کی تکذیب انہوں نے پہلی

بار کی تھی (اس پر اڑے رہے بعد کو بھی) ایمان نہیں لائے۔

كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ اسی طرح ہم کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں۔

یعنی جس طرح ہم نے قوم نوحؑ اور نوحؑ کے بعد آنے والے پیغمبروں کی امتوں کے دلوں پر مہر لگا دی تھی (بے مدد چھوڑ دیا تھا) اسی طرح آپ کی امت میں سے جو لوگ حکم خداوندی سے تجاوز کرنے والے ہیں ان کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتے ہیں اور چونکہ وہ خود گمراہی میں غرق ہیں اور خواہشات نفس کو نہیں چھوڑتے اس لئے ہم بھی ان کو بے مدد چھوڑ دیتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ىِٕهٖ بِاٰيٰتِنَا

پھر ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰؑ (بن عمران) اور (ان کے بھائی) ہارونؑ کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ چونکہ اگلی آیت میں قوم فرعون کی سرکشی کا بیان کیا گیا ہے اس لئے اس جگہ فرعون کے ساتھ سرداران قوم کا لفظ بھی ذکر کر دیا۔

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ پس انہوں نے اپنے کو بڑا سمجھا اور وہ تھے مجرم لوگ۔

یعنی موسیٰؑ اور ہارونؑ کی بات ماننے کو حقیر سمجھا اور مغرور ہو گئے (اس لئے اتباع نہیں کیا) اور وہ جرم کے خوگر تھے عادی تھے اسی لئے انہوں نے رسالت کے پیام کو حقیر سمجھا اور تردید رسالت کی جرأت کی۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق پہنچ گیا تو کہنے لگے بلاشبہ یہ (یعنی موسیٰؑ کے معجزات) کھلا ہوا جادو ہے۔ یعنی جب فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس دین حق پہنچا اور واضح ناقابل شک معجزات سے اس کی حقانیت و صداقت کو وہ سمجھ بھی گئے تب بھی ضد اور سرکشی کی وجہ سے انہوں نے نہ مانا اور موسیٰؑ کے پیش کردہ معجزات کو کھلا ہوا جادو قرار دیا اور موسیٰؑ کو ماہر جادوگر کہا۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ موسیٰؑ نے کہا کیا حق جب تمہارے پاس آگیا تو تم اس کو سحر کہتے ہو کیا یہ جادو ہے

یعنی موسیٰؑ نے بطور تعجب و انکار کہا کہ جس امر کی صداقت و حقانیت اللہ کی طرف سے ہے تم اس کو سحر کہتے ہو سحر کی تو کوئی حقیقت نہیں ہوتی وہ تو صرف فریب کاری ہوتا ہے۔ تقولون کا مفعول محذوف ہے۔ اسحر مفعول نہیں ہے یہ الگ جملہ ہے۔

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝ اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتے یہ جملہ حضرت موسیٰؑ کے کلام کا تتمہ ہے۔ یعنی یہ جادو نہیں ہے اگر جادو ہوتا تو نابود ہو جاتا اور جادوگروں کے جادو کو جادو نہ کر سکتا۔ یا یہ فقرہ فرعونیوں کے قول (سحر ہذا) کا تکملہ اور جزء ہے۔ گویا فرعونیوں نے کہا تھا کہ موسیٰؑ کیا تم جادو کا مظاہرہ کر کے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فرعون نے کہا (موسیٰ) کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس (مذہب) پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا اس سے ہم کو پھیر دو (موڑ دو قتادہ۔ یعنی بت پرستی یا فرعون کی پوجا سے ہم کو پھیرنے کے لئے آئے ہو) اور تم دونوں کی ملک مصر میں حکومت ہو جائے اور ہم تمہاری بات کو سچا نہیں مانیں گے کبریاء سے مراد ہے حکومت اور اقتدار اعلیٰ۔ بادشاہ میں غرور و تعلّی پیدا ہو ہی جاتا ہے اس لئے بادشاہت کا نام ہی غرور ہو گیا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ اور فرعون نے کہا میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو (بلا کر) لاؤ۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ پھر (فرعون کے طلب کرنے

کے بعد) جب جادوگر (موسیٰ کے مقابلہ میں) آگئے تو موسیٰؑ نے ان سے کہا جو کچھ تم (جادو کی رسیاں وغیرہ) پھینکنے والے ہو پھینکو۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۙ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۙ پھر جب جادوگروں نے پھینکا تو موسیٰؑ نے فرمایا تم جادو ہی لائے ہو۔ یقیناً اللہ اس کو مٹادے گا اس کا بے حقیقت ہونا ظاہر کردے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بگاڑ پیدا کرنے والوں کے عمل کو قائم نہیں رکھتا۔ قوت نہیں دیتا۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ محض فریب کاری اور فساد انگیزی ہے۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ اور اللہ اپنی آیات سے حق کو جمادیتا اور مضبوط کردیتا ہے۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ خواہ مجرموں کو ناگوار ہو۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى پس موسیٰؑ کی تصدیق نہیں کی (باوجودیکہ انہوں نے جادوگروں کے جادو کو نابود کردیا اور صداقت کی نشانیاں پیش کیں)

اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ مگر موسیٰؑ کی قوم کے تھوڑے آدمیوں نے من قومہٖ کی ضمیر بعض اہل تفسیر کے نزدیک موسیٰؑ کی طرف راجع ہے یعنی صرف وہ بنی اسرائیل موسیٰؑ پر ایمان لائے جو مصر میں رہتے تھے اور مصر سے نکلنے کے وقت حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھے (قبطی ایمان نہیں لائے)

مجاہدؒ نے کہا ایمان لانے والے ان اسرائیلیوں کی اولاد تھے جن کی ہدایت کے لئے موسیٰؑ کو بھیجا گیا تھا آباء کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے باقی رہے تھے ذریت سے یہی لوگ مراد ہیں۔

بعض علماء نے کہا جب فرعون نے بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کردینے کا آرڈر جاری کردیا تو بعض اسرائیلی عورتوں نے اپنے نوزائیدہ بچے قبطی عورتوں کو ویسے ہی دے دیئے ان بچوں نے قبطیوں کے پاس پرورش پائی اور جس روز حضرت موسیٰؑ جادوگروں پر غالب آئے اس روز یہی اسرائیلی ایمان لائے تھے جو نسلاً اسرائیلی تھے اور بظاہر قبطی زادے)

بعض مفسرین کا قول ہے کہ قومہٖ کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے عطیہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قوم فرعون کے کچھ قلیل آدمی حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے تھے فرعون کی بی بی اور فرعون کا خزانچی اور خزانچی کی بی بی اور فرعون کی بی بی کے بالوں میں کنگھا کرنے والی خادمہ اور مؤمن آل فرعون (جس کا تذکرہ سورہ یٰسین کی آیت وَجَآءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى میں آیا ہے) انہی لوگوں میں سے تھے اور یہی چند اہل ایمان آیت میں مراد ہیں (اخرجہ ابن جریر) دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے وہ ستر آدمی مراد ہیں جن کے باپ قبطی تھے اور مائیں اسرائیلی یہ لوگ اپنی ننہال کے پیرو ہوگئے تھے فراء نے کہا ان کو ذریت اس لئے کہا گیا کہ ان کے باپ قبطی تھے اور مائیں اسرائیلی جس طرح بعض اہل فارس یمن میں آبسے تھے ان کی اولاد کو ابناء فارس کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے باپ دوسرے ملک سے تھے اور مائیں دوسرے ملک سے۔

عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ ڈرتے ڈرتے فرعون اور اپنے حاکموں سے کہ (کہیں ایمان لانے کی اطلاع فرعون کو اگر مل گئی تو) ان کو سخت مصیبت میں ڈال دے گا۔

ملائہم کی ضمیر جمع فرعون کی طرف راجع ہے اور اظہار تعظیم کے لئے ہے یا فرعون سے مراد ہیں اس کے متبعین یعنی فرعونی لوگ۔ جیسے ربیعہ اور مضر سے مراد ہوتے ہیں ربیعہ اور مضر کی نسل کے قبائل یا ذریت کی طرف راجع ہے یعنی ذریت مومنہ کو فرعون اور اپنے قبطی حکام سے ڈر تھا یا قوم کی طرف راجع ہے۔

وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ اور اس میں شبہ نہیں کہ

فرعون ملک (مصر میں اونچا (طاقتور مغرور) تھا اور اپنی حدود سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔ کہ باوجود مخلوق اور محتاج ہونے کے ملوکیت سے آگے بڑھ کر ربوبیت کا مدعی بن بیٹھا تھا اور انبیاء زادوں کو باندی غلام بنا رکھا تھا۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور موسیٰ نے (جب مومنوں کو خوف زدہ دیکھا تو) کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو (فرعون اور اس کے آدمیوں سے مت ڈرو) اگر اللہ کے فیصلہ کو) مانتے ہو اور مخلص ہو تو اللہ ہی پر توکل کرو اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ کی جزا محذوف ہے اور اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ کی جزا فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا ہے۔ ایمان وجوب توکل کا مقتضی ہے اس لئے تَوَكَّلُوْٓا کا اٰمَنْتُمْ سے تعلق ہے اور جب تک دلوں میں اخلاص نہ ہو اور اپنی ہستی کو فیصلہ خداوندی کے سپرد نہ کر دیا جائے اس وقت تک حصول توکل نہیں ہو سکتا توکل نفسانی خواہشات کو احکام الٰہی کے ساتھ مخلوط کرنے کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا توکل صوفیہ کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا (چوں کہ وہ لوگ مخلص تھے اور اللہ کے پیغمبر کے سچے صحابی تھے۔ اس لئے) انہوں نے کہا ہمارا بھروسہ تو اللہ ہی پر ہے اس کے بعد انہوں نے دعا کی اور بولے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا۔ فتنہ سے مراد ہے نشانہ، عذاب۔ نزول عذاب کا مقام، یعنی اے ہمارے رب! ان ظالموں کو ہم پر قابو نہ دینا کہ ہم کو یہ اپنے عذاب کا نشانہ بنا سکیں یا یہ مطلب ہے کہ ان کافروں کے کفر اور سرکشی میں اضافہ کا سبب ہم کو نہ بنانا کہ براہ راست تیرے امتحان میں ہم مبتلا ہو جائیں یا فرعون کے ہاتھوں ہم پر عذاب نازل ہو جائے اور پھر فرعون والے کہیں گے کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اور اس کہنے سے ان کا کفر اور ترقی پر ہو جائے۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ اور ہم کو ان کافروں کے گروہ سے اپنی رحمت سے نجات عطا کر یعنی ان کی مکاری اور سازش اور نحوست سے نجات دے۔

دعا سے پہلے توکل کا ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ دعا کرنے والے پر سب سے پہلے اللہ پر بھروسہ رکھنا لازم ہے تاکہ اس کی دعا قبول ہو سکے۔

میں کہتا ہوں صوفی کے لئے توکل تو ان صفات میں سے ہے جو صوفی کے اندر ہونی لازم ہیں وہ عالتو لوازم میں سے نہیں بیرونی عوارض میں سے ہے اگر صوفی دعا کرتا ہے تو بہتر ہے صوفیت کا حال اس کا مقتضی ہے لیکن لازم نہیں اور توکل صوفی کی لازمی خصوصیت ہے)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوسٰى وَاَخِيْهِ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کے اور اس کے بھائی (ہارونؑ) کے پاس۔

اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا کہ تم دونوں اپنے لوگوں کے مصر میں گھر مقرر کر لو۔

یعنی کچھ مکان مقرر کر لو کہ سکونت اور عبادت کے لئے تمام مکانوں کو چھوڑ کر مقررہ گھروں کی طرف رجوع کرو۔

بغویؒ نے لکھا ہے اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ پہلے بنی اسرائیل صرف گرجوں اور خانقاہوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ کی بعثت کے بعد فرعون کے حکم سے تمام عبادت خانے ڈھا دیئے گئے اور بنی اسرائیل کو وہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہو گئی تو اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اپنے گھروں کے اندر ہی مسجدیں بنا لو اور وہیں نماز پڑھا کرو۔ ابراہیم نخعیؒ کا یہی قول ہے اور عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔

مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھیوں کو فرعون کی طرف سے ڈر تھا کہ جامع مسجدوں میں نماز پڑھیں گے تو فرعون پکڑوا کر سزا دے گا اس لئے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ بنی اسرائیل اپنے گھروں میں کعبے کے رخ پر مسجدیں بنا لیں اور چھپ کر وہاں نماز پڑھا کریں گے۔

وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً اور تم سب بنالو (مقررہ کردہ) گھروں کی قبلہ رخ نماز کی جگہ قبلہ سے مراد ہے نماز کی جگہ جو قبلہ رخ ہو یعنی کعبہ کی جہت پر ہو ابن جریج نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھیوں کا قبلہ عبادت کعبہ تھا۔

وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ اور اس میں نماز قائم کرو۔ تاکہ کفار غلبہ حاصل کر کے ان کو ایذا نہ پہنچائیں۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور (اے موسیٰ) تم ایمانداروں کو بشارت دے دو کہ اللہ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے گا اور تم کو ملک میں ان کا جانشین بنادے گا اور آخرت میں تم کو جنت عطا فرمائے گا۔ شروع کلام میں موسیٰ اور ہارون دونوں کو خطاب کیا پھر ان دونوں کو مع قوم کے مخاطب بنایا کیونکہ دونوں حضرات کی کوشش اور سرداران قوم کے مشورہ سے گھروں کے اندر مسجدیں ہو سکتی تھیں اور چونکہ ہر شخص پر گھروں کے اندر نماز کی جگہ مقرر کرنا اور وہاں اداء صلوٰۃ کرنا لازم تھا اس لئے سارے مومنوں کو خطاب فرمایا۔ آخر میں صرف حضرت موسیٰ کو مخاطب کیا کیونکہ آپ ہی صاحب شریعت تھے اور قوم کو بشارت دینا آپ ہی کا فریضہ تھا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بشر سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے مالک! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان آرائش عطا فرمایا ہے۔

زینت سے مراد اسباب زینت، لباس، زیور، فرش، فرنیچر، استعمال کا سامان، سواریاں، نوکر چاکر اور خدمت گار وغیرہ۔

وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ اور بہت مال دنیوی زندگی میں اے ہمارے رب (اس کا نتیجہ یہ ہے) کہ وہ تیرے راستے سے بہکادیں۔

لِيُضِلُّوْا میں لام عاقبت ہے (یعنی وہ لام جو نتیجہ پر داخل ہوتا ہے اور لام سے پہلے کا کلام بعد والے کلام کا سبب ہوتا ہے) مطلب یہ کہ تیرے دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ گمراہ اور گمراہ کن ہوگئے۔ جیسا دوسری آیت میں آیا ہے فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا فرعون کے آدمیوں نے موسیٰ کو پالیا کہ موسیٰ (نتیجہ میں) ان کے دشمن اور ان کے حزن کا سبب ہو جائیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لام بمعنی کَیْ ہے (تاکہ) یعنی تو نے یہ سارا مال و متاع دے کر ان کو ڈھیل دی ہے تاکہ وہ گمراہی پر جمے رہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ چونکہ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے خدادادہ مال و متاع اور جاہ و حشم کو گمراہی کا ذریعہ بنا رکھا تھا تو گویا ان کو دیا ہی گیا اس لئے تھا کہ وہ گمراہ ہو جائیں اور دوسروں کو بہکائیں۔ اظہار عجز اور شدت زاری کے لئے رَبَّنَا کو بطور تاکید دوبارہ ذکر کیا۔

شیخ ابو منصور ماتریدی نے فرمایا کہ اللہ جانتا تھا کہ کافر دوسرے لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں گے اس لئے ان کو دنیا کا مال و متاع عطا فرمادیا۔ تاکہ وہ اس کے راستے سے لوگوں کو بہکائیں (گویا مال دینے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ گمراہ ہوں اور گمراہ کریں) جیسا دوسری آیت میں آیا ہے اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ہم ان کو ڈھیل دیتے ہیں تاکہ گناہوں میں ترقی کریں۔ اس صورت میں یہ آیت معتزلہ کے مسلک کے خلاف ایک واضح شہادت ہو جائے گی۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندوں کے لئے جو امر زیادہ نفع بخش ہو اس کا کرنا اللہ پر واجب ہے (غیر مفید اور ضرر رساں کام اللہ نہیں کرتا بندہ خود اس کی تخلیق کرتا ہے)۔

بیضاوی نے لکھا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ (الگ جملہ انشائیہ ہے اس) میں لِيُضِلُّوْا امر کا صیغہ ہے اور کافروں کے لئے بددعا ہے۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو (تباہ کر کے) مٹادے۔ (مجاہد) بعض اہل علم

نے کہا طمس سے مراد ہے صورت مسخ کر دینا ہیئت بگاڑ دینا۔ قتادہ کا قول ہے کہ ان کا سارا مال کھیتیاں اور جواہر پتھر بنا دیے گئے نقوش اور شکل وہی تھی جو اصلی چیزوں کی تھی مگر سب چیزیں پتھر کی ہو گئی تھیں اور پھٹ کر کسی کے دو اور کسی کے تین ٹکڑے ہو گئے تھے عمر بن عبدالعزیز نے ایک تھیلا منگوایا اس میں فرعون والوں کی کچھ باقی ماندہ چیزیں تھیں۔ انڈا نکالا تو وہ بھی شگافتہ اور اخروٹ نکالا تو وہ بھی پھٹا ہوا اور سب چیزیں پتھر کی۔

سدی نے کہا اللہ نے ان کے سب مال، درخت، پھل، آٹا کھانا پتھر کا کر دیا تھا۔ یہ معجزہ بھی حضرت موسیٰؑ کے نو معجزات میں سے ایک تھا۔

وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں پر سخت بند باندھ دے یعنی ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ ان پر مہر لگا دے کہ ایمان کے لئے ان میں نرمی ہی پیدا نہ ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے مایوس ہو کر ان کے لئے یہ بد دعا کی تھی ورنہ حضرت موسیٰؑ کو تو اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ ایمان کی طرف بلائیں (نہ یہ کہ انکار پر قائم رکھنے کی دعا کریں)

ایک شبہ: جب حضرت موسیٰؑ کو معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر بد دعا کرنا بے سود تھا۔

ازالہ: بد دعا کی وجہ شاید یہ ہو کہ ایمان کی فطرت اللہ کے دشمنوں سے اللہ کے لئے نفرت کرتی ہے (اور بغض و نفرت کا تقاضا ہے کہ بد دعا کی جائے بشرطیکہ نفرت ذاتی نہ ہو لوجہ اللہ ہو) یا موسیٰؑ کو بد دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہوگا اور اسکی تعمیل میں آپ نے بد دعا کی مثلاً تم یہ جانتے ہو کہ ابلیس پر اللہ کی لعنت ہے لیکن اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو۔ تم اس حکم کی تعمیل میں شیطان پر لعنت کرتے ہو۔

فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ پھر وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ (مرنے کے بعد) دردناک عذاب کا مشاہدہ کر لیں (سدی)

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا اللہ نے (موسیٰ اور ہارونؑ سے) فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔ موسیٰؑ دعا کر رہے تھے اور ہارونؑ آمین کہہ رہے تھے اس لئے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی دعا چالیس برس کے بعد قبول ہوئی تھی۔

فَاسْتَقِيْمَا پس تم قائم رہنا یعنی رسالت اور دعوت پر قائم رہنا اور میرے حکم پر چلنا یہاں تک کہ ان پر عذاب آجائے گا۔

وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اور نادانوں کے طریق کی پیروی نہ کرنا کہ نادانوں کی طرح نزول عذاب میں جلدی کرنے لگو یا اللہ کے وعدے پر پورا بھروسہ نہ رکھو۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار کرا دیا یعنی عبور کرا کے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا پانی پھٹ کر ادھر ادھر ہو گیا حضرت موسیٰؑ اور آپ کی قوم والے (خشک زمین پر چل کر) پار نکل گئے۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بنی اسرائیل کے پیچھے فرعون اور اس کا لشکر بھی جا پہنچا تَبِعَ اور اَتْبَعَ جا پہنچا پیچھے سے چلا اور اگلے لوگوں سے جا کر مل گیا اِتَّبَعَ (باب افتعال) پیروی کی بعض نے کہا اَتْبَعَ باب افعال اور اِتَّبَعَ (باب افتعال) دونوں ہم معنی ہیں۔

بَغْيًا وَّعَدْوًا ظلم اور زیادتی کے ارادے سے۔

بعض نے کہا بغی سے مراد ہے قول میں زیادتی اور عدوا سے مراد ہے فعل میں زیادتی۔ غرض فرعون لشکر کو لے کر جب دریا کے کنارے پہنچا تو اندر گھسنے سے سب کو ڈر لگا مگر (غیب سے انسانی شکل بنا کر) حضرت جبرئیلؑ گھوڑی پر سوار ہو کر آئے اور سب سے آگے پانی میں گھس پڑے، گھوڑی کے پیچھے فوج کے گھوڑے بھی دریا میں داخل ہو گئے جب آخری آدمی تک دریا میں گھس گیا اور اول ترین آدمی نے دوسرے کنارہ سے نکلنے کا ارادہ کر لیا تو یکدم پانی برابر ہو گیا اور سب کے اوپر آ گیا۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ یہاں تک کہ فرعون جب ڈوبنے لگا تو بولا مجھے یقین ہو گیا کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں جس کو بنی اسرائیل مانتے ہیں اور میں (اس کے) فرماں برداروں میں سے ہوں۔ حضرت جبرئیلؑ نے فوراً اس کے منہ میں کیچڑ بھر دی اور توبہ قبول ہونے سے پہلے وہ مر گیا۔ جب قبول توبہ کا وقت تھا تو بدبخت منہ موڑے رہا اور جب قبول توبہ کا وقت جاتا رہا تو پرزور توبہ کی (جس کا کوئی نتیجہ نہ ہوا)

آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ (اللہ نے فرمایا) کیا اب (تجھے یقین ہوا اور تو نے مانا) حالانکہ اس سے پہلے (ساری عمر) (تو نافرمانی کرتا رہا اور تباہی پیدا کرنے والوں میں رہا خود بھی گمراہ رہا اور دوسروں کو بھی ایمان سے بہکاتا رہا۔ بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ فرعون کو غرق کرنے لگا (یعنی بحکم خدا فرعون ڈوبنے لگا) تو بولا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ حضرت جبرئیلؑ نے (رسول اللہ ﷺ سے) کہا محمد ﷺ! کاش آپ وہ منظر دیکھتے کہ میں اس کے منہ میں سمندر کی کیچڑ ٹھونس رہا تھا کیونکہ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں اللہ کی رحمت اس کو پہنچ جائے (اور مرنے سے پہلے اس کی توبہ قبول ہو جائے)

فائدہ

جلال الدین دوانی کا قول ہے کہ فرعون نے چونکہ کلمہ توحید زندگی میں پڑھ لیا تھا اس لئے (اس کی توبہ قبول ہو گئی اور) وہ مسلمان مرا۔ دوانی نے اس قول میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی پیروی کی ہے۔ ابن عربی کا بھی یہی قول ہے کہ فرعون پاک مرا۔

حق یہ ہے کہ شیخ کا قول ظاہر نصوص کے خلاف ہے آپ کے سکر کی حالت کے بکثرت الفاظ شرع کے مطابق نہیں ہیں شیخ کا فرعون کے متعلق یہ قول بھی اجماع علماء کے خلاف ہے۔ اور صحیح احادیث سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔

دوانی نے کہا فرعون کا دوزخی ہونا کسی آیت سے ثابت نہیں جس جس آیت میں عذاب دوزخ کا ڈراوا دیا گیا ہے وہ آل فرعون کو دیا گیا ہے فرعون کو نہیں دیا گیا۔ دیکھو اللہ نے فرمایا ہے اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دو۔ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ فرعون نے اپنے متبعین کو دوزخ میں اتار دیا۔ وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کی وجہ سے فرعون کو عذاب نہ ہوگا بلکہ مخلوق پر چونکہ اس نے مظالم کئے تھے اس لئے اس کو عذاب ہوگا بندوں کے حقوق معاف نہیں کئے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں دوانی کی یہ دلیل لغو ہے اللہ نے فرمایا ہے فَحَشَرَ فَنَادٰی فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰی فرعون نے سب کو جمع کر کے کہا میں تم سب کا رب اعلیٰ ہوں آخر اللہ نے اس کی پکڑ کی اور اس کو دنیا و آخرت میں (یا اگلوں پچھلوں کے لئے) عبرت بنا دیا اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفر کی وجہ سے آخرت میں فرعون پر عذاب ہوگا۔ دوسری آیت میں حضرت موسیٰؑ کی دعا نقل کی ہے۔ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ اس کے آخر میں فرمایا ہے قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے لئے بددعا کی تھی اور درخواست کی تھی کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہو اور یہ دعا قبول کر لی گئی پس کفر پر اس کا خاتمہ ہو گیا اس کا انکار آیت کا انکار ہے۔

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ پس آج کسی اونچے ٹیلہ پر ہم تیرے بدن کو ڈال دیں گے (کہ جسم کو مچھلیاں نہ کھا سکیں اور بدن اپنی شکل کے ساتھ قائم رہے) تاکہ تو اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے عبرت بن جائے نُنَجِّیْكَ نجوۃ سے مشتق ہے نجوۃ کا معنی ہے اونچی جگہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ پانی کے جس قعر میں تیری قوم غرق ہو گئی (اور ان کے بدن بھی تہ نشین ہو گئے) ہم ان کی طرح تیرے جسم کو پانی کے اندر نہیں داخل کریں گے بلکہ پانی کے اوپر تیرائیں

جسم یا بدن سے مراد یہ ہے کہ تجھے تیرے کرتہ سمیت ہم اوپر لا پھینکیں گے۔ بدنک یعنی بیجان لاشہ۔ یا مکمل جسم۔ یا برہنہ جسم۔ یا بدنک سے مراد ہے فرعون کا ایک کرتہ سنہری تاروں کا جواہر سے مرصع مشہور تھا۔

بغوی نے لکھا ہے جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو فرعون کے ہلاک ہو جانے کی اطلاع دی تو ان کو یقین نہیں آیا کہنے لگے فرعون مرا نہیں ہے اس کا شبہ دور کرنے کے لئے اللہ نے فرعون کی لاش کو ساحل پر لا پھینکا لاش سرخ اور چھوٹی تھی۔ بیل معلوم ہوتی تھی (یعنی پھول گئی تھی) بنی اسرائیل نے دیکھ کر اس کو پہچان لیا اور حضرت موسیٰ کی اطلاع کی تصدیق کی ایۃ سے مراد عبرت نصیحت یا ایسی نشانی جس سے اللہ کی توحید (قدرت) اور بندہ کا عجز ثابت ہو رہا ہے خواہ بندہ بادشاہ ہی ہو۔ بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے دماغوں میں یہ بات جم چکی تھی کہ فرعون کبھی نہیں مرے گا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ کی اطلاع کے بعد بھی ان کو فرعون کے مرنے میں شک رہا۔ آخر ساحل پر پڑی ہوئی لاش کو دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا یا مِنْ خَلْفَکَ سے مراد ہیں آئندہ زمانہ میں آنے والے لوگ کہ ان کو اس واقعہ کو سن کر عبرت ہو گی اور وہ سرکشی سے باز رہیں گے۔

ع ۹ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ﴿۹۲﴾ اور بہت لوگ (یعنی کفار) ہماری نشانیوں کی طرف سے غافل ہیں غور نہیں کرتے اور عبرت اندوز نہیں ہوتے۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ اور ہم نے بنی اسرائیل کی سچائی کی جگہ رہنے کو دی (یعنی اچھے مقام پر ٹھیرنے اور رہنے کا ٹھکانا عطا کیا) مُبَوَّأَ صِدْقٍ سے مراد ہے اچھی جگہ یعنی مصر یا اردن اور فلسطین یہ وہی سرزمین تھی جس کا نام حضرت ابراہیم اور آپ کی نسل کو عطا کرنا اللہ نے لکھ دیا تھا ضحاک کے نزدیک مصر اور شام مراد ہے۔

وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ اور ہم نے ان کو لذیذ چیزیں عطا کیں۔

فَمَا اخْتَلَفُوا پس بنی اسرائیل نے اختلاف نہیں کیا یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے نبی آخر الزماں کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کیا تھا سب متفق تھے کہ جن صفات کا تذکرہ توریت میں ہے ان کا حامل اللہ کا رسول برحق ہو گا لوگوں کو وہ بشارت بھی دیتے تھے کہ اللہ کے رسول برحق کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے وہ لڑائی میں کافروں پر فتحیاب ہونے کی دعا بھی نبی آخر الزماں کے طفیل سے مانگتے تھے۔

حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا یعنی وہ شخص آ گیا جس کی صفات کو وہ جانتے تھے اس سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت مبارک۔ اس جگہ علم بمعنی معلوم ہے جیسے خلق بمعنی مخلوق اللہ نے فرمایا ہٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ یہ اللہ کی مخلوق ہے یا یہ معنی ہے کہ جب بنی اسرائیل کو علم ہو گیا کہ محمد ﷺ انہی صفات کے حامل ہیں جن کا ذکر توریت میں آیا ہے اور آپ کے معجزات سے بھی ان کو واقفیت ہو گئی تو اس وقت آپس میں دو فریق بن گئے کچھ ایمان لے آئے اور دوسرے فریق نے محض عناد و حسد کی وجہ سے نبوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۹۳﴾ جس مسئلہ میں یہ اختلاف کرتے ہیں قیامت کے دن اللہ اس کا فیصلہ کر دے گا اور ان کے باہمی اختلاف کو چکا دے گا اہل حق کو اہل باطل سے الگ کر دے گا اول کو عذاب سے محفوظ رکھے گا اور دوسرے کو ہلاک کر دے گا۔

فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ پس (اے انسان) اگر تجھے شک ہو اس (قرآن و ہدایت) میں جو ہم نے (اپنے رسول محمد صلعم کی زبانی) تیری طرف بھیجا ہے۔[1]

[1] حضرت مفسر نے کنت کا مخاطب ہر انسان کو اس لئے قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو تو کوئی شک ہی نہ تھا آپ کے پاس وحی آئی قرآن اترا احکام خداوندی نازل ہوئے آپ کو اپنی جگہ ناقابل شک یقین اور ایسا ایمان تھا جس میں کسی وہم کی گنجائش ہی نہ تھی پھر اہل کتاب سے تصدیق طلب کرنے کا کوئی معنی ہی نہیں ہاں جاہل مشرک کے پاس اگر عقلی اور وجدانی شہادت نہ ہو تو وہ اہل علم سے تصدیق طلب کرنے کا محتاج ہوتا ہے اس لئے عام انسان کو خطاب فرمایا۔

فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے (اللہ کی) کتاب (توریت وانجیل) پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور ضحاک نے فرمایا کہ اہل کتاب سے مراد ہیں وہ اہل کتاب جو ایمان لے آئے تھے جیسے عبداللہ بن سلام اور آپ کے ساتھی۔ یعنی ایمان دار اہل کتاب سے پوچھ لے وہ شہادت دیں گے کہ جس کتاب (اور رسول) کا وعدہ توریت وانجیل میں کیا گیا تھا وہ یہی ہے بیان قصص اور اصول احکام کی تعلیم میں سابق کتابوں کے موافق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سچے ایماندار اور اندرون قلب سے انکار و تکذیب کرنے والے۔ یہ دو گروہ تو موجود ہی تھے ایک تیسرا گروہ بھی تھا جو تصدیق و تکذیب کے درمیان شک میں پڑا ہوا تھا اسی کو آیت میں خطاب ہے۔

آیت میں در پردہ تعلیم ہے اس بات کی کہ اگر کسی کو دین کی صداقت میں کوئی شک و شبہ پیدا ہو جائے تو اس کو علماء حق کی طرف رجوع کر کے پوچھنا چاہئے۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک مُخَاطَب سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر آپ کو شک ہو یا اس کلام سے مقصود ہے رسول اللہ ﷺ کو ایمان پر جمائے رکھنا اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق اور ابن جریر نے بیان کی ہے کہ قتادہ نے کہا ہم کو اطلاع ملی ہے کہ (اس آیت کے نزول کے) بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نہ مجھے کوئی شک ہے نہ میں (شک دور کرنے کے لئے) کسی سے کچھ پوچھوں گا۔

بعض علماء نے کہا خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہی ہے مگر وہی خطاب دوسرے لوگوں کی طرف ہے عرب کا (بلکہ ہر زبان والوں کا) قاعدہ ہی یہ ہے کہ گفتگو میں مخاطب کسی شخص خاص کو کرتے ہیں مگر مراد اس شخص کی ذات نہیں ہوتی دوسرے لوگ مراد ہوتے ہیں مختلف آیات میں یہ طرز خطاب اختیار کیا گیا ہے ایک آیت ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ اے نبی اللہ سے ڈر۔ اس آیت میں مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں مگر مراد خطاب دوسرے مومن ہیں کیونکہ اس کے آگے آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے اس آیت میں تعملون فرمایا یعنی جماعت کو خطاب کیا۔ دوسری آیت ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو۔ (خطاب نبی کو ہے اور حکم مومنوں کو دیا گیا ہے اور طلقتم جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا)

فراء نے کہا اللہ کو معلوم تھا کہ اس کے رسول کو شک نہیں ہے لیکن عرب کے محاورہ کے مطابق طرز کلام اختیار کیا گیا بعض لوگ اپنے غلام سے کہتے ہیں اگر تو میرا غلام ہے تو میرے حکم کی تعمیل کر۔ اگر تو میرا لڑکا ہے تو یہ کام کر (ظاہر ہے کہ حکم دینے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو اپنے غلام ہونے میں اور بیٹے کو بیٹا ہونے میں کوئی شک نہیں ہوتا پھر بھی اگر کا لفظ بولتا ہے مگر یہ لفظ شبہ نہیں ہوتا۔

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ بے شک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آپہنچی یعنی جو کچھ ہم نے آپ کی طرف اتارا وہ حق ہے ناقابل شک۔ روشن دلائل اور قطعی آیات سے اس کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا ثابت ہے اس میں کسی کی گنجائش نہیں۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ پس آپ شک میں پڑ جانے والوں میں نہ ہو جائیں کہ جو یقین آپ کو حاصل ہے اس میں تذبذب پیدا کر لیں اور تردد میں پڑ جائیں۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اور نہ آپ ان لوگوں میں سے ہو جائیں جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی ورنہ آپ تباہ ہو جانے والوں (کی جماعت میں) سے ہو جائیں گے۔

اس آیت میں بھی گزشتہ آیت کی طرح یا شک کرنے والوں کو خطاب ہے یا رسول اللہ ﷺ کو مگر مراد دوسرے لوگ

ہیں یا رسول اللہ ﷺ کو ہی خطاب ہے مگر وجہ خطاب بالفرض ہے یعنی بالفرض اگر تکذیب آیات کریں گے تو خاسرین میں سے ہو جائیں گے یا خطاب کا مقصود ہے رسول اللہ ﷺ کو مزید ثبات کا حکم دینا کہ آپ یقین پر جمے رہیں جیسے دوسری آیت میں آیا ہے فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ (یعنی کافروں کا مددگار بننے پر آپ جمے رہیں)

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ بے شک جن لوگوں کے لئے آپ کے رب کا حکم (فیصلہ ازلی) طے ہو چکا (کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے وہ) ایمان نہیں لائیں گے۔

حَقَّتْ واجب ہو گیا کلمہ رب سے مراد ہے ازلی فیصلہ کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مالک، ترمذی اور ابو داؤد نے مسلم بن یسار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب سے آیت وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ کا معنی دریافت ہو گیا آپ نے جواب دیا میں نے خود سنا کہ جب اس آیت کا (مراوی اور تشریحی) معنی رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیر کر ان کی کچھ نسل باہر نکالی اور فرمایا ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا اور یہ جنت والوں ہی کے کام کریں گے پھر پشت پر ہاتھ پھیر کر کچھ نسل برآمد کی اور فرمایا ان کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا اور یہ دوزخیوں ہی کے کام کریں گے۔ امام احمد بوساطت ابو نضرہ حضرت ابو عبداللہ صحابی کا بیان نقل کیا ہے ابو عبداللہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ نے اپنے دائیں ہاتھ کی ایک مٹھی لی اور دوسرے ہاتھ کی دوسری مٹھی (اول کے متعلق فرمایا) یہ اس کے لئے ہیں یعنی جنت کے لئے اور یہ اس کے لئے ہیں یعنی دوزخ کے لئے اور مجھے (کسی کی) پروا نہیں۔

ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ناقابل شکست ہے۔

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ اگرچہ آجائے ان کے پاس ہر نشانی۔ جو صداقت پر دلالت کر رہی ہو اور ایمان کے مقتضی ہو۔ کیونکہ ایمان کا اصلی سبب تو اللہ کا ارادہ ہے اور مشیت ایمان نہیں تو پھر ایمان کیسے لا سکتے ہیں۔

حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ جب تک کہ دردناک عذاب (آنکھوں سے) نہ دیکھ لیں گے یعنی مرنے کے وقت غرغرہ کی حالت میں یا مرنے کے بعد قبروں میں یا قیامت کے دن دوزخ میں اور یہ اوقات ایسے ہیں کہ ان میں ایمان لانا فرعون کے لئے سودمند نہ ہوا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ قوم یونس کے علاوہ کوئی اور ایسی بستی کیوں نہیں ہوئی کہ (مشاہدہ عذاب کے بعد) وہ ایمان لائی ہو اور ایمان اس کے لئے مفید ہوا ہو۔ قریہ سے مراد ہیں قریہ والے یعنی ان بستیوں والے جن کو اللہ نے (تکذیب رسول کی سزا میں) تباہ کر دیا۔ آمَنَتْ یعنی عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لے آئی ہو اور فرعون کی طرح وقت موت پر ایمان کو نہ ٹالا ہو۔ ایمان کے مفید ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ نے ان کا ایمان قبول کر لیا ہو (اور آیا ہوا عذاب ٹال دیا ہو)

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اپنے بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ نہ لگنے لگے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ ابن حبان والحاکم والبیہقی۔

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ یقیناً اپنے بندہ کی مغفرت کر دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پردہ کیا۔ فرمایا شرک کی حالت میں مرنا۔ رواہ احمد والبیہقی فی کتاب البعث والنشور۔

لَوْلَا حرف تحضیض (ابھارنا برانگیختہ کرنا) ہے۔ اسکے اندر نفی کا معنی ہے اس لئے إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ استثناء متصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قوم یونس مستثنیٰ ہے وہ عذاب (دنیوی) کا مشاہدہ کرنے کے وقت ایمان لائی اور اس کو اس ایمان نے فائدہ پہنچایا (اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی) آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو گئی (لیکن قوم یونس غرغرہ کی حالت سے پہلے اور عذاب آخرت کے معائنہ سے قبل ایمان لائی تھی)

لَمَّآ اٰمَنُوْا جب وہ ایمان لے آئے یعنی اختیار کی حالت میں جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کے ایمان کو قبول کر لیا۔ ابن مردویہ نے حضرت عائشہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اس آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جب وہ ایمان لے آئے تو انہوں نے دعا کی۔

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور ہم نے دنیوی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے دور کر دیا۔

وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ اور ایک (معین مقرر) وقت تک (دنیا میں) ان کو بہرہ اندوز کر دیا۔ مقررہ وقت سے مراد ہے وقت موت جس کا علم اللہ کو تھا بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بستی ایسی نہیں ہوئی کہ عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ایمان لائی ہو اور اس حالت میں اس کے ایمان نے اس کو فائدہ پہنچایا ہو سوائے قوم یونس کے۔ ان کو ایسے وقت میں ایمان لانے سے بھی فائدہ ہوا۔

اس جگہ علماء کے دو قول ہیں ایک فریق کا قول ہے کہ قوم یونسؑ نے عذاب کو آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا تھا اور اس کے بعد ایمان لائے تھے دوسرا فریق قائل ہے کہ عذاب کی علامت دیکھی تھی عذاب نہیں دیکھا تھا۔ اول قول اکثر اہل علم کا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ اور عذاب کو دور کرنا وقوع کے بعد ہی ہوتا ہے۔

بغوی کے اس کلام کا مفاد یہ ہے کہ دنیوی عذاب آجانے کی حالت (جس کو بغوی نے حالت یأس کہا ہے) میں کسی کا ایمان قابل قبول نہیں۔ حالت یأس میں ایمان صرف قوم یونس کا قبول کیا گیا اس کے علاوہ کسی کا قبول نہیں کیا گیا۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں عذاب الیم سے وہ اخروی عذاب مراد ہے جو مرنے کے وقت ملائکہ موت کی شکل میں مردہ کے سامنے آجاتا ہے اس عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان لانا قابل قبول نہیں (دنیوی عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا قابل قبول ہے) دیکھو بدر کے دن کافروں پر قتل و قید کی شکل میں دنیوی عذاب آیا اور اس جنگ سے جو کفار بچ گئے اور بعد کو ایمان لے آئے تو ان کا ایمان قبول بھی کیا گیا۔ قوم یونس کا بھی یہی حال ہوا آخرت کے عذاب کو دیکھنے سے پہلے وہ لوگ ایمان لے آئے باوجودیکہ دنیوی عذاب انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اور دیکھنے کے بعد ایمان لائے تھے پھر بھی ان کا ایمان مقبول ہوا اور دنیوی زندگی میں رسوائی کا عذاب اللہ نے ان سے دور کر دیا۔

رہا فرعون کے ایمان کا قبول نہ ہونا اس کی وجہ یا یہ تھی کہ وہ مرنے کے وقت غرغرہ کی حالت میں ایمان لایا تھا۔ جو نا قابل قبول ہے یا یہ سبب تھا کہ زبان سے اس نے اگرچہ ایمان کا اظہار کیا تھا مگر (اللہ کو معلوم تھا کہ وہ) دل سے ایمان نہیں لایا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ نے اس کے لئے بددعا کی تھی اور آپ کی بددعا قبول ہوئی تھی اس لئے فرعون دل سے ایمان لانے والا ہی نہ تھا فرعون اور اس کی قوم کی عادت ہی ہو گئی تھی کہ جب ان پر کوئی عذاب پڑ جاتا تھا تو کہتے تھے موسیٰ! اپنے رب سے اس عذاب کو ٹال دینے کی دعا کر دو۔ اگر عذاب تم نے دور کرا دیا تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت دے دیں گے لیکن جب اللہ عذاب کو ایک مدت مقررہ کے لئے دور کر دیتا تھا تو وہ عہد توڑ دیتے تھے اور وعدہ کے خلاف کرتے تھے پس ممکن ہے کہ آخری مرتبہ بھی فرعون دل سے ایمان نہ لایا ہو صرف زبان سے اقرار کر لیا ہو۔

غرغرہ کی حالت میں ایمان قبول ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ سورۂ نساء کی آیت اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔

...... حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ ......

بغوی نے حضرت ابن مسعود اور سعید بن جبیر اور وہب بن منبہ کی روایت سے حسب ذیل بیان کیا ہے۔

قوم یونس نینوا علاقہ موصل کی رہنے والی تھی اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت یونسؑ کو مامور فرمایا حضرت یونسؑ نے

ان کو ایمان کی دعوت دی انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اللہ کی طرف سے حضرت یونسؑ کو حکم دیا گیا ان سے کہہ دو کہ تین روز تک صبح کے وقت ان پر عذاب آئے گا۔ حضرت یونسؑ نے اطلاع دے دی قوم والوں نے کہا تجربہ سے ثابت ہے کہ یہ شخص کبھی جھوٹ نہیں بولا اس لئے انتظار کرو اور دیکھو اگر یہ آج رات تمہارے ساتھ رہے تو سمجھ لو صبح کو کچھ نہیں ہوگا اور اگر رات کو تمہارے ساتھ نہ رہے تو سمجھ لو کہ صبح کو عذاب ضرور آئے گا وسط شب میں حضرت یونسؑ قوم کے پاس سے باہر چلے گئے صبح ہوئی تو لوگوں کے سروں سے ایک میل اوپر عذاب آگیا وہب کا بیان ہے عذاب ایک سیاہ گھٹا کی شکل میں سخت دھواں اڑاتا آگیا پھر نیچے اتر کر شہر پر چھا گیا جس سے گھروں کی چھتیں کالی ہو گئیں یہ دیکھ کر لوگوں کو ہلاک ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ حضرت یونسؑ کو تلاش کیا تو ان کا کہیں پتہ نہ چلا آخر اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کرنے کا خیال ڈال دیا اور بڑے، بچے، عورت، مرد اور چوپائے سب شہر کے باہر میدان میں جمع ہو گئے سبھوں نے کمبل کا (فقیرانہ) لباس پہن لیا اور لگے توبہ کرنے اور صحیح نیت کے ساتھ ایمان کا اظہار کرنے ہر ماں کو بچے سے علیحدہ کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ چوپایوں کے بچے بھی ماؤں سے جدا کر دیئے گئے تھے اس علیحدگی کی وجہ سے آدمیوں اور جانوروں کے بچوں نے چیخنا شروع کر دیا مائیں بھی (جذبہ محبت کے زیر اثر) چیخنے لگیں (ایک کہرام مچ گیا) بے تابی سے سب چیخ پڑے اور اللہ کے سامنے گڑگڑائے آخر اللہ نے رحم فرمایا دعا قبول فرمائی چھایا ہوا عذاب دور کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰ محرم کا تھا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر اور ابو الشیخ نے قتادہ کا بیان نقل کیا، قتادہ نے کہا ہم سے کہا گیا ہے کہ قوم یونس مقام نینوی علاقہ موصل میں رہتی تھی اس بیان میں اتنا زائد ہے کہ جب اللہ نے انکے دلوں کی سچائی مشاہدہ فرمائی اور توبہ و ندامت جان لی تو عذاب دور کر دیا حالانکہ عذاب ان کے سروں پر لٹک آیا تھا۔ صرف ایک میل کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت علی کا بیان نقل کیا ہے کہ قوم یونسؑ کی توبہ عاشورہ کے دن قبول ہوئی تھی۔ حضرت یونسؑ قوم کی بستی سے باہر چلے گئے اور عذاب نازل ہونے اور قوم کے ہلاک ہونے کا انتظار کرتے رہے لیکن آپ نے عذاب آتا نہ دیکھا (اس زمانہ کا قومی ضابطہ تھا کہ) اگر کوئی شخص بلا ثبوت جھوٹ بولتا تھا تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا حضرت یونسؑ نے کہا میں نے قوم سے جھوٹی بات کہی (یعنی میرا جھوٹ ثابت ہو گیا) اب کیسے ان کے پاس لوٹ کر جا سکتا ہوں۔ یہ خیال کر کے قوم سے ناراض اور اپنے رب سے کشیدہ ہو کر چل دیئے۔ دریا پر پہنچے تو کچھ لوگ کشتی میں سوار ہو رہے تھے لوگوں نے پہچان لیا اور بلا کرایہ سوار کر لیا۔ کشتی جب آپ کو لے کر بیچ سمندر میں پہنچی تو رک گئی نہ آگے بڑھ سکتی تھی نہ پیچھے ہٹتی تھی کشتی والوں نے کہا اس کے اڑ جانے کی کوئی خاص وجہ ہے۔ یونسؑ نے کہا مجھے اس کی وجہ معلوم ہے اس میں کوئی بڑا گناہ گار سوار ہے لوگوں نے کہا وہ کون ہے۔ یونسؑ نے کہا میں ہوں مجھے دریا میں پھینک دو۔ لوگوں نے کہا جب تک ہمارے نزدیک کوئی خاص وجہ نہ ہو ہم تو آپ کو پھینکنے والے نہیں۔ آخر قرعہ اندازی کی اور تین بار حضرت یونسؑ ہی کا نام قرعہ میں نکلا حضرت نے فرمایا تو تم مجھے پانی میں پھینک دو ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے مجبوراً کشتی والوں نے آپ کو پھینک دیا پھینکتے ہی کشتی روانہ ہو گئی کشتی کے نچلے حصہ کے پاس ایک مچھلی منہ کھولے اللہ کے حکم کی منتظر تھی جونہی یونسؑ پانی میں گرے مچھلی نے اپنے منہ میں لے لیا۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے ایک بڑی مچھلی کو حکم دیا اس نے کشتی کی طرف رخ کیا کشتی والوں نے جو اس کو منہ کھولے ہوئے کشتی کی طرف رخ کئے ہوئے دیکھا جو بڑے پہاڑ جیسی تھی تو انہوں نے محسوس کیا کہ وہ کشتی کے اندر کسی کی جستجو کر رہی ہے حضرت یونسؑ نے یہ دیکھتے ہی پانی میں چھلانگ لگا دی (اور مچھلی نے ان کو پکڑ لیا)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور بحر روم پر پہنچے وہاں ایک کشتی مسافروں سے بھری کھڑی تھی آپ اس میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی روانہ ہو کر وسط میں پہنچی تو رک کر کھڑی ہو گئی قریب تھا کہ سب لوگ ڈوب جائیں۔ ملاح بولے ہماری کشتی میں کوئی گناہ گار آدمی یا بھاگا ہوا غلام سوار ہو گیا ہے جس کی وجہ سے کشتی اڑ گئی ہے ہمارا طریقہ ہے کہ ایسے موقع پر ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام پر قرعہ نکل آتا ہے اس کو سمندر میں پھینک دیتے

ہیں (کشتی چل نکلتی ہے) ایک آدمی کو ڈبو دینا تو پوری کشتی کے مع سواریوں کے ڈوب جانے سے بہتر ہوتا ہے چنانچہ لوگوں نے تین بار قرعہ ڈالا ہر بار یونسؑ کا نام پر نکلا یونسؑ فوراً کھڑے ہوئے اور بولے میں ہی گناہ گار آدمی اور بھاگا ہوا غلام ہوں اس کے بعد آپ نے خود اپنے کو پانی میں پھینک دیا فوراً ایک مچھلی نے نگل لیا پھر اس مچھلی سے بڑی مچھلی نے آکر اس مچھلی کو نگل لیا۔ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونسؑ کو بال برابر تکلیف نہ ہونے پائے۔ میں نے تیرے پیٹ کو اس کے لئے قید خانہ بنایا ہے اس کو تیری غذا نہیں بنایا۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں آیا ہے کہ مچھلی کو ندا دی گئی کہ ہم نے یونسؑ کو تیری روزی نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کی حفاظت کا مقام اور عبادت خانہ بنایا ہے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ قرعہ ڈالنے سے پہلے ہی حضرت یونسؑ کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں ہی گناہ گار بھاگا ہوا غلام ہوں۔ کشتی والوں نے پوچھا تم کون ہو فرمایا یونسؑ بن متی لوگ پہچان گئے اور بولے اے اللہ کے رسول ہم آپ کو نہیں پھینکیں گے بلکہ قرعہ اندازی کریں گے قرعہ اندازی کی گئی اور حضرت کے نام کا قرعہ نکل آیا اور آپ نے خود اپنے آپ کو پانی میں پھینک دیا حضرت ابن مسعود نے فرمایا جس مچھلی نے آپ کو نگلا تھا وہ آپ کو ساتویں زمین کی گہرائی میں لے گئی اور چالیس رات تک آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے وہاں آپ نے سنگریزوں کے تسبیح کرنے کی آواز سنی تو تاریکیوں میں ہی پکار اٹھے لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بحکم خداوندی مچھلی نے لا کر آپ کو سمندر کے کنارے پھینک دیا اس وقت آپ کی ہیئت ایسی تھی جیسے پر و بال نوچا ہوا چوزہ۔ اللہ نے فوراً کدو کا درخت پیدا کر دیا جس کے سایہ میں آپ نے آرام کیا اور پہاڑی بکری یا پاڑی کو مامور کر دیا آپ اس کا دودھ پیتے رہے جب درخت سوکھ گیا تو آپ درخت پر رو دیئے اللہ نے وحی بھیجی تو ایک درخت کے خشک ہو جانے پر رو دیا اور ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں پر نہیں رویا اور ان کو ہلاک کروا دینا چاہا یہاں سے حضرت یونسؑ چل دیئے اور ایک غلام سے ملاقات ہوئی جو جانور چرا رہا تھا اس سے پوچھا غلام تو کون ہے۔ اس نے کہا یونسؑ کی قوم کا ہوں۔ حضرت نے فرمایا جب تو اپنی قوم والوں سے جا کر ملے تو ان سے کہہ دینا کہ میری ملاقات یونسؑ سے ہوئی تھی۔ غلام نے کہا آپ واقف ہیں کہ اگر میرے پاس گواہ نہ ہوں گے تو (مجھے جھوٹی اطلاع دینے پر) قتل کر دیا جائے گا حضرت یونسؑ نے فرمایا یہ زمین کا ٹکڑا اور یہ درخت تیری گواہی دے گا غلام نے کہا تو شہادت دینے کا ان کو حکم دے دیجئے۔ حضرت نے فرمایا جب یہ غلام تمہارے پاس آئے تو تم دونوں اس کی گواہی دینا۔ زمین اور درخت نے کہا بہت اچھا اس غلام نے جا کر اپنے بادشاہ کو اطلاع دے دی کہ یونسؑ سے میری ملاقات ہوئی تھی بادشاہ نے غلام کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا غلام نے کہا میرے پاس (اس بات کی سچائی کے) گواہ ہیں میرے ساتھ کسی کو بھیجو غرض غلام لوگوں کو ساتھ لے کر اس جگہ اور درخت کے پاس پہنچا اور کہا میں تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یونسؑ نے تم دونوں کو گواہ بنایا تھا دونوں نے کہا ہاں۔ یہ سنتے ہی لوگ خوفزدہ ہو کر لوٹ آئے اور بادشاہ سے آکر کہہ دیا کہ درخت اور زمین نے اس غلام کی گواہی دی۔ بادشاہ نے غلام کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنی جگہ بٹھا دیا اور کہا تو اس جگہ کا مجھ سے زیادہ حقدار ہے غلام نے ان لوگوں کا انتظام چالیس سال تک کیا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اور (اے محمد ﷺ) اگر آپ کے رب کو منظور ہوتا تو زمین پر رہنے والے سب کے سب ایمان لے آتے کوئی بغیر ایمان لائے نہ بچتا اور کوئی ایمان سے اختلاف نہ کرتا۔ سب ایمان پر متفق ہو جاتے۔

فرقہ قدریہ قائل ہے کہ اللہ تو سب لوگوں کا مومن ہو جانا چاہتا ہے لیکن لوگ خود اپنے اختیار سے ایمان لانا نہیں چاہتے (اس فرقے کے نزدیک مشیت اور رضا میں فرق نہیں ہے، چاہنے کا معنی ہے پسند کرنا اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ کو ایمان تو سب کا پسند ہے مگر مشیت نہیں کہ سب مومن ہو جائیں۔ رضا الٰہی سے تخلف تو ہو سکتا ہے مگر مشیت سے تخلف نہیں ہو سکتا۔ قدریہ کے نزدیک جو رضا ہے وہی رضا مشیت عام ہے مشیت بھی عام ہے رضا کے خلاف ہونا ممکن ہے اور ہوتا ہے مشیت کے خلاف بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے) آیت بتا رہی ہے کہ اللہ نے سب لوگوں کو مومن بنانا چاہا ہی نہیں۔ اگر اس کی مشیت ہوتی تو سب مومن ہوتے رہا سب کا مومن ہو جانا اس کو پسند ہے قدریہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ آیت میں مشیت سے مراد ہے مجبور کن مشیت الٰہی کے خلاف ہونا ممکن نہیں یعنی اللہ کی مجبور کن مشیت نہیں ہوئی کہ سب مومن ہو جائیں یہ تکرار اور شرط خلاف ظاہر ہے۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ (اے محمد ﷺ) کیا آپ ﷺ لوگوں کو۔ اللہ کی مشیت نہ ہونے کے باوجود مجبور کر دیں گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔ استفہام انکاری اور انت ضمیر کا تکرہ فعل سے پہلے لانا دلالت کر رہا ہے اس امر پر کہ اللہ نہ چاہے تو کسی چیز کا وجود ناممکن ہے جبر کر کے بھی اس کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ترغیب دے کر حاصل کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ خواہش مند تھے کہ سب لوگ مومن ہو جائیں (حالانکہ آپ کا کام ترغیب دینا تھا جبر کرنے کا تو اختیار ہی نہ تھا اور جو کام جبر سے بھی پورا نہ ہو سکے وہ محض ترغیب سے کیسے پورا ہو سکتا ہے) پس اللہ نے جتا دیا کہ جس کے نصیب میں سعادت ہو گی وہی ایمان لائے گا اور جو اللہ کے علم میں شقی ہے وہ ایمان نہیں لا سکتا۔ آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے گویا اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسکین ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ کسی شخص میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ کے ارادہ و توفیق کے بغیر ایمان لا سکے۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اور اللہ گندگی ان لوگوں پر ڈالتا ہے جو سمجھتے نہیں۔ رجس سے مراد ہے عذاب یا اللہ کی مدد سے محرومی کیونکہ یہ محرومی ہی عذاب کا سبب ہے۔ نہ سمجھنے سے مراد ہے حق و باطل میں تمیز نہ کرنا یعنی کافروں کے دلوں پر چونکہ مہر لگی ہوئی ہے اور اللہ نہیں چاہتا کہ وہ حق و باطل میں امتیاز کر سکیں اس لئے ان کو حق کا باطل سے امتیاز نہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے۔ کہ دیکھو غور کرو سوچو۔ آسمانوں اور زمین میں کیسی عجیب نشانیاں ہیں۔ چاند، سورج، ستارے، ان کی بناوٹ، مربوط رفتار، پہاڑ ان کی استقامت، سمندر، دریا، درخت اور کائنات نباتی و حیوانی، ان تمام چیزوں کے اندر ایک صانع و قادر و دانا و یگانہ کی قدرت و صنعت جھلک رہی ہے اس کی ذات کی عظمت اور صفات کے کمال کا ان سے ظہور ہو رہا ہے۔

وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ جو قوم (اللہ کے علم میں اور اس کی مشیت میں) ایمان لانے والی نہیں اس کو (علم و یقین پیدا کرنے والی) نشانیوں اور ڈرانے والے (پیغمبروں اور عبرتوں) سے کیا فائدہ۔

مَا تُغْنِى میں لفظ مَا نافیہ ہے (کوئی فائدہ نہیں) یا استفہام انکاری کے لئے (کیا فائدہ)

اَلنُّذُرُ جمع۔ نذیر۔ ڈرانے والے اس سے مراد ہیں اللہ کے پیغمبر (جو اللہ کی نافرمانی کی سزا سے ڈراتے ہیں) اور دوسری عبرت آفریں چیزیں جیسے بڑھاپا (جو فنا اور موت کا نشان ہے) اور ساتھیوں کی موت (جو انسان کے لئے اپنی موت کا یقین دلانے اور ڈرانے کے لئے کافی ہے) چونکہ ایمان محض عطیہ خداوندی ہے (اس کی مشیت پر اس کا حصول موقوف ہے) اس لئے فرمایا کہ جو ایمان لانے والے نہیں یعنی اللہ کی مشیت و علم میں ان کا مؤمن ہونا مقدر نہیں وہ کسی نشانی کو دیکھ کر اور ڈراوا سن کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ پس وہ (یعنی مکہ کے مشرک) انتظار نہیں کر رہے ہیں مگر انہی جیسے واقعات و مصائب کا جو ان سے پہلے گزرے ہوئے کافروں کے ہوئے ہیں۔ قتادہ نے کہا یعنی اس جیسے عذاب الٰہی کا جو قوم نوح اور عاد اور ثمود پر آیا تھا۔ عربی محاورہ میں ایام کے لفظ سے عذاب بھی مراد لیا جاتا ہے اور انعامات بھی اللہ نے فرمایا وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ گویا انسانوں پر جو بھلائی یا تباہی آئی ہے سب کو ایام کہا جاتا ہے۔

قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ (اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ تم (میری ہلاکت کے منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ (تمہاری ہلاکت کا) انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پھر ہم (کافروں اور منکروں کو ہلاک کر دیتے ہیں اور) اپنے پیغمبروں اور ان کے ماننے والوں کو بچا لیتے ہیں یہ حال گزشتہ کا بیان ہے (یعنی گزشتہ زمانہ میں ہم نے ایسا کیا تھا اور یہی ہمارا دستور تھا)

ع ۱۰ ۱۵

كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ اسی طرح (یعنی گزشتہ پیغمبروں کی طرح) ہم بچالیں گے مومنوں کو ہمارا لیہ وجوبی وعدہ ہے مطلب یہ کہ جیسے گزشتہ پیغمبروں اور مومنوں کو ہم نے بچایا اسی طرح نزول عذاب کے وقت ہم محمد ﷺ کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیں گے اور یہ بچالینا (حسب وعدہ) ہم پر واجب ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ آپ کہہ دیجئے اے لوگو! (یعنی اے اہل مکہ) اگر تم میرے دین (کی صحت) میں شک کرتے ہو اہل مکہ کی نظر میں نبوت بہت ہی بعید از فہم چیز تھی لیکن آیات کو دیکھ کر ماننے پر مجبور تھے پر پیدائشی بدبختی کی وجہ سے شک و تردد میں پڑے ہوئے تھے (گویا آیات کو دیکھ کر ماننے پر مجبور تھے اور فطری شقاوت ان کے دلوں میں اطمینان پیدا نہیں ہونے دیتی تھی)

فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ پس میں ان (پتھروں کے بتوں) کی پوجا نہیں کرتا جن کی پوجا تم لوگ اللہ کے سوا کرتے ہو۔

وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ بلکہ اس اللہ کی پوجا کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرتا ہے۔

یعنی جو تم کو زندگی عطا کرتا ہے پھر موت دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے اور جسطرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ (اگرچہ تخلیق موت وحیات دونوں مراد ہیں لیکن) صرف وفات کا ذکر تہدید پیدا کرنے کے لئے فرمایا۔ فَلَاۤ اَعْبُدُ اِنْ كُنْتُمْ کی جزا نہیں ہے بلکہ جزا کے قائم مقام ہے سبب کو مسبب کی جگہ قائم کیا ہے کلام کا مقتضی یہ ہے کہ اگر تم کو میرے دین کی صحت میں شک ہے تو میرے دین پر غور و فکر کر کے اس شک کو دور کر دو دیکھو میں ان پتھروں کو نہیں پوجتا جن کے قبضہ میں نہ نفع ہے نہ ضرر بلکہ اس خدا کو پوجتا ہوں جو خالق قدرت والا اور نفع و ضرر کا مختار ہے۔

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ایمان والوں میں سے ہوں (ایماندار ہوں) یعنی عقلی دلائل اور آسمانی کتابوں کا حکم ہے کہ میں ایماندار رہوں اور مومن رہوں۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اور یہ بھی حکم ہوا کہ اس دین (توحید خالص) کی طرف اپنا رخ رکھنا ہر دین سے کٹ کر اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی مجھے ایمان پر رہنے دینی استقامت رکھنے اور تن دہی کے ساتھ فرائض ادا کرنے اور برائیوں سے باز رہنے کا بھی حکم دیا گیا ہے (گویا اقامت للدین سے مراد ہے تمام فرائض کی ادائیگی اور ممنوعات سے پرہیز) یا اقامت وجہ سے مراد ہے نماز کو قبلہ رخ ہو کر ادا کرنا۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ اور نہ عبادت کرنا اللہ کے علاوہ ایسی چیزوں کی جو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتیں (اگر تو ان کی پوجا کرے) اور نہ تجھے ضرر پہنچا سکتی ہیں (اگر تو ان کی پوجا چھوڑ دے) [1] یہ جملہ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ پر معطوف ہے اور اس کی تشریح ہے۔

یہ حقیقت ہے اور عقلی و نقلی شہادت سے اس کی تائید ہو رہی ہے کہ انصاف کی نظر سے اگر اس دین اسلام کو دیکھا جائے اور غور و تامل سے کام لیا جائے تو دین کی صحت ثابت ہو جاتی ہے اور دین کے خلاف ہر شک و شبہ خود دور ہو جاتا ہے۔

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ اور اگر (بالفرض) تو نے ایسا کیا تو بلاشک ایسی حالت میں تو (اللہ کی) حق تلفی کرنے والوں میں سے ہو جائے گا یعنی اگر تو ایسی چیز کی عبادت کرے گا جو فائدہ بخش بھی نہیں اور ضرر رساں بھی نہیں تو یقیناً ایسی حالت میں تو بیجا حرکت کرنے والا (ظالم) ہوگا کہ اپنی عبادت کا محور ایسی ہستی کو بنائے گا جو محل عبادت نہیں۔

[1] یعنی اللہ کے سوا کسی مخلوق کی عبادت نہ کر، پکارنے سے مراد ہے عبادت کرنا۔ کیونکہ کوئی مخلوق نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتی۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ
اور اگر اللہ تجھ کو کوئی دکھ چھوا (بھی) دے تو اس کو دور کرنے والا سوائے اس کے اور کوئی نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی لوٹانے والا نہیں۔

مس سے مراد ہے پہنچانا ضر بیماری یا تنگی یا مصیبت فَلَا كَاشِفَ اس کو دفع کرنے والا کوئی نہیں (کشف کھولنا مراد دفع کرنا) خیر دنیا اور آخرت کی بھلائی دکھ ہو یا سکھ سب اللہ کے ارادہ سے ہی ہوتا ہے لیکن اس جگہ مَسّ ضر کے ساتھ لفظ مس اور خیر کے ساتھ ارادہ کا لفظ استعمال کرنے سے غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا اصل مقصد خیر پہنچانا ہوتا ہے اور دکھ پہنچانا مقصد اول نہیں ہوتا لِفَضْلِهٖ کے لفظ میں بجائے سادہ ضمیر کے لفظ فضل کا اضافہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ جو خیر عطا فرماتا ہے وہ اپنی مہربانی سے عطا فرماتا ہے کسی کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔

یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وہ دکھ سکھ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور وہ ہی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔ یعنی خیر ہو یا شر سب کچھ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ طاعت کے ساتھ خیر کے طلب گار بنو مگر طاعت پر اعتماد نہ کر بیٹھو اور مغفرت سے ناامید بھی نہ ہو۔ بلکہ عذاب کا خوف رکھو (اور رحمت کی امید) ابو نعیم نے حضرت علی کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے اسرائیلی انبیاء میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو طاعت گذار لوگ ہوں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔ قیامت کے دن حساب کے لئے جب میں بندوں کو کھڑا کروں گا تو جس کو عذاب دینا چاہوں گا (اس کی حساب فہمی خوردہ گیری کے ساتھ کروں گا اور) اس کو عذاب دوں گا اور اپنی امت کے گناہ گاروں سے کہہ دو کہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو (یعنی ناامید نہ ہو) اگر میں چاہوں گا تو بڑے بڑے گناہ معاف کر دوں گا اور مجھے پروا بھی نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا آیات نازل فرما کر اللہ نے اپنے سوا دوسرے دل سے ڈرنے یا امید رکھنے کا راستہ ہی بند کر دیا۔

اللہ غفور اور رحیم ہے یعنی اس کی رحمت غضب پر غالب ہے۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے صحیح واقعی علم آ گیا۔ الحق سے مراد ہی صحیح علم یعنی اللہ کی توحید و صفات اور مبداء معاد کے احوال قرآن میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی زبانی بتا دیئے اب کسی کے لئے جہالت کا عذر باقی نہیں رہا یا حق سے مراد ہے وہ (قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ کی رسالت) جس کا اثبات اعجاز کے ذریعہ سے کر دیا گیا اور کسی کو کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

فَمَنِ اهْتَدٰی اب جو بھی ہدایت یاب ہو یعنی اس علم پر ایمان رکھے اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلے۔

فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وہ تو اپنے فائدہ کے لئے ہدایت یاب ہوگا (یعنی خود اس کا فائدہ ہوگا)

وَمَنْ ضَلَّ اور جو (راہ حق سے) بھٹک جائے گا انکار کرے گا۔

فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ تو گمراہی کا ضرر اسی کے نفس پر پڑے گا۔

وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ۝ اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ تمہارے امر کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے کہ تمہاری گمراہی کا مواخذہ مجھ سے ہو۔

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ اور چلو اس پر جو وحی کے ذریعہ تمہارے پاس بھیجا جاتا ہے یعنی اوامر و نواہی کی پابندی کرو۔

وَاصْبِرْ اور صبر کرو یعنی طاعت پر اور دشمنوں کی طرف سے ایذا رسانی پر۔

حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ یہاں تک کہ اللہ (قتال کا اور کافروں پر جزیہ مقرر کرنے کا) حکم دے دے۔

وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ اور وہی سب سے اچھا حاکم ہے اس کے حکم میں غلطی نہیں ہو سکتی وہ ظاہر و باطن ہر

چیز کو ہر طور پر جانتا ہے۔

وَالحمدُ للہِ رَبِّ العٰلَمِین وَصَلَّی اللہُ عَلٰی خَیرِ خَلقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِین

سورۂ یونس کی تفسیر بحمد اللہ رمضان ۱۲۰۱ھ ہجری میں ختم ہوئی ۶ر شوال ۱۲۰۱ھ (نوٹ) شاید حضرت ماہ رمضان میں تفسیر سے فارغ ہوئے اور شوال میں یہ تاریخ لکھی۔

عورتوں اور بچوں کے لئے بہترین اسلامی کتابیں

اسوۂ رسول اکرم ﷺ	حدیث کی مستند کتب سے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق جامع ہدایات ۔	ڈاکٹر عبدالحئی
اسوۂ صحابیات اور سیر الصحابیات	صحابی خواتین کے حالات	مولانا عبدالسلام ندوی
تاریخ اسلام کامل	سوال وجواب کی صورت میں مکمل سیرت طیبہ	مولانا محمد میاں
تعلیم الاسلام	(اردو) سوال وجواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام	مفتی محمد کفایت اللہ
تعلیم الاسلام	(انگریزی) سوال وجواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام بزبان انگریزی	" "
رسول عربی ﷺ	آسان زبان میں سیرت رسول اکرم اور نعتیں	
رحمت عالم ﷺ	آسان زبان میں مستند سیرت طیبہ	مولانا سید سلیمان ندوی
بیماریوں کا گھریلو علاج	ہر قسم کی بیماریوں کے گھریلو علاج و نسخے	طبیبہ ام الفضل
اسلام کا نظام عفت وعصمت	اپنے موضوع پر محققانہ کتاب	مولانا ظفیر الدین
آداب زندگی	چار چھوٹی کتابوں کا مجموعہ حقوق ومعاشرت پر	مولانا اشرف علی
بہشتی زیور	(کامل گیارہ حصے) احکام اسلام اور گھریلو امور کی جامع مشہور کتاب	" "
بہشتی زیور	(انگریزی ترجمہ) احکام اسلام اور گھریلو امور کی جامع کتاب بزبان انگریزی	"
تحفۃ العروس	صنف نازک کے موضوع پر اردو زبان میں پہلی جامع کتاب	محمود مہدی
آسان نماز	نماز مکمل، بخشش کیلئے اور چالیس مسنون دعائیں۔	مولانا محمد عاشق الہٰی
شرعی پردہ	پردہ اور حجاب پر عمدہ کتاب	" "
مسلم خواتین کیلئے بیس سبق	عورتوں کے لئے تعلیم اسلام	" "
مسلمان بیوی	مرد کے حقوق عورت پر	مولانا محمد ادریس انصاری
مسلمان خاوند	عورت کے حقوق مرد پر	"
میاں بیوی کے حقوق	عورتوں کے وہ حقوق جو مرد ادا نہیں کرتے	مفتی عبدالغنی
نیک بیبیاں	چار مشہور صحابی خواتین کے حالات	مولانا اصغر حسین
خواتین کیلئے شرعی احکام	عورتوں سے متعلق جملہ مسائل اور حقوق	ڈاکٹر عبدالحئی عارفی
تنبیہ الغافلین	چھوٹی چھوٹی نصیحتیں حکیمانہ اقوال اور صحابہؓ اور اولیاء اللہ کے حالات	فقیہ ابواللیث سمرقندی
آنحضرت کے ۳۰۰ معجزات	آنحضرت ۳۰۰ معجزات کا مستند تذکرہ	
قصص الانبیاء	انبیاء علیہ السلام کے قصوں پر مشتمل جامع کتاب	مولانا طاہر سورتی
حکایات صحابہ	صحابہ کرامؓ کی حکیمانہ حکایات اور واقعات	مولانا زکریا صاحب
گناہ بے لذت	ایسے گناہوں کی تفصیل جن سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں اور ہم مبتلا ہیں	

دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۱۳۷۶۸

فہرست کتب مفت ڈاک سے
ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں